

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر طہری

جلد چہارم

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ تفسیر

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین، بھیر شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور-کراچی-پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفسیر مظہری (جلد چہارم)	نام کتاب
حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ	تالیف
نسیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ	ترجمہ متن
الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ	مترجمین
مولانا محمد انور مگھالوی	
فضلاء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بحیرہ شریف	
ایک ہزار	تعداد
دسمبر 2002ء (رمضان المبارک 1323 ہجری)	اشاعت
1Z348	کمپیوٹر کوڈ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلسٹی کیشنز

ڈاکٹر پارڈو، لاہور۔ 7221953

9۔ انکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:- 042-7238010

14۔ انتقال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:- 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست

- ابتدائے سورت کا شان نزول، شرکاء بدر اور مال
 21 کے ساتھ ایک گروہ پر غلبے کا وعدہ فرما رکھا ہے۔
 22 گو یا کہ میں قوم کے گرنے کی جگہ کو کچھ رہا ہوں۔
 9 اس کا بیان کہ فرودہ بدر کے دن مال قیمت صرف رسول
 اللہ ﷺ کیلئے تھا پھر آیت شمس نے اس حکم کو منسوخ
 22 کیا۔
 11 رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
 حالات کے جائزہ لینے کیلئے سوار ہیں۔
 12 پھر حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا تو وہ
 13 قریش کے دو غلاموں کو پکڑ کر لے آئے اور آپ نے
 14 ان سے حالات معلوم کئے۔
 15 غزوہ بدر کا بیان۔
 16 حضور نبی کریم ﷺ کے سبب خروج کا بیان۔
 16 عاتکہ کے خواب اور خضعم بن عمرو کے مکہ چھپنے کا بیان۔
 17 قریش مکہ کے خروج، بنی کنانہ سے ان کے خوفزدہ
 ہونے اور اٹیس کا سراقد بن مالک کی صورت میں
 18 ظاہر ہونے کا بیان۔
 19 خضعم بن عمرو کے خواب کا بیان۔
 20 جہیم بن صلت کے خواب کا بیان۔
 20 رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ سے خروج کا بیان۔
 20 مدینہ طیبہ کیلئے آپ ﷺ کی دعا کا تذکرہ۔
 رسول اللہ ﷺ نے ہمس بن عمرو اور عدی بن ابی
 21 الرغباء کو ابوسفیان کے بارے سے معلومات لینے کیلئے
 بھیجا۔
 لشکر قریش کے حملے کی خبر موصول ہونے، رسول اللہ
 ﷺ کے صحابہ کرام کے ساتھ مشاورت کرنے اور
 پھر انہیں یہ بشارت دینے کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے آپ

- 42 اہلبیب کی موت کا تذکرہ۔ اور زمین مزید پختہ ہوئی۔ ان کی گھبراہٹ ختم ہو گئی اور ثابت قدم ہو گئے۔ اور پھر پانی پر قبضہ ہوا۔ پانی کا حوض بنایا اور رسول اللہ ﷺ کیلئے ایک ٹیلے پر سائبان تیار کیا۔
- 27 رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے قتل ہونے کی جگہ ہے اور پھر کوئی کافر بھی قتل ہو کر آپ ﷺ کے اشارہ کے مقام سے آگے پیچھے نہیں گرا۔
- 44 رسول اللہ ﷺ کے کفار کی نسبت بہت قلیل ہو۔ دونوں لشکروں کے ایک دوسرے کے بالقابل آنے کا بیان۔
- 46 بیان۔
- 48 اہل بدر کے فضائل کا بیان۔
- 28 اہل بدر کے فضائل کا بیان۔
- 51 بیان۔
- 58 حدیث طیبہ: ثواب تلک اللیلۃ لمن شہد۔ کفار نے موتیوں کو امید اور اطمینان کی حالت میں دیکھا تو حجب و غیرہ نے ابو جہل سے کہا کہ وہ ایسے لوگ چلو اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ابو جہل کو یہی کہا بھیجا گھر اس نے انکار کر دیا۔
- 29 حدیث طیبہ: بندۃ مؤمن کی فرست سے بچو۔
- 30 حدیث طیبہ: اپنے آپ سے فتویٰ طلب کرو۔ جنگ کا آغاز۔
- 62 اس کا بیان کرنا کائنات کا بیان۔ اس کا بیان کرنا کائنات کا بیان۔
- 66 اس کا بیان کرنا کائنات کا بیان۔
- 67 اس کا بیان کرنا کائنات کا بیان۔
- 68 اس کا بیان کرنا کائنات کا بیان۔
- 32 دارالاندوہ میں قریش کے اجتماع اور ان کے پاس شیطان کے پیش نجدی کی شکل میں آنے کا بیان اور رسول اللہ ﷺ کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا بیان۔
- 33 رسول اللہ ﷺ نے نزول ملائکہ کی بشارت دی۔
- 35 بعض ملائکہ بعض لوگوں پر ظاہر ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ جنس انیس اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتہائی شہیدہ جنگ میں جرأت مندانہ حصہ لیا۔
- 37 حالت جنگ میں اوجھ آجانا باعث راحت و سکون ہے اور حالت نماز میں یہ شیطان کی جانب سے ہوتی ہے۔ ملائکہ کے جنگ میں قتال کرنے کا بیان۔
- 39 حدیث طیبہ: سحر زمین پر کوئی کچا پکا گھر نہیں ہوگا مگر اللہ تعالیٰ اس میں کلہا اسلام داخل فرمائے گا۔
- 40

- مسئلہ:- کیا لشکر کے تاجروں اور جانوروں کو ہانکنے والوں کیلئے حصہ نکالا جائے گا؟ 109
- مسئلہ:- اگر کوئی بچہ جنگ کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور امام وقت اسے اجازت دے دے تو کیا اس کے لئے مکمل حصہ ہوگا؟ 109
- مسئلہ:- اس زمین کا حکم جو بزرگ شمشیر فتح کی جائے؟ 110
- ان معجزات کا بیان جو غزوہ بدر کے دن ظاہر ہوئے۔ 114
- جہاد میں نیت کی صحیح اور غلطیہ جہاد کا بیان۔ 121
- جب شیطان نے ملائکہ کو دیکھا تو وہ کافر ساتھیوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ 123
- قریش نے قصی بن کلاب کے زمانے تک حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر قائم تھے، پہلا آدمی کون تھا جس نے ان میں دین کو تبدیل کر دیا؟ 127
- بنی قریظہ کے قتل کا بیان۔ 131
- بنی قریظہ کو جلا وطن کرنے کا بیان۔ 132
- تیر انداز کمان کی فضیلت کا بیان۔ 133
- گھوڑے تیار رکھنے کا بیان۔ 134
- اللہ تعالیٰ کے راستے میں مجاہدین پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان۔ 136
- حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور اس آیت کے نزول کا بیان "حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین 101
- غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی صحابہ کرام سے مشاورت، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدیہ لینے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں قتل کر دینے کا مشورہ دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا دوسروں کی رائے پر عقاب 108
- حدیث طیبہ:- مجھے لوگوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ 81
- مال غنیمت کے مسائل کا بیان۔ 82
- مسئلہ:- جب امام وقت کی اجازت کے بغیر ایک یا دو آدمی دارالحرب جا کر وہاں سے سامان اٹھالائیں تو کیا اس سامان سے شس لیا جائے گا؟ 82
- مسئلہ:- مال غنیمت کی مقدار قلیل ہو یا کثیر اس سے شس نکالنا واجب ہے اور مال غنیمت میں خیانت ممنوع ہے شس کے مصرف کا بیان۔ 83
- مسئلہ:- کیا شس ایک منسقبہ یا ایک منسقبہ پر خرچ کرنا جائز ہے؟ 85
- مسئلہ:- رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے حصہ کا حکم؟ 88
- مسئلہ:- آپ ﷺ کے وصال کے بعد ذوی القربی کے حصہ کا حکم؟ 89
- فصل: شس نکالنے کے بعد بقیہ چار حصوں کا بیان۔ 94
- مسئلہ: منتول سے چھینے ہوئے مال کا حکم؟ 94
- مسئلہ:- حالت جنگ میں امام کے یہ کہہ کر ششج دلانے کا حکم کہ جو کسی کے ہاتھ آئے گا وہی کا ہوگا۔ 99
- مسئلہ:- کیا امام کیلئے جائز ہے کہ وہ بعض لشکریوں کو ان کی کارکردگی کی بناء پر کسی جنگی شرط کے بغیر ان کے حصہ سے زائد مال دے؟ 101
- مسئلہ:- گھوڑسوار کے حصہ میں اختلاف ہے کہ اس کے لئے دو حصے ہوں گے یا تین؟ 103
- مسئلہ:- مال غنیمت دارالاسلام منتقل کرنے سے پہلے جب فتح کے بعد ملک دارالحرب پہنچ جائے تو کیا انہیں مال غنیمت سے حصہ دیا جائے گا؟ 108

- 141 ہڈ کرنا جائز نہیں اور کوئی مومن کافر کا یا کوئی کافر کسی
 143 مسئلہ: قیدیوں کو قتل کرنا جائز ہے اور ان کا ذکر جو بدر
 144 کے قیدیوں میں سے متناول ہوئے۔
 144 مسئلہ: قیدیوں کو غلام بنانا جائز ہے۔
 144 مسئلہ: کیا قیدیوں پر احسان کرنا یا ان سے مال کی
 صورت میں فدیہ لینا یا مسلمان قیدیوں کے عوض انہیں
 144 چھوڑ دینا یا انہیں ذمی بنا کر چھوڑ دینا جائز ہے؟
 بدر کے ان قیدیوں کا ذکر جن پر رسول اللہ ﷺ نے
 145 احسان فرمایا۔
 ایسے بعض قیدیوں کا ذکر جنہیں مسلمان قیدیوں کے
 145 عوض آزاد کیا گیا۔
 146 ثناء بن اٹال کے اسلام لانے کا واقعہ۔
 حدیث طیبہ: مجھے دیکھو انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں
 کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے، ان میں سے ایک مال
 149 نفیست کا حلال ہونا ہے۔
 152 حضرت عباس کو قید کیا گیا اور انہیں پابند بنا دیا گیا کہ وہ
 اپنے علاوہ عقل اور فہم کا فدیہ بھی ادا کریں، انہوں
 نے کہا میرے پاس کوئی مال نہیں تو آپ ﷺ نے
 فرمایا وہ سونا جو تو نے ام فضل کے پاس رکھا ہے وہ کہاں
 150 ہے؟ یہ سن کر حضرت عباس نے اسلام قبول کر لیا۔
 آیت کریمہ: اِنَّ عَلِيْمَ اللّٰهِ فِيْ قَوْلِهِمْ خَيْرًا اَنْ يُؤْتِيَكُمْ خَيْرًا
 186 وَبِنَا اَيْدِيْكُمْ خَيْرًا مِنْ نَزْوَلِ كَيْ بَارِئِ مِنْ حَضْرَتِ
 194 عَبَّاسِ نَعْنِيْ كَيْبَا كَرِ اللّٰهُ تَعَالٰى نَعْنِيْ جِيْسِ اَوْ قِيْرِ كَيْ حُضْرِ
 196 اِيْسِيْ جِيْسِ غَلَامِ عَطَا فَرَمَانِيْ جُو تَمَامِ مِيْرِيْ مَالِ سِي
 208 تَجَارَتِ كَرْتِيْ تَحِيْ اُوْر اِن مِيْسِ سِي سَبِ سِي اُوْنِي
 213 جِيْسِ جَزَارِ سِي كَارُوْ بَار كَرْتَا تَحَا۔
 151 مسئلہ: مومن کیلئے کفار سے وہی اختیار کرنا اور ان کی
 153 مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔
 154 فاسق سے دوستی رکھنا مکروہ ہے۔
 154 مسئلہ: دار کا مختلف ہونا وارثت کے مانع ہے۔
 154 مسئلہ: اگر کفار کا ایک گروہ دوسری کافر قوم پر حملہ آور
 ہو اور اس میں مسلمان متامن بھی ہوں تو مسلمان کو
 جب تک اپنی ذات پر خطرہ لاحق نہ ہو جنگ میں حصہ
 154 لینا جائز نہیں۔
 145 اگر کفار نے مسلمانوں پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو ان کے
 بچوں سمیت قیدی بنا لیا اور ان کا مال دار لُحْرَب میں
 145 محفوظ کر لیا، اگر دار لُحْرَب میں مسلمان متامن موجود
 146 ہوں تو ان پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں اور ان کے
 بچوں کو کفار کے قبضے سے رہائی دلائیں، اگر چہ انہیں
 152 جنگ ہی کرنی پڑے۔ لیکن مال سے تعرض کرنا ان کے
 152 لئے جائز نہیں۔
 156 مسئلہ: ذوالارحام کی میراث کا بیان۔
 سورہ توبہ
 159 سورہ توبہ کے متعدد آیات اور وہ تسمیہ
 160 تزک بسم اللہ کی وجہ۔
 162 حج اکبری تحقیق۔
 168 کیا حرم مکہ میں قتل جائز ہے؟
 186 غزوہ خندق۔
 194 ملائکہ اور آسمانی مدد کا نزول۔
 196 درید بن مسرک قتل۔
 208 جزیہ کا معنی اور اس کی تنفیسی بحث۔
 213 مسئلہ: مقدار جزیہ کا بیان۔
 یہود کا حضرت عزیر کو اور نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہما

350	حضرت ابو طالب کی وفات۔	221	اسلام کو ابن اللہ کہنا۔
	غزوہ تبوک میں مسلمانوں کی حسرت اور مجرورہ استقامت کا ذکر۔	221	حضرت عزیر کا قصہ۔
356	جہاد کی فضیلت۔	239	غار میں مصابحت کی وجہ سے حضرت ابو بکر کی فضیلت کا بیان۔
367	جہاد فرض ہے کما یہ ہے یا فرض میں؟	240	مکہ سے نبی کریم کا ہجرت فرمانا۔
367	جہاد میں خرچ کرنے کی فضیلت۔	246	ام معبد کا قصہ۔
368	علم اور علماء کی فضیلت۔	248	سراقہ کا قصہ اور مجرورہ۔
370	علم لدنی کا بیان۔	256	حضور علیہ السلام کا غزوہ تبوک کیلئے نکلنا۔
372	ایمان میں کمی و بیشی۔	266	صدقات کے مصارف۔
375	غزوہ تبوک کے اہل بیت و انصاریت۔	286	مسئلہ: صدقہ نبی کریم ﷺ کیلئے اعلان نہ تھا۔
375	معجزات۔		مسئلہ: نقلی صدقہ ایک شہر سے دوسرے شہر بھیجا کر دو ہے۔
377	بیتن تبوک کا قصہ۔	288	
378	سجودوں میں برکت کا قصہ۔	301	جنت مدین سے کیا مراد ہے؟
	نبی کریم علیہ السلام کا مناقب کی موت کا خبر دینا (علم صحیح کی دلیل)۔	303	رضوان اللہ سے کیا مراد ہے؟
379	سورہ اخلاص کے فضائل۔	307	ثعلبہ بن عاصب کا قصہ۔
380	نبی کریم علیہ السلام کا برقل کو خط بھیجنا۔	313	ابن جنیم کا جہنم میں رونا۔
380	برقل کا نبی کریم کو جواب دہ اور اس میں معجزات کا بیان۔	319	قیاسک حرب کا ذکر۔
381	حدیث: طاعون زدہ زمین میں جانا اور وہاں سے آنا منع ہے۔	327	مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین کا بیان۔
384	انگلیوں سے پانی کا لکھنا (مجرورہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام)۔	329	مسئلہ: تمام صحابی رضی ہیں۔
		338	مسجد ضرار کا واقعہ۔
386		340	وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔
387	نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مدینہ آنا۔	341	مسجد مدینہ اور مسجد قبا کا ذکر۔
378	حدیث: مدینہ یا کبیرہ سرزمین ہے۔	346	انصار مدینہ کی بیت کا قصہ۔
		349	نماز کی فضیلت۔



سورة الانفال

﴿انفالہا ۷۵﴾ ﴿سورة الانفال مكية ۸﴾ ﴿مکروعاتها ۱۰﴾

سورة انفال مدنی سورت ہے، اس میں 76 یا 77 آیات ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک وَاذِنُوا لِمَن لَّدُنكَ مِنَ الذِّمَّةِ سے سات آیات تک کی ہیں ان کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ مکہ مکرمہ کا ہے مگر آیات کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ (ترجمہ جمال القرآن کے مطابق سورة انفال مدنی ہے۔ اس کی 75 آیات اور 10 کوعات ہیں)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ بخیر فرماتے والا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ قَاتِلُوا اللّٰهَ وَاصْلِحُوا
 ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ
 الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحَلَّتْ مُّوْبِقُوْمُهُمْ وَاِذَا تَلَيْتْ عَلَيْهِمُ اللّٰهُ رَادَّتْهُمْ اِیْسَانًا وَّ
 عَلٰی رَاٰبِهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَتَّقُوا اللّٰهَ وَصَلَّوْا الصَّلٰوةَ وَصَلَّوْا لَهَا حَقًّا ۝ اُولٰٓئِكَ
 هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ كَمَا
 اَخْرَجْنَاكَ بِكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنْ كَرِهَ الْاٰمِنِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَرِهُوْنَ ۝

”دریافت کرتے ہیں آپ سے ظہموں کے متعلق، آپ فرمائیے ظہموں کے مالک اللہ اور رسول ہیں پس جس ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات کی حق اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان دار ہو جسے صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کا پ اٹھتے ہیں ان کے دل میں اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آستیں تو یہ بڑھادی جاتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے رب پر وہ مجبور دوسرے نہیں تھے (اور) جو صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو، نیز اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ انہی کے لئے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور باعزت روزی کے جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ اور جنگ اہل ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنے والا تھا۔“

۱۔ ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، نسائی، حاکم، ابن حبان، عبدالرزاق نے مصنف میں، عبد بن حمید، ابن عابد، ابن مردودہ اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب غزوہ بدر کا دن تھا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کسی کو قتل کرے گا اس کے لئے اس طرح ہوگا اور جو کسی کو قیدی بنائے گا اس کے لئے اس طرح ہوگا (۱) اور ابن مردودہ کی ایک روایت جس کی

سند میں بھی ابوصالح کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور عطاء ابن مقلان کے واسطے سے حضرت نکر مد رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ جو کسی کو نقل کرے گا تو متحول سے پھینکا ہو اسامان اسی کے لئے ہوگا۔ پس بوڑھے صحابہ کرام جو تہجد سے کے پاس ہی ڈنڈے اور نوجوان میدان کارزار میں اترے اور بڑی تیزی سے کفار کو قتل کیا اور مال غنیمت اٹھا کیا، پھر بوڑھوں نے نوجوان سے کہا، مال غنیمت میں ہمیں بھی اپنے ساتھ شریک کرو کیونکہ ہم تمہاری پشتوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا (یعنی اگر تم میدان سے بھاگتے ہو مجبور ہو جاتے) تو پانچ تین تم ہماری طرف ہی آتے۔ نتیجہ ان تمام نے اپنا یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ پھر ابوالیسرہ روایتی لیکر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ہمارے ساتھ یہ وفد فرما رکھا ہے۔ اسنے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ نے یہ سب کچھ نہیں عطا فرمایا تو آپ کے ان قرمبی اصحاب کے لئے تو کوئی شئی نہیں بچے گی حالانکہ ہم میدان جنگ میں اترنے سے اس لئے تو نہیں رہے کہ ہمیں آخرت کی طلب نہ تھی یا بزدلی کے باعث دشمن سے خوفزدہ تھے یا پھر ہم دنیوی زندگی کے لئے تریس تھے (ایسا ہرگز نہیں) بلکہ ہم وہ سب کچھ کر سکتے تھے جو ہمارے ان بھائیوں نے کیا، لیکن ہم نے تو آپ کو تہاد دیکھا اور یہ پسند کیا کہ آپ ایسے مقام پر تہا رہیں جہاں نقصان کا شدید اندیشہ ہے۔ لہذا ہم آپ کی مخالفت و تمہانی کے لئے اسی مقام پر ٹھہرے رہے تاکہ دشمن کہیں پیچھے کی جانب سے آپ پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ نتیجہ ان کے مابین شدید اختلاف ہوا تو پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۱)

یعنی اے محمد ﷺ! یہ آپ سے درپافت کرتے ہیں کہ تمہیں کن کے لئے ہیں؟ انفال نقل کی متع ہے اور اس سے مراد مال غنیمت ہے چونکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور اس کی عطا ہے لہذا ہے، اس لئے مال غنیمت کو نقل (مفت مال) کہا جاتا ہے۔ "فلی الأنفال للہ والذم لرسول" یعنی اے محمد ﷺ! آپ انہیں فرمادیتے کہ مال غنیمت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اس میں تصرف کرنے کا اختیار رسول اللہ ﷺ کے پاس ہے۔ آپ اسے ایسے ہی تقسیم کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ آپ کو حکم ارشاد فرماتا ہے، یعنی مال غنیمت کا معاملہ فقط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ہی مختص ہے۔ مذکورہ آیت حدیث سے اس آیت کے بارے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کا اختیار لوگوں کے ہاتھوں سے لیکر رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے درمیان اسے برابر برابر تقسیم کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنے اور آپس کے تعلقات کی اصلاح کا مفہوم یہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ع۔ پس باہمی اختلافات اور جھگڑے پر پا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو "وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ" اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو، یعنی ایسے اوصاف پیدا کرو جن کے سبب تمہارے مابین مواسات اور باہمی الفت و محبت پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تم ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہو۔ نہ جانے نہ کہا ہے کہ ذات بینکم سے مراد یہ ہے کہ تمہارے درمیان حقیقتاً وصل و دوستی اور محبت کے تعلقات ہوں۔ بین سے مراد وصل ہے۔

ع۔ خاتم اور دیگر امور کے بارے تمہیں جو حکم دیا جائے اس میں اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم ایماندار ہو۔

چونکہ سابقہ کام جزاء پر دلالت کر رہا ہے اس لئے یہ شرط یہاں جزاء کے ذکر سے مستثنیٰ ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اگر تم کامل ایمان رکھتے ہو تو پھر اس طرح کرو گیونکہ کمال ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ اوامر کی اطاعت کی جائے۔ معاصی سے بچا جائے اور عدل، احسان اور ایثار کے سبب آپس کے باہمی معاملات کی اصلاح کی جائے۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث طیبہ اس طرح ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ وعدہ فرمایا کہ جو کوئی مال قیمت لائے گا وہ اسی کے لئے ہوگا۔ پس یہ سن کر تو جوان میدان جنگ میں کود پڑے، یہاں تک کہ سزا فراد کو قتل کر دیا اور سزا فراد کو قیدی بنالیا۔ پھر انہوں نے مال قیمت کا مطالبہ کیا اور وہ مال جو بطور قیمت حاصل ہوا تو اس کے مقدار قتل تھی۔ لہذا بوزھے اور بزرگ صحابہ کرام جو کہ جھنڈے کے پاس ہی ٹھہرے رہے تھے۔ انہوں نے کہا ہم تمہاری پشت پر تھے اور کوئی جماعت اس کی طرف سٹ کر آسکتی تھی۔ (اس لئے ہمارا یہ حق ہے کہ مال قیمت سے ہمیں بھی حصہ دیا جائے) تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان مال قیمت برابر تقسیم کر دیا۔ پھر علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام وقت اپنے لشکریوں سے جو وعدہ کرے اسے پورا کرنا اس پر لازم نہیں۔ سبکی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ (1)

ابن ابی شیبہ، احمد، عبد بن حمید اور ابن مردودہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب غزوہ بدر پر پا ہوا تو میرا بھائی عمر شہید ہوا اور میں نے سعید بن عباس کو قتل کیا اور اس کی تلوار جس کا نام ذوالکلیبہ تھا، خود لے لی۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آج کے دن اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی جانب سے مجھے راحت اور سکون عطا فرمایا ہے اور بطور مال قیمت یہ تلوار بھی مجھے عطا فرمائی ہے اور آپ ﷺ (میری شجاعت و بہادری کا) حامل تو جانتے ہی ہیں، (لہذا یہ تلوار میرے پاس ہی رہنے دیجئے)۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تلوار تیری ہے اور نہ ہی میری ہے، پس اسے رکھ دیجئے۔ تو میں نے اسے رکھ دیا پھر واپس لوٹا اور دل میں یہ کہنے لگا شاید آپ ﷺ آج کے دن یہ تلوار ایسے آدمی کو عطا فرمادیں جس کی جرأت و بہادری میری مثل نہ ہو۔ چنانچہ میں پھر لوٹ کر گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا چلا جا اور اسے مال قیمت میں جا کر رکھ دے۔ پس میں لوٹ آیا لیکن میرے بھائی کے شہید ہونے اور دشمن کا صلوبہ مال مجھ سے لئے جانے پر مجھے جو دکھ اور غم ہوا اسے فقط اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ چنانچہ میں اسی کیفیت میں واپس چلا اور جب تلوار مال قیمت میں رکھنے کا ارادہ کیا تو پھر میرے نفس نے میرے ذہن میں کچھ ڈال دیے۔ میں دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کی یہ مجھے ہی عطا فرمادیجئے تو آقا ﷺ جہاں چلے پلندہ آواز سے مجھے ڈانٹا۔ میں واپس آیا لیکن ابھی تھوڑا سی پیچھے مڑا تھا کہ راستے میں سورۃ انفال نازل ہوئی تو پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جا اور اپنی تلوار اٹھا لے (2) اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور مجھے فرمایا تو نے مجھ سے تلوار مانگی تھی اس وقت وہ میری نہیں تھی اب وہ میری ہو چکی ہے لہذا اب وہ تلوار تیرے لئے ہی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور انصار میں سے ایک آدمی مال قیمت اٹھانے کے لئے نکلے تو انہیں ایک گری ہوئی تلوار ملی۔ تو وہ دونوں اس پر بھٹ پڑے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میری ہے اور انصاری نے کہا یہ میری ہے، میں قطعاً نہیں دوں گا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ وہ دونوں آپ ﷺ کی

پاس رہے ہیں اور آپ ﷺ کی حفاظت کرتے رہے تاکہ دھوکے کے ساتھ کوئی دشمن آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے۔ پس ہم اسی میں مشغول رہے تو اس وقت یَسْتَوُونَكَ عَنِ الْإِنْقَالِ الْآیۃ نازل ہوئی۔ (1)

تہ صرف وہی کامل ایمان ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے سب ڈر جاتے ہیں اور اس کی ہیبت و عزت کے سب خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو گناہ کا قصد کرتے ہیں۔ پھر جب انہیں یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے خوفزدہ ہو کر اس گناہ کے ارتکاب سے رک جاتے ہیں۔ پس معنی یہ ہوگا کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وحید کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں لفظ اللہ سے پہلے وحید مصداق مذکور ہوگا۔

یہ اور جب ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں کیونکہ تلاوت قرآن کے وقت نزول برکات کے سبب دل کو اطمینان و تسکین دیتا ہے اور دل لاش کے طور کے سب یقین مزید پہنچتا اور راسخ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی امید رکھتے ہیں۔

یہ اور جو نماز کو صحیح ادا کرتے ہیں یعنی وہ اسے پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور وہ اسے ادا کرتے وقت اس کی صحت کا ایسے لحاظ رکھتے ہیں جیسے تیر کو سیدھا کرتے، وقت اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ نیز جو (مال) ہم نے انہیں عطا کیا ہے وہ اس سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ جن کے دل اطمینان، خشیت اور توکل جیسے اعمال سے متصف ہیں، جن کے نفس ذکر الہی سے مطمئن ہیں اور ان کے بدن نماز اور صدقہ و خیرات جیسے اعمال کے حسن سے مزین ہیں۔ ”هُمْ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا“ سچے مومن ہیں۔ اس آیت میں حَقًّا یا تو مصدر محذوف کی صفت ہے، یعنی اصل میں اِنْعَانًا حَقًّا ہے۔ یا یہ مصدر ہے اور مفعول مطلق کی حیثیت سے تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے، یعنی ان کا ایمان اتنا پختہ اور سچا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ سے ایک آدمی نے یہ سوال کیا کیا آپ مومن ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کیا اگر تو مجھ سے اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب و انبیاء و رسول، جنت و دوزخ، یوم البعث اور یوم الحساب پر ایمان کے بارے سوال کر رہا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے مومن ہوں اور اگر تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے پوچھ رہا ہے اِنْعَانًا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَّتْ لُحُوْبُهُمْ الْآیۃ تو اس کے بارے میں نہیں جانتا کہ آیا میں ان میں سے ہوں یا نہیں۔ (2) کہنا تھا ہوں کہ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مراد یہی ہے کہ کمال ایمان و اخصاص، تصفیہ قلب، تزکیہ نفس اور اعضاء بدن کو طاعات اپنانے اور معاصی ترک کرنے سے مزین کرنے کے سبب ہی حاصل ہوتا ہے اور یہ امر نادر ہے، لہذا میں نہیں جانتا کہ آیا میرا نفس اس سے متصف ہے یا نہیں اور ہر سوال نفس ایمان کا جو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے موجود ہے۔ پس یہ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کے قہیلے سے نہیں ہے۔ (اس جملہ میں ایک اختلافی مسئلہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ آیا اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ (میں ان شاء اللہ مومن ہوں) کہنا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ حرف شرط شک کے لئے آتا ہے۔ تو اس میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ایسا کہنا درست نہیں کیونکہ ایمان میں شک اسے زائل کر دیتا ہے، لہذا ایمان قطعی ہونا چاہئے اور بعض نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ایسا کہنا جائز ہے کیونکہ اختیار خاتمہ کا ہوتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خاتمہ بالا ایمان ہو یا نہ ہو۔ لہذا چونکہ ان حرف شرط ماضی کو مستعمل کے معنی میں کر دیتا ہے اس لئے اس کا استعمال صحیح ہے۔)

حضرت عاتقہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران ہماری ملاقات کچھ لوگوں سے ہوئی تو ہم نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم تو پکے اور سچے مومن ہیں۔ یہ سن کر اب ہم نہیں جانتے تھے کہ انہیں کیا جواب دیں۔ یہاں تک کہ بعد میں ہماری ملاقات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ تو ہم نے آپ کو ان کے قول کے بارے آگاہ کیا۔ آپ نے ہم سے پوچھا تو پھر تم نے انہیں کیا جواب دیا؟ ہم نے کہا کہ ہم نے انہیں کوئی جواب بھی نہیں دیا۔ تو آپ نے فرمایا تم نے انہیں کیوں نہیں کہا کہ تم اہل جنت میں سے ہو؟ پیٹک سچے مومن تو یقیناً اہل جنت ہیں (1) اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو یہ گمان کرتا ہو کہ میں سچا مومن ہوں یا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہوں پھر وہ اپنے جتنی ہونے کی شہادت دے تو وہ نصف آیت پر ایمان لایا اور نصف پر نہیں۔ (2) اسی قول سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جن کے نزدیک انا مؤمنین ایں شاء اللہ کہا جاتا ہے۔ ان شاء اللہ کہنے سے مراد یہ ہے کہ خاتمہ بالا ایمان قطعی نہیں جو کہ اہل جنت میں سے ہونے کا موجب بنتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ ایمان کی موجودہ حالت میں شک ہے کیونکہ ایمان سے مراد تو اعتقاد جازم ہوتا ہے اور شک اپنے پختہ اعتقاد کے منافی ہوتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان شاء اللہ کہنا مکروہ ہے کیونکہ یہ شک کا وہم دلاتا ہے اور شک اعتقاد جازم کے منافی ہوتا ہے اور آپ یہ فرماتے تھے انا مؤمنین حقیقاً (میں تو سچا اور پکا مومن ہوں) اور اس سے مراد موجودہ حالت میں ایمان کا پختہ اعتقاد ہے نہ کہ اس سے مراد حسن ظن اور خاتمہ بالا ایمان کا یقین ہے۔ دونوں نظریوں میں نور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے معنوی نہیں۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف زیادہ محتاط ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے کہا تم اپنے ایمان کے بارے میں ان شاء اللہ کیوں کہتے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی اتباع کرتے ہوئے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن لَّمْ يَخِفَفِ لَدِيَّ سِدْرَةَ الْبَيْتِ لِيُنْفِخَ فِيهَا مِنْ مِثْقَلِ ذَرَّةٍ مِّنْ حَبِّ كَرِيمٍ (تو ان میں سے کوئی شخص نہ ہوا جس نے انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری خطا میں معاف فرمادے)۔ (تو ان میں سے کوئی شخص نہ ہوا جس نے انہیں فرمایا تم اس قول میں ان کی اقتداء کیوں نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا اذْهَبُوا وَتِلْكَ آيَاتُ الْكُفْرَانِ (تو انہوں نے انہیں ابراہیم علیہ السلام نے جواب عرض کیا نلی و لَكِنَّ رَبَّ لِيَبْتَغِيَنَّ قَلْبِي) (کیوں نہیں لیکن ایمان قلب کے لئے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں)۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ انا مؤمنین حقیقاً کیونکہ اگر تم اس قول میں سے ہو تو پھر اس پر ثابت قدم ہو (تمہیں اس پر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا اور اگر تم نے جھوٹ بولا تو پھر تمہارا کھڑکیں زیادہ باعث عذاب ہوگا)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو منافق نہیں وہ چاچا اور پکا مومن ہے۔

یہ انہی کے لئے اپنے رب سے پاس عزت و کرامت اور بلند درجات ہیں۔ اسی قول کی مش اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے: تِلْكَ الْاٰیٰتُ الَّتِي نُنزِّلُ عَلَيْكَ لَعَلَّ لَمْ تَكُن مِّنَ الْغٰثِقِيْنَ (ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی ہے)۔ عطاء نے کہا ہے کہ اس سے مراد جنت کے درجات ہیں جن پر وہ اپنے اعمال کے سبب فائز ہوں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے مابین ہے اور جنت کا سب سے بلند درجہ فردوس ہے۔ اسی سے جنت کی چار تہریں نکلتی ہیں اور اس سے اوپر عرش ہے۔ پس جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو جنت الفردوس کا سوال

کرو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (1) علامہ ابنوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہما نے کہا جنت کے ستر درجے ہیں اور ہر درجہ جوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک تجربہ کار شہسوار ستر برس تک گھوڑا اودڑاتے ہوئے طے کرتا ہے۔ (2) اور جوں سے سستی یا گتہ ہوا اس کی بخشش ہے۔ اور باعزت روزی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ ان کے ہارے کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل میں ان کا خیال تک آیا اور یہ نعمتیں ہمیشہ باقی رہیں گی کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

۵۔ جس طرح آپ کو آپ کا رب نکال لایا آپ کے اس گھر سے جو مدینہ طیبہ میں تھا حق کے ساتھ یا بیت سے مراد مدینہ طیبہ ہے کیونکہ یہ آپ ﷺ کی ہجرت گاہ اور مسکن ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے ساتھ ایسے ہی محض تھا جیسے گھرانے مالک کے ساتھ محض ہوتا ہے "بالحق" الخروج کے متعلق ہے، یعنی میدان بدر میں کفار کے ساتھ جنگ لڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی خاص حکمت اور مصلحت کے تحت نکالا بقول باری تعالیٰ حکمنا انحرنا عنک یا تو مبتدا احمدوف کی خبر ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ مالِ نسیبت کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے جو نثار رسول اللہ ﷺ کا مالِ نسیبت لوگوں کے درمیان برابر تقسیم کرنا اور اس پر جنگیوں کو جانوں کا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنگ کے لئے اپنے گھر سے باہر نکالا اور بعض لوگوں نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ یا یہ فعل مقدر کے صدر کی صفت ہے یعنی مالِ نسیبت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کا حق اسی طرح ثابت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو آپ کے گھر سے نکالنا ثابت ہے اگرچہ یہ اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ بہرہذا اسی طرح کہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ لفظ یہاں اسی طرح ہے کہ آپ مالِ نسیبت کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ کا علم بجلا لیں، اگرچہ یہ اسے ناپسند کریں جیسا کہ آپ نے جنگ کے لئے گھر سے نکالنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا تھا۔

”واقعه غزوہ بدر“

مدینہ طیبہ سے حضور نبی کریم ﷺ کے باہر تشریف لانے کا سبب یہ بنا کہ آپ ﷺ نے سفیان بن حرب کے ہارے سے سنا کہ وہ ہزار اونٹوں پر مشتمل قافلہ لیکر شام سے واپس آ رہا ہے اور اس قافلہ میں قریش کا انتہائی قیمتی سامان موجود ہے۔ مکہ مکرمہ میں کوئی قریشی مرد یا عورت ایسی نہیں رہی جس کے پاس ایک عقاب یا اس سے کچھ زائد ہو اور پھر اس نے تجارت کے لئے اس قافلہ میں نہ بیجا ہو۔ پس کہا جاتا ہے کہ اس قافلہ میں پچاس ہزار دینار تھے اور اس میں ستر افراد شامل تھے۔ یہ ابنِ عقیلہ اور ابنِ ماجہ نے ذکر کیا ہے۔

علامہ ابنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم، محمد بن اسحاق اور سعدی رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے کہ ابو سفیان شام سے واپس آیا تو اس کے ساتھ کبار قریش میں سے چالیس شہسوار تھے جن میں عمرو بن العاص اور محمد بن نوفل زہری بھی تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ باہر نکلنے کی لوگوں کو دعوت دی اور فرمایا یہ قریش کا قافلہ ہے، اس میں ان کا قیمتی مال و متاع ہے۔ پس تم لکھو شاید اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے مالِ نسیبت عطا فرمادے۔ پس لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیا۔ بعض ہتھیاروں کے بغیر چلے اور بعض ہتھیاروں کے ریلے اور بہت سے لوگ ساتھ جانے سے پیچھے بھی گئے۔ لیکن انہیں بھی کوئی ملامت نہ کی گئی کیونکہ انہیں یہ گمان بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو جنگ سے واسطہ پڑے گا اور آپ ﷺ نے بھی اس کی کوئی زیادہ

پرواہ نہ کی اور آپ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس سواری موجود ہے وہ ہمارے ساتھ سوار ہو کر چلے۔ بعض لوگوں نے آپ ﷺ سے یہ اجازت طلب کی کہ ہماری سواریاں مدینہ طیبہ کے بالائی حصہ میں ہیں (ہم وہ ٹیکر حاضر ہو جائیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، جس کے پاس سواری حاضر ہے وہ سوار ہو کر چلے۔ (1)

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ سے خروج فرمانے سے اس دن قسطل بن علی بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو شام کے راستے کی طرف بھیجا تا کہ وہ قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ پس وہ دونوں سرزمین خوار پینچے اور ہاں کھد بن مالک جعفی کے پاس ٹھہر گئے۔ اس نے ان دونوں کو پناہ دی، اپنے پاس ٹھہرایا اور قافلہ کے گزرنے تک انہیں چھپائے رکھا۔ پھر یہ دونوں وہاں سے نکلے، کھد بھی ان کے ساتھ تھا اور وہ انہیں ذمہ لے کر روانہ کیا۔ (ذوالحجہ ایک ہستی ہے جو مدینہ طیبہ سے آٹھ ہرید کے فاصلے پر ہے) پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کو خبر دینے کے لئے آئے۔ اس وقت میں آپ ﷺ خروج فرما چکے تھے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ مقام بیح پر پہنچے تو آپ نے یہ قطع ٹھیکہ دیا کہ کھد کے حوالے کر دیا (بیح کہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک بڑا قصبہ ہے)۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں بولا جھوٹا آدمی ہوں، آپ یہ جگہ میرے بھتیجے کے نام کر دیجئے۔ پس آپ ﷺ نے ایسے ہی کر دیا۔ پھر عبدالرحمن بن سعید بن زرارہ نے اس سے یہ قطع ٹھیکہ لیا۔ اسے عمر بن شیبہ نے روایت کیا ہے۔ مقام زرقاء پر نبی حرام کا ایک آدمی ایوسفیان سے آ ملا اور اس نے اسے اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ قافلے کی وہاں ہی کا انتظار فرما رہے ہیں۔ پس ایوسفیان اور اس کے ساتھی ڈرتے ڈرتے گھات لگانے کے لئے باہر نکلے۔ جب ایوسفیان قاز کے قریب پہنچا تو وہ آپ ﷺ کے بارے میں خبریں معلوم کرنے لگا۔ اور جو سواری بھی اسے ملتا وہ اس سے آپ ﷺ کے بارے میں دریافت کرتا کیونکہ وہ لوگوں کے بارے میں انتہائی خوفزدہ تھا۔ یہاں تک کہ ایک سواری نے اسے یہ خبر دی کہ محمد ﷺ تیرے قافلہ کی تلاش میں نکل چکے ہیں، اس پر اسے خطرہ لاحق ہو گیا۔ چنانچہ اس نے مضمض بن عمرو غفاری کو میں مشق کے عوض اجرت پر لیا اور اسے کہہ کر مدینہ بھیجا اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ وہاں پہنچ کر وہ اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دے، کجاوہ اٹا کر دے اور اپنی قمیص آگے پیچھے دونوں جانبوں سے بھاڑ دے اور ان کے ہاتھ اپنے مالوں کی حفاظت کے لئے باہر نکلنے کی فریاد کرے اور انہیں یہ اطلاع دے کہ محمد (ﷺ) اپنے اصحاب کے ساتھ قافلہ کو لوٹنے کے واسطے ہیں۔ پس مضمض بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مدینہ کی طرف نکل گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے وہی کچھ کیا جو ایوسفیان نے اسے حکم دیا تھا۔

عائکہ بنت عبدالمطلب کا خواب: ابن اسحاق، حاکم اور بیہقی (2) نے عکرمہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے عروہ سے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ عائکہ بنت عبدالمطلب نے مضمض کے قریب کے پاس آنے سے تین دن قبل رات کے وقت ایک خواب دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو عائکہ اس کے سبب انتہائی پریشان اور غمزدہ ہو گئی۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب کو بلا بھیجا اور انہیں کہا اسے میرے بھائی! میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے سخت خوفزدہ کر دیا ہے۔ شاید قریب پر کوئی سخت مصیبت اور آزمائش آنے والی ہے۔ تو عباس نے کہا وہ خواب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں ہرگز تمہیں نہیں بتاؤں گی، یہاں تک کہ تم میرے ساتھ وعدہ کرو کہ اس کا ذکر کسی اور کے سامنے نہیں کرو گے کیونکہ اگر قریب کے اور لوگوں نے یہ سن لیا تو وہ ہمیں اذیت پہنچائیں گے اور ہمارے بارے میں ایسی باتیں کریں گے جنہیں ہم پسند نہیں کریں

گئے۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ وعدہ کر لیا۔ پھر اس نے خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا ایک آدمی اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور آدمی کے اوپر بیٹھ کر اس نے انتہائی بلند آواز سے چیخ کر کہا اے نندارو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں کی جانب چلو۔ اس نے تین بار چلا کر ایسے ہی کہا۔ تو بہت سے لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر وہ مسجد میں داخل ہوا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ پھر اس کا اونٹ وہاں کھڑا ہو گیا اور اس نے کعبہ کے اوپر بیٹھ کر تین بار چیخ کر کہا اے نندارو! اپنی قتل گاہوں کی جانب تین دن کے اندر اندر چل دیں۔ پھر وہ اپنے اونٹ کو نبیل ابی قیس کے اوپر لٹکرایا اور وہاں اس نے بلند آواز سے کہا اے نندارو! اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن میں جلدی جلدی چلو۔ پھر اس نے بہت بڑا پتھر اٹھایا جسے اس نے وہاں سے اٹھیرا پھر اسے پہاڑ کے اوپر سے پھینکا دیا۔ پس وہ پتھر نیچے کی جانب لڑھکنے لگا اس کی لڑکھاہٹ انتہائی شدید تھی، یہاں تک کہ جب وہ نیچے پہنچا تو کھڑے ہو گیا اور تمہاری قوم کے گھروں اور کمروں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا جس میں اس پتھر کا ٹکڑا داخل نہ ہو۔ یہ سب سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بخدا! یہ صرف خواب ہی ہے اسے اپنے پاس ہی بچھپائے رکھنا کیونکہ اگر اس کی خبر قریش کو ہو گئی تو وہ ہمیں ضروری تکلیف پہنچائیں گے۔ اس کے بعد عباس رضی اللہ عنہ اس کے پاس سے چلے گئے اور ان کی ملاقات ولید بن عقبہ بن ربیعہ بن عبد شمس سے ہوئی چونکہ وہ ان کا دوست تھا اس لئے خواب کا ذکر اس سے کر دیا اور ساتھ ہی اسے چھپانے کی تلقین بھی کی۔ پھر ولید نے اس کا ذکر اپنے باپ عقبہ سے کر دیا۔ پھر اس نے اسے عام کر دیا اور سارے مکہ میں اس کی خبر پھیل گئی۔ یہاں تک کہ قریش اس کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں صبح کے وقت بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔ ابو جہل بن ہشام قریش کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں بیٹھا ہوا تھا اور وہ عاتکہ کے خواب کے بارے ہی گفتگو کر رہے تھے۔ جب ابو جہل نے مجھے دیکھا تو کہا اے ابو الفضل! جب تو اپنے طواف سے فارغ ہو جائے تو ہماری طرف آنا۔ چنانچہ جب میں فارغ ہو کر ان کے پاس پہنچا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا تو ابو جہل نے مجھے کہا اے نبی عبد المطلب! یہ بیخبر میں کب سے پیدا ہوئی ہے؟ میں نے کہا کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا عاتکہ کا خواب۔ تو میں نے کہا وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا اے نبی عبد المطلب! کہا تم اس پر راضی نہیں ہوئے کہ تمہارے مرد نبی ہوئے ہیں حتیٰ کہ اب تمہاری عورتیں بھی نبی بنتی ہیں۔ ابن عقبہ کے الفاظ یہ تھے اے نبی ہشام! کیا تم اس پر راضی نہیں ہوئے کہ تمہارے مرد جھوٹ بولتے ہیں حتیٰ کہ اب تم اپنی عورتوں کا جھوٹ بھی ظاہر کرنے لگے ہو۔ پھر ہم اور تمہارے آباء مقابلیے میں دوڑنے والے دو گھروں کی مشقت تھی اور ہم میں سے ہر کوئی سبقت لے جانے کی کوشش میں تھا۔ پس جب دونوں شہسوار ایک جیسے رہے۔ تو تم نے یہ کہہ دیا ہم میں ایک نبی ہے۔ پھر اس پر تم نے اکتفاء نہیں کیا، یہاں تک کہ اب کہنے لگے ہو تم میں ایک نبی بھی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ پورے خاندان قریش میں سے کوئی مرد یا عورت تم سے زیادہ جھوٹ بولے والا ہو۔ اس طرح اس نے آپ کو سخت اذیت پہنچائی اور کہا کہ عاتکہ نے خواب میں ایک آدمی کو یہ کہتے دیکھا ہے کہ تین دن میں گھروں سے جلدی جلدی نکلو۔ پس ہم تین دن تک تمہارا انتظار کریں گے جو کچھ وہ کہہ رہی ہے اگر وہ حق ہو تو وہ واقع ہو جائے گا اور اگر تین دن گزر جائے کے باوجود کچھ بھی نہ ہو تو ہم تمہارے بارے میں یہ لکھ دیں گے کہ ان کا خاندان سارے عرب میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بخدا! میرے پاس اس کے کثیر جوہات تھے مگر میں نے کوئی جواب نہ دیا اور سر سے اس کا انکار کر دیا کہ عاتکہ نے کوئی شیء دیکھی ہے اور ابو عقبہ کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابو جہل سے یہ کہا کیا تو باز نہیں آئے گا حالانکہ تو

جھوٹا ہے اور تیرا خاندان جھوٹا بولنے والا ہے۔ تو وہاں موجود لوگوں نے آپ سے یہ کہا۔ ابوالفضل اہم تو جاہل نہ تھے نہ سنی اس طرح اہم تھے۔ ابن عابدی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ بلکہ اس میں ایک جملہ فاش کا مزید ذکر بھی ہے۔ بعد ازاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ملاقات مانگے سے ہوئی تو آپ کو اپنی بی بی اس قاسم آدمی کے افشا کرنے پر شدید دکھ اور رنج تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب شام ہوئی تو خاندان بنی عبدالمطلب کی تمام عورتیں میرے پاس آئیں اور آکر کہا اس غیبت کا قیاس تو تم نے خود موقع دیا ہے کہ پہلے اس نے تمہارے سروں کے بارے میں غلط زبان استعمال کی پھر تمہاری عورتوں کے بارے میں بدزبانی کرنے لگا ہے اور تم صرف سنتے ہی رہے جو کچھ تم نے سنا ہے اس سے بڑھ کر تمہارے لئے کوئی شئی نہیں ہوئی۔ لیکن میں نے انہیں جواب دیا تمہارا خدا تو میں سے کر دیا ہے کہ جو کچھ میں نے سنا ہے اس سے بڑھ کر میرے لئے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ لیکن تم بخدا اب میں اس کے درپے رہوں گا اگر اس نے وہ بار و بار غیبت کی تو میں تم تمام کی جانب سے اسے کافی ہوں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے مانگے کے خواب کے تیسرے دن صبح کی اس حال میں کھیر افسردہ شدہ یاد اور تازہ تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھ سے ایسا موقع خالص ہو گیا ہے جسے پانا میں پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ میں مسجد میں ٹوٹا ہوا اور وہاں ابوالفضل کو دیکھ لیا کہ تم بخدا میں اس ارادے سے اس کی طرف چل پڑا کہ میں اس سے کچھ تعرض کروں تاکہ وہ بار و بار وہ کچھ کہے جو اس نے پہلے کہا تھا اور پھر میں اس پر بھپٹ پڑوں۔ لیکن ابوالفضل بڑا عزیز و پیارا لاک قوی زبان و راز اور تیز نظر آدمی تھا۔ وہ خوف زدہ ہو کر بڑی تیزی سے مسجد کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اس پر اللہ کی لعنت ہو اس نے مجھ سے ڈرنے سے پہلے یہ کیا ہے کہ میں بھی اسے گالیاں دوں گا۔ لیکن امر واقعہ یہ تھا کہ اس نے وہ آواز سن لی جو میں نے ابھی تک نہیں سنی تھی کہ فضضم بن عمر بن ادوی میں اپنے اہم پر کھڑے ہو کر جلیج جلیج کر پکار رہا ہے اس حال میں کہ اس نے اذت کی تاک کاٹ دی ہے، کہا ہے کہ اللہ کا حکم دیا ہے اور اپنی قمیص بھی پھاڑ رکھی ہے اور یہ کہہ رہا ہے اسے گرد و قریش! سوال کوئی بن غالب! اپنے سامان سے لہدے ہوئے اونٹوں کے پاس پہنچو۔ ان کی خبر لو، مال ابوسفیان کے پاس ہے۔ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی اسے ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں تو خیال نہیں کرتا کہ تم اسے پالو گے، اللہ والہمد (یعنی قافلہ کی مدد کے لئے بلا تاخیر فوراً پہنچو) قسم بخدا! میں نہیں دیکھ رہا کہ تم اسے پالو گے۔ پس یہ آواز سن کر قریش بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے اور عاتکہ کے خواب سے ڈرنے لگے۔ پس حضرت یہ آواز سنی جس نے ابوالفضل کو مجھ سے دور بھاگا دیا اور پھر میں نے بھی اس کا پتہ نہیں کیا اس پر عاتکہ نے یہ شمر کہے:

الْمُ نَحْنُ زُوْنَا بِعَقِي وَخَانُكُمْ
بِنَصْدِ بِنْفِهَا فَلْ مِنْ الْقَوْمِ هَارِبٌ

کیا خواب نہیں تھا اور اس کی تصدیق کے لئے قافلہ کا ایک آدمی نکلتے فوراً ہو کر بھاگتا ہے جو آ گیا ہے۔

فَلَقْتُ وَ لَمْ اُحْدِثْ كَذِبًا وَ اَنَا
يُكَلِّمُنَا بِالصَّدْقِ مِنْ هُوَ كاذِبٌ

پس میں نے جو کہا اس میں جھوٹ نہیں ہوا تو نے مجھے جھوٹا کہا ہے اور خود جھوٹ بولنے والا ہمارے جج کی تکذیب کرتا ہے۔ پس لوگ بڑی تیزی سے تیار ہوئے اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے اصحاب نے اسے بھی اپنی مدحی کا قافلہ گمان کیا ہے۔ لیکن ایسا بہرگز نہیں۔ قسم بخدا! یقیناً وہ اس مرتبہ کوئی اور توجیہ دیکھیں گے۔ لوگ وہی طرح کے تھے کہ یا تو خود گھٹنے کے لئے تیار ہو گئے یا اپنی جگہ پر کسی دوسرے کو تیار کر لیا۔ انہیں اسی طرح ان کی تیاری دو، تمہیں دن میں مکمل ہو گئی۔ اور ان میں سے طاقتور لوگوں نے کمزور لوگوں کی معاونت کی اور انہوں نے ایسے تمام لوگوں کو نکلنے پر مجبور کیا، جن کے بارے میں انہیں یہ گمان تھا کہ یہ محمد (ﷺ) اور آپ کے اصحاب کے دوست

ہیں یا جن کے اسلام لائے کے بارے میں معلوم ہوا یا جن کا تعلق خاندان بنی ہاشم سے تھا۔ چنانچہ عباس بن عبدالمطلب، نوفل بن حارث، طالب اور عقیل بن ابی طالب کی معیت میں دوسرے افراد بھی روانہ ہو گئے۔ ابولہب کے سوا قریش میں سے کوئی آدمی بھی پیچھے نہ رہا یا تو خود لگا لاپنی جگہ پر کوئی آدمی بھی نہ بیٹھ گیا۔ لیکن ابولہب نے خود جانے اور اپنا نائب بھیجے سے انکار کر دیا اور یہ روایت بھی ہے کہ اس نے اپنی جگہ پر عباس بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا تھا اور اس (عباس) نے بعد میں اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ ابولہب کی طرف سے عباس بن ہشام پر چار ہزار درہم قرض تھا۔ پس اسی قرضے کے عوض اس نے اسے اجرت پر لے لیا تاکہ اسے اپنا نائب بنا کر لوگوں کے ساتھ بھیج دے۔ چنانچہ وہ اس کی جانب سے چلا گیا۔ ابولہب کے پیچھے رہنے کا سبب فقط عاتکہ کا خواب تھا کیونکہ وہ کہا کرتا تھا کہ عاتکہ کے خواب نے انہوں کو چکا رہا ہے۔ امیہ بن خلف، عقبہ بن شیبہ، زعمہ بن اسود، عمیر بن وہب اور حکیم بن حزام وغیرہ نے یہ سب نامی بت کے پاس جا کر تہلیل سے فال نکالی۔ تو فال میں جانے سے روکنے والا تیر نکلا۔ یہ تمام مکہ مکرمہ میں ہی رہنے پر ڈٹ گئے لیکن ابوجہل نے انہیں مجبور کر کے ان کے حرام کو توڑ ڈالا۔ جب امیہ بن خلف نے لوگوں کے ساتھ نہ جانے کا ارادہ کیا۔ یہ اجنبائی ہماری بھرم جسم رکھنے والا بوزھا آدمی تھا تو یہ معتبر ہی ابی معیط کے پاس آیا، وہ اس وقت اپنی قوم کے افراد کے درمیان مسجد میں بیٹھا تھا۔ سامنے اٹھتھی پڑی تھی۔ اس میں آگ روشن تھی۔ اس نے اٹھتھی اٹھا کر امیہ کے سامنے رکھی اور ساتھ ہی کہا اسے ابوی! تو تو عورتوں میں سے ہے۔ امیہ نے اسے کہا اللہ تعالیٰ تیرا برا کرے تو نے بہت بری بات کہی ہے۔ پھر وہ بھی تیار ہوا اور لوگوں کے ساتھ نکل پڑا۔

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے۔ جب یہ تیاری کر چکے اور سفر کے لئے پختہ ارادہ کر لیا اور اپنی طاقتور اور کمزور سواروں پر سوار ہو گئے اور اپنے ساتھ بانہیاں اور طبلے بھی لے لے۔ تو پھر انہیں یہ خیال آیا کہ بنی ہجر بن عبدمنافہ بن کنانہ کے ساتھ تو ان کی عداوت ہے اور یہ فطریہ ہے کہ وہ ہمارے پیچھے ہمارے گھروں پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ پس قریب تھا کہ وہ سفر پر جانے کی رائے بدل دیتے۔ اسی دوران اٹھس سراقہ بن مالک کثافی کی صورت میں، ان کے سامنے آ گیا۔ سراقہ بن مالک بنی کنانہ کے سرداروں میں سے تھا۔ تو اس نے آکر کہا میں تمہارے لئے ضامن ہوں کہ بنی کنانہ تمہارے پیچھے کوئی ایسی حرکت کرے گا جو تمہارے لئے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہو۔ چنانچہ اس کے بعد تو سوچا جس جنگجو افراد پر مشتمل لشکر وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور بعض نے کہا ہے کہ اس لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ان کے پاس دو سو گھوڑے تھے اور چھ سو زبیر تھیں۔ اور بنی عدی کے سوا قریش کا کوئی خاندان بھی پیچھے نہیں رہا۔ بنی عدی میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں نکلا تھا۔ (1)

ابن عقبہ اور ابن عابد نے کہا ہے کہ مشرکین نکلے تو ان کے ساتھ ساتھ اٹھس بھی تھا ہواں سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ بنی کنانہ بھی تمہاری امداد کے لئے پیچھے آ رہے ہیں۔ لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا، میں تمہارا ضامن ہوں، الا اتفاق میں ہے کہ جب وہ مرالطہم ان کے مقام پر اترے تو ابوجہل نے دس اونٹ ذبح کئے اور لشکر کے خیموں میں سے کوئی بھی نہیں بچا تھا جس تک ان کا خون نہ پینچا ہو۔ شخصیں بن عمرو نے دیکھا کہ مکہ کی ادوی اوپر بیٹھے سے خون کے ساتھ بہ رہی ہے۔ پھر مقام عسیت پر پہنچ کر امیہ بن خلف نے ان کے لئے نو اونٹ ذبح کئے اور پھر مقام قدیم پر پہنچ کر سبیل بن عمرو نے دس اونٹ ذبح کئے۔ انہوں نے آخر میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر وہ مقام قدیم سے سمندر کی جانب مقام مہابہ کی طرف گئے اور وہاں جا کر قیام کیا۔ تو اس دن عقبہ بن ربیعہ نے دس

اونٹ ذبح کئے پھر وہ ایوان پینچے تو ان کے جناح کے دونوں بیٹوں نبیہ اور منبہ نے دس دس اونٹ ذبح کئے۔ پھر انہوں نے اپنے اونٹوں میں سے کچھ کھائے۔ پس وہ شام کے وقت جحفہ پینچے تو وہاں پڑاؤ ڈال لیا۔ (1)

نبیعی نے ابن شہاب، ابن عقبہ اور عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ جب قریش مقام جحفہ پر اترے تو ان میں ایک آدمی بنی مطلب بن عبدمنافہ میں سے تھا جسے عجم بن صلت بن مخزوم کہا جاتا تھا۔ بعد میں اس نے غزوہ حنین کے وقت اسلام قبول کر لیا تھا۔ عجم وہاں اپنا سرکردہ کر گیا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کیا تم نے اس شہسوار کو دیکھا ہے جو ابھی میرے پاس آیا ہے۔ ساتھیوں نے اسے جو با دیا نہیں تو تو بخون اور پاگل ہے اس نے کہا ابھی میرے پاس ایک گھوڑا سوار آ کر رکا اور اس نے یہ کہا کہ ابو جہل، عقبہ بن ربیعہ، شیبہ، زمعہ، ابوالخضریٰ اور امیہ بن خلف قتل ہو گئے۔ اس نے ان تمام سرداران قریش کو گناہ دیا جو غزوہ بدر میں مشغول ہوئے۔ پھر میں نے اسے دیکھا کہ ان کے اپنے اونٹ کے سینہ پر ضرب لگائی اور اسے ٹکڑی کی طرف بھیج دیا اور ٹکڑی کو کوئی خیر بھی ایسا نہیں پتا جس تک اس کا خون نہ پینچا ہو۔ اس کے ساتھیوں نے اسے کہا شیطان تیرے ساتھ کھیلتا رہا ہے۔ جب یہ بات ابو جہل کے پاس پہنچی تو اس نے کہا تم نبی ہاشم کے جھوٹ کے ساتھ ساتھ نبی مطلب کے جھوٹ میں بھی مبتلا ہونے لگے ہو۔ (2)

دوسری جانب حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو نماز پڑھانے کے لئے اپنا نائب مقرر فرمایا اور پھر مقام روحہ سے حضرت ابوبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں نیابت کے فرائض سرانجام دینے کے لئے واپس بھیج دیا۔ ابن سعد کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان المبارک بروز ہفتہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ جبکہ ابن ہشام نے آٹھ رمضان المبارک کا ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ سے ایک میل کے فاصلہ پر بڑی تہذیب کے پاس پہنچ کر ٹکڑا جائزہ لیا اور کم عمر افراد کو وہاں سے واپس لوٹا دیا۔ ان میں عبد اللہ بن عمر، اسماعیل بن زید، رافع بن خدیج، براء بن عازب، اسید بن حضیر، زید بن ارقم، زید بن ثابت اور عبد ربیع بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ عبد ربیع نے لکھا تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت عطا فرمادی اور غزوہ بدر میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس وقت ان کی عمر سولہ برس تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا کہ وہ ہر سقیا سے پانی پیئیں۔ آپ ﷺ نے خود بھی اس کا پانی نوش فرمایا۔ آپ ﷺ نے سب کے گھروں کے پاس نماز ادا فرمائی اور وہاں سے روانہ ہوتے وقت حضرت قیس بن ابی صعصعہ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کی سختی کریں۔ چنانچہ انہوں نے غیر ابی تہبہ کے پاس ٹھہر کر لوگوں کو شمار کیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ ٹکڑے میں شامل افراد کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس پر فرحت و مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا صحابہ طالوت کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔ اس دن آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ! بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے۔ انہوں نے اہل مکہ کے لئے دعا کی اور میں محمد (ﷺ) تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں میں اہل مدینہ کے لئے اظہار کر رہا ہوں کہ تو ان کے صباغ، مداد اور جہولوں میں برکت عطا فرما، اے اللہ! مدینہ طیبہ کو ہمارے لئے محبوب بنا دے، اس میں موجود وہاؤں اور بناریوں کو ہم کی طرف بھیج دے (مجموعہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے) اے اللہ! میں اس کے سیاہ پتھروں کی درمیانی زمین کو اسی طرح حرم قرار دے رہا ہوں جیسے تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔ (3) صبیح بن اساف اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن مال ثقیف سے لینے کے لئے وہ بھی اپنے قبیلہ نبی

2۔ اہل البیہ از نبیعی، جلد 3 صفحہ 32-33 (اعلیٰ)

1۔ سل الہدیٰ، ارشاد، جلد 4 صفحہ 22 (اعلیٰ)

3۔ سل الہدیٰ، ارشاد، جلد 4 صفحہ 23 (اعلیٰ)

خروج کی مدد کے لئے نکل پڑے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہمارے ساتھ وہی جا سکتا ہے جو ہمارے دین پر ہے (یعنی کسی غیر مسلم کو ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں) چنانچہ یہ سن کر اس نے اسلام قبول کر لیا اور آزمائش کی گھڑی میں انتہائی حسن کردار کا مظاہرہ کیا۔ آپ ﷺ اتواری کی شام سہیا کے گھروں سے روانہ ہوئے اور اس وقت رب کریم کی بارگاہ میں یہ التجا کی "اللَّهُمَّ اَنْتَ عِلْمُ خَلْقَةِ فَاحْبِبْهُمْ وَعِزَّةَ فَانْكُحْهُمْ وَجَنَاعَ فَاقْبَلْهُمْ وَعَالَةَ فَاقْبَلْهُمْ بِفَضْلِكَ" اسے اللہ! یہ بڑھ پناہ پائیں انہیں سواری عطا فرما، یہ ننگے بدن ہیں انہیں لباس عطا فرما، یہ بھوکے ہیں، انہیں کھانے سے خوب سیر فرما اور یہ نادار اور مفلس ہیں، انہیں اپنے فضل و مہربانی سے غنا عطا فرما۔ حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کے پاس صرف سزاؤں تھے وہ انہیں پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ حضرت امام احمد اور ابن سعد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے وہ فرماتے تھے، کہ ہم غزوہ بدر کے ایام میں تین آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے اور حضرت علی اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما ہمارا اللہ ﷺ کی سواری پر سوار تھے۔ وہ دونوں عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ! آپ سوار ہو جائیں، ہم ساتھ ساتھ پیدل چلنے رہیں گے تو آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا تم پیدل چلنے میں مجھ سے زیادہ طاقتور اور قوی نہیں ہو اور نہ میں تمہاری نسبت اجر لینے سے مستغنی ہوں (۱) صاحب البدایہ والنعیان نے کہا ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعاً انہیں مقام روحاء سے واپس لوٹانے کے لئے پہلے کا ہے، ورنہ اس کے بعد تو آپ ﷺ کے ساتھ سواری میں حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما شریک تھے۔ صحابہ کرام کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک حضرت مقداد بن اسود کے پاس تھا اور ایک زبیر بن عوام کے پاس تھا اور ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق صحابہ کرام کے پاس تین گھوڑے تھے اور یہ تیسرا گھوڑا مرحبہ بن ابی مرثد فتویٰ کے پاس تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا ہر ان کی طرف دو دیکھو تو انہوں نے فوراً تیر چلے پر چڑھایا اور ساتھ ہی حضور نبی کریم ﷺ کے پیٹی ٹھوڑی مبارک حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ان کے کان اور کندھے کے درمیان رکھی اور حکم فرمایا تیر چلاؤ اور ساتھ دعا فرمائی اے اللہ! اس کے تیر کو کبھی نشانہ پر پہنچاؤ۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تیر چلا یا اور وہ ہرن کے سینے پر جا لگا۔ آپ ﷺ تبسم کمال ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ ابھی اس میں جان باقی تھی کہ آپ نے اسے ذبح کر دیا اور اٹھا کر سنے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اسے تمام کے درمیان تقسیم کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ پھر آپ ﷺ مقام ذی ریح میں قیام فرما ہوئے، یہ مقام روحاء کے درمیان ہے، پھر یہاں سے موڑ تک چلے اور وہاں سے مکہ کا راستہ بائیں طرف چھوڑ دیا اور دائیں سمت نازیہ کے راستہ پر بدر کے اردو سے گامزن ہو گئے۔ پس آپ ﷺ نازیہ کے کنارے چلے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے نازیہ اور مصیق اسفراء کے درمیان وادی زحکان کو طے کر لیا۔ پھر جب مصیق اسفراء پر پہنچے تو تھوڑا سفر تیشب میں کھینچا کہ جب اسفراء کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے نبی سادہ کے حلیف ہمیس بن عمرو جینی اور نبی نجار کے حلیف عدی بن ابی الرغایہ کو ابوسیان کی خبر معلوم کرنے کے لئے بدر کی طرف بھیجا۔ جب رسول اللہ ﷺ اسفراء سے بائیں سمت چلے تو وادی ذفران کی دائیں طرف چلے رہے۔ جب وادی کو طے کر چکے تو خرموصول ہوئی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت کے لئے چل پڑے ہیں۔ تب آپ ﷺ نے لوگوں سے مشورہ طلب فرمایا۔ پہلے مہاجرین نے گفتگو کی اور انتہائی اچھی گفتگو کی۔ آپ ﷺ نے مشورہ طلب فرمایا تو پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور انتہائی حسین انداز میں اپنا مدعی بیان کیا۔ پھر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اٹھے آپ نے بھی انتہائی خوبصورت کلام کیا۔ پھر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ

جملہ ترکیب کام میں آخر جو حک کی کاف ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر سے اٹکا اس حال میں کہ تمہارا لنگھنا موٹنیں سے ایک گروہ کو ناپسند تھا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جملہ مستند ہے، اسے جملہ عالیہ مانا جائز نہیں کیونکہ حال اور ذوالحال کے لئے زمانے کا ایک ہونا واجب ہے اور اس میں تو کوئی ٹک نہیں کہ ان کے لئے مدینہ منورہ سے خروج ناپسندیدہ تہا ہوا جب اتفاقاً بنی نضیر سے جنگ ہوئی اور نابتدا وہ مدینہ طیبہ سے خروج ان کے لئے ناپسندیدہ نہیں تھا کیونکہ اس وقت تو بغیر جنگ کے ایک قافلے سے مال حاصل کرنے کی غرض سے وہ اس کی رغبت رکھتے تھے۔

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابوالایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم جب ایک دو دن تک پہنچتے رہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قوم سے جنگ کے بارے تم کیا رائے رکھتے ہو کیونکہ انہیں تمہارے نکلنے کی خبر ہو چکی ہے۔ تو ہم نے عرض کی تم بھلا ہم قوم سے جنگ کی طاقت نہیں رکھتے۔ بلکہ ہم تو قافلے کے ارادے سے نکلے ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا کیا تم قوم (قریش) سے جنگ کی رائے رکھتے ہو تو ہم نے دوبارہ بھی وہی پہلے والا جواب دیا۔ (۱)

يُجَادُوْكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ صَاتِبِيْنَ كَاْتَمِيْۤا قَوْنِ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

”جھگڑ رہے تھے آپ سے جہاد میں لے کر اس کے بعد کہ وہ واضح ہو چکی تھی، گویا وہ ہانگے جا رہے تھے موت کی طرف درآئیں گے کہ وہ (موت کو) دیکھ رہے ہیں۔“

لہٰذا وہ آپ سے جھگڑ رہے تھے اس لئے کہ آپ تو حق کو غلبہ دینے کے لئے جہاد کو ترجیح دے رہے تھے۔ جبکہ ان کی پسند فقط قافلے سے ملاقات تھی اور ان کے جھگڑ رہے سے مراد ان کا یہ قول تھا کہ ہم تو قریش سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ہم تو فقط قافلے کے ارادے سے نکلے تھے۔

۱۔ ان کا یہ جھگڑا اس کے باوجود تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ انہیں مطلع فرمایا کہ تمہیں کہ ان کی مدد کی جائے گی کیونکہ مقام روجا پر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک کے بارے میں آپ سے (حق کا) وعدہ فرمایا ہے، ایک (ابوسفیان کا) قافلہ ہے اور دوسرا لشکر قریش ہے۔

۲۔ اس سنی کا تعلق کفار ہونے کے ساتھ ہے، یعنی وہ جنگ کو ایسے ہی ناپسند کر رہے تھے جیسے وہ شخص جسے موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو اور وہ اپنی موت کے اسباب کا مشاہدہ کر رہا ہو اور اس کا توارگی کا سبب تعداد کی قلت اور جنگ کے لئے کمان تیار نہی کا نہ ہونا تھا۔ ان زبیر نے کہا ہے کہ ان سے مراد مشرکین تھے جو حق کے بارے میں آپ سے جھگڑتے تھے کیونکہ ان کے لئے حق کی طرف آنا ایسے ہی تھا جیسے موت کی طرف انہیں لے جایا جا رہا ہو۔ (۲)

وَ اِذْ يَبْعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطّٰٓئِفَتَيْنِ اَنْتَہَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنْ اَنْتَ غَيْرَ ذٰلِكَ الشُّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يَرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعُ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبٰطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

”اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کان اور دوسرے ہوں سے کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم پسند کرتے تھے کہ

نہتہ گروہ تمہارے حصے میں آئے۔ اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو حق کر دے اپنے ارشادات سے اور کاذب دے کافروں کی جزا۔ تاکہ ثابت کر دے حق کو اور منادے باطل کو اگر چنانچہ ناپسند کریں (اس کو) عادی مجرم سے۔

یہ عارف فعلِ مہذوفِ اذکر کے متعلق ہے۔ یعنی اذْکُرْ اِذْ یُعَذِّبُکُمُ اللّٰہُ علیہ دو گروہوں سے مراد ابو سفیان کا قافلہ اور لیکر قریش ہے۔ ترکیبِ کلام میں ضمیر مفعولِ اول ہے اور اخذی الطَّائِفَتَیْنِ دوسرا مفعول ہے اور اُنھِیْ لَکُمُ اِخْذِی سے بدل استعمال ہے۔ یہ شوکت سے مراد اشدتِ قوت اور تیزی ہے۔ یہ لفظ شوک سے مستعار لیا گیا ہے جس کا معنی کانٹا اور ہتھیار ہے۔ یہاں مراد وہ تجارتی قافلہ ہے جس کے پاس کوئی جنگی ہتھیار اور دفاعی قوت موجود نہ تھی۔ یعنی تم پسند کرتے تھے کہ بغیر جنگ کے کثیر مال دولت تمہارے ہاتھ لگ جائے۔ ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک کا ان سے وعدہ فرمایا تھا اور وہ قافلے سے ملتا پسند کرتے تھے کیونکہ اہل قافلہ کے پاس زیادہ قوت اور طاقت نہ تھی لیکن جب قافلہ نکل گیا اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ساتھ لیکر قریش سے مقابلے کا ارادہ فرمایا تو بعض لوگوں نے اسے ناپسند کیا کیونکہ قریش کے پاس تعداد کی کثرت تھی اور سامانِ حرب کی زیادتی تھی۔ (1)

اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ حق کو غالب و عطا فرمائے اور اسے سر بلند کر دے اپنے ان حکمت کے ساتھ جو اس حال میں آپ کی طرف وحی فرمائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قتال کا جو حکم فرما رہا ہے یا ملائکہ کو تمہاری امداد کا جو حکم فرما رہا ہے وہ حق کو غالب کرنے اور اسے سر بلند رکھنے کے لئے ہے۔ بعض کے نزدیک حکمت سے مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے دین کو غالب کرنے اور اسے اعزاز و اکرام عطا فرمانے کے بارے میں فرمایا تھا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ کفار کو جزا سے اکھڑ دے یہاں تک کہ کفار عرب میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے مگر یہ کہ اسے قتل کر دیا جائے یا وہ اسلام قبول کر لے۔ آیت کا مضمون کچھ اس طرح بنتا ہے کہ تم یہ چاہتے تھے کہ مال و منال تمہارے ہاتھ آئے اور تمہیں جنگ جیسے تلخ حالات کا سامنا نہ کرنا پڑے لیکن اللہ تعالیٰ تو دین کی سر بلندی اور حق کو غالب دینے کا ارادہ رکھتا تھا اور ایسا عمل چاہتا تھا جس سے تمہیں دونوں جہاں میں کامیابی و کامرانی حاصل ہو۔

یہ یہ یا تو متعلق کے متعلق ہے یا اس کا تعلق فعلِ مہذوف سے ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے فَعَلَ مَا فَعَلَ لَیُنْبِتَ الْاِسْلَامَ۔ یعنی جو کچھ کیا اس لئے کیا تاکہ اسلام کو (عملاً) ثابت کر دے اور لفظ کو باطل کر دے۔ یہی کلام میں مکرر آتا ہے جیسے لَیُنْبِتَ الْاِسْلَامَ لَیُنْبِتَ الْاِسْلَامَ۔ مقصد کے مابین تفاوت اور فرق کیا ہے اور وہ بارہ ذکر کرنے کی علت یہ ہے کہ وہ سب واضح کر دیا جائے جس کی بنا پر اللہ ﷺ کو ایک طاقتور لشکر سے مقابلہ کرنے کا حکم فرمایا گیا اور اس کے خلاف مدد کا وعدہ کیا گیا۔ اگرچہ مشرکین اسے ناپسند ہی کریں۔

واقعدہ بدر:- رسول اللہ ﷺ ذفران سے پہلے تو اسافر کی پہاڑیوں کے راستے آگے بڑھتے گئے۔ (اسافر سے مراد وہ پہاڑیاں ہیں جو جندہ کے قریب کہ نہر سدہ کی طرف جانے والے راستے کی دائیں جانب واقع ہیں۔) پھر آپ ﷺ شردہ کی طرف بڑھے اور تنان کو دائیں طرف چھوڑ دیا۔ تنان بہت بڑے پہاڑ کی مش ایک بہت بڑا ریت کا ٹیلہ ہے۔ پھر آپ ﷺ بدر کے قریب جا کر فروکش ہو گئے۔ بعد ازاں آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سواریوں کو ایک بڑے عرب کے پاس جا کر بیٹھے اور اس سے قریش کے بارے اور محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کے بارے استفسار کیا۔ بڑھے نے جواب دیا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ محمد ﷺ

اور ان کے ساتھی فلاں فلاں دن چلے ہیں۔ اگر مجھے صحیح خریدی گئی ہے تو پھر آج وہ فلاں مقام پر ہوں گے۔ اس نے اسی جگہ کا ذکر کیا جس جگہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام قیام فرماتے اور قریش کے بارے میں خبر موصول ہوئی ہے کہ فلاں دن روانہ ہوئے ہیں، اگر یہ خبر درست ہے تو وہ آج فلاں جگہ پر ہوں گے اور اس نے اسی جگہ کا نام لیا جہاں قریش پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ پھر اس بوز سے پوچھا تم دونوں کون ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے تو ریۃ ارشاد فرمایا ہم ماہ سے ہیں۔ (نخن من مناہب۔ آپ کی مراد اس سے ماوراق ہے لیکن اسے یہ وہم دلایا کہ ہم ماہ قبیلہ میں سے ہیں)۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کی طرف واپس لوٹ آئے۔ جب شام ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو صحابہ کرام کی جماعت کے ہمراہ بدر کے چشمہ کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر آئیں۔ چنانچہ انہوں نے قریش کے ستوں (پانی پلانے والے ماٹھی) کو پکڑ لیا۔ ان میں ایک نبی صاحب کا قلام مسلم تھا اور دوسری عاصی بن سعید کا قلام ابویسار تھا۔ وہ ان دونوں کو ساتھ لے آئے اور ان سے باز پرس کی۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے۔ ان دونوں نے کہا ہم تو قریش کے خادم ہیں، انہوں نے ہمیں پانی لینے کے لئے بھیجا ہے۔ لیکن ان کا یہ جواب مسلم نابل کو پسند نہ آیا کیونکہ انہیں یہ توقع تھی کہ یہ دونوں ابوسفیان کے قافلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے انہیں مارا جینا۔ جب خوب ان کی پٹائی کی تو انہوں نے کہہ دیا ہم ابوسفیان کے قافلے کے آدمی ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے انہیں مارا چھوڑ دیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز کا رکوع کیا، دو تہجد کے اور سلام پھیر کر ارشاد فرمایا جب یہ دونوں تم سے بچ گئے رہے تم انہیں مارتے رہے اور جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انہیں چھوڑ دیا، قسم بخدا انہوں نے بچ کا تھا کہ ان کا تعلق قریش سے ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا مجھے قریش کے بارے میں بتاؤ، تو انہوں نے عرض کی کہ قریش اس ٹیلے کے پیچھے ہیں، یعنی وہ ٹیلہ جو عدوہ قصویٰ (بلند مقام) اور شیبہ عقیقل سے دکھائی دے رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ان کی تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے عرض کی وہ تیسیر ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا ان کی تعداد کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی ہم صحیح تعداد نہیں جانتے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ عرض کی ایک دن نو اونٹ اور ایک دن دس اونٹ ذبح کرتے ہیں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے مابین ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا ان میں سردار ان مکہ میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا عقبہ شیبہ ابن ربیعہ، ابوالمخری بن ہشام، حکیم بن حزام، یوسف بن خویلدہ، عاصم بن عامر، طحیہ بن عدی، نضر بن حارث، ربیعہ الاسود، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ، اہل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مکہ ہے جس نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری جانب پھینک دیا ہے۔ (1)

ابن عابد نے کہا ہے کہ مسلمان راستے میں ہلکا قیام کرتے چلتے رہے، یہاں تک کہ دس دنوں میں جحفہ پہنچ گئے۔ یسعیس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء بدر کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے پانی کے قریب ایک ٹیلے پر اپنے اونٹ بٹھا رکھے تھے۔ پھر مشکیزے اٹھا کر بھرنے لگے کہ وہاں پانی کے پاس تمہاری بن عمرو جتنی بھی موجود تھا اور وہاں کے باسیوں کی کوٹھریاں وہاں موجود تھیں۔ دو لوٹ پوٹ نے ایک دوسرے کو پکڑ رکھا تھا (اور ایک اپنا حق دوسری سے مانگ رہی تھی) اتنے میں عدی اور یسعیس نے دوسری کو یہ جواب دیتے ہوئے

سناٹل یا پوسوں قافلہ یہاں پہنچ جائے گا۔ میں ان کے لئے کچھ کام کروں گی اور پھر تیرا حق تجھے ادا کروں گی۔ اس پر عہدی نے کہا اس نے سچ کہا ہے۔ یہ قول بھی عدلی اور سبب دووں نے سن لیا۔ یہ دونوں فوراً اپنے انہوں پر سوار ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کر دیا۔ (1)

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ ابوسفیان اپنے قافلہ کے ساتھ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو وہ انتہائی خوفزدہ تھا۔ ضمضم بن عمرو اور نصیر کی واپس بھی تاخیر ہو گئی، لہذا وہ انتہائی دہشت زدہ حالت میں بدر میں اترا اور انتہائی محتاط حالت میں وہ قافلہ کے آگے آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ پانی کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں عہدی بن عمرو جہنی کو دیکھا تو پوچھا کیا تجھے اس علاقے میں کسی کا احساس ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا میں نے کوئی اچھی نہیں دیکھا مگر یہ کہ میں نے دوسوا دیکھے ہیں (یعنی سبب اور عدلی) انہوں نے اس ٹیلے کے پاس اپنے اونٹ نکھائے پھر اپنے مشکیزوں میں پانی لیا اور چلے گئے۔ ابوسفیان اس جگہ پر آیا جہاں انہوں نے اونٹ بٹھائے تھے۔ وہاں سے ایک مشکلی اٹھا تو تیری تو اس سے نکھلی برآمد ہوئی۔ یہ دیکھ کر وہ کہا اٹھتا ہوں بخدا اسے تو اہل یشرب کا چارہ ہے۔ وہ فوراً اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ کر آیا وہاں تک کہ پانی کی جانب پہنچ کر قافلہ کو مسائل سمندر کے راستہ پر گامزن کر دیا اور تلاش کے خوف سے رات دن تیز رفتاری سے چلتا رہا۔ جس جگہ ابوسفیان نے دیکھا کہ اس نے قافلہ کو محفوظ کر لیا ہے تو اس نے قریش کی طرف قیس بن امروہ اقیس کو بھیجا کہ تم اپنے قافلے کے آدھیں اور حال کی حفاظت کے لئے نکلے تھے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو بچالیا ہے تو تم واپس لوٹ آؤ۔ قریش مقام بھدہ پر تھے کہ قیس یہ خبر سنا کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن ابوسفیان نے کہا قسم بخدا ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ ہم بدر میں ضرور اتریں گے چونکہ عرب کے تہواروں میں سے ایک تہوار ہر سال بدر میں لگتا تھا اور ہر سال یہاں بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا اور یہ دن بھی اس تہوار کے دن ہی تھے۔ اس لئے ابوسفیان نے کہا ہم تین دن تک وہاں قیام کریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، کھانا تقسیم کریں گے، شراب کے جام لٹاؤ جائیں گے، گانے والیاں آلات موسیقی کے ساتھ اپنے گانے پیش کریں گی۔ اس طرح سارے عرب کو ہماری آمد کا علم ہو جائے گا تبھی اس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے مرعوب رہیں گے۔ (2) ابن اہلبی نے تو بنیادی طور پر کہہ کر تھکے کہ ہی خلاف تھے اور وہ اس مقصد کے لئے ایک دوسرے کے پاس چل کر بھی گئے اور اب بھی جنہوں نے باز رہنے کی توجہ بزدلی ان میں عاصم بن عامر، امیہ بن خلف، رقیق کے دونوں بیٹے عقبہ اور شیبہ، حکم بن امام، ابو انخری، ہلی بن امیہ بن خلف اور ابو العاصمی تھے جن کی کہ ابو جہل نے انہیں بزدلی کی عار دلائی اور جنہوں نے ابو جہل کی رائے سے اتفاق کیا ان میں عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث اور عاصم بن مہدہ تھے لیکن بالآخر قرام کے قرام آگے جانے پر متفق ہو گئے۔

انض بن شریف نے کہا جو کہ بنی زہرہ کا حلیف تھا اسے بنی زہرہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں کو بچالیا ہے اور تمہارے سر وار خرمہ بن نوفل کو بھی نجات عطا فرمادی ہے اور تم صرف اور صرف اس کی حفاظت اور مال کے بچاؤ کے لئے ہی روانہ ہوئے تھے۔ لہذا اب تم واپس نہ کی طرف لوٹ جاؤ۔ بنی زہرہ کی تعداد تقریباً ایک سو تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد تین سو کے قریب تھی۔ انض کی بات سن کر بنی زہرہ مکہ مکرمہ واپس لوٹ گئے صرف وہ آدمی جو کہ مسلم بن شہاب زہری کے چچا تھے، وہ واپس نہیں گئے اور حالت کفر میں ہی قتل کر دیئے گئے۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ قیس بن امروہ اقیس ابوسفیان سے جا ملا اور اسے قریش کے آنے کی خبر دی۔ تو اس نے کہا

ہائے سہری قوم یا عہد عرب بن ہشام یعنی ابوجہل کا عمل ہے۔ افس کی رائے کے بعد بخزیرہ کی حالت قابل رشک ہوگی (کیونکہ اسی کی رائے پر عمل کرنے کے سبب وہ میدان بدر میں ہونے والے نقصان سے محفوظ رہے تھے)۔ اس لئے وہ ان میں قابل تکریم ہو گیا اور وہ اس کی ہر بات کی طرف کان دھرنے لگے۔ بخو ہشام نے بھی وہاں لوٹنے کا ارادہ کیا مگر ابوجہل نے ان پر سختی کی اور کہا یہ جماعت ہمارے وہاں لوٹنے تک ہم سے صلحہ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ قریش چلنے سے یہاں تک کہ بلن داوی اور ریت کے بہت بڑے ٹیلے کے پیچھے ایک اونچے مقام پر اتر پڑے اور اونچے والے کنارے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا پڑاؤ ڈالا۔ اس تہیج کے لحاظ سے مشرکین نے پانی پر قبضہ جمایا اور مسلمان پانی کی قلت کے سبب سخت اضطراب میں پڑ گئے۔ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ اندازی کی کہ تم تو یہ گمان کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول بھی ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ مشرکین نے پانی پر قابض ہیں اور تم جنسی حالت میں نماز پڑھ رہے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسی رات بارش نازل فرمائی اور مشرکین کی جانب توجہ تھی سو سلاحدار بارش برسی کہ اس نے انہیں جوش قدمی سے روک دیا۔ جبکہ مسلمانوں کی جانب بھگی بارش ہوئی جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پاک بھی فرما دیا، ان سے پانی کو روک فرما دیا اور زمین بھی ان کے لئے ہموار کر دی۔ ریت چھوٹی اسی پر پاؤں چھنے کے اور پڑاؤ کی جگہ بھی اجنبی موزوں ہوگی۔ دل مضبوط ہو کے اور ادھر ادھر چلنے کے مانع بھی کوئی چیز نہ رہی۔ وہاں پانی کے جگر کہ پہنچے گی۔ موتین نے پانی ہی بھر کر بیا، مقلین سے بھر لئے، اونٹوں کو خوب سیرایا اور غسل جنابت وغیرہ کر لیا۔ اسی رات اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک ایسی اونگھ طاری کر دی کہ سب سو گئے حتیٰ کہ ایک دوسرے کے ماتھے آ کر کھڑا ہوتا ہے اسماں ہی نہ ہوتا کہ وہ پہلو کے بل گر پڑے (13) ابویعلیٰ اور بیہقی نے دلائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ غزوہ بدر کے دن حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بھی گھوڑ سوار نہیں تھا اور میرے سامنے اب تک وہ منظر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مہم میں سے ہر ایک سوار ہاتھ۔ صرف آپ ﷺ صبح تک درخت کے نیچے نماز ادا کرتے رہے۔ یہ نعمت المبارک کی رات تھی اور دو گویا فریقوں کے درمیان ریت کی ایک پہاڑی حائل تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے قریش کی فروگاہ کا پیکر لگا یا اور آ کر اطلاع دی کہ وہ انتہائی خوفزدہ اور پریشان ہیں اور ان پر بارش خوب برسی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کے وقت ان کی طرف جوش قدمی کی تاکہ پانی پر ان سے پہلے پہنچ جائیں جبکہ انہیں تو وہاں پہنچنے سے بارش نے روک رکھا تھا۔ جب آپ ﷺ بدر کے پہلے ہی جیش پر پہنچے تو آپ ﷺ اور مشرکوں نے (2) ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حساب بن منذر بن جموح حاضر مذمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس جگہ اترنے کا سبب کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے یہاں اترنے کا حکم فرمایا ہے پھر تو ہم اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے یا یہ ایک رائے اور جنگی جال ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا میں بلکہ یہ ایک رائے جتنی جالی اور مصلحت ہے تو بظہر انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! پھر یہ جگہ موزوں نہیں ہے، آپ ﷺ یہاں سے لوگوں کو اٹھنے کا حکم فرمایا اور قریش کے قریب ترین پانی تک لے چلے اور وہاں جا کر پڑاؤ ڈالے۔ پھر ہم وہاں ایک کنواں کھودیں گے، پھر اس پر حوض بنا کر اسے پانی سے بھر لیں گے۔ ہم اس سے پانی پی لیں گے لیکن وہ اس پانی سے نہیں پی لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے مضبوط رائے سے مشورہ دیا ہے (3) ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں

2۔ دلائل النبی وارتھائی، جلد 3 صفحہ 38-39 (اعلیٰ)

1۔ سنن ابیہدی وارتھاد، جلد 40 صفحہ 30-29 (اعلیٰ)

3۔ غزوہ بدر، وارتھاد، جلد 4 صفحہ 30 (اعلیٰ)

حاضر ہوئے اور اگر کہا کہ جو مشورہ جناب نے دیا ہے وہ صاحب ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اٹھے اور تقریباً آدھی رات کے وقت قریش کے قریب ترین پانی کے پاس پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ پھر وہاں کتوں اٹھوئے کے کا حکم فرمایا کتوں کو بھڑوایا گیا اور پاس ہی ایک حوض تعمیر کر دیا گیا اور اسے پانی سے بھردیا گیا پھر تمام لوگوں نے اپنے اپنے برتن اس میں ڈال دیئے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم آپ ﷺ کے لئے ایک عریض (سامان) نہ بنا دیں جس میں آپ ﷺ آرام فرما ہوں گے، ہم قریب ہی آپ ﷺ کے لئے سواریاں بھی تیار رکھیں گے، پھر خود موٹمن کا مقابلہ کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر غلبہ عطا فرمادیا تو ہمارا مقصود حاصل ہو جائے گا اور اگر مصورت حال دوسری ہوئی تو آپ ﷺ سواری پر سوار ہو کر ان لوگوں کے پاس مدینہ منورہ پہنچ جائیں جنہیں ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ یا نبی اللہ ﷺ! بہت سے ایسے لوگ پیچھے رہ گئے ہیں جن کے دلوں میں آپ ﷺ کی محبت قطعاً ہم سے کم نہیں، اگر انہیں یہ گمان ہوتا کہ آپ ﷺ کو جنگ سے واسطہ پڑ جائے گا تو وہ قطعاً آپ ﷺ سے پیچھے نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ ہاتھیں ان کی مدد سے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائے گا۔ وہ آپ ﷺ کے لئے خیر خواہ بھی ہوں گے اور آپ ﷺ کے ساتھ جہاد بھی کریں گے۔ پس یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد کو کلمات خیر سے نوازا اور اپنی خصوصی دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کے لئے ایسے بلند مقام پر عریض بنا دیا گیا جہاں سے میدان جنگ بائیں سامنے تھا۔ اس میں آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما تشریف فرما ہوئے۔ کوئی تیسرا پاس موجود نہیں تھا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کو اہمائل کئے دروازے پر کھڑے ہوئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ میدان جنگ میں تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے اشارے فرما کر بتایا یہ فلاں (کافر) کے کرنے کی جگہ ہے یہ فلاں کے کرنے کی جگہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اور پھر جنگ میں آپ ﷺ کے اشارے کی جگہ سے معمولی بھی کوئی آگے پیچھے نہیں گرا۔ اسے احمد اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (۱)

طبرانی نے رافع بن خدیج سے روایت نقل کی ہے کہ فرزادہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر اہل اسلام کا کوئی پتہ پیدا ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے لگے، یہاں تک کہ اسی حال میں آخری عمر تک پہنچ جائے پھر بھی تمہاری اس (بدر والی) رات کے مقام کو نہیں پاسکتا اور مزید فرمایا وہ ملائکہ جو فرزادہ بدر میں شامل ہوئے انہیں ان پر فضیلت حاصل ہے جو پیچھے رہ گئے۔ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، بہر حال ایک راوی حضرت ابن معمر بن معاصم غیر معروف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حج بدر میں ہی کی اور قریش مکمل سامان حرب کے ساتھ تیس ہونکر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کی عداوت و دشمنی میں نکل گئے تھے وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ پر کرام کے بارے میں شدید غیصے میں تھے۔ غیظ و غضب سے ان کے جذبات انتہائی بھڑکے ہوئے تھے کیونکہ یہ ان کے قافلے کو لوٹنے اور قافلے میں موجود لوگوں کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، جبکہ ابھی کچھ وقت پہلے عمرو بن حفص اور اس کے قافلے پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ ہم نے یہ واقعہ سورہ بقرہ کی آیت یَسْتَلْئُونَكَ عَنِ الشَّعْثِ الْعَرَبِ اَوْ قِبَالِ فِئْتِهِ کے تحت ذکر کر دیا ہے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو دیکھا کہ وہ ریت کے نیلے کے پیچھے سے وادی میں اتر رہے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلے زعد بن امود گھوڑے پر سوار ہو کر سامنے آیا اس کے پیچھے اس کا بیٹا بھی تھا۔ تو اس نے آتے ہی اپنے گھوڑے پر ایک چکر لگایا۔ وہ اپنی قوم کے لئے پڑاؤ کی مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قریش اپنے تمام تر فخر اور غرور و تکبر کے ساتھ آگے آئے اللہ! یہ تیرے رسول سے جھگڑتے ہیں اور اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اسے اللہ! جس شخص

نصرت کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ مجھے عطا فرما اور صبح آئیں ہلاک و برباد کر دے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے عقبہ بن ربیعہ کو سرخ اونٹ پر سوار دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر قوم میں سے کسی فرد میں کوئی خیر ہو سکتی تھی تو اس سرخ اونٹ والے میں تھی، اگر وہ اس کی اطاعت کر لیتے تو ہدایت پا جاتے۔ پھر فرمایا یہ عقبہ ہے ہے جو انہیں جنگ سے روک رہا ہے۔ وہ اس لوٹ جانے کے لئے کہہ رہا ہے اور یہاں تک کہہ رہا ہے اسے میری قوم! آج کے دن اس عار کی ہٹی میرے سر باندھ دو اور یہ کیونقبہ بزدل اور نامراد ہو گیا لیکن ابو ذہبیل انکار کرتا رہا (اور جنگ پر اڑا رہا) خلف بن ایماہ بن رحفۃ الغفاری یا اس کے باپ نے اپنے بیٹے کے ہمراہ کچھ اونٹ قریش کی طرف بطور ہدیہ بھیجے (بعد میں یہ تینوں اسلام لے آئے تھے مگر اس وقت کفر پر ہی تھے) اور ساتھ کہلا بھیجا اگر تم یہ نہ کرو تو ہم افراد اور ہتھیار لیکر تمہاری معاونت کے لئے آجائیں مگر قریش نے یہ جواب دیا تمہارے ساتھ ہمارا تعلق مضبوط اور مستحکم ہے، جو آپ پر حق بننا تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔ اگر ہمارا مقابلہ لوگوں سے ہوگا تو خدا کی قسم ہم کسی طرح ان سے کڑو نہیں ہیں اور اگر ہمارا مقابلہ اللہ تعالیٰ سے ہوگا جیسا کہ محمد ﷺ کا خیال ہے تو پھر کسی میں بھی اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ جب لوگ اتر آئے تو قریش کے چند افراد رسول اللہ ﷺ کے بنائے ہوئے حوض پر آئے، ان میں حکیم بن حزام بھی تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو، حکیم بن حزام کے سوا جس کسی نے بھی اس سے بانی چاہوہ منتقل ہوا۔ حکیم بن حزام کل نہیں ہوئے تھے اور بعد ازاں انہیں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا اور پھر اپنے اسلام پر خوب اعلیٰ طرح کا ر بند رہے۔ آپ جب کبھی انتہائی مضبوط قسم کھایا کرتے تو اس طرح کہتے قسم ہے اس ذات کی جس نے بدر کے دن مجھے نجات عطا فرمائی۔ جب لوگ مطمئن ہو گئے تو انہوں نے میر بن وہب نجفی کو بھیجا۔ انہوں نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا کہ جاؤ اور محمد ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد معلوم کر کے آؤ۔ چنانچہ اس نے فکھر کے ارگردار اپنا چھوڑا دوڑا یا اور پھر وہاں جا کر بتایا کہ صحابہ کرام کی تعداد کہو بیش تین سو ہے لیکن مجھے تھوڑی مزید یہ ہلکت دو تا کہ میں یہ فوراً فکھر کر سکوں کہ میں کھک چھٹی ہوئی نہ ہو۔ چنانچہ وہ وہاں ہی دور تک گیا لیکن اسے کچھ دیکھنا نہیں دیا۔ اس نے وہاں پلٹ کر کہا میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ لیکن اسے گروہ قریش! اتنا ضرور دیکھ لیا ہے کہ بلائیں موتوں کو اٹھائے ہوئے ہیں، پانی پھینچنے والے اونٹوں پر اہل شرب سوار ہیں، تلواروں کے سوانہ ان کے پاس کوئی حفاظتی سامان ہے اور نہ ان کی کوئی پناہ گاہ ہے۔ کیا تم انہیں جانتے نہیں کہ وہ ہاتھ بڑی ہوشیاری سے کرتے ہیں، ساتھیوں کی طرح اپنی زبان کو حرکت دیتے ہیں، قسم بخدا! میں یہ خیال کر رہا ہوں ان میں سے کوئی آدمی اس وقت تک قتل نہیں ہوگا جب تک تم میں سے ایک کو قتل نہیں کر ڈالے گا اور اگر انہوں نے اپنی تعداد کے برابر افراد بھی تم سے قتل کر دیئے تو اس کے بعد اچھی زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ آگے تم خود سوچ لو۔ اس کے بعد انہوں نے ابولہبہ حمی کو بھیجا جس نے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے گرد پھر گایا۔ جب لوٹ کر آیا تو کہا قسم بخدا! انہیں نے ہڑے کہا اس دیکھا، گھوڑے، نذر ہیں دیکھیں اور نہ دیکر سامان حرب، بلکہ میں نے اس قوم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جانے کا خیال بھی نہیں رکھتے، وہ مسلمان قوم ہیں اور موت کے طلب گار ہیں۔ تلواروں کے سوانہ تو ان کے پاس محافظت کا سامان ہے اور نہ ان کی کوئی پناہ گاہ ہے۔

ذخالیوں کے پیچھے نعلی آنکھوں والے ہیں، گویا وہ چٹائیں ہیں جو غیر متحرک ہیں۔ آگے تم خود سوچ لو۔ جب یہ گفتگو حکیم بن حزام نے سنی تو وہ لوگوں میں سے اٹھ کر عقبہ بن ربیعہ کے پاس آیا تاکہ وہ اس سے لوگوں کو واپس لوٹانے کے بارے میں گفتگو کرے۔ آکر کہا اسے ابولولید! تو قریش کا بہت بڑا آدمی ہے، ان کا سردار ہے، تیری بات تسلیم کی جاتی ہے، کیا تو ایک کام کر سکتا ہے جس کے سبب تیرا ذکر خیر آفرز ماند تک ہوتا رہے گا۔ اس نے پوچھا اسے تسلیم ادا کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ لوگوں کو واپس لوٹا دو اور اپنے حلیف عمرو بن

حضرتی کا معاملہ خود اٹھا لو۔ تو تہ نے جواب دیا اسے نسیم تو نے میرے پاس تو ایسا کر لیا۔ جنگ عمرو و ہر اعلیٰ ہے، اس کی دیت میں برداشت کر لیتا ہوں، اس کا مالی نقصان بھی اپنے ذمہ ڈال لیتا ہوں، لیکن تم ابن حطلہ کے پاس بھی تو جا آ۔ مجھے اس کے سوا کسی سے کوئی خوف نہیں وہی لوگوں پر جا دو کر دے گا۔ ابن حطلہ سے مراد ابوجہل ہے۔ بعد ازاں تہ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ قریش! تم کیا کر رہے ہو جس جملہ انہم کے ہمہ عظمتہ اور ان کے صحابہ کرام پر کچھ غلبہ یا بھی تو تم میں سے برآی ہمیشہ کے لئے دوسرے کی نظر میں مبغوض اور قابل نفرت ہو جائے گا کیونکہ برآی کسی کے چچا کے بیٹے، کسی کے ماموں کے بیٹے یا کسی کے خاندان کے کسی فرد کا قاتل ہوگا۔ اس لئے تم واپس لوٹ جاؤ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے عرب والوں کے لئے چھوڑ دو۔ اگر وہ ان پر غالب آگئے تو تمہاری مراد بھی پوری ہو جائیگی۔ اور اگر ضرورت حال اس کے برعکس ہوئی تو کم از کم تم نے تو ان سے کچھ تعرض نہیں کیا ہوگا۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے قوم سے جو موت کی آرزو مند ہے اور تم آسانی سے ان پر غلبہ نہیں پا سکتے اسے میری قوم اور تم آج کے دن اس عار کی پٹی میرے سر باندھ دو اور اسے کھینچ کر تہ بڑول ہو گیا حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تم میں بڑول نہیں ہوں۔

نسیم کہتے ہیں کہ پھر میں ابوجہل کے پاس چل کر گیا تو میں نے اسے اس حال میں پایا کہ اس نے زرد تیس سے اپنی زہرہ بزرگال رکھی ہے اور اسے درست کر رہا ہے۔ میں نے جاکر کہا ہے ابوالعلم! تہ نے مجھے اس کا کام کے لئے بھیجا ہے۔ لیکن ابوجہل نے پوری شدت اور قوت کے ساتھ یہ کہا جب سے اس کے عظمتہ اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھا ہے تب سے وہ یہی کہنے لگا ہے عمر ایسا بزرگ نہیں ہو سکتا، ہم جملہ اب! تو اس وقت تک واپس لوٹ کر نہیں جائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین فیصلہ نہیں فرماتا۔ تہ نے جو کہا ہے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کے عظمتہ اور آپ کے گوشت خور ساتھیوں کو دیکھ لیا ہے اور پھر اس کا بیٹا بھی ہے، اسے فقہ اس کے نقل ہونے کا خوف ہے۔ بعد ازاں ابوجہل نے عامر حضرتی کو بلا بھیجا اور اسے بتایا ہم جملہ اب! تمہارا حلیف تہ لوگوں کو واپس لے جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تم اٹھو اور قریش سے بیجا وعدہ وفا کرنے اور اپنے بھائی کے خون کا مطالبہ کرو۔ چنانچہ عامر حضرتی اٹھا اس نے اپنی سرین نگی کر دی اور چیخ چیخ کر کہنے لگے و اعصر لہ ما کے عمر میں اس کے بعد جنگ بھڑک اٹھی، لوگوں کا معاملہ شدت اختیار کر گیا۔ جنگ کے ارادہ پر وہ پختہ ہو گئے اور تہ نے لوگوں کو جو رائے دی تھی وہ ضائع اور برباد ہو گئی۔ جب تہ کو ابوجہل کا یہ قول پہنچا کہ اس نے کہا ہے کہ بیٹے کے ذریعہ سے ایسا کہہ رہا ہے تو اس نے شدت سے غصے کی حالت میں کہا کہ عترت یہ اس زمانہ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں دتا ہوں یا وہ۔ پھر تہ نے خود طلب کیا تاکہ اسے اپنے سر پر پہن کے عظمتہ نے پورے لشکر میں اتنا بڑا نوکری نہیں پایا جو اس کے سر کے لئے کافی ہو۔ جب اس نے یہ کیفیت دیکھی تو چاروں ہی اپنے سر کے اور زرد پیلٹ لی۔ ادھر ابوجہل نے اپنی تلوار سوچی اور اپنے گھوڑے کی پشت پر ضرب لگائی۔ یہ دیکھ کر ایما بن رضد نے کہا یہ بہت بُری فال ہے۔

محمد بن عمر اسلمی، ابان زری اور صاحب امتناع نے ذکر کیا ہے کہ قریش جب پڑاؤ کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا تاکہ انہیں یہ کہیں کہ وہ واپس لوٹ جائیں کیونکہ اگر میرے مقابل تمہارے سوا دوسرے لوگ ہوں تو یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پندیرہ ہے کہ میرے مقابل تم لوگ ہو۔ یہ سن کر حکیم بن حزام نے کہا عظمتہ نے خیر خواہی کی کی ہے پس تم اسے قبول کرو۔ ہم جملہ اب! جبکہ انہوں نے تمہیں انصاف کی پیشکش کر دی ہے، تم ان پر غالب نہیں آ سکتے۔ تو ابوجہل نے کہا تم جملہ اب! جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر اختیار دے دیا ہے تو اب انہیں پامال کیے بغیر ہم واپس نہیں جائیں گے۔

ابن منذر اور ابی حاتم نے ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ فرودہ بدر کے دن ابو جہل نے کہا تھا انہیں مضبوطی سے پکڑ لو اور انہیں رسیوں میں باندھ دو اور ان میں سے کسی کو بھی قتل نہ کرو۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی **وَإِنَّمَا تَلَوْتُم مَّكِّنًا تَلَوْتُمَا أَصْحَابَ الْبَيْتَةِ الْاٰیِدِ** یعنی وہ مسلمانوں پر اپنی قدرت ایسی ہی خیال کرنے لگے جیسے باغ والوں کو اپنے باغ پر ہوتی ہے۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو صف بستہ کیا۔ آپ ﷺ تیری شکل صفوں کو ہموار اور سیدھا فرما رہے تھے۔ اس دن آپ ﷺ کے دست مبارک میں چھوٹا سا تیرہ تھا۔ آپ ﷺ اس سے اشارہ کرتے ہوئے کسی کو فرماتے تھوڑا آگے بھرا اور کسی کو فرماتے تھوڑا پیچھے بھرا۔ یہاں تک کہ صفیں سیدھی ہو گئیں آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کا علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ وہ اس جگہ کی طرف آگے بڑھے جہاں آقا دو جہاں ﷺ نے علم کا فوٹے کا حکم فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کھڑے ہو کر صفوں کا مشاہدہ فرمانے لگے آپ ﷺ نے اپنے لشکر کا رخ مغرب کی طرف کیا اور سورج پشت کے پیچھے رکھا۔ سامنے سے مشرکین آئے تو ان کے دستوں کی طرف تھے۔ رسول اللہ ﷺ عہدہ شامیہ (عشائی کنارے) پر اترے ہوئے تھے جبکہ مشرکین عہدہ بھمانیہ (جنوبی کنارے) پر پڑاؤ کے ہوئے تھے۔ جب حضور نبی کریم ﷺ صفیں سیدھی فرما رہے تھے تو حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ صف سے ذرا آگے نکل آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں پیٹ میں دھکا سادہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا **سواد سیدھے ہو جاؤ۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے تمہارے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو اپنی برحق بنا کر بھیجا ہے آپ ﷺ مجھے بدلہ دیجئے۔ پس یہ سنتے ہی اس کریم آقا نے اپنا پیٹ ننگ کر دیا اور فرمایا سواد بدل لے لو۔ پس حضرت سواد رضی اللہ عنہ یہ کیفیت دیکھ کر پیٹ سے چٹ گئے اور بوسہ لیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **سواد! جو کچھ تم نے کیا ہے کس نے تجھے اس پر براہینت کیا ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہو چکا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ دیکھ رہے ہیں اور مجھے یہ توقع ہے کہ میں مارا جاؤں گا۔ اس لئے مجھے یہ آرزو ہوئی کہ میں آخری وقت آپ ﷺ سے چٹ جاؤں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ تمہارے قریب آ جا میں تو ان پر تیر چلاؤ اور جب تک وہ تمہارے بالکل قریب نہ آ جا میں ان پر کھوار سے حملہ نہ کرنا۔ اسی طرح ابوداؤد نے ابی اسید سے روایت کیا ہے۔****

پھر رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور لوگوں کو دوران جنگ ممبر اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے پر براہینت کیا، اسے میں قریش بھی جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور شہان بھی ان کے ساتھ ساتھ رہا۔ مسلمان اپنی صفوں پر ہی ثابت قدم رہے۔ سب سے پہلے عامر بن حضری حملہ کرتے ہوئے آگے بڑھا تو اس کے مقابلے کے لئے مسلمانوں میں سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آزر کردہ غلام بھیج بن عایش صف سے باہر نکلے لیکن ابن حضری نے انہیں شہید کر دیا۔ انصار میں سے سب سے پہلے شہید ہونے والے حضرت حارث بن سراقہ تھے۔ جنہیں حیان بن عرق نے شہید کیا تھا۔ بعد ازاں دشمن کی صفوں سے تہہ بن رہا جہاں بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کے ہمراہ باہر نکلا اور دعوت مبارزت دی تو ان کے مقابلہ میں اسلامی لشکر میں سے عوذ بن عوذ اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم باہر آئے۔ عوذ اور عوذ کے والد کا نام عمارت اور امرا کا نام مضر تھا۔ لیکن انہیں دیکھ کر تہہ نہ کہا ہمارا مقابلہ تو ہمارے ہم کھنڈر داروں سے ہے، تمہارے ساتھ تو ہماری کوئی غرض نہیں۔ پھر باؤز باندہ کہا کہ اے محمد (ﷺ)! ہمارے مقابلے کے لئے ہماری قوم کے سردار بھیجئے۔ تو پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عبید بن عمارت اے حمزہ تم اٹھو، اے علی تم اٹھو۔ پس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے تو شیبہ کو سنبھلنے کی مہلت رہی نہ دی ان واحد میں اسے قتل کر دیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی

مہلت اور تاخیر کے ولید کو اصل بچشم کر دیا۔ فقہ حضرت عبیدہ اور شبہ کے مابین چند ضرورں کا تبادلہ ہوا۔ دونوں کچھ کچھ زخمی ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں اپنی تلواروں کے ساتھ شبہ پر چل پڑے اور اس کا کام تمام کر دیا اور اپنے ساتھی کو اٹھا کر لے گئے۔ صحیحین میں ہے کہ ان ہی کے بارے سورۃ حج کی یہ آیت نازل ہوئی **هَذَا يَوْمَ نَخْتَصِمُونَ** انہما۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عرش میں تشریف لے گئے، کوئی تیسرا فرد وہاں موجود نہیں تھا اور رسول اللہ ﷺ وہاں اپنے رب کی بارگاہ میں اس فتح کی استقامت کرنے لگے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرما رکھا تھا۔ اسی دوران یہ اتفاق بھی کہ **اللَّهُمَّ إِنَّ فَهْلَكَ هَذِهِ الْعَضَابَةُ الْيَوْمَ لَا تُغْنِيكَ فِي الْأَرْضِ** (۱) (اے اللہ! اگر تو نے آج کے دن اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! اپنے رب کی مناجات میں تخفیف کیجئے، اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ آپ سے فرما رکھا ہے اسے ضرور پورا فرمائے گا۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو ایک مشورہ دینے کا ارادہ رکھتا ہوں، حالانکہ آپ ﷺ کی ذات والا شان اس سے بلند و بالا ہے کہ آپ کو کوئی مشورہ دیا جائے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا شان اس سے بزرگ و برتر اور عظیم ہے کہ اسے وعدہ یاد دلایا جائے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن رواحہ! میں اللہ تعالیٰ کو اس کا وعدہ یاد دلانا ترہوں گا، حالانکہ میں یہ یقین ہے کہ وہ کبھی بھی وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ (2)

ابن سعد اور ابن جریر نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ فرود ہونے کے دن میں کچھ دیر تک لڑتا رہا پھر دوڑتے ہوئے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا، کچھ دیر کھوں آپ ﷺ کیا کر رہے ہیں، تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنا سر نیا زنجیر سے میں رکھ کر یہ کہہ رہے ہیں یا حسیٰ یا قیوم۔ اس سے زائد آپ ﷺ کچھ نہیں کہتے۔ میں وہاں میدان کی طرف لوٹ گیا۔ کچھ وقت کے بعد پھر آیا تو میں نے آپ ﷺ کو حالت سجدہ میں وہی کہتے پایا۔ میں پھر میدان کی طرف لوٹ گیا۔ پھر جب وہاں آیا تو آپ ﷺ وہی کہہ رہے تھے، اس کے بعد فتح عطا فرمادی گئی (3) تبھی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ مزید یہ بھی بیان کیا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے رخ زیاں سوزا، ایسے محسوس ہوا گویا آپ ﷺ کا چہرہ انور چاند ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں شام کے وقت سے ہی قوم کے حصول ہو کر کرنے کی جھکیوں کو دیکھ رہا تھا۔ (4)

صحیح بن مسعود نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن شبہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے شترکین کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے دائیں طرف کھڑے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حالت نماز میں یہ دعا کی اے اللہ! مجھے رسوا نہ کرنا۔ اے اللہ! میں تجھے وہ وعدہ یاد دلانا ہوں جو تو نے مجھ سے فرمایا ہے۔ (5)

ابن ابی شیبہ، احمد، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ بدر کے دن جب رسول اللہ ﷺ نے شترکین کی طرف دیکھا کہ ان کی تعداد ایک ہزار ہے اور اپنے صحابہ کرام کی طرف دیکھا کہ ان کی تعداد تین

1- تفسیر ابن کثیر، جلد 3 صفحہ 10 (تہجدی) 2- تحفہ کبیر طبرانی، جلد 4 صفحہ 175 (اعظم و اقصیٰ)

3- المطالبات، کبیر بن ابی عمیر، جلد 2 صفحہ 28 (سار) 4- دلائل النبوة، از تینقی، جلد 3 صفحہ 50 (اعلیٰ) 5- سل الہدیٰ، دار الشریعہ، جلد 4 صفحہ 38 (اعلیٰ)

کی طرف دیکھ کر قسم فرمایا۔ (1)

ابن سعد اور ابوالفتح نے عطیہ بن قیس رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر کی لڑائی سے فارغ ہو گئے تو جبرئیل امین علیہ السلام سرخ رنگ کی گھوڑی پر سوار ہو کر حاضر خدمت ہوئے، آپ زورہ پہننے ہوئے تھے اور نیزہ پکڑے ہوئے تھے۔ آپ عرض کی اے محمد ﷺ مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف بھیجا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ میں آپ ﷺ سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں۔ آپ ﷺ فرمائیے کیا آپ خوش اور راضی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں ہاں میں راضی ہوں، چنانچہ پھر وہ اہل چلے گئے۔ (2)

فائدہ:- بعض فرشتے بعض لوگوں کے سامنے انسانی شکل میں ظاہر ہوتے تھے۔ ابراہیم حرثی ابو سفیان بن عمارت سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے بدر کے دن بعض سفید رنگ کے آدمی زمین و آسمان کے مابین چستمبر کے گھوڑوں پر سوار دیکھے تھے۔ یعنی اور ان عساکر رجبہ اللہ حضرت مہل بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے بدر کے دن زمین و آسمان کے درمیان کچھ سفید رنگ کے آدمی چستمبر کے گھوڑوں پر سوار دیکھے جو تل بھی کر رہے تھے اور قیدی بھی بنا رہے تھے۔ (3)

محمد بن عمرو اہلی اور ابن عساکر کہہ اللہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے فزادہ بدر کے دن دو آدمی دیکھے، ان میں سے ایک حضور نبی کریم ﷺ کی دائیں جانب تھا اور دوسرا بائیں جانب تھا۔ وہ دونوں سخت ترین قتال کر رہے تھے، پھر ایک تیسرا آدمی آپ ﷺ کے پیچھے آگیا، پھر آپ ﷺ کے سامنے ایک چوتھا آگیا۔ (4)

محمد بن عمرو اہلی اور ابن عساکر نے اپنے پیچھے کے بیٹے سے نقل کرتا ہے کہ بدر کے دن میں اور میرے چچا کا بیٹا بدر کے پانی پر تھے۔ جب ہم نے محمد ﷺ کے کاتبوں کی قلت اور قریش کی کثرت کو دیکھا تو ہم نے کہا جب یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے مقابل آئیں گے تو ہم سیدھا محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا قصد کریں گے (یعنی ہم ان پر حملہ آور ہوں گے)۔ پس ہم اٹھ کر آپ کے بائیں بازو کی طرف چلے گئے۔ میسرہ میں صحابہ کرام کی تعداد کو دیکھ کر ہم نے کہا یہ قریش کا چوتھا ہی ہونے لگا، ابھی ہم میسرہ میں چل ہی رہے تھے کہ چاکہ ایک بادل آیا اور وہ ہم پر چھا گیا۔ پس ہم نے اپنی آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو ہم نے اس سے لوگوں اور ہتھیاروں کی آوازیں سنیں اور ہم نے ایک آدمی کو اپنے گھوڑے کو یہ کہنا سنا اَلْقِدْمُ حِمْزُومٌ (1) (حیمزوم آگے بڑھو)۔ پس وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمین پر آ کر اترے۔ پھر اسی طرح ایک دوسری جماعت آئی اور وہ بھی حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہو گئی۔ اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی تعداد قریش کے مقابلے میں دو گنا ہو گئی۔ میرے چچا کا بیٹا تو جو صحابہ کرام میں جنگ میں محفوظ رہا۔ بالآخر میں نے اسلام قبول کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ سے آگاہ کیا (5) اسی طرح کا واقعہ ابن اسحاق اور ابن جریر رجبہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے بنی غفار کے ایک آدمی سے نقل کیا ہے اور بیعتی رحمۃ اللہ علیہ نے سابق

(1) اقدم حیمزوم کے لفظ کو اَلْقِدْمُ اور اَلْقِدْمُ تینوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے۔ اس کا معنی ہے جنگ کے لئے آگے بڑھنا، اقدام کرنا یا جرات و بہادری کا مظاہرہ کرنا۔ حیمزوم حیمزوم سے ماخوذ ہے اور حیمزوم کا اطلاق بیٹے پر بھی ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس گھوڑے کا نام حیمزوم اس بنا پر ہو کہ وہ ملائکہ کے تمام گھوڑوں کا سرخیل ہو اور ان کے آگے آگے ہو، واللہ اعلم۔

1- مسند ابی یوسف، جلد 2 صفحہ 291-292 2- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 309 (اعلیٰ) 3- دلائل الہم و انوارہ، جلد 3 صفحہ 57 (اعلیٰ) 4- سل الہدی و انوارہ، جلد 4 صفحہ 40 (اعلیٰ) 5- سل الہدی و انوارہ، جلد 4 صفحہ 39 (اعلیٰ)

بن ابی نعش کا واقعہ نقل کیا ہے، وہ کہتے تھے تم بخدا! مجھے لوگوں میں سے کسی نے بھی قید نہیں کیا۔ وہ کہتے کہ جب قریش نکلتے خوردہ ہو کر بھاگے تو میں بھی ان کے ساتھ بھاگ پڑا۔ تو مجھے ایک طویل القامت سفید رنگ کے آدمی نے جو کہ گھوڑے پر سوار تھا اور زمین و آسمان کے مابین معلق تھا، نے پکڑ لیا۔ پھر اس نے مجھے رسی کے ساتھ باندھ دیا۔ اسے میں عبد الرحمن بن عوف ادھر آئے۔ انہوں نے مجھے بندھا ہوا پایا تو انہوں نے ننگر میں سے آواز لگائی کہ اس نے اسے باندھا ہے لیکن کسی نے بھی مجھے گرفتار کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ بالآخر مجھے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تجھے کس نے گرفتار کیا ہے؟ میں نے عرض کی میں اسے نہیں پہچانتا اور جیسے میں نے دیکھا تھا اس کے بارے میں خبر دینا میں نے پسند نہ کیا۔ تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے ملائکہ میں سے ایک فرشتے نے گرفتار کیا ہے۔ (1)

انام احمد، ابن جریر رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قول نقل کیا ہے کہ ابوالیسر نے عباس کو گرفتار کر لیا تھا حالانکہ ابوالیسر چوٹے قد کے اور ہیکل بدن کے آدمی تھے، جبکہ عباس لمبے قد کے عظیم الجثہ آدمی تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے دریا پست فرمایا اسے ابوالیسر تم نے عباس کو گرفتار کیسے کر لیا۔ تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس معاملہ میں میری معاونت ایک ایسے آدمی نے کی ہے جس کو میں نے نہ اس سے نقل دیکھا ہے نہ اس کے بعد۔ اس کی بیعت اس اس طرح تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تحقیق ایک بزرگ فرشتے نے تمہاری مدد کی ہے۔ (2)

ابن اسحاق اور اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ نے ابوسعید الساعدی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اپنے چاہتا ہوا جانے کے بعد کہا کرتے تھے اگر آج تمہارے ساتھ بدر میں ہوتا اور میری آنکھیں بھی درست ہوتیں تو میں بالیقین تمہیں اس گھائی کے بارے بتاتا جس سے ملائکہ نکل کر آتے تھے اور مجھے اس کے بارے کوئی شک و شبہ نہ تھا۔

سنتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ بدر کے دن ملائکہ کی خصوصی نشانی ان کے سفید عمامے تھے جن کا ایک حصہ انہوں نے اپنی پشتوں پر لٹکا رکھا تھا اور خیر کے دن سرخ عمامے تھے (3) ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس میں صرف اتنا زائد ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام کا عمامہ زرد رنگ کا تھا۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت مردہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بدر کے دن حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شکل میں زرد عمامہ باندھے اترے تھے (4) اسی طرح ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن زبیر سے نقل کیا ہے۔

طبرانی اور ابن مردودہ رحمہما اللہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع قول نقل کیا ہے کہ قول ہاری تعالیٰ مُسْتَوْبِحِينَ کا معنی معلومین نشان زدہ ہے۔ بدر کے دن ملائکہ کی خصوصی نشانی سیاہ عمامے اور احد کے دن سرخ عمامے تھے (5) ابن سعد نے لکھا ہے کہ بدر کے دن ملائکہ کی نشانی سبز، زرد اور سرخ رومانی عمامے تھے جن کا ایک حصہ انہوں نے اپنے کندھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کی پیشانیوں پر بطور کفائی اون باندھ رکھا تھا اور وہ چنگبر سے گھوڑوں پر سوار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ پر کما کو ارشاد فرمایا کہ ملائکہ نے خصوصی نشانی مقرر کر لی ہے تم میں سے ایسی نشانی بنا لو۔ پس لوگوں نے بطور کفائی اون

1۔ دلائل الیقین، ج 3، صفحہ 60 (اصحیہ) 2۔ مستدرک ج 1، صفحہ 353 (سار) 3۔ دلائل الیقین، ج 3، صفحہ 57 (اصحیہ) 4۔ تل الہدیٰ و ارشاد ج 4، صفحہ 34 (اصحیہ) 5۔ تل الہدیٰ و ارشاد ج 4، صفحہ 43 (اصحیہ)

عریش میں تھے خوب مجز و انکساری کے ساتھ اور خشیت و تقویٰ کے ساتھ ہر کرم کی بارگاہ میں دعا کرتے رہے پھر نیچے اتارے اور لوگوں کو جنگ پر خوب برا بھینسا کیا اور خود بھی مختلف مقامات ہر جنگ میں شریک ہوئے۔ محمد بن یوسف صالحی نے تکمیل ارشاد میں اسی طرح لکھا ہے۔

ابن سعد اور فریبانی رحمہما اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جب جنگ شدید ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر ہمیں پناہ عطا فرمائی اور ہم نے آپ ﷺ کے سب اپنے آپ کو بچا لیا۔ اس دن حضور نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ جرأت و بہادری کا مظاہرہ فرمانے والے تھے اور سب سے بڑھ کر آپ ﷺ ہی مشرکین کے قریب تر تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ بدر کے دن کا وہ منظر ہمارے سامنے ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ لے رہے تھے اور انسانی کے الفاظ یہ ہیں کہ جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور مقابلہ شروع ہو گیا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے سب اپنا بچاؤ کرنے لگے۔ (1)

إِذِ يَعْسَبِكُمُ النَّعَّاسُ أَمَةً مِنْهُ وَيُنزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَ كُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمُ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝

”یاد رکھو جب اللہ نے ڈھانپ دیا تمہیں خود کی سے لے تاکہ باعث تسکین ہو اس کی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کر دے تمہیں اس سے اور درو کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور بنادے اس سے تمہارے قدموں کو۔“

لے نعاس سے مراد ان کی سینہ سے یعنی اونگھ۔ ابن کثیر اور ابو عمر رحمہما اللہ نے اِذِ يُغِيثُكُمْ كُوَاذِ يُغِيثُكُمْ كُوَاذِ يُغِيثُكُمْ پڑھا ہے۔ جیسا کہ سورہ مال عمران میں ہے اَمَةً لِّلنَّعَّاسِ طَيْشٍ صَافِيَةً وَمِنْكُمْ۔ جبکہ نافع نے يُغِيثُكُمْ پڑھا ہے اور اس کے بعد نعاس کو منسوب پڑھا ہے۔ جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے كَالَّذِي أَطْمَيْسُ يَوْمَهُمْ (یعنی انہوں نے اسے باب افعال سے پڑھا ہے) جبکہ باقی قراء نے اسے باب تفعیل سے پڑھا ہے۔ جیسا کہ اس قول باری تعالیٰ میں ہے فَذُقْنَهَا غَائِقًا غَائِقًا اُنْ دُونَ قِرَاقَاتٍ کے مطابق فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور یہ ظرف اِذِ يَعْسَبُكُمْ سے دوسرا بدل ہے جو تیسری نعمت کے اظہار کے لئے ہے یا یہ ظرف کے متعلق ہے اس فعل کے جو مؤنث اللہ میں فعل کا معنی موجود ہے۔ یا یہ فعل کے متعلق ہے یا پھر فعل محذوف اِذِ كَرَّكَ مَتَّعِلَقٍ ہے۔

لے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باعث تسکین ہو۔ اَمَةً لِّلنَّعَّاسِ لفظ کے اعتبار سے مفعول مطلق ہے اور یہ مصدر ہے امنت اعنا وامنة واما ناً اور معنی کے اعتبار سے یہ مفعول لُذِّی ہے کیونکہ قول باری تعالیٰ يُغِيثُكُمْ النَّعَّاسُ تَعْسُونَ وَنُغِيثُكُمْ کے معنی کو حضمین ہے (یعنی تم اور گھیسے ہو اور وہ تم پر چھا جاتی ہے) اور امنة اس کے فاعل کا فعل ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکون اور راحت دینے کے لئے تم پر غنودگی طاری کر دی) اور یہ بھی جائز ہے کہ ایمان غنودگی طاری کرنے والے کا فعل ہو۔ ابن کثیر اور ابو عمر رحمہما اللہ کی قرأت کے مطابق فعل النعاس کو مجاز پر محمول کیا جائے گا کیونکہ یہ اونگھ آپ ﷺ کے اصحاب کے لئے تھی۔ یا پھر اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں سے تھا کہ وہ ان پر شدید خوف سے غنودگی طاری نہ کرتا تو جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈھانپ لیا تو اس کے سب انہیں اللہ تعالیٰ کی

جانب سے راحت اور تسکین حاصل ہوئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ان پر فتوہی طاری ہی نہ کرتا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میدان جنگ میں اونگھ کا آجانا اللہ تعالیٰ کی جانب سے باعث راحت و سکون ہوتا ہے جبکہ نماز میں اونگھ کا آجانا شیطان کی جانب سے ہوتا ہے۔ (1)

عبد بن حمید نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اونگھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے راحت اور سکون ہوتی ہے۔ دوسرے اونگھ کا (نزول ہوا) ایک دفعہ زود بدر کے دن اور دوسری دفعہ زود اعد کے دن (2) اونگھ کا تفسیراً ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ ان کثیر اور ایومر و رجما اللہ نے بنی نضی کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقیوں نے تشدید کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر آسمان سے پانی اتارتا کہ اس کے سبب تمہیں حدت اور جنابت سے پاک کر دے اور تم سے شیطانی وساوس کو دور کر دے کہ تم تو یہ گمان رکھتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ حالانکہ تمہارے پانی پر مشرکین کا قبضہ ہے اور تم جنسی حالت میں نمازیں پڑھ رہے ہو۔

یہ اور تا کہ تمہارے دلوں کو پیشوہ کر دے، یعنی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم پر وثوق کے سبب دل قوی ہو جائے اور ان پر راحت و سکون کے نزول کے سبب وہ مشغوبہ ہو جائیں۔ حسب آئی کا دل قوی اور مشغوبہ ہو جائے تو کہا جاتا ہے فلاق زابط الجناح۔ ربط کا اصل معنی بانہ صاف ہے۔ اور یہ معنی قوت و استحکام کا لفظ ہے (یعنی ربط کا مجازی معنی قوت ہے کیونکہ حقیقہ ربط قوت کا سبب ہے اور مجازاً مسبب کا اطلاق مسبب پر ہوتا ہے) اور بارش کے سبب تمہارے قدموں کو بنیاد سے کیونکہ اس کے سبب ریت جم گئی اور سخت ہو گئی اور اس میں پاؤں دھسنے سے محفوظ ہو گئے۔ یا پھر اثبات التمام سے مراد صبر اور دلوں کی قوت اور طاقت ہے (یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب تمہیں قوت صبر عطا فرمائے اور دلوں کو مشغول عطا کر دے)۔

إذ يُوحى رَبُّكَ إِلَى الْمَلَكَةِ أُنِّي مَعَكُمْ فَتَيَسَّمُوا الدِّينَ امْنُوا سَأَلْتُ فِي قُلُوبِ
الدُّيُنِ كُفْرًا الرُّعْبَ فَأَصْرَبُوا فَوَقَّ الْأَعْنَاقُ وَالْأَصْرَبُ يُؤَامِنُهُمْ كُلِّ بَيِّنَةٍ ۝

”یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، پس تم ثابت قدم رہو ایمان والوں کو جس میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب (ان کی) گھبراہٹوں کے اوپر ہے اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر ہے“

1۔ ملاحظہ سے مراد وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی امداد کے لئے بھیجا تھا۔ ترکیب کلام میں یہ یا تو تیسرا بدل ہے یا پھر ظرف شیت کے متعلق ہے۔ اُنَّی مَعَكُمْ سے مراد یہ ہے کہ مومنین کی مدد کرنے اور انہیں ثابت قدم رکھنے میں میری اعانت اور تائید تمہارے ساتھ ہے۔ یہ یوحی کا مفعول ہے۔

2۔ اے ملائکہ تم اہل ایمان کے دشمنوں سے ہر سر یہ کار ہو، مومنین کی تعداد میں اضافہ کر کے اور انہیں فتح و نصرت کی بشارتیں سنا کر انہیں ثابت قدم رکھو۔ مقال نے کہا ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں صف کے آگے آگے چلتا تھا اور یہ کہتا تھا تمہیں بشارت اور خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ یا یقین تمہیں فتح و نصرت سے نوازے گا۔

مشرك کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا اور اس کے آگے آگے تھا کہ چانک مسلمان نے اوپر سے کوڑا مارنے کی آواز سنی اور گھوڑ سوار کی آواز بھی یہ کہتے ہوئے سنی اِذْهُمْ حَيْنُؤُمْ (حیرت آمگے بڑھو)۔ کہ اتنے میں اس نے مشرك کو اپنے سامنے چپت گھرا ہوا پایا اس کی ناک ٹوٹ چکی تھی اور چہرہ پست چکا تھا جسے اسے کوڑے کی ضرب لگی ہو۔ پس اس مسلمان نے اس جگہ پر تمام کو اٹھا کر کے یہ مظر دکھایا۔ اتنے میں ایک انصاری حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا ہے، وہ قتل تیرے آسمان کے فرشتوں کی مدد سے ہوا ہے (1) حاکم بیہقی اور ابویوسف رحمہما اللہ نے ہل بن ضیف سے نقل کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن ہم نے یہ مظر خود دیکھا کہ ہم میں سے بعض ابھی مشرك کے سر کی طرف اپنی تلوار سے اشارہ ہی کرتے کہ اس کا سر تلوار گرنے سے پہلے ہی نیچے جا گر تا (2) بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے ریح بن انس کا قول نقل کیا ہے کہ گردنوں اور پوروں سے آگے سے ملے ہوئے کی طرح نشان دیکھ کر لوگ پہچان لیتے تھے کہ اسے کسی نے قتل کیا ہے (3) ابن سعد نے حویطب بن عبدالمعزی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ میں غزوہ بدر میں مشرکین کی جانب سے حاضر ہوا۔ میں نے زمین و آسمان کے درمیان فرشتوں کی جماعت دیکھی جو لوگوں کو قتل کر رہی تھی اور انہیں قیدی بنا رہی تھی (4) محمد بن عمر اسلمی اور بیہقی رحمہما اللہ نے ابو بردہ بن دینار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں تین سر لیکر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ دوسرے ہیں، انہیں تو میں نے قتل کیا ہے اور یہ تیسرا ہے کہ میں نے ایک طویل القامت گورے رنگ کے آدمی کو دیکھا، اس نے اسے مارا اور اس کا سر لے لیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ فلاں فرشتے ہے (جس نے اسے مارا ہے) (5) ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے مکرّمہ رحمۃ اللہ علیہ سے قول نقل کیا ہے کہ اس دن بعض لوگوں کے سزا کرنا لگ ہو جا رہے تھے لیکن یہ معلوم نہ ہوتا تھا اسے کسی نے مارا ہے اور کسی کا بازو لگ جا کر گرتا لیکن یہ معلوم نہ ہوتا کہ اسے کس نے مارا ہے (6) ابن احقاق اور بیہقی رحمہما اللہ نے ابوداؤد القاسمی سے نقل کیا ہے کہ میں غزوہ بدر کے دن ایک مشرك کا پچھا کر رہا تھا کہ اسے ماروں لیکن میری تلوار اسے گننے سے پہلے ہی اس کا سر نیچے جا گرا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ اسے میرے سوا کسی نے قتل کر دیا ہے (7) بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے خارج بن ابراہیم سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل امین سے فرمایا ملائکہ میں سے کون بدر کے دن یہ کہہ رہا تھا اِذْهُمْ حَيْنُؤُمْ (حیرت آمگے بڑھو) تو جبرئیل نے جواب دیا میں تمام آسمانوں والوں کو نہیں پہچانتا۔ (8)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ کے آزار کردہ غلام ابورافع سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا، ام الفضل اور میں اسلام قبول کر چکے تھے اور عباس رضی اللہ عنہ اپنی قوم سے غور فرماتے تھے، ان کی مخالفت ناپسند کرتے تھے اور وہ اپنے اسلام کو بھی چھپاتے تھے کیونکہ وہ کثیر المال آدمی تھے۔ ان کا مال بہت سے لوگوں میں پھیلا ہوا تھا۔ ابولہب اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا وہ خود بدر میں شریک نہ ہوا بلکہ اپنی جگہ پر اس نے عامس بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا۔ پس جب اسے میدان بدر میں اپنے ساتھیوں کی ٹھگت کی خبر پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل و سورا کر دیا اور ہم اپنے

- 1- بحکم مسلم، جلد 2 صفحہ 93 (قدیمی)
- 2- مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 409 (اصغر)
- 3- دلائل الامیہ 4 از بیہقی، جلد 3 صفحہ 54 (اعلیٰ)
- 4- بل الہدی، الرشار، جلد 4 صفحہ 40
- 5- دلائل الامیہ 4 از بیہقی، جلد 3 صفحہ 58 (اعلیٰ)
- 6- الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد 2 صفحہ 25-26 (سار)
- 7- دلائل الامیہ 4 از بیہقی، جلد 3 صفحہ 56 (اعلیٰ)
- 8- دلائل الامیہ 4 از بیہقی، جلد 3 صفحہ 57 (اعلیٰ)

اندراچھی قوت اور طاقت پانے لگے۔ میں ایک کروڑ آدمی تھا تیر بنانے کا کام کرتا تھا اور مزاحم کے تجربہ میں تیر چھیلتا تھا۔ قسم بخدا! میں ایک دن بیٹھا تیر چھیل رہا تھا۔ ام الفضل میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ اتنے میں ابولہب بھی پاؤں کھینچنے ہوئے ادھر آ نکلا اور حجرہ کے باہر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی پشت میری پشت کی طرف تھی۔ پس وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ اچانک لوگوں نے کہا یہ ابوسیان بن حارث بن عبدالمطلب آ گیا ہے۔ ابولہب نے کہا تجھے آؤ میرے پاس بیٹھو تمہارے پاس کیا خبر ہے؟ چنانچہ وہ بیٹھ گیا لوگ پاس کھڑے ہو گئے۔ ابولہب نے پوچھا تجھے مجھے بتاؤ کیسے واقعہ پیش آیا۔ ابوسیان نے کہا کچھ نہیں ہوا۔ قسم بخدا! ہمارا ان سے مقابلہ ہوا مگر ہم نے اپنے شانے ان کے حوالے کر دیئے کہ وہ جیسے چاہیں ہمارے ساتھ سلوک کریں چاہیں تو قتل کریں یا پھر گرفتار کر لیں۔ قسم بخدا! اس کے باوجود لوگ کبیرہ خاطر نہیں ہوئے مگر ہمارا مقابلہ ایسے سفید رنگ کے افراد سے ہوا جو اہل گھوڑوں پر سوار تھے اور زن و آسمان کے مابین معلق تھے۔ خدا کی قسم! ان کا کسی چیز سے اندازہ ہوتا تھا اور ان کے سامنے کوئی چیز ٹھہرتی تھی۔ اور انہی کہتے ہیں کہ میں نے حجرے (خیسے) کی ایک طرف اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھائی اور کہا قسم بخدا! وہ فرشتے تھے۔ اتنے میں ابولہب نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور ایک زوردار چہرے میرے منہ پر دے مارا۔ میں اٹھ کر اس کے قریب ہوا تو اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر دے مارا اور پھر میرے اوپر بیٹھ کر مجھے مارنے لگا کیونکہ میں تو ایک کڑوا آدمی تھا۔ اتنے میں حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے خیسے کی ایک چوب اٹھائی اور پورے زور سے ابولہب کے سر میں دے ماری جس سے اس کا سر بری طرح پھٹ گیا۔ اور ساتھ کہا اس کا آقا موجود نہیں ہے اس لئے تو نے اسے کڑوا بھجھ رکھا ہے۔ ابولہب ذلیل و سورا ہو کر زمین پھیر کر چلا گیا خدا کی قسم! ابھی سات ماہیں نہیں گزری تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عذر کے مرض میں مبتلا کر کے مار دیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عذر سا ایک چھوڑا ہوتا ہے (جو جسم کے کسی بھی حصے پر نکل آتا ہے اور اکثر آدمی کے لئے جان لیوا ثابت ہوتا ہے) عرب اسے نخوس گمان کرتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ یہ بہت سخت متعدی مرض ہے تو چونکہ ابولہب اس مرض میں مبتلا ہوا تھا۔ اس لئے اس کے مرنے کے بعد بھی تین دن تک اس کی اولاد اس سے دور رہی۔ تا اس کے جسم کے کوئی قریب گیا اور اسے دفن کرنے کا کسی نے ارادہ کیا۔ پھر جب اسی طرح پڑے رہنے میں لوگوں کے طعن و تحقیر کا زیادہ خوف لاحق ہوا تو ایک گڑھا کھودا اور لاشوں کی مدد سے جسم کو اس گڑھے میں ڈال دیا پھر دور سے پتھر پھینک کر جسم کو گڑھے میں چھپا دیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یونس بن کثیر کی روایت میں ذکر کیا ہے کہ ابولہب کے لئے گڑھا نہیں کھودا گیا بلکہ ایک دیوار کے

ساتھ لاش کو رکھا اور دیوار کی دوسری جانب سے اس پر پتھر پھینک کر اسے پتھروں کے نیچے چھپا دیا گیا۔ (۶۱)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَ سَآءَ سُوْلَةٌ وَّ مَن يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ سَآءَ سُوْلَةٌ قٰتِلَ اللّٰهَ

سَيِّدِ الْبَعَالِ ۝ ذٰلِكُمْ قَدْ وُفُوْا وَاَنْ لِّكَفْرٰتِكُمْ عَذَابٌ اَلْسَامٍ ۝

”یہ حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے

رسول کی تو چنگ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (اے حق کے دشمنو!) یہ سزا ہے پس پس پھکوا سے مع نیز (یاد رکھو)

کافروں کے لئے آتش (جہنم) کا عذاب بھی ہے۔“

۱۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ مارو مارنے کے حکم کی طرف ہے اور یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ ترکیب کلام میں یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر

مابعد کلام ہے۔ یعنی ان کے لئے اس مار کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے عناد کیا۔ شاقوا کا مادہ اشتقاق اشق ہے۔ اس کا معنی جانب اور پہلو ہے کیونکہ دو عناد کرنے والوں میں سے ہر ایک کی جانب دوسرے کی جانب کے خلاف ہوتی ہے۔ جیسا کہ معاداة عدوۃ سے اور عنیہ حصم سے ماخوذ ہے۔

یہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے شدید ترین سزا دے گا۔ لَوْلَا اللّٰهُ شَقِيْبًا لِّوَعْدِہٖ اذِیْنِہٖ کِی عِلت کا اظہار ہے یا یہ اس عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے جو اس دنیاوی عذاب کے بعد آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

اس ذلکُم سے طریقہ التفات کے مطابق کفار کو خطاب ہے۔ اسم اشارہ محل رفع میں ہے، یعنی یہ تمہارے لئے ہے یا یہ سزا واقع ہونے والی ہے (الْاٰخِرُ ذَلٰلِکُمْ اَوْ ذَلٰلِکُمْ الْعِقَابُ وَاَقْع) یا یہ عمل نصب میں ہے اس فعل کے سبب جس پر قول باری تعالیٰ فَذُوْا قُوَّةً دالات کرتا ہے۔ یعنی دنیا میں اس عذاب کا مزہ چکھو یہ اسے چکھو۔ یا اسی کی مثل کسی اور فعل کا مفعول ہے مثلاً نَابِشْرُوْا یَا عَلٰیکُمْ وغیرہ اس صورت میں فاء عاطفہ ہے۔

اس اور آخرت میں کافروں کے لئے آئینہ کاسخ ہے۔ اس کا معنی ذلکُم پر ہے۔ یا وہاں بمعنی مع ہے۔ معنی یہ ہے کہ تم اس سزا کو چکھو جو تمہیں جلدی (دنیا میں) دی گئی ہے اس کے ساتھ ساتھ جو تمہارے لئے آخرت میں تیار کی گئی ہے۔ کلام میں اسم ضمیر (لہم) کی جگہ اس ظاہر (للكافرین) ذکر کیا گیا ہے تا کہ اس پر دالات ہو جائے کہ آخرت کے عذاب اور دنیا و آخرت دونوں میں عذاب کے جمع ہونے کا سبب کفر ہے۔ بندہ مومن پر اگر دنیا میں اپنی بد اعمالی کے سبب کوئی مصیبت آ بھی جاتی ہے تو وہ اس کے لئے کفارہ بن جاتی ہے، آخرت میں ان شاء اللہ اسے عذاب نہیں دیا جائے گا۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ قول باری تعالیٰ وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فَاَقْبِلْہَا بِسَلٰمٍ ذٰلِکُمْ لِحُکْمِ اللّٰہِ عَلٰی مَا کُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ عَلٰی مَا کُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ کے بارے میں مطلق نہ کروں جو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمائی تھی، وہ آیت یہ ہے: وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فَاَقْبِلْہَا بِسَلٰمٍ ذٰلِکُمْ لِحُکْمِ اللّٰہِ عَلٰی مَا کُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ عَلٰی مَا کُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ نے فرمایا ہے علیٰ امیں تیرے لئے ابھی اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں، یعنی دنیا میں تمہیں جو بیماری، سزا یا مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اعمال کے بدلے آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نشان دہی سے اس سے بلند اور اعلیٰ ہے کہ وہ آخرت میں اسی عمل کے عوض دو بارہ سزا دے۔ (یعنی وہ دو بارہ سزا نہیں دے گا) اور وہ عمل جس سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دو بارہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ معافی کے بعد دوبارہ سزا کی طرف رجوع کرنے سے بے نیاز ہے، واللہ اعلم۔ ترمذی اور حاکم نے علیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حکم سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ (ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے) کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی آپ پر قاتلے کا تعاقب ضروری تھا کوئی بھی اس کے سوالا زم نہیں تھی۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت قیدی تھے بندھے ہوئے تھے، انہوں نے پکار کر کہا ایسا نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک کے بارے میں وعدہ فرمایا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ فرمایا وہ آپ ﷺ کو عطا کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو نے سچ کہا ہے۔ (1)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا فَاحْصُوا أَهْلَهُمْ وَلَا تُؤَاوِئُوهُمْ

”اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کفاروں کے لشکر جہاد سے، تو مت پھیرنا ان کی طرف (انہی) قبضے میں۔“

لہذا حُفَا لِقَيْتُمْ کے فاعل اور مفعول سے حال ہے یعنی جبکہ تم میں سے بعض آپس میں ایک دوسرے کے قریب ہوں، یعنی مسلمانوں کا اختلافاً مشرکین کے ساتھ ہو اور تو ارحف سے مراد جنگ میں دونوں لشکروں کا ایک دوسرے کے قریب ہونا ہے، علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میدان جنگ میں لشکروں کے باہمی قرب کو تراخف کا نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ یہ زُخْفُ الصُّبِيِّ سے ماخوذ ہے۔ پھر جب سرین کے مل آہستہ آہستہ تک کر چلا ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے زُخْفُ الصُّبِيِّ۔ یا پھر یہ زُخْفُ النَّبِيِّ سے ماخوذ ہے جبکہ ادب خوب تھک جاتا ہے وہ بالکل آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہے اور وہ اپنی لگام کو کھینچے ہوئے چلتا ہے۔ تو چونکہ دشمن کی مزاحمت بھی انہیں تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے اور وہ بچنے کی مثل زمین پر پڑنے لگتے ہیں (اس لئے انہیں تراخف کہا جاتا ہے) زُخْفُ صَدْرِهِ سے ہی لئے اسے جمع ذکر نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ عربوں کا قول قَوْمٌ عُذْلٌ ہے۔ لیٹنے کہا ہے زُخْفٌ سے مراد اونکی جماعت ہے جو دشمن کی طرف بحیثیت جماعت بڑھتی ہے۔ اس کی جمع زُخْفٌ آتی ہے۔ قاموس میں ہے کہ زُخْفٌ سے مراد وہ لشکر ہے جو دشمن کی طرف بڑھتا ہے۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کو پسند کیا ہے۔ اسی لئے انہوں نے زُخْفًا کی تفسیر کثیر کے معنی سے کی ہے۔ جس کی تفسیر کی بنا پر زُخْفًا بِاللَّذِينَ كَفَرُوا سے حال ہے۔ یعنی جب تمہارا مقابلہ کفار کی کثیر جماعت سے ہو تب بھی ان کی طرف پیٹھ پھیر کر نہ بھاگنا، چہ جائیکہ وہ تمہاری مثل ہوں یا تعداد میں تم سے کم ہوئے ہوں۔

جہ تو نکلتے غور وہ ہو کر اپنی قبضے میں پھیرنا، یا پھر زُخْفًا فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہے اور معنی یہ ہوگا جب تمہاری کثیر تعداد کا مقابلہ کفار کی کثیر تعداد جماعت سے ہو تو اس وقت حال کا اجراء حقیقت حال کے اظہار کے لئے ہوگا کیونکہ عموماً میدان جنگ میں کثیر تعداد جماعت کا مقابلہ کثیر تعداد جماعت سے ہوتا ہے۔ یا یہ صرف فاعل سے حال ہے تو اس صورت میں اس حالت پر توجیہ ہوگی جو عترت میں مستقبل میں ظاہر ہوگی کہ غزوہ تبوک میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی لیکن اس کے باوجود پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میرے نزدیک آیت کی تفسیر میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی زیادہ اظہر اور واضح ہے کیونکہ وہ ہمومیت نبی کا تقاضا کرتا ہے چاہے دونوں فریقوں کا مقابلہ جماعت کی صورت میں ہو یا افراد کی صورت میں کیونکہ جماعت کا مقابلہ جماعت سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ افراد کا مقابلہ افراد سے ہو۔ (1)

مسئلہ:- اکثر اہل علم کے کہ زُخْفُ کا مقابلہ کے وقت میدان جنگ سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ چاروں ائمہ فقہاء نے بھی یہی کہا ہے لیکن تمام نے یہ کہا ہے کہ جب مسلمانوں کی تعداد اپنے دشمن کے مقابلے میں نصف ہو تو ان کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگنا جائز نہیں اور اگر تعداد نصف سے کم ہو تو پھر اپنی حفاظت کے لئے پیٹھ پھیر لینا ان کے لئے جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ أُنثًا وَعَلَيْكُمْ وَعَلَيْكُمْ أَنْ يَوْمَئِذٍ يَخْلُقُكُمْ هُنَا ذَكَرًا وَهُنَا ذَكَرًا وَتَقَدَّرُ السَّاعَةُ لَنْ نَسْفِكَكُمْ وَلَكِنَّا مُبْتَلُونَ** (2) علامہ ازہری اس کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک سریہ میں روانہ کیا۔ لیکن لوگ

بِعَصَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ جَهَنَّمَ ۖ وَيُخَسِّسُ الْأَصْبِيؤُا ۝

”اور جو بھیرے گا ان کی طرف اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ وہ پیتر ابد لے والا ہو لڑائی کے لئے یا پلٹ کر آئے والا ہو اپنی جماعت کی طرف تو وہ مستحق ہوگا اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری اونٹنی کی جگہ ہے۔“

۱۔ جو مقابلے کے دن کفار کی طرف اپنی پیٹھ پھیر دے گا، چاہے جس حال میں بھی ہو، بجز اس صورت کے کہ وہ اپنے آپ کو شکست خوردہ ظاہر کرتے ہوئے واپس مڑتا ہے، لیکن اس سے مقصود دشمن کو دھوکے میں مبتلا کرنا ہے اور دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنا ہے یا پھر تھک ہار کر مسلمانوں کی جماعت میں آئے اور مقصود یہ ہو کہ تھکاوٹ اتار کر دوبارہ دشمن پر حملہ آور ہوگا۔ بدر کے قصہ میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے عہدہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ مسلمان جب جنگ سے فارغ ہو کر لوٹے تو ایک کنبہ نے ان میں سے فلاں کا فر کو قتل کیا ہے، دوسرے نے کہا میں نے فلاں کو قتل کیا ہے تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۱)

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتُمْ إِلَّا كَمَا رَمَيْتُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۖ
وَلِيُبَيِّنَ الْمُؤْمِنِينَ وَهُوَ بَلَاءٌ حَسَنٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۴۱ ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ
مُؤْمِنٌ كَرِيمٌ ۝۴۲

”پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں۔ اور (اے محبوب!) انہیں پھینکی آپ نے (وہ مہلت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ تاکہ احسان فرمائے مسلمانوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ تو ہوا اور بلا شہادہت فرود کرنے والا ہے کفار کے مکر و فریب کو۔“

۱۔ پس تم نے انہیں اپنی قوت و طاقت کے سبب قتل نہیں کیا بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قتل کیا اس طرح کہ اس نے تمہاری مدد فرمائی تمہیں ان پر مسلط فرمایا ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا اور فرشتوں کو تمہاری امداد کے لئے نازل فرمایا: فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ میں فلاں محدوف شرط کے جواب پر داخل ہے۔ نقد پر کلام اس طرح ہے اگر تم ان کے قتل پر فخر کرتے ہو تو تم نے تو انہیں قتل نہیں کیا بلکہ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے۔ تو یہ سب کا مقام مہم سبب کے ہے۔ بلکہ اصل نقد پر عبارت اس طرح ہے کہ اگر تم ان کے قتل پر فخر کرتے ہو تو تم خطا کرتے ہو کیونکہ تم نے تو اپنی قوت سے انہیں قتل ہی نہیں کیا بلکہ خلاف عادت اللہ تعالیٰ نے تمہاری غیر معمولی امداد فرمائی انہیں قتل کیا ہے۔

۲۔ اے محبوب ﷺ! جب آپ نے مہلت خاک و دشمنوں کی طرف پھینکی تو فی الحقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ کیونکہ آپ تو اسے ان تمام کی آنکھوں کی پہچاننے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ان تکبروں کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام کی آنکھوں تک پہنچایا یہاں تک کہ سب ان کی شکست کا سبب بنیں۔

ابن عامر، عزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے دونوں مقامات پر لکن کو مختلف پڑھا ہے اور اس کا با بعد مرفوع پڑھا ہے، لیکن باقی قراء نے اسے مشدود پڑھا ہے اور اس کا بعد منصوب پڑھا ہے۔ ابن جریر، ابن اصبغ، راویر، یحییٰ رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور اموی نے عبداللہ بن علیہ بن صفیر سے یہ نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی بارگاہ میں التجا کرتے ہوئے یہ عرض کی

اے اللہ! اگر تم نے اس جماعت کو ہلاک و برباد کر دیا تو پھر ہمیشہ کے لئے اس زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ تو اس وقت جبرئیل امین نے حاضر ہو کر عرض کی۔ ایک منہ ملی اٹھا کر ان کی طرف پھینک دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا تو شترکین میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچا جس کی آنکھوں، ناک اور منہ میں مٹی نہ پڑی ہو، پھر وہ پشت پھیر کر ہماگ (1) کی طرف بھاگ گئے۔ اپنے صحابہ کرام کو فرمایا اب حملہ کرو۔ تو فوراً کفار گھست سے دو چار ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ کو سرداران قریش میں سے جن کا کھل منظور تھا وہ قتل ہو گئے اور جن کا قیدی ہونا منظور تھا وہ قید ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَلَمَّ تَفْتَلُوهُمْ وَ لَكِنَّ اللَّهَ مَعَهُم الْاَیْمَةُ طبرانی اور ابویخ زہرا اللہ نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا مجھے نکل کر یوں کی ایک منہ اٹھا کر دو۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے وہ نکلکریاں کفار کے چروں کی طرف پھینکیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا جس کی آنکھوں میں وہ نکلکریاں نہ پڑی ہوں (2) ابویخ زہرا، ابویعم اور ابن مردودہ رحمہم اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں نے آسمان سے کچھ نکلکریاں گرنے کی آواز سنی (مجھے یوں معلوم ہوا) گویا وہ کھلی پشت میں گری ہوں، پھر جب لوگ صف بست ہو گئے تو وہ رسول اللہ ﷺ نے وہ اٹھا لیں اور شترکین کے چروں کی طرف پھینک دیں۔ نتیجہ وہ گھست خوردہ ہو گئے۔ ابن ابی عاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن زید سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین نکلکریاں اٹھا لیں، ان میں سے ایک شترکین کے سینہ کی طرف، ایک میسرہ کی طرف اور ایک ان کے سامنے والے حصے پر پھینکی اور ساتھ فرمایا ضابطہ الْوُجُوْفِ وَ نَتِیْجَةُ وَ گھست سے دو چار ہو گئے (3) محمد بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکلکریاں پھینکنے کا حکم فرمایا کیا تو آپ ﷺ نے ایک منہ ملی نکلکریاں نکلکریاں نکلکریاں کی طرف پھینک دیں اور فرمایا ضابطہ الْوُجُوْفِ اَللّٰهُمَّ اَرِ عِبَ فُلُوْفِهِمْ وَ زَلْزِلْ اَفْئِدَتِهِمْ (چروے ہل گئے۔ اے اللہ! ان کے دلوں میں رعب ڈال دے اور ان کے پاس حزن نازل کر دے) نتیجہ اللہ تعالیٰ کے دشمن گھست خوردہ ہو کر بھاگے انہیں کبھی کبھی پناہ نہ ملی۔ ان کے قائدین خوفزدہ اور مرعوب ہو گئے۔ مسلمان انہیں قتل کرنے لگے اور قیدی بنانے لگے اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا تھا جس کا چہرہ اور آنکھیں خاک سے نہ بھری ہوں۔ ملائکہ انہیں قتل کر رہے تھے اور وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کہاں کا رخ کریں۔ طبرانی، ابن ابی عاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ نے سند حسن کے ساتھ حکیم بن حزام کا قول نقل کیا ہے کہ غزوہ بدر کے دن ہم نے آسمان سے زمین کی طرف کوئی چیز گرنے کی آواز سنی اور وہ نکلکریوں کی آواز تھی جو کہ پشت میں گری ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے وہی نکلکریاں پھینکیں اور فرمایا ضابطہ الْوُجُوْفِ تو ہمیں گھست ہو گئی۔

ان آیات کے شان نزول میں دیگر فریب روایات بھی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ حاکم نے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ احد کے دن ابی بن خلف حضور نبی کریم ﷺ کی طرف آئے یہ صحابہ لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس کا مقابلہ کیا۔ اس کی زبرد اور خود کے درمیان ایک سوراخ سے اس کی ہتھی کی بڑی پر رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑ گئی۔ تو آپ ﷺ نے چھوٹا نیزہ اسے مارا جس کے سبب وہ گھوڑے سے گر پڑا لیکن نیزہ گلنے کی وجہ سے اس کا خون باہر نہ نکلا (یعنی ایسا گہرا زخم نہ لگا جس سے خون بہا) لیکن اس کے باوجود اس کی ایک ہتھی ٹوٹ گئی۔ اس کے ساتھی اسے اٹھا کر لے گئے اور وہ تلی کی طرح آواز کالنے لگا۔ اس کے ساتھیوں نے کہا کس شی نے تجھے اتنا عاجز اور کمزور کر دیا

2۔ بخاری طبرانی، جلد 11 صفحہ 285 (الطحاوی، المکرم)

1۔ دلائل اثباتی، جلد 3 صفحہ 79 (اصحیٰ)

3۔ الدر المنکر، جلد 3 صفحہ 317 (اصحیٰ)

ہے حالانکہ یہ تو معمولی فرماش ہے (کوئی کاری زخم نہیں) تو اس نے جواباً انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ابھی کو قتل کروں گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ اگر یہ زخم تمام ذوالجناز کے رہنے والوں کو بھی لگ جاتا تو وہ تمام کے تمام مر جاتے۔ (ذوالجناز عربوں کا ایک میلہ تھا جہاں وہ تمام کے تمام سوق عکاظ کے بعد جمع ہوا کرتے تھے) چنانچہ مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ہی ابی فرمایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی وَهَاتِئِنَّتِ اِذْ تَرْعَيْتِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَرْهٰى اِسْرَارِکَ وَنَسُوْحِکَ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ہے۔ ایک روایت اسن جریر نے عبدالرحمن بن حسیب رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کی ہے کہ فرزاد خبیر کے دن رسول اللہ ﷺ نے قوس طلب فرمائی اور اس کے ساتھ قلندہ پر ایک تیر چھیدکا۔ تیر لڑ سکتے ہوئے نیچے آگرا۔ جس کے سب نیچے بسز پر پڑا ہوا ابن ابی العقیل ہو گیا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَهَاتِئِنَّتِ اِذْ تَرْعَيْتِ الایہ یہ روایت بھی سند کے اعتبار سے مرسل جید ہے لیکن غریب علم۔

اسے تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین پر اپنی جناب خاص سے احسان عظیم فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ وَلِيْلِيْهِ الْمُوْمِنِيْنَ مَحْذُوْفٌ كَلِمَةٌ مَّرْغُوْبَةٌ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا فقہ اس لئے کہ وہ اپنے دین کو غالب کر دے، اپنے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر دے اور مومنین کو نعمت عظیمہ سے سرفراز فرمائے۔ پس ان کی مدد فرمادے کہ انہیں فتح و نصرت سے نوازا، مال غنیمت عطا فرمایا مختلف آیات اور نشانوں کا مشاہدہ کرا کر ان کے ایمان کو تقویت عطا فرمائی۔ جہاد اور شہادت کا اجر عطا فرمایا اور سب پر طرہ یہ کہ انہیں درجائت قرب، جنت کے محلات اور اپنی رضا و خوشنودی کی دولت سے مالا مال فرمایا۔

میں کہتا ہوں گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے اور وہ مجال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو مومنین کے مجاہدہ اور قتال کے بغیر بھی تمام کفار کو ہلاک کرنے کی قدرت رکھتا تھا، جیسا کہ اس نے بعض کوفل کیا ہے اور فرشتوں کی امداد کے بغیر بھی وہ ایسا کر سکتا تھا اور یہ بھی کہ ایک ہی فرشتہ تمام کی ہلاکت و بربادی کے لئے کافی ہو سکتا تھا، جیسا کہ پہلی قوموں کے ساتھ کیا گیا جس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا آتٰنَا عَلٰی قَوْمٍ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ دُوْنِ مَا نَشَآءُ اِلَّا كَمَا نَشَآءُ وَمَا كُنَّا لِنُغَيِّرَ اِلَّا صِبْغَةً لِّقَوْمٍ اِلَّا صِبْغَةً تَقَوُّاْ عُذْبَهَا لَعَلَّكُمْ تَخْشَوْنَ اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صِبْغَةً تَقَوُّاْ عُذْبَهَا لَعَلَّكُمْ تَخْشَوْنَ اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ اور اسی نوع کے دیگر امور سرانجام دینے میں کیا فوائد ہیں؟ تو رب کریم اس اعتراض کا ازالہ کرتے ہوئے گویا ارشاد فرمادے ہیں کہ ہم نے یہ سب کچھ جو کیا ہے فقہ اس لئے تاکہ دین کو ظہر عطا کریں اور انسانوں میں سے اہل ایمان اور ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر و ثواب عطا ہو۔ فتح و نصرت ان کے قدم چومے اور مال غنیمت ان کا مقدر بنے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمام کفار کو اپنی قدرت قاہرہ کے ساتھ ہلاک کر دیتا یا صرف ایک فرشتے کی بیخ کے ساتھ انہیں تباہ کر دیتا تو پھر مشرکین میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ بچتا جسے دولت ایمان نصیب ہوتی حالانکہ موجودہ صورت حال میں جس سے کفار کو ایمان قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوتی اور اہل ایمان کو جہاد اور شہادت کا اجر عطا ہوا۔ علاوہ ازیں مال غنیمت اور قرب الہی ان کا مقدر بنا اور اس کے ساتھ ساتھ ملائکہ کو بھی بہت سائرف حاصل ہوا۔

اہل بدر کے فضائل کا بیان

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رافع بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں جبرئیل امین حاضر ہوئے اور درافت کا تم اپنے میں اہل بدر کو نوسے درجے میں شمار کرتے ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اہل بدر تمام مسلمانوں

سے افضل ہیں۔ یا اسی نوعیت کا کوئی اور کلمہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تو جبرئیل امین نے کہا یہی مقام ان ملائکہ کا ہے جو فرودہ بدر میں شریک ہوئے تھے (1) امام احمد اور ابن ماجہ نے رافع بن خدیج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ آدمی ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہوگا جو بدر اور حدیبیہ میں شریک ہو (2) ابوداؤد، ابن ماجہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سند جید کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انی بدر کے حالات پر مطلع ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا ہے تم جو جا ہو کرو گے میں نے تمہاری مغفرت فرمادی ہے (3) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتا سنا ہے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ جو کوئی بدر اور حدیبیہ میں شریک ہووے اللہ ان شاء اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ بھی نہیں فرمایا (وَأَنْ يَنْتَقِمَ إِلَآءِ مَا دَعَا) (کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں ہے مگر وہ جہنم میں اتارے گا) تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عايشان نہیں سنا، ثُمَّ نَسِيتُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِيْنَ فِيْهَا جِجِيَاً۔

مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن حاطب رضی اللہ عنہما اپنے باپ حاطب کی شکایت لیکر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! حاطب تو ضرور جہنم میں داخل ہو گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تو نے جھوٹ کہا ہے وہ جو جہنم میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک رہا ہے (4) صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حاطب بن ابی لہجہ رضی اللہ عنہ کے خدا کا واقعہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی درج ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! حاطب کی گردن مار دیجئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا یہ بدری صحابہ کرام میں سے نہیں ہے؟ اور اللہ تعالیٰ انہیں بدر کے حالات سے واقف ہے تب ہی تو اس نے فرمایا ہے تم جو جا ہو کرو میں نے تمہاری مغفرت فرمادی ہے (5) اور مزید یہ بھی فرمایا تمہیں تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی۔ ہم نے یہ حدیث تصنیفاً سورۃ فتح اور سورۃ التحدیس ذکر کی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرودہ بدر میں حضرت حارث بن زید رضی اللہ عنہما شہید ہوئے تو ان کی ماں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ تو اس سے واقف ہی ہیں جو حارث کا میرے ساتھ محبت کا رشتہ ہے۔ پس اب اگر وہ جنت میں ہے تو پھر میں ممبر کروں اور اگر جہنم میں ہے تو اس کی امید رکھوں اور اگر صورت حال دوسری ہو تو پھر مجھ کو جس کی وہ آدمی ہے آپ دیکھ لیں گے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تیری بلاکت ہو! کیا کوئی ایک جنت ہے جنگ جیمیں تو کثیر ہیں اور وہ جنت الفردوس میں ہے (6)۔

اور بخاری کے علاوہ دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ حارث دور سے دیکھنے والوں میں تھا اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ تیرا بیٹا فردوسِ اعلیٰ میں پہنچ چکا ہے (7) تو ان الفاظ سے اہل بدر کی فضیلت و عظمت و ہرزوش کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کیونکہ حارث تو میدان جنگ کے وسط میں بھی نہ تھے اور نہ جنگ کی بھیجڑ میں تھے بلکہ فقط دور سے دیکھ رہے تھے پس اس اثنا میں کہ وہ خوش سے پانی پی رہے تھے کہ دور سے ایک تیرا کر انہیں لگا۔ اس کے باوجود وہ جنت الفردوس میں پہنچ گئے جو جنت کا سب سے

1- صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 569 (ذرات نعیم) 2- سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 40-639 (ذرات نعیم) 3- مسند امام جلد 6 صفحہ 285 (سار)

4- صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 302 (قدیمی) 5- صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 302 (قدیمی) 6- صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 567 (قدیمی)

7- جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 147 (ذرات نعیم)

اہلی اور برتر مقام ہے۔ اسی سے جنت کی نہریں پھوٹی ہیں تو جب یہ حال اور مقام ان کا ہے تو ان کے بارے تمہارا کیا خیال ہے جو دشمن کے سامنے تھے اور ان کا دشمن اپنی عدوی اور اسلحہ کی قوت کے اعتبار سے تین گناہ تھا۔

اہل بدر کے بارے حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ جو چاہو تم کرو، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے ہر عمل مباح ہے حالانکہ یہ ضابطہ شریعت کے خلاف ہے۔ اس لئے بعض علماء نے اس ارشاد کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس میں گزشتہ زمانے کے گناہوں کی مغفرت کی خبر ہے جیسا کہ غفرت لفظ کا صیغہ ماضی اس پر دلالت کرتا ہے لیکن اس قول کو رد کر دیا گیا ہے کیونکہ اگر یہ لفظ ماضی کے لئے ہوتا تو پھر حاطب بن ابی لیثعہ کے قصہ میں اس سے استدلال صحیح نہ ہوتا کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کے جواب میں فرمایا تھا جبکہ انہوں نے حاطب بن ابی لیثعہ کے بارے کچھ کہا تھا اور یہ واقعہ غزوہ بدر کے چھ برس بعد ہوا ہے۔ لہذا یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس مغفرت سے مراد زمانہ مستقبل ہے گناہوں کی مغفرت بھی ہے اور اسے صیغہ ماضی کی صورت میں صرف اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ ان کے تحقق اور قطعیت میں مبالغہ اور یقین کا اظہار ہو اور صحیح یہی ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد "اعْمَلُوا مَا بَيْنَكُمْ" (جو چاہو کرو) اہل بدر کے شرف اور ان کی تحکیم کے لئے ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان سے جو کچھ صادر ہو گا اس پر ان سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور یہ اعزاز لفظ انہی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ اس عظیم الشان حالت پر فائز ہو چکے ہیں جو ان کے سابقہ گناہوں کے مقابلہ کیے جانے کا تقاضا کرتی ہے اور وہ اس اہل ہو چکے ہیں اگر مستقبل میں ان سے کوئی گناہ صادر بھی ہو جائے تو ان کی مغفرت کر دی جائے۔

فائدہ :- اس پر علماء و اہل اتفاق ہے کہ اہل بدر کو مذکورہ جو بشارت دی گئی ہے اس کا تعلق احکام آخرت کے ساتھ ہے، دنیوی احکام سے نہیں مشافہہ نیا میں ان سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جائے جس کے نتیجے میں حد وغیرہ نافذ ہوتی ہو تو ان کا ایسا جرم قابل معافی نہیں تھا، واللہ اعلم۔

یعنی جبکہ اللہ تعالیٰ ان کی فریاد اور دعا کو سنے والا ہے اور ان کی نیوتوں اور احوال کو خوب جاننے والا ہے۔

یہ ذلکم یہ اشارہ بلاہ من (خوبصورت آزمائش) یا قتل یاری (کنکریاں پھینکانا) کی طرف ہے۔ ترکیب کلام میں یہ مکمل مرفوع خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی مقصود یہ تھا یا امر یہ تھا پھر کلام اس طرح ہے ذلکم ان اللہ خلق یعنی یہ آزمائش حق ہے۔ (اس صورت میں ذلکم مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے) اور وَاِنَّ اللّٰهَ الْاَبَدِ ذٰلِكُمْ پر مطلق ہے۔ یعنی اس سے مقصود مومنین پر احسان فرمانا، کفار کے مکرو فریب کو کزد کرنا اور ان کے ٹیلوں کو باطل کرنا تھا۔ (اس صورت میں المقصود مبتدا محذوف ہے اور ما بعد سارا کلام اس کی خبر ہے)۔

تابع، ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہم اللہ نے فُوْهُن میں واؤ کو مفتوح اور باء کو مشدود پڑھا ہے، یعنی فُوْهُن اور باقیوں نے واؤ کو ساکن اور باء کو مخفف پڑھا ہے، یعنی فُوْهُن پھر محض رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بغیر تون کے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اور لفظ کبید کو مجرور پڑھا ہے جبکہ باقیوں نے فُوْهُن کو تون کے ساتھ اور کبید کو منصوب پڑھا ہے۔

ابن اسحاق اور احمد رحمہما اللہ نے عبد اللہ بن عبد بن عمر غزالی سے اور ابن جریر اور ابن منذر رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ (میدان بدر میں) جب لوگ ایک دوسرے کے مقابل آگئے اور دونوں فریق ایک دوسرے کے قریب ہو

گئے تو ابو جہل نے کہا اے اللہ! جو کوئی زیادہ رشید قرابت کو کاٹنے والا ہے اور ایسی ایسی باتیں (اپنے باپ دادا کے خلاف) کہنے والا ہے جنہیں ہم نہیں پہچانتے تو کل صبح تو اسے ہلاک کر دے۔ اے اللہ! جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اور تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے تو اس کی مدد فرما۔ گویا ابو جہل نے خود ہی اپنے خلاف فتح کی دعا کی (1) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

إِنْ سَأَلْتَهُمْ لَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ سَأَلْتَهُمْ لَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ سَأَلْتَهُمْ لَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ سَأَلْتَهُمْ لَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ
تَعَدُّ وَلَنْ تَغْفِرَ عَنْكُمْ وَسَيُؤَدِّي اللَّهُ إِلَيْكُمْ وَلَنْ تُغْفِرَ عَنْكُمْ وَسَيُؤَدِّي اللَّهُ إِلَيْكُمْ وَلَنْ تُغْفِرَ عَنْكُمْ

”(اے کفار!) اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو (لو) آگیا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر تم (اب بھی) باز آ جاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی چاہے اس کی تعداد بہت زیادہ ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔“

اگر تم اس آدمی کے لئے فتح و نصرت کی التجا کرو رہے تھے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام لوگوں سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے تو لو تمہارے پاس وہ فیصلہ آگیا جس کا تم نے مطالبہ کیا۔ نتیجہ ابو جہل بدر کے دن قتل ہو گیا۔

امام احمد اور شیخین رحمہم اللہ علیہم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں وہ غزوة بدر کے دن صف میں کھڑا تھا کہ میں نے زانیہ دائیں اور بائیں جانب دیکھا تو میں نے اپنے آپ کو انصار میں سے دوئی عمر کے لڑکوں کے درمیان پایا۔ تو میں نے انہیں دیکھ کر یہ آرزو کی کاش میرے ہاتھیں بائیں طاقتور آدمی ہوتے۔ اتنے میں ان میں سے ایک نے مجھے ہاتھ سے ٹولا اور اپنے دوسرے ساتھی سے راز رکھتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا اے چچا! کیا ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے جواب دیا جی ہاں۔ لیکن تمہیں اس سے کیا فرض ہے؟ اے میرے بھتیجے! تو اس کے جواب دیا مجھے خبر ملی ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے، آپ کو گالیاں دیتا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر میں نے اسے دیکھا تو وہ میری نظر کے سامنے سے نہیں ہٹے گا، یہاں تک کہ ہم میں سے وہ مر جائے گا جس کی موت پہلے آئی ہے۔ اتنے میں دوسرے ساتھی نے بھی اپنے ساتھی سے راز رکھتے ہوئے مجھے ہاتھ سے ٹولا اور اسی پہلے کی مثل اس نے بھی گفتگو کی۔ مجھے ان کی باتیں سن کر بہت تعجب ہوا۔ ابھی تمہارا وقت ہی گزر رہا تھا کہ میں نے ابو جہل کو لوگوں کے درمیان گھومتے ہوئے دیکھا اور وہ بے رجا جا رہا تھا: (2)۔

مَا تَنْقِضُ الْحَرْبُ الْعَوَائِمْ مَنَىٰ
بِأَزْلِ غَمَافِئِ حَدِيثِ سَعِي

(میری جوانی کے قیمتی دو سال خرچ کرنے کے علاوہ بار بار کی جنگ مجھ سے کوئی انعام نہ لے سکی)
اور ساتھ کہہ رہا تھا ایسے ہی دن کے لئے میری ماں نے مجھے جنم دیا تھا۔ تو میں نے ان دونوں سے کہا کیا تم دیکھ نہیں رہے۔ یہی وہ شخص ہے جس کے بارے تم دونوں کو پھر ہے تھے۔ یہی وہ دونوں بڑی تیزی سے اپنی گواروں کے ساتھ اس پر جھپٹ پڑے اور اسے مار دیا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر وہ دونوں لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو اسے قتل کرنے کی اطلاع دی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے؟ پھر اس سے جینے کے سامان کا فیصلہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ سے حق میں کیا۔ وہ دونوں بچے معاذ بن عمرو اور معاذ بن عمرو تھے۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن ارشاد فرمایا کون دیکھ کر آئے گا کہ ایوب جیل کو کیا ہوا ہے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مگھے اور اسے اس حال میں پایا کہ عفرہ کے دونوں بیٹوں نے اسے مار دیا ہے اور وہ ٹھنڈا پڑا ہے۔ پس انہوں نے اسے ڈاڑھی سے پکڑ کر کہا کیا تو ایوب جیل ہے؟ تو اس نے کہا کیا اس سے اور بھی کوئی آدمی ہے جسے اس کی قوم نے یا جسے تم نے قتل کر دیا ہے؟ (1) مسند امام احمد میں ابوسعیدہ بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے غزوہ بدر کے دن ایوب جیل کو اس حال میں پایا کہ اس کی ایک ٹانگ ٹوڑ کے سبب ننگری ہو گئی تھی وہ لوگوں میں اپنی ٹوڑ کے ساتھ پڑا تھا کہ میں نے اسی کی ٹوڑ پکڑی اور اسے قتل کر دیا پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی ٹوڑ مجھے ہی عنایت فرمادی۔ (2)

حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح کی روایت کے معارض ہے کیونکہ اس میں تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایوب جیل سے چھینا ہوا مال معاذ بن عمرو بن مہجوع کو عطا فرمایا۔ دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ صرف اس کی وہ ٹوڑ جس سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا، رسول اللہ ﷺ نے وہ آپ کو عطا فرمادی ہو (اور بقیہ اسلحہ اور سامان حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دے دیا ہو)۔

ابن اسحاق نے حضرت معاذ بن عمرو بن مہجوع رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے مقتولوں میں سے ایوب جیل کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا اور رب کریم کی بارگاہ میں التجا کی اسے اللہ اور میری گرفت سے نہ نپٹے پائے۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ جو نبی میں ملے آپ ﷺ سے یہ سنا تو میں اس کی تلاش میں آگے نکل گیا اور سیدھا سی کی طرف گیا اور اسے جا کر اتنی شدہ ضرب لگائی کہ نصف پٹنی سے لڑکھائی ایک ٹانگ کٹ گئی۔ اتنے میں اس کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر شدہ ضرب لگائی جس سے میرا بازو کٹ گیا اور صرف جلد کی وساطت سے وہ میرے پہلو کے ساتھ لٹکا رہا اور جنگ نے مجھے اس سے دور رکھا (یعنی جنگ کی مصروفیت کے سبب میں نے اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہ دی) حتیٰ کہ میں سارا اسے پیچھے رکھ کر لڑتا رہا۔ پھر جب اس نے مجھے اذیت اور تکلیف دی تو میں نے اسے اپنے پاؤں کے پتھر لگا کر اذیت سے بچھڑ کر اسے الگ کر کے پھینک دیا (3) ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بعد از اس حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔ (4)

قاضی (عمیاض رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ذکر کیا ہے کہ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت میں یہ زائد کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنا بازو نیکر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن اس پر لگا دیا تو فوراً جسم کے ساتھ جڑ گیا (5) حضرت قاضی عمیاض رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے اور آپ ہی نے کتاب الشفاء میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ ایوب جیل نے غزوہ بدر کے دن حضرت معاذ بن عمرو بن مہجوع رضی اللہ عنہ کا بازو کٹ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنا بازو اٹھا لے حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگا کر اسے جسم کے ساتھ جوڑ دیا، پس وہ جڑ گیا۔ (6) اسے ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایوب جیل زمین پر چھجرا پڑا تھا کہ اس کے پاس سے

- 1- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 573 (ذرات تعلیم)
- 2- مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 444 (صادر)
- 3- تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 16 (پتھر پڑے)
- 4- سیل الہدیٰ، ارشاد، جلد 4، صفحہ 50 (اعلیٰ)
- 5- سیل الہدیٰ، ارشاد، جلد 4، صفحہ 50 (اعلیٰ)
- 6- سیل الہدیٰ، ارشاد، جلد 4، صفحہ 50 (اعلیٰ)

حضرت معوذ بن عفرار رضی اللہ عنہ کا گزرا ہوا آپ نے اسے ایک شدید ضرب لگائی، لیکن ابھی تک اس میں زندگی کے آثار باقی تھے۔ حضرت معوذ رضی اللہ عنہ لاتے رہے، یہاں تک کہ جنگ میں شہید ہو گئے پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزرا ابو جہل کے پاس سے ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے آخری سانسوں میں پایا اور اسے پہچان لیا پھر میں نے اپنا یاہ اس کی گردن پر رکھا کہ اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے رسوا کر دیا ہے۔ وہ کہنے لگا کس شی کے سبب اس نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ کیا اس آدمی سے بھی بڑھ کر کوئی عزت والا ہے جسے تم نے قتل کر دیا ہے۔ پھر کہنے لگا مجھے یہ تاوان انجام کیا ہوا یعنی فتح اور کامیابی کے حاصل ہوتی؟ تو میں نے اسے بتایا کہ فتح و کامرانی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہوتی ہے۔ (1)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو جہل نے مجھے کہا اے کبریاں چرانے والے تو ایک دشوار گزار مشکل صحابی پر چڑھا آیا ہے (جو تک آپ اس کے سینے پر چڑھے سینے چٹھے سے اس لئے اس نے اپنے سینے کو ایک بلند و بالا پہاڑ قرار دیا کہ اس پر چڑھنا تو انتہائی مشکل اور دشوار ہے۔ کیا تو کبریاں چرانے والا ابھی اس پر چڑھا آیا ہے)۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں نے اس کا سر لگایا اور حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لاکر پیش کر دیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اے اللہ تعالیٰ کا دشمن ابو جہل کا سر ہے تو حضور نبی کریم ﷺ نے (انرا تعجب) ارشاد فرمایا قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ میں نے بھی عرض کی ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ پھر میں نے وہ سر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی (2) ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے بلوہ شمرانہ دو رکعت نماز ادا کی۔ (3)

ابن عابد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر امت کا ایک فرعون ہوا ہے میری امت کا فرعون ابو جہل ہے۔ اللہ اسے ہلاک و برباد کرے۔ اسے عفرات کے دونوں بیٹوں نے قتل کر دیا اور ملائکہ نے اسے قتل کیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا قصہ تمام کر دیا اور اسے بڑی تیزی سے قتل کیا۔ (4)

عکرم کا بیان ہے کہ مشرکین نے کہا قسم بخدا! جو کچھ محمد ﷺ نے کرائے ہیں ہم اسے حق نہیں جانتے۔ اے اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان حق واضح کر دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **اِنْ شَكَنْتُمْ مِنْهُ فَاَنْزَلْنَا عَلٰكُمْ الْحَمِيمَ** یعنی اگر تم فیصلے کے طلب گار ہو تو لو تمہارے پاس فیصلہ آ گیا (5) سدی اور کبھی زہما اللہ نے کہا ہے کہ جب مشرکین حضور نبی کریم ﷺ کی طرف روانہ ہوتے تو انہوں نے خلاف کعبہ کو پکڑ کر یہ دعا کی اے اللہ! دلنگروں میں سے بڑے دلنگر، دو گروہوں میں سے معزز گروہ اور دو جہنم میں سے افضل ترین دین کو غلبہ عطا فرما (6) تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ مذکورہ تمام روایات کے مطابق آیت طیبہ میں خطاب کفار کو ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ یہ خطاب حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر تم مدد کے خواہستگار تھے تو فتح، نصرت اور کامیابی تمہارے پاس آگئی (7) علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ کہیں بن حباب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم نے حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں شکایت عرض کی وہ آنحضرت

1- تفسیر بیہقی، جلد 3، صفحہ 16 (اتحادیہ) 2- سل الہدیٰ وارشاد، جلد 4، صفحہ 51 (اعلیٰ)

3- سل الہدیٰ وارشاد، جلد 4، صفحہ 51 (اعلیٰ) 4- سل الہدیٰ وارشاد، جلد 4، صفحہ 51 (اعلیٰ)

5- تفسیر بیہقی، جلد 3، صفحہ 16 (اتحادیہ) 6- تفسیر بیہقی، جلد 3، صفحہ 16 (اتحادیہ)

7- تفسیر بیہقی، جلد 3، صفحہ 16 (اتحادیہ)

آپ ﷺ اپنی چادر نیکر کعبہ کے سامنے میں آرام فرما رہے تھے، ہم نے عرض کی کیا آپ ﷺ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا نہیں کرتے۔ کیا آپ ﷺ ہمارے لئے فتح و نصرت کی دعا نہیں مانگتے۔ یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ اٹھ بیٹھے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک لال سرخ ہو گیا اور ہمیں ارشاد فرمایا تم سے پہلے ایسے لوگ بھی تھے جن میں سے کسی کو بکڑایا جاتا، پھر اس کے لئے تڑھا کھودا جاتا۔ پھر اسے اس میں کھڑا کر کے اس کے سر پر آرا رکھ دیا جاتا، اس طرح اسے تیر کروڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا لیکن یہ اذیت بھی اسے اپنے دین سے برکت نہ کر سکتی۔ کسی کے گوشت میں لوہے کی ٹنگھیاں اتار دی جاتی تھیں، اسی طرح اس کے گوشت کو بڈیوں اور بچوں تک نوچا جاتا۔ لیکن ایسی تکلیف بھی اسے اپنے دین سے انحراف پر مجبور نہ کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو ضرور پورا فرمائے گا یہاں تک کہ تم میں سے ایک شہسوار صنعا سے حضرت موت تک سز کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا لیکن تم تو بہت جلدی (کے طالب) ہو۔ (۱۶)

۱۷۔ اسے کفار! اب بھی (الحرم) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جگ کرنے سے باز آ جاؤ تو اس میں تمہارے لئے دارین کے مطاع اور فائدہ ہیں اور اگر تم دوبارہ اللہ تعالیٰ سے جگ کرنے اور عداوت اختیار کرنے کی طرف لوٹو گے تو ہم پھر تمہیں ایسی ہی سزا دیں گے جیسے پہلے دی اور تمہاری جماعت تمہیں کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی اور تم سے کسی اذیت تک چیز کو دور کر سکے گی، اگر چہ اس کی تعداد اتنی ہی زیادہ ہو۔

۱۸۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔ نافع، لہذا حاضر اور حاضر رحیم اللہ نے ان کے ہمزو کو مطوع بنا دیا ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف مفرد و مہارت پر ہے۔ اللہ پر عبادت اس طرح ہے کہ نفی عنکم و عنکم فینکم شیناً لا یجل شومم کفیر ثم و لآن اللہ فیع المؤمنین۔ (یعنی تمہارے کفر کی عسوت کی وجہ سے تمہاری جماعت تمہیں کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں دے سکے گی اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کے ساتھ ہے)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا عطف اس قول پر ہے ذلکم و ان اللہ مؤہن تکذیب الکافرین و ان اللہ فیع المؤمنین۔ باقیوں نے ہمزو کو کسور بنا دیا ہے اس لئے کہ یہ جملہ مستاتہ ہے اور اس کا عطف لن نفی پر ہے۔ اگر ارشاد باری تعالیٰ ان فتنفسخوا کا خطاب مسلمانوں کے لئے ہوتا پھر معنی یہ ہوگا اگر تم فتح و نصرت کے طلب کار ہو تو فتح و نصرت تمہارے پاس آئی، اب اگر تم راد حق میں جگ و جدال کرنے میں سستی اور کاہلی سے باز ہو گے اور اس امر میں رغبت رکھو گے جسے رسول اللہ ﷺ ترجیح دیں گے تو یہ تمہارے لئے نفع بخش اور فائدہ مند ہوگا۔ اور اگر تم انکار کی طرف دو بارہ لوٹو گے تو ہم بھی دوبارہ تمہیں کراہت کر دیں گے اور اس وقت تمہاری کشت بھی تمہیں ہرگز فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تمہارے شامل حال نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید تو کامل اہل ایمان کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ آنے والا ارشاد اسی مفہوم سے مناسبت رکھتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاسْمُوا لَهُ وَلَا تَوَلُّوْا عُنُقَهُ وَآنتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿١٧﴾
وَلَا تَتَلَوْنُوْا كَالَّذِينَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٨﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ
اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِتْنَهُمْ حَتَّىٰ لَأَسْمَعَهُمْ ﴿٢٠﴾

بھی کہا گیا ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کو کہا کرتے تھے کہ ہمارے لئے قصی کو زندہ کرو کیونکہ وہ ہمارا انتہائی مبارک اور معزز شیخ تھا اور وہ اگر آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ ایمان لے آئیں گے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اگر اللہ تعالیٰ انہیں قصی کا کام بھی سنا دے تب بھی یہ روگردانی کرتے ہوئے پشت پھیر لیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے۔ (1)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَ
اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَهٌُ مُّحْسَبُونَ ﴿٥١﴾

”اے ایمان والو! الیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں اس امر کی طرف سے جو زندہ کرتا ہے تمہیں، اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) حاکم ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان بیٹک کسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے۔“

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہوئے الیک کہو جب وہ رسول تمہیں بلائے۔ دغا شکم میں خمیر مفرد ہے، جبکہ اس کا مرقع اللہ اور رسول دو ہیں تو اس کی تفصیل گزشتہ آیت میں گزر چکی ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دعوت رسول اللہ ﷺ سے جانی جاسکتی ہے۔

سدی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ زندہ کرنے والے امر سے مراد ایمان ہے کیونکہ کافر تو مردہ ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ اس میں حیات (زندگی) بھی ہے، اسی کے سبب نجات بھی ہے اور دونوں جہان میں عذاب سے بچاؤ بھی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد حق ہے۔ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد جہاد ہے اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سبب تمہیں دولت کے بعد عزت اور تلبہ عطا فرمایا۔ قصی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد شہادت ہے کیونکہ شہداء کے بارے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: أَمْحُوا عَنْهُمْ ذُنُوبَهُمْ كَمَا تَمْحُو عَنْكَ

میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے کہ اس سے مراد ہر وہ امر ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ دعوت دیں اور لے لیا یُخْبِئُكُمْ کی قید محض استرازی نہیں بلکہ یہ مدح اور اطاعت رسول پر براہینت کرنے کے لئے ہے کیونکہ ہر امر میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت دل کو زندگی عطا کرتی ہے اور آپ کی نافرمانی دل کو مردہ بنا دیتی ہے اور حیات قلب سے مراد اہتمام عبادت کو چاک کرتے ہوئے اور ظلمت و تاریکی کو دور بناتا ہے ہونے دل سے غفلت کو دور کرتا ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ ﷺ نے انہیں بلایا۔ انہوں نے اپنی نماز جلدی سے مکمل کی، پھر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا جب میں نے تمہیں بلایا تو کسی شی تمہارے لئے الیک کہنے سے مانع تھی؟ انہوں نے عرض کی حضور ﷺ! میں نماز پڑھ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ، تو پھر انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یا یکتین ایسا کرنا ضروری تھا، آئندہ جب بھی آپ ﷺ مجھے بلائیں گے تو میں ضرور الیک کہوں گا، اگرچہ میں حالت نماز میں ہی ہوں۔ (2) یہ حدیث پاک اس امر کی تائید کرتی ہے جو ہمیں نے کہا کہ ہر اس امر کی اطاعت و فرمانبرداری

رسول اللہ ﷺ نے رب کریم کی بارگاہ میں یہ التجا کی اَللَّهُمَّ مَصْرُفَ الْقُلُوبِ صَرْفَ قَلْبُنَا عَلٰی طَاعَتِكَ۔ اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف بھیر دے (1) اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک بچے کو اس طرح دے دیا کہ اسے اللہ تو آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے پس تو میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو جاتا کہ میں کبھی بھی برا کام نہ کر سکوں۔ تو آپ نے یہ سن کر فرمایا اللہ تعالیٰ تمہ پر رحم فرمائے اور اسے دعا سے خیر سے نواز (2) اور بیچک تمہاری کی طرف اٹھا دیا جائے اور وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا عطا فرمائے گا۔

وَ اتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

شَهِيدٌ بِعِقَابٍ ۝

”اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ پہنچے گا صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے۔ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے“

اس معصیت اور گناہ سے جو جس کا وبال تم میں سے صرف ان ہی لوگوں تک نہیں پہنچے گا جنہوں نے ظلم کیا۔ لا تُصِيبَنَّ کی ضمیر فتنہ کی طرف راجع ہے اور فتنہ سے پہلے، وبال مضاف محذوف ہے اور لا تُصِيبَنَّ فعل ثانی مؤکد بانوں کا تاکید تھیلتی ہے اور یہ فتنہ کی صفت ہے (چونکہ صفت کا موصوف پر مثل جو کہے مگر نہی تو انشاء ہے اور انشاء کا حمل نہیں ہو سکتا اس لئے) اس سے پہلے لفظ وبال محذوف نکالا جائے گا، یعنی تم اس فتنہ اور معصیت سے اجتناب کرو جس کے بارے یہ کہا جائے گا کہ اس کا وبال صرف ان لوگوں تک نہ پہنچے گا جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا بلکہ اس کا وبال ظالم اور غیر ظالم تمام کو شامل ہوگا۔ یا پھر یہ صیغہ ثانی ہے جو نہی کے معنی کو مستحسن ہے اور اس پر نون تاکید داخل ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ یہ اس فتنہ سے بچنے کا حکم ہے جس کا وبال ان تمام کو شامل ہے جنہوں نے اس کا ارتکاب کیا اور جنہوں نے اس کا ارتکاب نہیں کیا۔ اب علماء کا اس بارے اختلاف ہے کہ وہ فتنہ کیا ہے؟ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس فتنہ سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اندر کسی برائی کو چھتہ نہ ہونے دیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسا عذاب مسلط کر دے گا جو ظالم اور غیر ظالم تمام کو شامل ہوگا (3) اس پر انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، آپ نے فرمایا لوگو تمہاری آیت پڑھتے ہو یا قُتِلْتُمْ اَنْتُمْ اَمْ تَعْتَبُوا عَيْتَكُمْ اَمْ لَمْ تَعْتَبُوا قَدْ كُنْتُمْ قَدْ قُتِلْتُمْ اِذَا اَفْتَدَيْتُمْ مِنْكُمْ (اے ایمان والو! اپنی ذات کے مکلف ہو، اگر تمہارے ہوتے تو کوئی گمراہ اپنی گمراہی کا ضرر تم کو نہ پہنچا سکتا تھا) اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں لیکن اس کا ہاتھ نہ چاکری تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ان پر کوئی سزا مسلط کر دے (4) اس روایت کو اصحاب سنن ابو عبد نے ذکر کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! تمہاری کاتھم دو اور برائی سے روکو۔ اس سے پہلے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور وہ تمہاری دعا قبول نہ کرے اور اس سے پہلے کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور وہ تمہاری مغفرت نہ فرمائے، بیچک امر بالمعروف

1- صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 335 (قدیمی)

2- الدر المنثور جلد 3 صفحہ 321 (احمدیہ)

3- تفسیر بنوری، جلد 3 صفحہ 19 (انجاریہ)

4- جامع ترمذی جلد 2 صفحہ 39 (وزارت تعلیم)، سنن ابی داؤد جلد 2 صفحہ 596 (وزارت تعلیم)

اور نبی من المکر نہ تو رزق کو دور کرتا ہے اور نہ موت کے مقررہ وقت کو قریب لے آتا ہے۔ بیشک یہود نصاریٰ کے علماء نے جب امر بالمعروف اور نبی من المکر پر عمل چھوڑ دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے ان پر لعنت بھیجی اور پھر انہیں عمومی عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اسے اصحابی نے روایت کیا ہے اور اس کی شاہد حضرت ابن مسعود اور ابوالموہبین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی حدیثیں بھی ہیں۔

عدی بن عدی کنفی نے کہا ہے کہ ہمارے ایک آزاد کردہ غلام نے میرے دادا کو یہ حدیث بیان کرتے سنا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل کے سبب عام عذاب نہیں بھیجتا۔ مگر جب وہ اپنے سامنے برائی ہوتی دیکھیں اور وہ اسے روکنے کی قدرت بھی رکھتے ہوں لیکن وہ اسے نہ روکیں۔ پس جب وہ ایسا کرتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ عام و خاص تمام پر عذاب مسلط کر دیتا ہے (۱)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنۃ اور معالم میں ذکر کیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود کے بارے سستی کرنے والے اور ان میں واقع ہونے والوں کی مثال اس قوم کی طرح ہے جو قرعہ اندازی کے ذریعے ایک جہاز میں سوار ہوئی۔ ان میں سے بعض پیچھے والے حصے میں سوار ہوئے اور بعض اوپر والے حصے میں۔ اب پیچھے والے حصے میں رہنے والوں کو پانی لینے کے لئے بالائی منزل کی طرف جانا پڑتا تھا جس سے انہیں اذیت اور تکلیف پہنچی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک کلباڑا لیا اور جہاز کے پینے میں سوراخ کرا کر شروع کر دیا۔ جس بالائی منزل والے آئے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہماری وجہ سے تمہیں تکلیف ہوتی تھی اور پانی تو بہر حال ہماری ضرورت تھا۔ اب اگر انہوں نے ان کا ہاتھ سوراخ کرنے سے بچ لیا (اور سوراخ کرنے کی انہیں اجازت نہ دی) تو انہوں نے انہیں بھی اور اپنے آپ کو بھی ہلاک ہونے سے بچالیا اور اگر انہوں نے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا (یعنی سوراخ کرنے سے انہیں نہ روکا) تو انہوں نے انہیں ہی اور اپنے آپ کو بھی ہلاک و برباد کر دیا (کیونکہ جب جہاز پانی کے سبب ڈوبنے لگے گا تو بالائی منزل والے بھی اسی طرح ڈوب جائیں گے جیسے زیریں منزل والے) اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (۲)۔ میں کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا احادیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان احادیث کا متعلق یہ ہے کہ کسی آدمی کے گناہ کے سبب دوسرے کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ مگر جبکہ وہ آدمی گناہ کا ارتکاب لوگوں کے سامنے کرے اور وہ لوگ اسے روکنے کی قدرت رکھتے ہوں لیکن وہ اسے نہ روکیں تو اس وقت اس گناہ کا عذاب عام ہو جاتا ہے گناہ کرنے والے کو بھی ہوتا ہے اور نہ کرنے والے کو بھی۔ بلکہ اسے بھی یہ عذاب ترک نہیں کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ گناہ سے روکنا بھی فرض ہے، لہذا اسے ترک کرنے والا بھی حاکم ہے اور اس معصیت کے سبب اسے پہنچنے والا عذاب ایک حاکم کو ہونے والا عذاب ہے۔ ایسا عذاب نہیں جو حاکم اور غیر حاکم دونوں کو شامل ہو۔

کیا تم نے اس ہستی (یعنی ایلیا) کے رہنے والوں کا قصہ نہیں سنا جو ساحل سمندر پر آباد تھے اور وہ بیٹے دن کی حرمت کو قائم رکھنے میں اپنی حدود سے تجاوز کرنے لگے، یعنی ان میں سے ایک گروہ تو برائی کا ارتکاب کرتا تھا (یعنی وہ خلیے اور تیرا سے چھپایاں تالاب میں پید کر لیتے تھے) دوسرا گروہ اس برائی سے انہیں روکنے والا تھا۔ اور تیسرا گروہ وہ تھا جس نے برائی کا ارتکاب تو نہیں کیا لیکن انہیں برائی سے منع بھی نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے ارشاد فرمایا اَنْجِيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ الشُّرُوْءِ اَخْرَجْنَا الَّذِيْنَ تَكْلَمُوْنَ بِالْعَدْوٰبِ (پس

ہم نے انہیں بچالیا جو برائی سے روکتے رہے ہیں اور انہیں عذاب کے ساتھ پکڑ لیا ہے جنہوں نے ظلم کیا ہے) تو یہ آیت صراحتاً اس پر دلالت کر رہی ہے کہ برائی سے ترو کئے کا وبال غیر ظالم پر نہیں پڑا (صرف ان ہی پر پڑا ہے جنہوں نے اس کا ارتکاب کیا ہے) اور آیت زیر تفسیر تو ایسے فتنہ اور مصیبت پر دلالت کر رہی ہے جس کا وبال ظالم اور غیر ظالم دونوں کو پہنچے گا۔ (اس لئے مذکورہ تفسیر محل نظر ہے)۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ فتنہ سے مراد بغاوت اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے کیونکہ اس کا وبال دنیا میں ایسے لوگوں پر بھی پڑتا ہے جو یہ تصور ہجوم جنم نہ ہوں۔ ایسے لوگ قتل کر دیئے جاتے ہیں ان کا ساز و سامان لوٹ لیا جاتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے بارے فرماتے ہیں قسم بخدا! جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے صاحب فہم و فراست یہ کچھ گئے کہ عترت قبیلے پر پڑا ہوں گے۔ اسی وجہ سے ابن زید نے کہا ہے کہ یہاں فتنہ سے مراد کلام کا افتراق اور آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت ہے (۱) حضرت حسن امری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت علی، عمار، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے نازل ہوئی (مظہری) روایت ہے کہ ہم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابا عبد اللہ! تم نے خود ظلیقہ کی مدد نہیں کی یہاں تک کہ وہ شہید کر دیے جیسے پھر تم خود ہی ان کے خون کا قصاص طلب کرنے آ گئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ایمان نہ مانگتے یہ آیت پڑھتے رہے اور ہم نے یہ کچھ نہ کہے کہ اس کا مصداق کون ہیں؟ آخر ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس آیت کا مصداق ہم ہی ہیں اور اس سے آپ کا اشارہ جنگ جمل کی طرف تھا کہ جس دن آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ سدی، جحاک اور قتادہ و جہم اللہ نے اسی طرح کہا ہے۔ (2)

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک مذکورہ فتنہ سے مراد ترک جہاد ہے بالخصوص ایسے حالات میں جبکہ امام وقت نے اس میں شامل ہونے کا اعلان عام کر رکھا ہو اور اس سے مراد میدان جہاد کے جنگ کے وقت پیشہ پھیرنا بھی ہے اس معنی پر قرینہ سیاق کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قَدْ يُقَاتِنُ الْمُؤْمِنِينَ الْمُؤْمِنِينَ لَكُمْ هُنَّ وَأَنْتُمْ لَهُنَّ فِي الْحَرْبِ وَجَنگ مومنین میں سے ایک گروہ جنگ کو ناپسند کر رہا تھا اور وہ حق کے معاملہ میں آپ سے جھگڑ رہا تھا) دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قَاتِلْتُمُ الْكُفْرَ وَذُرَّ خِطَافًا وَكُلَّ شَوْكِهِمْ فَلاَ يُبَاتِنُ لَكُمْ (اے ایمان والو! جب کافروں کے لشکر جہاد سے تم مقابلہ کرو مومت پھیرنا ان کی طرف (اپنی پٹھنیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَسْتُمْ حُنُفًا وَلاَ مَائِدَةً وَلاَ تَمَتُّوا وَلاَ تَكُنَّ مِنَ الْكَاذِبِينَ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لیبک جو سب وہ رسول تمہیں بلائے)۔ ظالم اور غیر ظالم کو وبال پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی تکلیف اور مصیبت تمام کو پہنچے گی مثلاً جہاد چھوڑ دینا کفار کے شیعہ کو گناہ کرتا ہے نتیجہً مسلمان قتل ہوں گے اور ان سے ساز و سامان بھی لینا جائے گا، چاہے یہ چھوٹے ہوں یا بڑے مرد ہوں یا عورتیں۔ اسی طرح میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا میدان میں ڈٹ جانے والے مجاہدین کے قتل کا سبب بنتا ہے۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ جب میدان احد میں شیطان نے مسلمانوں کے پاؤں پھسلا دیئے تھے تو اس کا وبال تمام مسلمانوں پر پڑا تھا حتیٰ کہ اس کی اذیت حضور نبی کریم کو بھی پہنچی کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اور دندان مبارک شہید ہو گئے، واللہ اعلم۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لا نَصِيْبَ لَكَ فِی الْحَرْبِ یعنی اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ سے بچنے کا حکم دینے کے بعد فتنہ کا ارتکاب کرنے سے منع کیا تھا اور اسی سے ہو کہ تم ہر قسم کے گناہ اور مصیبت سے بچو اور تم میں سے کوئی کسی فتنہ کا ارتکاب کرے کیونکہ اس کا وبال ظالم تک بالخصوص

پہنچتا ہے اور اسی کی طرف اس کا انجام بدلوتا ہے۔ لہذا تم میں سے ظالم دوسروں کی نسبت صحیح ترین ہو جائے گا۔ (اس لئے تم اس کے ارتکاب سے بچو) اس معنی کی تائید علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ لا نصیبین یخص جزاؤ نہیں۔ اگر محض جزاء ہوتی تو اس پر نون تاکید داخل نہ ہوتا۔ لیکن یہ صیغہ معنی ہے جس میں جزاؤ کی ایک طرف ایک پہلو موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْخُلُوا مَسَاجِدَكُمْ لَا يُخَلِّفُ فِيكُمْ سُلَيْمَانُ وَخُنُودَةٌ۔ (اے نبیو! اپنی جگہوں میں داخل ہو جاؤ کہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالیں)۔ (یعنی اگر تم جگہوں میں داخل نہیں ہوگی تو سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے گا) زیر تفسیر آیت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی وَتَقْوَاهُ فِئْتَةٌ إِنْ لَمْ تَقْوَاهُ أَصَابَكُمْ مَأْسُومٌ (فَلَا تُصِيبُنِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ظُلْمًا مِنْكُمْ خَاصَّةً۔ کہ تم معصیت سے بچو اگر تم اس سے نہیں بچو گے اس کا وبال صرف تم کو پہنچے گا پس وہ تم میں سے صرف ظالموں کو نہیں پہنچے گا) اسی طرح یہ ہے اذْخُلُوا مَسَاجِدَكُمْ إِنْ لَمْ تَدْخُلُوهَا يُخَلِّفُ عَلَيْكُمْ سُلَيْمَانُ وَخُنُودَةٌ (کہ تم اپنی جگہوں میں داخل ہو جاؤ اگر تم ان جگہوں میں داخل نہیں ہوگی تو سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے گا) واللہ اعلم۔

قول باری تعالیٰ لَا تُصِيبُنِ جَوَابِ اَللّٰہِ ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہو جاتا ہے کہ قدرت سے بچو، اگر تم اس سے بچو گے تو اس کا وبال تم میں سے صرف ظالموں کو نہیں پہنچے گا حالانکہ معنی اس طرح نہیں کہ اگر تم قدرت سے بچو گے تو اس کا وبال تمہیں نہیں پہنچے گا کیونکہ امتداد کی نفی ترقی ہوتی ہے۔ (مطلق کی نفی نہیں ہوتی بلکہ مطلق کے لئے حکم کا ثبوت باقی رہتا ہے)۔ پس معنی یہ بن جائے گا کہ اس کا وبال تمہیں بھی اور دوسروں کو بھی شامل ہوگا۔ (یعنی ذوال عذاب کی خصوصیت زائل ہو جائے گی اور عموم باقی رہے گا) اور اس معنی کا فاسد ہونا بالکل ظاہر ہے۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ جواب امر ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر وہ قدرت تک پہنچے گا تو وہ تم میں سے صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچے گا (2)۔ میں کہتا ہوں کہ جواب امر میں ایسے ایسے شرط کا مقدر ماننا ضروری ہے جو امر سے بنائی گئی ہو۔ جیسا کہ کہنے والے کے اس قول میں ہے: اَسْتَلِمُ فَذَلُّوا الْجَنَّةَ (تو اسلام لاکھ میں داخل ہو جائے گا) یعنی اِنْ تَسَلَّمْتُمْ فَذَلُّوا الْجَنَّةَ (اگر تو اسلام لائے گا تو جنت میں داخل ہو جائے گا)۔ اسی طرح قول باری تعالیٰ ہے اذْخُلُوا مَسَاجِدَكُمْ لَا يُخَلِّفُ عَلَيْكُمْ سُلَيْمَانُ وَخُنُودَةٌ۔ یعنی اِنْ تَدْخُلُوهَا لَا يُخَلِّفُ عَلَيْكُمْ (کہ اگر تم جگہوں میں داخل ہو جاؤ گی تو سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں نہیں روندے گا) مگر زیر تفسیر آیت میں جواب امر بنانے کی صورت میں اِنْ اَصَابَتْكُمْ شَرٌّ مَقْدَرٌ تَصَوَّرْتُمْ كَمَا جَاءَ سَلَامًا بَلْ شَرٌّ مَقْدَرٌ اور جزاء مقررہ ہر شرطیہ ہو کر قدرت کی صفت ہوگا اور پھر اس کا معنی وہی ہوگا جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ اہل علم کی جائز نہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ لَا تُصِيبُنِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ظُلْمًا مَعْدُوفٌ حَقْمٌ کا جواب ہو اور تقدیر کلام اس طرح ہو وَتَقْوَاهُ فِئْتَةٌ وَاللّٰہُ لَا يُصِيبُ الْفِئْتَةَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ظُلْمًا مِنْكُمْ خَاصَّةً بَلْ يَنْصِبُكُمْ (کہ تم قدرت سے بچو تم بھلا اس قدرت کا وبال تم میں سے صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچے گا بلکہ تم تمام کو شامل ہوگا) اور اس کی وجہ یہ ہے، کیونکہ وہ قدرت جس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے وہ مکررہ حالت میں ذکر کیا گیا ہے اور قول باری تعالیٰ لَا تُصِيبُنِ میں موجود ضمیر ای مکررہ کی طرف راجع ہے جس کے سبب وہ بھی عام ہوگی لہذا اس سے لازم یہ آئے گا کہ باعومہ ہر معصیت کا وبال ظالم اور نفع ظالم دونوں پر پڑے گا۔ لیکن اس معنی کا فاسد ہونا بالکل ظاہر اور واضح ہے کیونکہ یہ مفہوم ایمان کے خلاف بھی ہے اور رب کریم کے اس ارشاد سے بھی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْوَدُوا أَسْوَاقَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الظُّلْمَ فَتَبَّ وَهُم بِالْمَآءِ الْحَامِئِ كَالضَّفَادِ الْكَاثِرَةِ (کوئی جو جو اٹھائے اور دوسرے کا وہ بھونچے اٹھائے گا) احوال میں کہا جائے

گاہِ قنتہ سے مراد وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے، یعنی جہاد چھوڑ دینا اور میدانِ جہاد سے راہ فرار اختیار کرنا۔ یہی سیاقِ کلام سے ثابت ہے اور اس گاہِ بالِ خنجر سے مراد دنیا میں اس کے وبال کا ہٹنا ہے، واللہ اعلم۔

ع۔ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے، لہذا تم قنتہ سے اجتناب کرتے ہوئے اس کی سزا سے بچو۔

وَ اذْكُرُواْ اِذَا اَنْتُمْ قَبِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ وَ نَحَاوْنُ اَنْ يَّكْظِفَكُمْ
النَّاسُ فَاَوْسِكُمْ وَاَيَّدِكُمْ بِبَصِيْرٍ وَاَوْسَدَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٠﴾

”اور یاد کرو جب تم قوموں سے تھے کمزور اور بے بس کبھی جاتے تھے ملک میں (ہر وقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اچانک
جانے نہیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے بناوہی تمہیں اور طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے اور عطا کیں تمہیں پاکیزہ چیزیں
تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔“

ع۔ اور یاد کرو اسے بھابھ پرین! جب تم تعداد میں قوموں سے اور سر زمین کہہ میں کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے، ہر وقت ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں کفار قریش تمہیں ایک نسل نہ لے جائیں۔ ابواشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! الناس سے مراد کون لوگ ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اہل فارس (1) پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مدینہ طیبہ میں پناہ دی اور غزوہ بدر کے دن کفار کے خلاف اپنی نصرت سے تمہیں طاقت عطا فرمائی اور تمہیں مال قیمت بھی پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں جو کہ تم سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں خطاب تمام اہل عرب کو ہے کیونکہ وہ تمام کے تمام فارس و روم کے مقابلے میں ذلیل و رسوا تھے۔ وہ اگرچہ آپس میں ایک دوسرے سے عداوت رکھتے تھے لیکن عربوں کے دونوں ہی مخالف تھے تو اللہ تعالیٰ نے عرب کے ہمسایوں کو اپنے محبوب ﷺ کے جواریں میں ایک مضبوط پناہ گاہ عطا فرمادی جس کے سبب یہ اپنے دشمنوں سے محفوظ ہو گئے اور تمام اہل اربان کے خلاف اپنی خصوصی نصرت سے انہیں قوت و طاقت عطا فرمائی، واللہ اعلم۔

سعد بن منصور وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن ابی قحادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اکیس راتوں تک بنی قریظہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کی درخواست کی کہ آپ نے جن شرائط پر ان کے بھائیوں بنی نضیر سے صلح کی ہے ہم سے بھی ان ہی شرائط پر صلح فرمائیں اور وہ بھی سر زمین شام میں اور رعایت اور اربحہ کی جانب اپنے ان بھائیوں کے پاس چلے جائیں گے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس طرح ان سے صلح کرنے سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا اگر تم سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم تسلیم کرنے پر رضامند ہو تو اپنے قتلوں سے نیچے اتراؤ۔ لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ آپ ﷺ ہماری طرف ابولہبہ بن عبدالمطلب کو بھیجیں۔ چونکہ ان کا مال اور دو گھراں و عیال ان ہی کی ہستی میں تھے اس لئے آپ ان کے خیر خواہ تھے۔ پس حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابولہبہ رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا ہے ابولہبہ! آپ کیا رائے رکھتے ہیں کیا ہم سعد بن معاذ کی چالنی کو قبول کرتے ہوئے نیچے اتراؤں؟ تو حضرت ابولہبہ رضی اللہ عنہ نے اپنے طلق کی طرف اشارہ کر دیا مراد یہ تھی کہ تم ذبح کر دیے جاؤ گے لہذا تم ان کی چالنی کو قبول نہ کرو۔ (2)

میں نے عمری کے وقت رسول اللہ ﷺ کو مسکراتے سنا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے، آپ (اس وقت) کیوں مسکرا رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ابولہب کی توبہ قبول کر لی گئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں انہیں اس کی بشارت نہ دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں اگر تم چاہو۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑی ہوئیں اور یہ واقعہ پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے کہے اور پکار کر کہا اے ابولہب! تجھے بشارت ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے ہی لوگ انہیں کھولنے کے لئے دوڑتے چلے آئے۔ لیکن ابولہب نے کہا ہرگز نہیں قسم بخدا! رسول اللہ ﷺ خود تشریف لائیں گے اور اپنے دست مہارک سے مجھے کھولیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب نماز صبح کے لئے جاتے وقت ان کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے انہیں کھول دیا۔ (1)۔ سبکی نے لکھا ہے کہ حماد بن سلمہ نے علی بن زید بن جعدان سے اور انہوں نے علی بن حسین رضی اللہ عنہما (یعنی امام زین العابدین) سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت فاطمہ اثر ہوا رضی اللہ عنہا ابولہب کو کھولنے کے لئے تشریف لائیں۔ تو ابولہب نے کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی نہیں کھولے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فاطمہ تو میرا ہی جزو ہے (یعنی اس کا کھولنا میرا کھولنا ہے) اس روایت کی سند میں علی بن زید بن جعدان راوی ضعیف ہے اور پھر علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مرسل ہے (2)۔ پھر ابولہب رضی اللہ عنہ نے نہایت توبہ کی تکمیل اس وقت ہوئی جب میں اپنا وہ گھر چھوڑ دوں گا جس میں مجھ سے گناہ سرزد ہوا اور میں اپنے تمام مال سے دستبردار ہو جاؤں گا حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا اگر تم اپنا مال صدقہ کرنا چاہتے ہو تو تہائی مال کا صدقہ تمہارے لئے جائز ہے۔ پھر حضرت ابولہب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (3)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أُمَّةً مِّنْكُمْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٥٠﴾

”اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول سے اور نہ خیانت کرو اپنی امتوں میں نہ اس حال میں کہ تم جانتے ہو جو“

لے خُون کا اصل معنی کی کرنا ہے جیسا کہ وفا کا اصل معنی پورا کرنا اور کھل کرنا ہے اور اس کا استعمال امانت کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ خیانت میں کسی کا معنی پایا جاتا ہے اور تم آپس کی امتوں کے درمیان خیانت نہ کرو۔ چونکہ لا تَخُونُوا کا عطف پہلے لا تَخُونُوا پر ہے اس لئے یہ بھی مجرم ہے یا پھر یہ واہمیت ہے اس کے بعد ان مقدمہ ہے اور لا تَخُونُوا منصوب ہے۔ لیکن ان میں سے پہلا قول زیادہ واضح اور اولیٰ ہے کیونکہ دوسری صورت میں جمیت کا معنی شرط ہو جاتا ہے (یعنی تم لوگوں کی امتوں کے ساتھ خدا کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو یعنی دونوں خیانتوں کا مجموعہ نہ کرو) حالانکہ دونوں خیانتوں میں سے ہر ایک تکمیل طور پر حرام ہے۔ فقط اجتماع حرام نہیں۔ جیسا کہ اس قول میں ہے لا تَأْكُلُ الشَّمَكُ وَتَشْرَبُ اللَّيْنُ (پھل چکھ لیا اور اس کے ساتھ کہ دودھ بھی پیو)۔ (یعنی ایک وقت میں پھل بھی کھاؤ اور دودھ بھی پیو ایسا مت کرو مگر دونوں کام مختلف اوقات میں کرنے ممنوع نہیں)۔ (تو گو یا اس میں تو اجتماعی طور پر دونوں کام ممنوع ہیں، لیکن انفرادی طور پر ممنوع نہیں حالانکہ آیت طیبہ میں یہ مفہوم مراد نہیں ہو سکتا کہ لوگوں کی امتوں کے ساتھ تو اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرنا حرام ہو لیکن لوگوں کی امتوں کے بغیر حرام نہ ہوا ایسا ہرگز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلا معنی مراد

لیکن ای زیادہ اولیٰ اور ارجح ہے (مترجم)

اس حال میں کہ تم یہ جانتے ہو کہ یہ امانت ہے اس میں خیانت نہ کرو یا مطلب یہ ہے کہ تم یہ جانتے ہو کہ تمہارا حلق کی طرف اشارہ کرنا ایک خیانت ہے تو پھر اس کا ارتکاب نہ کرو۔ یا معنی یہ ہے کہ تم خود جانتے ہو اور حسن و جح میں تیز کر سکتے ہو (تو پھر ایسی حالت میں خیانت نہ کرو)۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی تو یقیناً انہوں نے آپس کی امانتوں میں خیانت کا ارتکاب کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم فرمائیں ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت نہ کرو، سنت چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ سے خیانت کے مرتکب نہ ہو اور اپنی امانتوں میں خیانت کا ارتکاب نہ کرو۔ ان اہل سنت سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وہ فرمائش اور اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھے ہیں، لیکن اپنے بندوں کو ان پر امان بنایا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے یقین کر لو بیشک اللہ تعالیٰ کا دین ایک امانت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمائش اور حدود میں سے جو امانت تمہارے پر رکھی ہے اسے ادا کرو اور جس کے پاس کوئی امانت ہو تو اسے چاہئے کہ جس پر اسے امان بنایا گیا ہے وہ صاحب امانت کو ادا کر دے (1)۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کا سبب نزول اگرچہ حضرت ابولہبہ رضی اللہ عنہ کا فعل ہے لیکن اعتبار لفظ سے عموم کا ہونا ہے جسے خاص کا نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں چاہئے کہ وہ فرمائش ہوں یا حدود دینی طور پر خیانت کرنا حرام ہے اور جو کچھ ابولہبہ رضی اللہ عنہ نے کیا وہ بھی اسی کا ایک حصہ تھا، واللہ اعلم۔ اگر کہا جائے کہ حدیث صحیح ہے "الْمُسْتَفْضَاؤُ مُؤْتَمَنُونَ" (2) (جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ اس میں امان ہوتا ہے لہذا اسے مشورہ دینے میں خیانت کا ارتکاب نہیں کرتا چاہئے) اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت ابولہبہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا تھا۔ اگر ابولہبہ رضی اللہ عنہ ایسا نہ کرتے جو انہوں نے کیا تو وہ مشورہ اپنے میں خیانت کے مرتکب ہوتے (اور یہ گناہ ان کے ذمے ہوتا) پھر ان کے لئے صحیح مشورہ کے بعد اس خیانت سے بچاؤ کیسے ممکن تھا؟ میں کہتا ہوں کہ خاموش رہ کر ان کے لئے اس خیانت سے بچنا ممکن تھا اور یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میں تمہیں مشورہ نہیں دے سکتا کیونکہ میرے اور تمہارے درمیان اس وقت تک کے لئے عداوت و بغض قائم ہو چکا ہے جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کے ساتھ ایمان نہیں لے آتے، واللہ اعلم۔ ابن جریر نے سدی سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام حضور نبی کریم ﷺ سے کوئی بات سنتے تھے تو اسے آپس میں پھیلاتے اور عام کرتے تھے حتیٰ کہ وہ بات مشرکین تک بھی پہنچ جاتی تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ابوسفیان (مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کے لئے) مکہ مکرمہ سے نکلا۔ تو جبرئیل امین حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آکر بتایا کہ ابوسفیان فلاں فلاں مقام پر ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا۔ ابوسفیان فلاں فلاں جگہ پر ہے تم بھی اس کے مقابلے کے لئے نکلو لیکن اپنے اس راؤ کو مخفی رکھو۔ لیکن منافقین میں سے کسی آدمی نے ابوسفیان کو یہ لکھ بھیجا کہ محمد (ﷺ) تمہارا ارادے سے آ رہے ہیں، اپنی احتیاط رکھنا۔ تو اس وقت

2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 105 (ذرات تعلیم)، منہن ابن ماجہ، صفحہ 274 (ذرات تعلیم)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 20 (الانباریہ)

3۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 20 (الانباریہ)

کے نور سے دیکھتا ہے۔ یعنی وہ خدا اور ہمیں سرت و قوت سے دیکھتا ہے۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں نقل کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے، بطرانی اور ابن عدی رحمہما اللہ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے اپنے دل سے توئی طلب کر اگر چہ متنی تجھے توئی دے چکا ہو۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں سند حسن کے ساتھ وابہ سے نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب دل کی نفسانیت فنا ہو چکی ہو اور نفس تمام قسم کی رذائل اور برائیوں سے پاک ہو چکا ہو تب حقیقت تقویٰ کا اظہار ہوتا ہے اور اسی کا نام صوفیہ کی اصطلاح میں کشف ہے۔ اور فرقان سے مراد وہ نصرت ہے جس کے سبب اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فرق ہو جاتا ہے، اہل ایمان کو عزت و عطا کی جاتی ہے اور اہل کفر کو ذلیل و رسوا کر دیا جاتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے لئے دنیا و آخرت میں ان خطرات سے نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا جن سے وہ ڈرتے ہیں (۱)۔ مقاتل بن حیان نے اس کے بارے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے دین کے معاملے میں شہادت سے نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا۔ یہ معنی پہلے معنی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے (جس میں فرقان سے مراد ہمیں تقویٰ مروا دی گئی ہے)۔ مگر رحمۃ اللہ علیہ نے فرقان کا معنی نہایت کیا ہے جس کے سبب تمہارے اورد اس شئی کے درمیان فرق کیا جائے گا جس سے تم ڈرتے ہو۔ شحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی ثبات کیا ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس کے سبب تمہارے لئے حق کو ظاہر کر دے گا اور تمہارے مخالفین کے بطلان کو بظہارے گا (۲)۔ بزرگان اصلاً مصدر ہے جیسے رحمان اور نقصان وغیرہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے گناہ مٹا ڈالے گا اور تمہارے گناہ گناہوں پر پردہ ڈال دے گا اور تمہیں اپنی نعمتیں بخش دے گا۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ابن آدم کے لئے تین رجس ظاہر کئے جائیں گے ایک رجس میں نیک اعمال درج ہوں گے۔ ایک رجس میں اہل حق کے گناہ درج ہوں گے اور ایک رجس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے والی نعمتوں کا اندراج ہوگا۔ جس اللہ تعالیٰ نعمتوں کے دایران میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا تو اس کے اعمال صالحہ میں سے اپنے مقابلے کا کوئی عمل لے لے۔ تو وہ نعمت تمام اعمال صالحہ کو گھیر لے گی اور وہ نعمت عرض کرے گی تیری عزت کی قسم! میں نے تو ان تمام کو اپنے مقابلے پورا نہیں پایا۔ اب صرف گناہ اور دوسری نعمتیں باقی ہیں اور اعمال صالحہ تمام کے تمام ختم ہو گئے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر رحم کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو فرمائے گا اسے میرے بندے اس نے تیری نیکیوں کو تیرے لئے کئی گنا کر دیا، تیرے گناہوں کو معاف کر دیا اور اپنی نعمتیں تجھے عطا فرمادیں۔ (اس سے معلوم ہوا کہ بخشش کا اظہار اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی پر ہے نہ کہ اپنے اعمال پر)۔

بطرانی رحمۃ اللہ علیہ نے واصل بن اسحق سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک ایسے آدمی کو قبر سے اٹھائے گا جس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا تیرے لئے دو امر ہیں جو تجھے زیادہ پسندیدہ ہو میں وہ کئے دیتا ہوں ایک یہ کہ میں تجھے تیرے اعمال کے مطابق جزا دوں یا پھر دوسرا یہ کہ میں تجھے اپنے انعام سے سرفراز فرماؤں۔ وہ عرض کرے گا اے میرے رب! تو تو جانتا ہے کہ میں نے تیری کوئی نافرمانی نہیں کی (اس لئے تو میرے اعمال کے مطابق مجھے جزا عطا

فرمایا کہ میرے مانے گا میرے بندے کو بچا لو اور اس کے اعمال کو میری نعمتوں میں سے ہر نعمت کے مقابل رکھو۔ بچنے کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی مگر اس کے مقابل اسے دنیا میں نعمت عطا ہو چکی ہوگی۔ پھر وہ بندہ عرض کرے گا اپنے احسان اور رحمت کے ساتھ ہی مجھے سرفراز فرما (16)۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کا نیک عمل نجات نہیں دلا سکے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی آپ کو بھی نہیں یا رسول اللہ ﷺ! تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و فضل سے مجھے ڈھانپ لے (2)۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ صحیحین میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سیدھی راہ اختیار کرو اور اس کے قریب ہو جاؤ اور خوش ہو جاؤ کیونکہ کسی کا عمل اسے جنت میں نہیں لے جائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی آپ کو بھی نہیں یا رسول اللہ ﷺ! تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے (3) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ کیا ہے: **وَإِنَّ اللَّهَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ**

یعنی میں نے تمہارے تقویٰ اختیار کرنے کی بنا پر تمہیں جو اجر دینے کا وعدہ کیا ہے وہ اس بنا پر نہیں کہ تمہارا تقویٰ نے وہ اجر ہم پر لازم کر رکھا ہے بلکہ وہ تو ہماری طرف سے محض فضل اور احسان ہے۔ (کہ ہم نے نیک اعمال کو نجات کا ذریعہ بنا دیا ہے ورنہ نیک اعمال تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے دنیوی احسانات کا بدلہ بننے کے قابل بھی نہیں)۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام کے لئے ایسے عمل پر انعام مقرر کر دے جو اس پر کرنا واجب ہو، اگرچہ آقا اس کے لئے انعام مقرر نہ بھی کرے۔ (تو یہ محض آقا کا اس غلام پر احسان ہوگا ورنہ کام تو اس کے ذمہ ویسے بھی لازم ہے)۔ بعض نے کہا ہے کہ **يَنْكُرُ عَنْكُمْ سَبَابَكُمْ** کا معنی ہے کہ وہ تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹاتا دے گا اور بغیر **لَكُمْ** کا معنی ہے کہ وہ تمہارے کبیرہ گناہوں پر پردہ ڈالے گا۔

**وَ إِذْ يَسْأَلُكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۗ وَ
يَسْأَلُونَ وَيَسْأَلُ اللَّهَ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ الْمَكْرِينِ ۝**

”اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا یا تاکہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں اور وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا۔ احسان اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔“

لے اس ارشاد کا عطف قول باری تعالیٰ **إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ** پر ہے۔ یعنی یاد کرو جب تم تعداد میں قلیل تھے اور یاد کرو جبکہ کفار تمہارے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے۔ ان کی یہ تدبیریں اور قول مکہ مکرمہ میں ہوئے جبکہ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ ابن اسحاق، عبدالرزاق، احمد، ابن جریر، ابویوسف، ابن منذر اور طبرانی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عبدالرزاق اور عبد بن حمید رحمہم اللہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب انصار نے اسلام قبول کیا تو قریش کو یہ گمان ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ دوسرے شہروں میں ہو گئے اور وہاں ان کی ایک جماعت بن چکی ہے اور پھر انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ ﷺ کے اصحاب ہجرت کر کے ان کی طرف جا رہے ہیں، وہ ان کے گھروں میں جا کر اترے ہیں اور وہاں انہیں اتنے بڑی اور حمایت کرنے والے لوگ ملے

ہیں۔ چنانچہ انہیں یہ خبر شد الا حق ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کی طرف نکل جائیں گے اور ساتھ ہی یہ بھی یقین ہو گیا کہ آپ انہیں ہمارے خلاف جنگ کرنے کے لئے جمع کریں گے۔ چنانچہ وہ تمام اس بارے میں مشاورت کے لئے دارالاندوہ میں جمع ہوئے۔ دارالاندوہ قس بن کلاب کا گھر تھا جو کہ قریش کا جد اعلیٰ تھا۔ قریش اپنے کسی بھی معاملے کے فیصلے کے لئے اسی دارالاندوہ میں مشاورت کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اس بار بھی سب دارالاندوہ میں جمع ہوئے۔ ان کے اسی اجتماع کے دن کو یوم اڑتہ بھی کہا جاتا ہے۔ انتہائی بوڑھے شخص کی صورت میں چادر اوڑھے اٹھیں ان کے سامنے آیا اور گھر کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ جب انہوں نے اسے دروازے پر کھڑے ہوئے دیکھا تو کہا یہ بوڑھا کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا یہ بوڑھا خبجہ کا رہنے والا ہے، اس نے سنا ہے کہ تم ایک اہم مشاورت کے لئے یہاں جمع ہوئے ہو وہ بھی تمہارے پاس حاضر ہوا ہے تاکہ وہ بھی تمہاری باتیں سنے۔ امید ہے تم اس سے اچھی رائے اور خیر خواہی ملے گی۔ تو قریش نے یہ سن کر کہا بہت اچھا اندازہ آ جاؤ۔ پس وہ بھی ان کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ وہاں قریش کے بڑے بڑے سردار جمع تھے جن میں ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، طلحہ بن عدی، نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالخضر بن ہشام، زید بن اسود، ابوجہل بن ہشام، خنظلہ کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب، جبیر بن معتم اور حکیم بن حزام شامل تھے۔ آخری تینوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے علاوہ بھی قریش میں سے اور بعض دیگر قبائل سے بھی لوگ شامل تھے۔ وہاں موجود لوگوں میں سے ایک نے کہا اس آدمی کے معاملات تمہارے سامنے ہیں قسم بخدا! اس تو یہ خیال کر رہا ہوں کہ اس کے وہ قہین جو ہم میں سے نہیں ہیں یا انہیں ساتھ لکھ کر ہم پر حملہ آور ہو جائے۔ اس سے یہ قطعاً بعید نہیں اس لئے تم اس کے بارے میں ایک رائے پر اتفاق کرو اور باہم مشاورت کرو۔ ان میں سے ایک اور بولا۔ کبھی نے عبدالسلام سے نقل کیا ہے کہ وہ ابوالخضر بن ہشام تھا کہ تم اسے زنجیروں میں جکڑ کر ایک گھر میں بند کر دو اور اس پر دروازہ مستقل کر دو پھر تم انتظار کرو کہ اسے بھی ان شعراء کی مثل موت آئے جو اس سے پہلے سٹھا زبیر اور نابذہ وغیرہ کہ اسے بھی ان کی طرح قید خانہ میں ہی موت آ جائے۔ یہ سن کر شیخ نجدی لعنہ اللہ علیہ نے کہا قسم بخدا! تمہاری یہ رائے مضبوط رائے نہیں ہے کیونکہ اگر تم اسے ایک گھر میں قید کر دو تو وہیں کا حکم اس کے اصحاب تک اس دروازے کے پیچھے سے بھی پہنچ سکتا ہے جو تم نے بند کر رکھا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے ساتھی تم پر حملہ کریں اور تمہارے ساتھ جنگ کر کے اسے تمہارے قبضے سے چھین لے جائیں۔ تمام نے کہا شیخ نے درست کہا ہے۔ ان میں سے ایک اور بولا۔ کبھی نے اس کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ابوالاسود ربیعہ بن عمر بن حارث بن لوی کا بھائی تھا۔ اس نے کہا کہ ہم اسے اپنے درمیان سے باہر نکال دیں پس وہ ہمیں ضرر نہیں دے گا پھر وہ جو چاہے کرے اور جہاں چاہے رہے جب وہ ہم سے دور ہوگا تو ہم اس سے فارغ ہوں گے، اپنے معاملات کی اصلاح کریں گے اور اپنے انفرادی اتحاد میں بدلنے کی کوشش کریں گے۔ شیخ نجدی لعنہ اللہ علیہ نے یہ جویر بن کعب بھی کہا کہ یہ رائے درست رائے نہیں ہے۔ کیا تم جانتے نہیں کہ اس کی گفتگو کتنی اچھی ہوتی ہے، اس کے کلام میں کتنی عداوت ہے اور جو چیز وہ پیش کرتا ہے لوگوں کے دلوں میں وہ کیسے راجح ہو جاتی ہے۔ قسم بخدا! اگر تم نے ایسا کیا تو وہ چلا جائے گا لیکن لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لے گا پھر وہ انہیں ہی ساتھ ملا کر تمہیں روند ڈالے گا۔ تمہارے قبضے سے معاملات لے لے گا (یعنی تمہارے ہاتھوں سے اقتدار چھین لے گا) پھر وہ جو چاہے گا تمہارے ساتھ سلوک کرے گا۔ لہذا تم اس کے علاوہ کوئی دوسری رائے قائم کرو۔ اس کے بعد ابوجہل نے کہا قسم بخدا! اس کے بارے میں بھی ایک رائے رکھنا ہو جس سے تم ابھی تک واقف نہیں۔ لوگوں نے جو چاہا اسے ابوالکلم اور کوسنی رائے

ہے؟ تو اس نے جواب دیا میری رائے یہ ہے کہ ہم بر قبیلہ سے ایک شریف انتہا بہادر نوجوان لے لیں۔ پھر نوجوان کے ہاتھ میں ایک تیز دھار کھوار دے دیں پھر وہ سب مل کر یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑیں اور ایک آدمی کے حملے کی طرح تمام ضربیں اس پر بیک وقت لگیں۔ اس طرح اسے قتل کر کے ہم اس سے راحت اور سکون حاصل کر لیں گے۔ جب انہوں نے ایسا کر لیا تو اس کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور بنی عبدمناف اپنی تمام قوم سے توجہ لگ کر اس کی قدرت نہیں رکھتے، اب کمال دہ دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم وہ دیت انہیں ادا کر دیں گے۔ یہ رائے ان کے شیخ نجدی احمہ رضی اللہ علیہ بھی بولا بات یہ ہے جو اس آدمی نے کہی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور رائے نہیں ہونی چاہئے۔ پھر اس نے یہ شعر بھی پڑھے:

أَلَمْ أُنْجِ زَانِبَانَ زَأَى لَيْسَ يَغْفِرُهُ هَادٍ وَزَأَى كَنْضَلِ الشَّيْفِ مَغْفُوفٍ
يَكُونُ أَوْلَهُ عَجُزٌ مَكْرُمَةٌ يُونُكًا وَآخِرُهُ حَفْمٌ وَ تَشْرِيفٍ

(رائے دو طرح کی ہوتی ہے، ایک وہ رائے جسے کوئی راہنما بھی نہیں جانتا (یعنی وہ) اسے غیر معروف اور ناپسندیدہ ہوتی ہے) اور ایک وہ رائے جو ایسے معروف ہوتی ہے جیسے کھوار کا میل چمکدار اور روشن ہوتا ہے۔ اس کی ابتدا میں عزت و تکریم ہوتی ہے اور آخر میں تعریف و تحسین ہوتی ہے)۔

پس وہ تمام اسی رائے پر اتفاق کر کے مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہا آج رات آپ ﷺ اپنے بیٹے پسر پر آرام فرمائیں ہو گے، قوم کی خیریت دیر سے بھی آپ ﷺ کو آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ چھوڑ دینے کی اجازت عطا فرمادی ہے۔ پس جب رات کی تاریکی چھا گئی تو قریش آپ ﷺ کے دروازے پر جمع ہو کر آپ ﷺ کے سونے کا انتظار کرنے لگے کہ پھر وہ آپ پر حملہ آور ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی موجودگی کو دیکھا۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا آج تم میرے پسر پر سوار ہو اور میری بزرگساری چادراپنے اوپر لے کر سو جاؤ، ان کی جانب سے ہرگز تمہیں کوئی تکلیف وہ امر نہیں پہنچے گا۔ رسول اللہ ﷺ غلبہ نامہ فرما ہوتے تو آپ اسی چادر میں سویا کرتے تھے۔ پس جب باہر تمام جمع ہو سکے تو ابو جہل نے کہا بیٹک محمد (ﷺ) یہ مکان کرتے ہیں کہ ان کو تم ان کے معاملہ میں ان کی اتباع کر لو تو تم عرب و عجم کے بادشاہ ہو گے پھر جب مرنے کے بعد تمہیں اٹھایا جائے گا تو تمہارے لئے اردن (جزین شام میں بیت المقدس کے قریب ایک معروف مقام ہے) کے باغوں کی مثل باغات ہوں گے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہیں ان کی چاہت سے قتل کر دیا جائے گا پھر جب مرنے کے بعد تمہیں اٹھایا جائے گا تو تمہارے لئے جہنم کی آگ ہوگی جس میں تمہیں جلا دیا جائے گا۔ ادھر حضور نبی کریم ﷺ ایک مٹھی مٹی لیکر باہر تشریف لائے اور فرمایا ہاں! میں ایسے ہی کہتا ہوں اور تو ان قتل ہونے والوں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کی قوت بصارت کو سلب کر لیا۔ پس وہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ ہی نہ سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ ان کے سروں پر مٹی ڈالنے لگے اور ساتھ ہی یہ آیات تلاوت کرتے گئے پس وَالْفَرَّانِ الْفَحْجِیْمِ سے لیکر فَهْمٌ لَا یُبْصِرُونَ تک۔ ان میں سے کوئی آدمی بھی ایسا باقی نہ رہا جس کے سر پر رسول اللہ ﷺ نے خاک نہ ڈالی ہو اور چہرہ جانے کا آپ ﷺ ارادہ رکھتے تھے آپ ادھر تشریف لے گئے۔ پھر قریش کے پاس ایک آدمی آیا جو ان کے پاس پہلے موجود نہیں تھا۔ اس نے آکر پوچھا تو یہاں اس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا محمد (ﷺ) کا۔ تو اس نے انہیں بتایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ماکام کر دیا ہے، تم بخدا! محمد (ﷺ) تو تمہارے پاس سے نکل گئے ہیں اور

پھر انہوں نے تم میں سے کوئی آدمی بھی نہیں چھوڑا مگر اس کے سر پر ناک ڈالی ہے وہ اپنی حاجت اور کام کو جانچے ہیں۔ اب تم نے سوچنا ہے کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ ان میں سے ہر آدمی نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا تو اس پر شی کو پلایا۔ پھر وہ اندر جھانکنے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے بستر پر آپ ﷺ کی چادر اوڑھے آرام فرما رہے ہیں۔ تو وہ دیکھ کر کہنے لگے قسم بخدا! یہ محمد (ﷺ) ہی ہیں اپنی چادر لائے سو رہے ہیں۔ پس وہ انتظار ہی کرتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بستر مبارک سے اٹھے۔ پھر انہوں نے کہا اس آدمی نے جو بات ہمیں بتائی تھی وہ سچ کئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ وہاں سے غار ثوری کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ہجرت کا یہ واقعہ سورہ توہ میں آگے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور حضور نبی کریم ﷺ کی چادر مبارک اوڑھ کر آپ ﷺ کی جگہ آرام فرما ہوئے۔ مشرکین حضور نبی کریم ﷺ کو تاک رہے تھے حالانکہ آپ ﷺ کی جگہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے اور وہ آپ کو ہنسی ہی محرم ﷺ تصور کر رہے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کروٹ بدلی تو انہوں نے دیکھا کہ یہ تو علی ہیں۔ کہنے لگے تو تو بیڑا کینے ہے تو کروٹ بدلتا ہے حالانکہ تیرا ساتھی تو کروٹ نہیں بدلتا تھا۔ ہم تو تیرے ہوئے ہوئے اسے پہچان ہی نہیں سکے۔

حاکم نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے قول نقل کیا ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی چاہنے کے لئے سب سے پہلے اپنی جان فرودستی کی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور اسی بارے میں یہ اشعار بھی فرمائے:

وَقِيلَتْ بِنَفْسِي خَيْرٌ مِّنْ وَطْئِ الْخَنَازِئِ
وَمِنْ طَافٍ بِالْبَيْتِ الْعِزْبِيِّ وَالْمَلْحَمِيِّ

میں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ان سب سے اعلیٰ اور برتر ذات کو پوجایا جنہوں نے (اللہ کے) سنگریلوں کو روند اور دھجرا سو د اور کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔

رَسُوْلُ اللهِ اَخْفَا اَنْ يُمَكَّرَ وَ اَبَدُ
لِلْحَقِّ خُذُو الطَّوْلَ الْاِلَهَ مِنَ الْمَكْرِ

وہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، مجھے یہ اندیشہ تھا کہ مشرکین ان کے بارے کوئی خفیہ تدبیر اپنائیں۔ پس صاحب قدرت الہ نے انہیں ان کی تدبیر سے محفوظ رکھا۔

وَبَاتَ رَسُوْلُ اللهِ فِي الْغَارِ اَمِيْنًا
مُوْفِي وَفِي جَفِظِ الْاِلَهَ وَفِي بَسْرَ

رسول اللہ ﷺ نے غار میں پرامن رات بسر کی اس حال میں کہ وہ محفوظ تھے، اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں تھے اور مشرکین کی نظروں سے چھپے ہوئے تھے۔

وَبِئْسَ اَرَاغِيْبُهُمْ وَمَا يَتَّبِعُوْنَهُ
وَقَدْ وَطَّئْتُ نَفْسِي عَلٰى الْفَتْلِ وَالْاَسْرِ

اور میں نے رات بسر کی کہ میں مشرکین کو تاکتا رہا اور ان کی اس سازش کو دیکھتا رہا جو وہ آپ ﷺ کے بارے کر رہے تھے اور اپنے آپ کو قتل یا قید ہونے کے لئے برقرار رکھا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مشرکین کے ساتھی دن کے اجتماع کے بارے یہ ارشاد باری عزوجل: ﴿وَلَوْ اَرَادْتُمْ كِتَابَتُ الْاٰنِيْنَ لَكُنْتُمْ كُفْرًا﴾ صحیح تاکہ وہ آپ کو قید کر لیں اور باندھ دیں جیسا کہ ابوالمصیق نے کہا تھا یا آپ کو قتل کر دیں جیسا کہ ابوہبیل کی تجویز تھی اور اٹلیس لعین بھی

اس پر راہی تھا۔ یادہ آپ کو جلا وطن کر دیں جیسا کہ نبی عامر کے بھائی کی رائے تھی۔

اس مکر کا معنی ہے صَرْفُ الْغَبْرِ غَمًّا يَفْضُضُهُ بِجِلْدَيْهِ مَكَرٌ سے مراد اپنی خاص تدبیر سے کسی غیر کو مقصد اصلی سے بھیر دینا ہے پھر اس کی دو قسمیں ہیں:-

1- مکر محمود: اس سے مراد ایسی تدبیر ہے جس سے حسین و جمیل فعل مقصود و مطلوب ہو۔

2- مکر مذموم: اس سے مراد ایسی تدبیر ہے جس سے برا فعل مقصود و مطلوب ہو۔ (گویا مکر کی اچھائی یا برائی کا انحصار مقصد کی اچھائی یا برائی پر ہے) لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نسبت بالیقین اچھے مقصد کے لئے ہی ہو سکتی ہے۔ ابتداءً مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں ذم اور سچ کا وہم و گمان ہو سکتا ہے۔ البتہ دوسروں کے مکر کے مقابلے میں اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا درست اور صحیح ہے (کیونکہ اس صورت میں برائی کا وہم و گمان نہیں ہو سکتا)۔ آیت طیبہ کا مفہوم یہی ہے کہ قریش نے حضور نبی کریم ﷺ کے سر کو باطل کرنے کے لئے شیلہ اور تدبیریں کی اور اللہ تعالیٰ کے اس نور کو بجھانے کی کوشش کی۔ لیکن ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر فرمائی کہ اس کا کام یہ سچیل تک پہنچے۔ اس کا نور ہر سو پھیلے اور اس کے دشمن تباہ و برباد ہوں۔

ج اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر عمل سراپا خیر اور بیکر حسن و جمال ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ مکر اللہ سے مراد اس شخص کی تدبیروں کو نام بنا دینا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اس شخص کو ان کے

مکر کی جزا دینا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ مکر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو کھلت دینا اور دنیوی ساز و سامان پر اسے قدرت دینا

ہے۔ اسی لئے امیر المؤمنین (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: آدمی جسے دنیوی خوشحالی اور وسعت عطا کی گئی اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی

جانب سے ایک تدبیر نہ سمجھے تو وہ اپنی مجلس سے فریب کھا رہا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عید بن عمیر کی سند سے مطلب بن دواع سے

نقل کیا ہے کہ حضرت ابوطالب نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ تمہارا نام تمہارے بارے کیا مشورہ کر رہی ہے؟ آپ ﷺ نے

فرمایا وہ مجھے قید کرنے یا شہید کرنے یا جلا وطن کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا تمہیں یہ کس نے بتایا ہے؟ آپ ﷺ نے

فرمایا میرے بارے نے۔ تو انہوں نے کہا تمہارا رب بہت اچھا ہے تم اس کے خیر خواہ ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا میں اس کے لئے خیر خواہ

رہوں گا وہ تو میرے لئے خیر خواہی کرتا ہے۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وَإِذْ نَسْتَكْفُرُ بِكُمُ الْإِنَّمَانُ أَضَلَّتْ أَعْيُنُنَا وَقَدْ رَجَعْنَا لَكَ أَتَى بِنِعْمَةِ اللَّهِ عَزَىٰ

رمزۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس روایت میں ابوطالب کا ذکر فریب ہے بلکہ منکر ہے کیونکہ یہ واقعہ ہجرت کی رات کا ہے جو کہ حضرت

ابوطالب رضی اللہ عنہ کے وصال کے تین سال بعد پیش آیا (2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ

حضور نبی کریم ﷺ نے فرزند ہریر میں عقبہ بن ابی معیط، طلحہ بن عدی اور نضر بن حارث کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کر دینے کا حکم ارشاد

فرمایا نضر بن حارث کو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کر دینے کا حکم فرمایا تو حضرت مقداد

رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! تو میرا قیدی تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کتاب اللہ کے بارے میں ایسے ایسے کہا

کرتا تھا (اس لئے اس کا قتل ضروری ہے) چنانچہ اس کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی۔ (3)

وَإِذْ أَسْتَلِيٰ عَلَيْهِمُ الْيَتِيمَ إِذْ قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُتِلْنَا وَمِثْلَ هَذَا إِن لَّ هَذَا

إِلَّا أَسَاطِيرَ الْأَوَّلِينَ ۝

”اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہمارے آیتیں تو کہتے ہیں لہ (انہی رہنے دو) سن لیا ہم نے، اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں۔ نہیں ہیں مگر کہانیاں اگلے لوگوں کی ہے۔“

لہ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یعنی نظر بن حارث کہتا ہے۔ اس کے فصل کی نسبت ان تمام کی طرف اس لئے کر دی گئی ہے کیونکہ وہ تمام اس کے قول پر راضی اور خوش تھے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو کوچیں کاٹنے کی نسبت تمام قوم شہود کی طرف کی گئی ہے حالانکہ کاٹنے والا بد بخت اور شقی انسان تو صرف قذرا بن سالف تھا۔ (مگر چونکہ وہ تمام اس کے فصل پر راضی تھے اس لئے اس کی نسبت تمام قوم کی طرف کر دی گئی)۔

لہ انہی رہنے دو ہم لئے قرآن کن لیا ہے اگر ہم چاہیں تو ایسی آیتیں کہ لیں۔ ان کا یہ قول صدور پر غرور و نفوت اور انتہائی زیادہ عناد پر مبنی تھا کیونکہ اگر وہ ایسا کرنے کی طاقت رکھتے تھے تو پھر ایسے کرنے سے انہیں کس نے روکا۔ جبکہ دس سال تک قرآن کریم انہیں مقابلے کی دعوت دیتا رہا اور پہنچ کرتا رہا۔ وہ وہاں پہنچنے پر تیار نہ تھے اور اس سے نفرت کرتے تھے کہ وہ مغلوب ہو جائیں بالخصوص (انصاحت و بلاغت) کے بیان میں تو پھر ان کے لئے کونسی جہان مان گئی تھی کہ وہ ایک چھوٹی سی سورت بھی پیش کرنے سے عاجز رہے۔

لہ یہ قرآن نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں اور قصے ہے۔ یعنی یہ قرآن تو ہم ہاضیہ کی خبریں ہیں جنہیں پہلے لوگوں نے لکھا ہے۔ اساطیر اسطوره کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے جہان بھولی تھی۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ نظر بن حارث ملک فارس اور حجرہ میں تجارت کی غرض سے جایا کرتا تھا اور وہاں سے رجم و اسفندیار کے قصے اور دیگر عجیبوں کی کہانیاں سنا کرتا تھا اور جب اس کا گزربہرود نصاریٰ کے پاس سے ہوتا تو وہ انہیں کبھی تورات و انجیل پڑھتے دیکھتا اور کبھی کوح و سجود کرتے دیکھتا۔ پھر جب وہ مکہ مکرمہ میں آیا تو اس نے حضور نبی کریم ﷺ کو بھی نماز ادا کرتے اور قرآن کریم پڑھتے ہوئے پایا تو نظر نے یہ سب دیکھ کر کہہ دیا ہم نے ایسی بہت سی باتیں سنی ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کی مثل آیتیں کہہ سکتے ہیں۔ (1)

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ أَوْ ارْسِلْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ ۝

”اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو سبھی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسایم پر پتھر آسمان سے اور لے آہم پر دردناک عذاب لے۔“

لہ اے اللہ! اگر یہی قرآن تیری طرف سے سچ ہو تو ہم پر آسمان سے ایسے ہی پتھر برسایسے تو نے اصحاب قبل (ہاتھی والوں یعنی لشکر ابرہہ) اور قوم لوط پر برسائے تھے یا پھر ہماری جانب سے قرآن کا انکار کرنے کی پاداش میں ہم پر کوئی اور دردناک اور اذیت رساں عذاب بھیج دے۔ انہوں نے تو محض استہزاء مانیا کہا تھا اور یہ وہم دلانے کے لئے ایسا کہا تھا کہ وہ علی و جہ البصیرۃ پورے وثوق اور یقین کے ساتھ قرآن کا انکار کر رہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں۔ امین جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ آیت نظر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے (2) کیونکہ وہی یہ بات کہا کرتا تھا۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ام مانیہ کے حالات بیان فرمائے تو حضرت نے سن کر کہا کہ میں جا ہوں تو ایسی باتیں بیان کر سکتا ہوں یہ قرآن میں ہے مگر وہ کہانیاں ہیں جو پہلے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اسے کہا اللہ تعالیٰ سے ڈر کیونکہ محمد ﷺ تو حق بات کہہ رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا میں بھی سچ کہہ رہا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ تو فرماتے ہیں لا الہ الا اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) اس نے کہا میں بھی کہتا ہوں لا الہ الا اللہ لیکن یہ بت اللہ کی بنیادیں ہیں۔ پھر اس نے یہ کہا اِنَّهُمْ اِنْ كَانَتْ هَذِهِ حَقًّا لَقَدْ هَمَّتْ بِالْخَالِجِ اِىٰ نَعْرُ بِنِ حَارِثِ كَيْ بَارِءِ مِنْ آيَةِ سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعًا لِّمَنْ هُوَ تَقِيٌّ (1)۔ معنی ہے کہ اگر یہ قرآن حق ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو اس کا انکار کرنے کی سزا کے طور پر ہم پر آسمان سے پتھر برسائے گا کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے۔ اور اس سے اس کی مراد قرآن کریم کے ساتھ استہزاء اور اس کے باطل ہونے کے بارے میں اسے یقین کا اظہار کیا تھا۔ عطا مرقمہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ نضر کے بارے میں اسے کچھ زائد آیات نازل ہوئیں اور بدر کے دن اسے اسی عذاب نے گھیر لیا تھا جس کا وہ مطالبہ کرتا رہتا تھا۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٠﴾ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ إِنْ أَوْلِيَاءُ لَهُ إِلَّا الشُّقُونَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

”اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ ﷺ ان میں اور انہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انہیں حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں، (مکہ سے آپ کی ہجرت کے بعد) اب کیا وجہ ہے ان کے لئے کہ عذاب دے انہیں اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے اور انہیں ہیں وہ اس کے متولی۔ اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی۔“

۱۔ علماء کا اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا ہے یہ شریکین کے ان قول کی حکایت ہے جو انہوں نے کہا اور یہ پہلی آیت کے ساتھ ہی متصل ہے۔ اس طرح کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب نہیں دے گا حالانکہ ہم اس سے استغفار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی امت کو عذاب نہیں دیتا جبکہ اس کا نبی اس کے ساتھ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت، دھوکہ کھانے اور اپنے نفسوں کے خلاف ہی بدعا کرنے کا ذکر انہی نے نبی کے سامنے کیا (2) اور ان کے نظریہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا اگرچہ آپ ان کے درمیان موجود ہیں اور یہ لوگ استغفار بھی کرتے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں ان کے لئے عذاب سے مانع نہیں ہو سکتیں جب کہ یہ لوگ مسجد حرام سے مسلمانوں کو روکتے ہیں۔ بعض دوسروں کا خیال ہے کہ یہ نیا کلام ہے (3)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ابو جہل بن ہشام نے کہا اِنَّهُمْ اِنْ كَانَتْ هَذِهِ حَقًّا لَقَدْ هَمَّتْ بِالْخَالِجِ اِىٰ نَعْرُ بِنِ حَارِثِ كَيْ بَارِءِ مِنْ آيَةِ سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعًا لِّمَنْ هُوَ تَقِيٌّ (4) اس کی تاویل میں علماء کا

2- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24-23 (انجاریہ)

1- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 23 (انجاریہ)

4- صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 669/670 (ادارت تعلیم)

3- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24 (انجاریہ)

ﷺ جب مسجد میں نماز ادا فرماتے تو نبی عبدالدار کے دو آدمی آپ ﷺ کی دائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور بیٹیاں بجانے لگتے اور دو آدمی بائیں جانب کھڑے ہو کر نکالیاں بجانے لگتے تاکہ حضور نبی کریم ﷺ کی نماز میں غلغلہ واقع نہ ہو۔ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ تصدیقہ سے مراد ان کا موٹین کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے، دین سے اور نماز سے روکنا ہے (1)۔ اس صورت میں تصدیقہ الصلۃ سے شق ہو گا پھر اس میں دوسرے دال کو یاہ سے بدل دیا گیا ہے۔ ان وجود کو بناہ پر قول باری تعالیٰ ماسکان صلواتہم سے مراد ان کی وہ حرکات ہیں جنہیں انہوں نے نماز کے قائم مقام بنا رکھا تھا کیونکہ انہیں مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس کی جگہ طرح طرح کی حرکات شروع کر دیں۔

مع اپنے اعتقاد اور عملاً کفر کرنے کے سبب سو اب عذاب چکھو۔ عذاب سے مراد عروۃ پدر میں ان کا نقل ہو جانا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے اور اس پر الف لام یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ عہدی ہو اور اس میں معبود وہ عذاب ہو جو ان کے قول ایتلا بغللاب الیہم سے مطلوب ہے۔ یہ آیت ماقبل آیت سے متصل ہے اور اس امر کو چننے کرنے کے لئے ہے کہ وہ بالیقین عذاب کے تقاضا میں اور انہیں مسجد حرام (بیت اللہ شریف) پر کوئی ولایت حاصل نہیں کیونکہ جن کی صفات مذکورہ بالا ہوں وہ اس قابل نہیں ہو سکتے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيُخْفُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصْنُؤْا وَعَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُفْقَرُوهُنَّ
 لَمْ تَكُنْ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً لَّهُمْ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ
 يُحْشَرُونَ ﴿١٠﴾ لِيُؤْمِرُوا اللَّهَ الْأَحْيَاءَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْأَحْيَاءَ بَعْضُهُ عَلَىٰ
 بَعْضٍ فَيُدْرِكُهُمْ جَمِيعًا فَيُجْعَلُ فِي جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿١١﴾

”بیٹک کا فرج کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے لے اور یہ اکنڈہ بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لئے باعث حسرت و افسوس پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ دوزخ کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے تاکہ ایک کر دے اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے معذور کرے دے سب ناپاکوں کو ایک دوسرے کے اوپر پھر اکٹھا کر دے ان سب کو پھر ذال دے ان کو جہنم میں یہی لوگ ہیں جن نقصان اٹھانے والے ہیں۔“

۱ بیٹک کا فرج اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے پھیر دیں۔ علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ جنگ جہد کے دنوں میں اپنے لشکر کو کھانا کھاتے تھے اور وہ بارہ افراد تھے، یعنی ابوہنبل بن ہشام، عقبہ، شیبہ، ربیعہ بن عبد شمس کے دونوں بیٹے، حجاج کے دونوں بیٹے اور معبد، ابوالہختری بن ہشام، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، زعم بن اسود، حارث بن عامر بن نوفل اور عباس بن عبد المطلب۔ یہ تمام کے تمام تر کشتی تھے۔ ان میں سے ہر شخص ہر روز اس اونٹ لوگوں کے لئے ذبح کیا کرتا تھا۔ (2)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ زہری، محمد بن یحییٰ بن حبان، عاصم بن عمر بن قتادہ اور مصعب بن عبد الرحمن نے مجھ سے بیان

کیا ہے کہ جب غزوہ بدر میں قریشی شکست خوردہ ہو کر مکہ واپس لوٹے تو عبداللہ بن ابی بکر مدہ بن ابی بھیل بھوان بن امیہ اور قریش کے وہ افراد جن کے باپ یا بیٹے میدانِ بدر میں قتل ہو گئے تھے وہ سب مل کر ابو سفیان اور ان لوگوں کے پاس گئے جن کا قریش کے اس تجارتی قافلہ میں حصہ تھا اور انہیں چاکر کیا اور گروہ قریش احمد (رضی اللہ عنہ) نے تمہاری قوت و طاقت کو کمزور کر دیا ہے تمہارے سر کردہ افراد کو قتل کر دیا ہے اب تم اپنے مال سے جنگ کے لئے ہماری مدد کرو، شاید ہم ان سے کچھ انتقام لے سکیں۔ پس انہوں نے ان کے اس مطالبے کو قبول کر لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُتِیْقُوْنَ اَعْمَآءَ النَّبِیِّمْ سے لیکر یُخِصُّهُمْ بِذُنُوبِکَ آیت کریمہ انہی لوگوں کے بارے میں نازل فرمائی (۱۱)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حکم بن عتبہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابو سفیان کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ اس نے مشرکین کے لئے چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا تھا (۱۲)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابی زبیر اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابو سفیان کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ اس نے جنگِ احد میں دو ہزار اہل حاشیہ (۱) کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے اجرت پر لیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ الفاظ عام ہیں اور ان لوگوں کو اور ان جیسے دیگر افراد کو بھی ان کا حکم شامل ہے۔

یہ پھر اس مال کا خرچ کرنا ان کے لئے دنیا میں باعثِ سعادت و نعم بن جائے گا کیونکہ مالِ خرچ ہو جائے گا لیکن اس سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ مال کا خرچ کرنا باعثِ حسرت ہے اور اس خرچ کرنے کا انجام اور نتیجہ حسرت ہے لیکن باعثِ حسرت کو بھی حسرت کہہ دیا گیا ہے تو یہ انہما رہا بلکہ کے لئے کیا گیا ہے۔ پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے، اگرچہ اس سے قتلِ جنگ میں اتار چڑھا دے گا (لیکن انجام کار انہیں شکست کا سامنا ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے) اور ان میں سے وہ لوگ جو کفر پر ڈٹے رہے، جبکہ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا تو انہیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔

اس آیت طیبہ میں غیبت سے مراد کا فر اور طیب سے مراد مومن ہے یا غیبت سے مراد فساد برپا کرنے والا اور طیب سے مراد اصلاح کرنے والا ہے (یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ کا فر کو مومن سے یا فساد کو مصلح سے الگ کر دے)۔ لیسبیز میں لام یا تو بحسب شریعت سے متعلق ہے یا اس کا علقہ بعلقبون سے ہے۔ یا پھر غیبت سے مراد وہ مال ہے جو مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں خرچ کیا اور طیب سے مراد وہ مال ہے جو مسلمانوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی مدد و نصرت میں خرچ کیا۔ ابن سعادت میں لام کا علقہ قول باری تعالیٰ تُمْ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةٌ سے ہوگا۔ جزوہ، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ نے لیسبیز کو بابِ تعلقین سے مشدد پڑھا ہے اور اس میں صیو کی نسبت مبالغہ زیادہ ہے۔

سے لفظِ حَسْرَةٌ کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب ناپاکوں کو جمع کر دے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملا دے (حکم کا معنی جمع کرنا اور باہم ملانا ہے) اور ہا دل جو تہہ در تہہ اوپر نیچے جمع ہوں۔ اسے صحابہ مرکوم کہا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں ڈال دے۔ اس میں اولئک کا اشارہ غیبت کی طرف ہے کیونکہ یہاں مقدر وہی ناپاک گروہ ہے یا اس کا اشارہ منافقین کی طرف ہے۔ یہی لوگ مکمل طور پر خسارہ اٹھانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے مال دے کر عذابِ آخرت کو خرید لیا ہے۔

قُلْ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِنْ یَنْتَهُوْا یُعْطَیْہُمْ مَّا قَدْ سَلَفُ ۗ وَاِنْ یَعُوْذُوْا فَقَدْ

(۱) اہل حاشیہ قارہ کے ہر کوئی تامل ہے جو جنگ میں مدد کرنے کے لئے تخیلیت کے ساتھ مل گئے تھے۔ تحبش کا معنی ہوتا ہے جمع ہونا یا جانا، بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ غلبہ قبائل کے کچھ افراد تھے جنہوں نے اہل حاشیہ کے پاس قریش سے جنگ میں ساتھ دینے کا معاہدہ کیا تھا۔

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 333 (اعلیٰ) 2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 334 (اعلیٰ) 3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 334 (اعلیٰ)

مَضَّتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ۝

”فرمادیتے کافروں کو کہ اگر وہ (اب بھی) باز آجائیں تو بخش دیا جائے گا انہیں جو ہو چکا اور اگر وہ (پہلے) کفرت سے
دہرائیں تو گزر چکا ہے (ہمارا) طریقہ پہلے (نافرانوں) کے ساتھ ہے۔“

۱۔ فرمادیتے کافروں کو کہ اگر وہ اب بھی کفر، عداوت رسول اور آپ ﷺ سے جنگ کرنے سے باز آجائیں تو ان کے سابقہ کفر، فساد اور سرزد ہونے والے گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔ پاناخران میں سے ایک کثیر جماعت نے اسلام قبول کر لیا۔ ان میں ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، مکرّم بن ابی جہل، عمرو بن عاص اور دیگر بہت سے افراد تھے۔ بدر کے قیدیوں میں سے عباس بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث، ابوالعاص بن ربیع، ابوہریرہ بن عبدالمطلب، صائب بن ابی جہش، خالد بن ہشام مخزومی، عبداللہ بن ابی السائب، مطلب بن حنظلہ، ابوہریرہ سہمی، عبداللہ بن ابی خلف، وہب بن عمیر جمعی، اسمیل بن عمر عامری، ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن زید، قیس بن سائب، امیہ بن خلف کے آزدار کو غلام نطاس مشرف باسلام ہو گئے۔ سائب بن عبید غزوہ بدر کے دن اپنا فدیہ ادا کرنے کے بعد اسلام لے آئے اور عدی بن حنیف کے مکہ کے دن دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ ولید بن ولید بن مغیرہ کو ہشام اور خالد نے گرفتار کر لیا۔ جب اپنا فدیہ ادا کر چکے تو بعد میں قیوت اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ لوگوں نے آپ کے اس رویہ پر آپ کو ظن و تشکیق کا نشانہ بنایا (اور کہا کہ اگر یہی کچھ کرنا تھا تو پھر فدیہ ادا کرنے کی ضرورت کیا تھی حالت قید میں ہی اسلام قبول کر لیتے اور ساتھ ہی آزاد ہو جاتے) تو انہوں نے جواب دیا میں یہ بات پانہند کرتا ہوں کہ میرے بارے میں گمان کیا جائے کہ میں قید سے گھبرا گیا (بلکہ میں تو اپنی دلہندی اور خوشی سے اسلام قبول کرنا چاہتا تھا)۔ جب آپ نے اسلام قبول کر لیا تو پھر انھیال نے آپ کو قید کر لیا۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنی قوت میں ان کے لئے خصوصی دعا فرمایا کرتے تھے پھر وہ قید رہا ہونے تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سال وصال میں آپ سے جائے۔ مسلم شریف میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اپنا دست مبارک آگے کیجئے میں آپ ﷺ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ جس جب آپ ﷺ نے دست مبارک آگے بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا اسے عمرو! تجھے کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک شرط عائد کرنے کا دواہ رکھتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تا تمہاری شرط کیا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! (میری شرط یہی ہے) کہ میری بیعت کر دی جائے (مجھے سابقہ گناہوں سے پاک کر دیا جائے) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے عمرو! کیا تو جاننا نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے، ہجرت سابقہ گناہوں کو مٹاتا ہے اور حج گزشتہ گناہوں کو گوارا دیتا ہے۔ (۱)

۲۔ اور اگر وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ لڑنے کے لئے دوبارہ تیار ہو جائیں گے تو پہلے نافرمانوں کے ساتھ ہمارا یہ طریقہ قائم ہو چکا ہے کہ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی عداوت و دشمنی مولیٰ انہیں تیار و باہر دیا گیا۔ جیسا کہ میدان بدر میں کفار کے ساتھ کیا گیا پس انہیں چاہئے کہ یہ ان لوگوں کی روش اختیار نہ کریں اور اس قانون کی گرفت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ لِلدِّينِ مَلْئُومًا ۚ فَإِنِ اتَّهَمُوا فَإِنَ اللّٰهُ

يٰۤاَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ بَصِيْرٌ ۝۱۰۰ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۙ يَعْزِمُ الْمَوْتٰى وَ يَنْعَمُ
 الصّٰیْرُ ۝۱۰۱

”اور (اے مسلمانو!) لاتے رہو ان سے یہاں تک کہ باقی نہ رہے کوئی فساد اور ہو جائے دین پورے کا پورا اللہ کے لئے
 لے تو پھر اگر وہ باز آ جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے اور اگر وہ روگردانی کریں تو
 جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے۔ وہ کیا ہی بہترین کارساز ہے اور کتنا بہترین مددگار ہے۔“

۱۔ اے اہل ایمان! کفار سے لاتے رہو یہاں تک کہ زمین میں فساد باقی نہ رہے، یعنی یا وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر ذلیل و رسوا ہو کر جزیہ
 ادا کرنے لگیں اور دین پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔ یہاں دین سے مراد ملت اسلام اور اس کا نظام عبادات نہیں، ورنہ
 اس آیت میں اور دوسری آیت حُفٰی یَنْظُرُوْنَ اَلْحُدُیَّةَ میں تعارض لازم آئے گا۔ (کیونکہ اس آیت میں حکم ہے کہ اس وقت تک ان سے
 لاتے رہو جب تک کہ مسلمان نہ ہو جائیں جبکہ آیت ہز یہ میں حکم یہ ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے اقتدار کو تسلیم کر کے جزیہ ادا کرنے
 لگیں تو پھر ان سے نہ لڑو۔) اس لئے یہاں دین سے مراد ظاہر، بالادستی، قوت، اقتدار، ملکیت اور حکومت ہے۔ دین کے یہ تمام معانی
 قاسموس میں مذکور ہیں۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ سب زمین پر
 کوئی مکان یا خیمہ باقی نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس میں کلمہ اسلام داخل فرمائے گا یا تو عزت والے کو عزت عطا فرما کر یا پھر ذلیل کو
 ذلت و رسوائی دے کر یا تو اللہ تعالیٰ وہاں کے بائیسوں کو حکومت عطا فرمائے گا اور وہ اسلام کو قبول کر کے اہل اسلام ہو جائیں گے یا انہیں
 ذلیل و رسوا کر دے گا (یعنی وہ اسلام قبول نہیں کریں گے) لیکن جو کلمہ اسلام کے زیر نگین ہو جائیں گے۔ پس اس طرح سارے کاسار
 دین اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے گا (۱)۔ اسے احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد فرمائی یٰۤاَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ
 لِيُنْهٰ كَمَا مَعْنٰی یٰہے ہے کہ وہ اسلامی احکام کے تابع فرمان ہو جائیں گے اور اہل ذمہ میں سے ہو جائیں گے۔

۲۔ تو پھر اگر وہ کفر سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کے مطابق جزا عطا فرمائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت
 تک قتال کروں یہاں تک کہ وہ یہ شہادت دینے لگیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (کہ اللہ تعالیٰ کے سوا لے کوئی معبود نہیں
 اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں)۔ وہ نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ نہیں جب وہ ایسا کر لیں گے تو ان کے خون اور مال
 حق اسلام کے سوا میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اور ان کا (باطنی) حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے (۲)۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم
 دونوں میں ہے مگر مسلم میں بنی اسلام کے الفاظ مذکور نہیں اور صحاح ستہ میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
 امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ یا پھر آیت کا معنی یہ ہے اگر یہ جنگ سے باز آ جائیں چاہے اسلام قبول
 کر کے یا جزیہ دے کر تو یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی تم ان سے قتال نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان
 کے اسلام اور کفر کے بدلے اور ان کے نیک و بد اعمال کے بدلے جزا دے گا۔ یعقوب نے مومنین کو خطاب ہونے کی بناء پر
 یٰۤاَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ کی بجائے یٰۤاَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ پڑھا ہے، یعنی اے اہل ایمان! تم ان سے معاملات ایسے ہی کرو جیسے مومنین سے کرتے ہو اور تم ان

کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کرو چیک اللہ تعالیٰ ہمیں تمہارے اعمال کے مطابق جزاء عطا فرمائے گا۔ صفوان بن سلمہ نے متعدد صحابہ پر کرام کے بیٹوں سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اپنے آباء کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بیان فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا خبردار! (خوب سن لو) جس کسی نے اپنے معابد (ذمی) پر ظلم کیا، اس کی حق تلفی کی یا اس کی طاقت سے بڑھ کر اس پر بوجھ ڈالا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا (1)۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت کا یہ مفہوم دونوں صورتوں میں صحیح ہے چاہے انتہاء سے مراد اسلام قبول کرنے کے سبب کفر سے باز رہنا ہو یا انتہاء سے مراد اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے کے سبب جنگ سے رکتنا ہو۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یعقوب کی قرأت کے مطابق مفہوم یہ ہے۔ اے اہل ایمان! تم جو جہاد کرتے ہو، اسلام کی طرف دعوت دیتے ہو اور کفر کی ظلمتوں سے نکال کر نور ایمان کی طرف نکالنے کی کوشش کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے اس عمل کو دیکھ رہا ہے وہ تمہیں اس کی جزاء عطا فرمائے گا اور انتہاء کے ساتھ اس کا معنی اس معنی پر دلالت ہو جائے گا کہ جس طرح یہ عمل بلا سبب انہیں ثواب دینے کا تقاضا کرتا ہے (2) اسی طرح ان کا جہاد اپنے سبب سے انہیں ثواب دینے جانے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور یہ مفہوم اس صورت کے ساتھ مختص ہے جبکہ انتہاء کا معنی کفر سے باز رہنا ہو اور یہ تعظیم بعبادہ حقیقت ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ بسما تعملون تمام نیک و بد اعمال کے لئے عام ہے، واللہ اعلم۔

ح اور اگر وہ اسلام سے روگردانی کر لیں اور کفر سے نہ رکتیں یا وہ اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنے سے بچر جائیں اور جنگ و جدال سے باز نہ رہیں تو جان لو اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے تم اسی برائتاد رکھو اور کافروں سے جنگ لڑو اور قطعاً ان کی عداوت و دشمنی کی پروا نہ کرو، اگرچہ وہ تعداد میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کیسای بہترین کارساز ہے جو اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرتا۔ جس کی وہم و فرما تا ہے وہ قطعاً مغلوب نہیں ہوتا۔

دسواں پارہ

وَاعْتَمُوا اٰتَمًا عَوْنَكُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنْتَ لِلّٰهِ حُسْبُهُ وَاَلَيْسَ الْقُرْبٰى وَ
الْيَسٰى وَالْمُسٰكِيْنَ وَالْبِنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا
يَوْمَ الْفُرْقٰنِ يَوْمَ التَّمْيِ الْجَعِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۰

”اور جان لو کہ جو کوئی چیز تمہیں تمہیں میں حاصل کرول تو اللہ کے لئے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لئے اور رشتہ داروں اور قریبوں اور سنیوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے (محبوب) بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز آئے سانسے ہوئے تھے دونوں لشکر اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

۱۔ اَلْقٰنَا میں ما بعضی الذی اسم موصول ہے اور عَوْنُكُمْ اس کا صلہ ہے اور ضمیر عا کے مدح و ثناء ہے اصل عبارت اس طرح ہے الذی غَنِيْمَةٌ۔ (یعنی وہ چیز جو تمہیں تمہیں میں حاصل کرو) اور مَا مَوْسُوْلَةٌ كُوْنُیْ کے ساتھ مل کر لکھنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ ما کا نہ ہو جاتا ہے۔ قیمت سے مراد کسی حربی کافر کا وہ سامان ہے جو اس سے ہلجیر اور اس پر غلبہ پا کر حاصل کیا جائے (چونکہ یہ خطاب مسلمانوں کی جماعت کو ہے) اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ایک یا دو مسلمان امام وقت کی اجازت کے

بغیر دارالحرب میں غارت گری کرنے کے لئے داخل ہوئے اور وہ اہل حرب سے کچھ مال چھین کر لے آئے تو اس میں خمس (پانچواں حصہ) واجب نہیں ہوگا اور اگر چار افراد ہوں گے اور وہ کچھ مال لے آئے تو اس میں خمس واجب ہوگا۔ لکھنؤ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول منقول ہے کہ ایسی جماعت جس کے ساتھ حفاظتی قوت نہ ہو اس کی مقدار سات افراد ہیں اور جس کے ساتھ حفاظتی قوت موجود ہو اس کی مقدار سات افراد ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور اہل علم کا موقف یہ ہے کہ وہ سامان جو ایک آدمی بھی چرا کر لے آئے گا اس سے بھی خمس نکالا جائے گا کیونکہ وہ حربی کا سامان ہے جو کہ اس سے جبراً حاصل کیا گیا ہے۔ لہذا وہ مال نسیئت ہے اور مال نسیئت سے خمس کا لیا جانا نص سے ثابت ہے۔

امام عظیم ابو یوسف اور امام احمد رحمہما اللہ نے ایک روایت میں یہ فرمایا ہے کہ ایسا مال نسیئت نہیں کیونکہ اسے غلبہ پا کر حاصل نہیں کیا گیا بلکہ وہ چھینا گیا ہے اور چوری کیا گیا ہے اور چوری کرنے والا حیلہ کے ساتھ مال حاصل کرتا ہے اور اس طرح اس کا مال حاصل کرتا دیگر مباحات کی طرح ہے جیسا کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر کٹھنی کرنا اور شکر کارڈ وغیرہ۔ جبکہ جس کا محل تو مال نسیئت ہے۔ ہاں اگر ایک یا دو آدمی امام وقت کی اجازت کے ساتھ دارالحرب میں داخل ہوئے تو وہ بالائیک مال نسیئت ہوگا کیونکہ اجازت کی صورت میں امام وقت پر ان کی امداد کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس جماعت کی امداد امام وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے جس کے ساتھ حفاظتی قوت موجود ہو چاہے اس کی تعداد چار افراد ہوں یا دس۔ اگرچہ وہ بغیر اجازت کے دارالحرب میں داخل ہو جائے کیونکہ مسلمانوں اور دین کو تو بین اور ذلت سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ لہذا وہ امام وقت کی امداد اور نصرت کے سبب چر تصور نہیں ہوں گے، واللہ اعلم۔

مین خشیء منا کا بیان ہے اور اس سے تصور محسوس کا اظہار ہے، یعنی اتنا مال ہو جس پر شی کا اطلاق کیا جاسکتا ہو مگر چودہ صرف دھاک اور سوئی ہی ہو۔ حضرت عباد بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ (مال نسیئت کا) دھاک اور سوئی بھی ادا کر دو اور مال نسیئت میں خیانت کے ارتکاب سے بچو کیونکہ قیامت کے دن یہ مال خیانت کرنے والے کے لئے باعث عار ہوگا (۱)۔ اسے داری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب سے اور انہوں نے اپنے باپ کے واسطے اپنے دادا سے نقل کیا ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب سے مذکورہ سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا جس کے ہاتھ میں بالوں کا جھکا تھا اور عرض کی میں نے اپنے گھوڑے کی زین مرمت کرنے کے لئے لایا تھا تو حضور نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا وہ حد جو میرا اور نبی میرا مطلب کا ہے وہ سب تیرے لئے ہے۔

عقائے پر قدامت لئے لائی گئی ہے کیونکہ مابشر شرط کے معنی موجود ہیں اور اس کا مابعد کلام کل رفع میں ہے چاہے یہ مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو، یعنی فحق ان لله حصمہ یا غیر ہو اور اس کا مبتدا محذوف ہو یعنی فاللہ حکم ان لله حصمہ۔ چونکہ ابتداء سے ہی مال نسیئت کا خمس اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت میں رکھا ہے اور اسے غائبین کی ملکیت میں دیا ہی نہیں۔ اسی لئے احتلاف نے کہا ہے کہ مال نسیئت کا خمس ایک ایسا حق ہے جو قائم منصب ہے یہ غائبین کے ذمہ ادا کرنا واجب نہیں جبکہ اس کے برعکس زکوٰۃ صاحب نصاب لوگوں کے ذمہ واجب ہوتی ہے اور انہیں وہ ادا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اسی بناء پر زکوٰۃ کو لوگوں کے مال کی سیل پھیل قرار دیا گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل پاک کے لئے عظمت و شرف کے سبب حلال نہیں۔ جبکہ خمس ان کے لئے حلال ہے پھر اللہ تعالیٰ نے خالص

اپنے حق کے مصارف کا بیان فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے اور آپ ﷺ کے اقارب و رشتہ داروں کے لئے ہے۔ اب اقارب کی تفصیل میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ اقارب سے مراد تمام قریش ہیں (۱)۔ مجاہد اور علی بن حسین رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان سے مراد بنو ہاشم ہیں (۲)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اقارب سے مراد عبد مناف کے دونوں بیٹوں ہاشم اور مطلب کی اولاد ہے۔ عبد شمس اور نفل کی اولاد ان میں شامل نہیں اگرچہ یہ دونوں بھی عبد مناف کے بیٹے تھے (۳)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ثقرداق کے واسطے سے ابن ابی شہاب سے انہوں نے ابن امیہ سے اور انہوں نے جبر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالقرنیٰ کا حصہ ہاشم اور مطلب کی اولاد میں تقسیم کیا اور عبد شمس اور نفل کی اولاد میں سے کسی کو کوئی شی نہیں دی (۴)۔ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی آپ ہی سے ایک روایت اس طرح ہے کہ حضرت جبر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ذوالقرنیٰ میں سے بنی ہاشم اور بنی مطلب میں مال تقسیم کیا تو میں اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ ہمارے بھائی بنی ہاشم ہیں ہمیں ان کی فضیلت کا تو انکار نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں پیدا فرمایا ہے۔ لیکن بنی مطلب کی قربت اور ہماری قربت تو آپ اور کہاں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے انہیں عطا فرمایا ہے اور ہمیں نہیں دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرما کر جہاں پہنچے ہوئے ارشاد فرمایا بنو ہاشم اور بنو مطلب تو اس طرح ایک ہی ہیں (۵)۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ برقانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔ اس حدیث میں اس معاہدہ کی طرف اشارہ ہے جو قریش کے بنو ہاشم سے قطع تعلقی کے لئے لکھا تھا کہ تم بنو ہاشم کی عیالت اختیار نہیں کرو گے، ان کے ساتھ خرید و فروخت نہیں کرو گے اور ان سے نکاح نہ کرے رشتے قائم نہیں کرو گے۔ وہ ایک سال تک اس معاہدہ سے پرہیز کر رہے اس دوران بنی مطلب بھی اپنے گھروں میں داخل نہیں ہوئے بلکہ بنی ہاشم کا ساتھ دیتے ہوئے شعب ابی طالب کی طرف نکل گئے (اگرچہ اس معاہدہ میں ان کا ذکر نہیں تھا) سنن اور معاذی میں اسی طرح مذکور ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن اور دلائل میں اسے نقل کیا ہے۔ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یحییٰ بن یمن اس طرح روایت کرتے ہیں کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب دونوں ایک دوسرے کے شش ہیں یعنی برابر ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بنی مطلب کو بنی ہاشم کے ساتھ ملا دیا ہے اور زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں دونوں خاندان کی ایک دوسرے کے ساتھ کھانہ خواہفت اور معاونت کے سبب انہیں ایک ہی شمار کیا ہے ورنہ صرف رشتہ میں تو بنی عبد شمس اور بنی نفل بھی انہی کی شش تھی۔ (مگر یہاں ممکن ہے کہ قربت کا اعتبار منظور نہیں تھا)۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں مراد قرب نصرت ہے قرب قربت نہیں (۶) (یعنی چونکہ بنی مطلب بنی ہاشم کے مددگار تھے اس لئے وہ ذوی القربنی میں شامل ہیں اور بنی عبد شمس اور بنی نفل مددگار نہیں تھے اس لئے وہ ذوی القربنی میں شامل نہیں)۔ لیکن اس قول کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اگر قرب نصرت مراد ہوتی تو پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ اولیٰ اور مستحق تھے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام میں مشرف باسلام ہوئے

- 1- تحفہ نازان، جلد 3 صفحہ 27 (اتھاریہ)
- 2- تحفہ نازان، جلد 3 صفحہ 27 (اتھاریہ)
- 3- تحفہ نازان، جلد 3 صفحہ 27 (اتھاریہ)
- 4- تحفہ بلوئی، جلد 3 صفحہ 28 (اتھاریہ)
- 5- سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 417 (وزارت تعلیم)
- 6- ہدایہ فیخر بن، جلد 2 صفحہ 397 (نور)

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کے بعد مسلمان ہوئے بلکہ مہاجرین و انصار میں سے وہ افراد جو حضور نبی کریم ﷺ کے رشتہ دار نہیں تھے وہ بھی اس حصے کے مستحق ہوتے۔

بعضی یتیم کی جمع ہے اور اس سے مراد ایسا چھوٹا بچہ ہے جس کا باپ نہ ہو (یعنی باپ فوت ہو جائے) اور قاسموس میں ہے کہ یتیم کا معنی ہے باپ کا فوت ہو جانا۔ ہم نے یتیم کے معنی میں صغیر (چھوٹا ہونا) کی قید اس لئے ذکر کی ہے کہ کیونکہ ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں ذکر کیا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی (1)۔ اس روایت کو عقیلی، عبدالحق، ابن قطان اور منذری رحمہم اللہ وغیرہ نے معطل قرار دیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے نقل کیا ہے۔ ابوداؤد علیا ہی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ اس موضوع کی ایک حدیث ظہور بن عبد کھنہ نے اپنے دادا سے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ یہ حدیث طبرانی کبیر وغیرہ میں بھی ہے۔ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت جہار رضی اللہ عنہ سے حزام بن عثمان کے عنوان کے تحت نقل کیا ہے لیکن یہ راوی متروک ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

فمنساکین بسکین کی جمع ہے، ہم فقیرانہ اس کی تحقیق سورہ توبہ میں مصارف صدقات کے بیان میں ذکر کریں گے۔ اور ابن سبیل سے مراد ایسا مسافر ہے جو اپنے گھر سے دور ہو۔ مسافر کی نسبت راستے کی طرف اس لئے کی گئی ہے کیونکہ وہ اکثر راستے پر چلتا رہتا ہے۔ تمام ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ مذکورہ تین اصناف کا یہ استحقاق اپنے افلاس اور حاجت کے باعث ہے۔ لہذا بتائی اور ابن سبیل میں سے انضیا کو یہ جھڑپا دیا جائے گا۔ اس طرح بعض لوگوں نے ذوی القربی کے بارے بھی کہا ہے کہ وہ اپنے فقیر اور حاجت مند ہونے کے سبب اس کا استحقاق رکھتے ہیں۔ لیکن یہ قول مردود ہے کیونکہ ذوی القربی کا لفظ قطعاً فقر و افلاس کا احساس نہیں دلاتا جبکہ اس کے برعکس لفظ یتیم اور ابن سبیل حاجت مند ہونے کا احساس دلاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا کرتے تھے حالانکہ آپ کثیر مال و دولت کے مالک تھے۔ ائمہ کرام کا اجماع ہے اور روایت اس پر متفق ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ مال یتیمت پانچ حصوں میں تقسیم کرتے تھے 5/4 حصے آپ عائشہ کو عطا فرمایا کرتے تھے اور 1/5 حصے کو آپ ﷺ پھر پانچ حصوں میں تقسیم کرتے۔ ان میں سے ایک حصہ آپ ﷺ اپنے لئے مختص فرماتے۔ اس سے آپ اپنی ذات اور اہل و عیال پر خرچ کرتے، اسی سے اپنے گھر والوں کو سال بھر کا خرچہ مہیا کرتے اور اس سے جو کچھ بچ جاتا اس سے کچھ مال کے عوض جہاد میں سبیل اللہ کے لئے ہتھیار اور گھوڑے خرید لینے اور کچھ مسلمانوں کی مصارف اور دروہانہ عامہ کے لئے خرچ فرمادیتے۔ دوسرا حصہ نبی ہاشم اور بنی مطلب میں تقسیم فرمادیتے اور ان میں سے ہر ٹہنی اور فقیر اور ہر مرد و عورت کو عطا فرماتے تھے اور بقیہ جن حصے تھیں، مساکین اور ابن سبیل میں تقسیم فرمادیتے۔ فور طلب امر یہ ہے کہ مصارف شمس کے طور پر بنی پانچ اقسام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ کیا ان میں سے ہر قسم اپنے حصے کی مستحق ہے کہ اس کا حصہ سے نہ دینا اور کسی دوسری صنف کی طرف پھیلا دینا جائز نہیں۔ یا پھر مذکورہ پانچوں اصناف مطلقاً شمس کا مصرف ہیں اور امام وقت کے لئے یہ جائز ہے کہ چاہے تو سارے کا سارا ان میں سے صرف ایک ہی صنف کو دے دے یا ایک صنف کے صرف ایک ہی شخص کے حوالے کر دے۔ لیکن ان پانچ اصناف کے علاوہ کسی اور

کو دینا اس کے لئے جائز نہیں۔ مذکورہ بالا میں سے دوسرا موقف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تھم میں مذکور ہے کہ آخری تینوں اصناف یعنی بنی، مساکین اور ابن سبیل ہمارے شمس کے مصارف ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک بالوجوب اس کا مستحق نہیں بلکہ اگر ان میں سے ایک ہی صنف کو وہ دے دیا گیا تو پھر بھی جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حنفیوں میں دو سفرین کی ایک جماعت نے پہلے موقف کا اظہار کیا ہے۔ یعنی امام وقت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ شمس صرف ایک یا دو قسموں پر خرچ کرے بلکہ تمام اصناف پر خرچ کرنا اس پر واجب ہے اور اگر ہر قسم میں سے ایک معین جماعت ہو تو اس میں سے کسی فرد کو خرچ کرنا جائز نہیں بلکہ تمام کے درمیان مساوی تقسیم کرے جیسا کہ بقیہ چار صنفوں کو عاقلین کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے اور بالا جماع ان میں سے کسی کو خرچ کرنا جائز نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ذی القربی کے حصے کو تقسیم میں میراث کی مثل قرار دیا ہے جس کا استحقاق قرابت کی بنا پر ہوتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ شمس میں سے ہر قسمی اور بعید ریشتہ دار کو حصہ دیا جاتا ہے (جبکہ میراث قسمی کی جوگی میں بعید ریشتہ دار کو حصہ نہیں ملتا) لیکن میراث کی طرح شمس کی تقسیم میں بھی مرد کو کورٹ پر فضیلت دی جاتی ہے، یعنی مرد کو حصے دینے جاتے ہیں اور عورت کو ایک حصہ اور اگر جماعت کی تعداد غیر محصور ہو اور ان کا شمار ممکن نہ ہو تو پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نزدیک ہر قسم میں سے تین افراد کو دینا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لیلٰی القزہ میں لام انحصاس کے لئے ذکر کیا ہے اور یہ لام ملکیت یا استحقاق ملکیت کا تقاضا کرتا ہے اور ہر قسم کا ذکر لفظ جمع کے ساتھ کیا ہے اور جمع کے کم سے کم افراد تین ہیں۔ (اس لئے اس صورت میں ہر قسم کے تین افراد کو حصہ دیا جائے گا)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اور آپ کے ہم خیال افراد نے کہا ہے کہ لام مطلق انحصاس کے لئے ہے (یعنی ملکیت یا استحقاق ملکیت کے لئے نہیں) اور انحصاس کی صورت میں ایک صنف سے دیکھ کر اصناف کی طرف تہاؤ کرنا جائز نہیں اور یہ لام استحقاق کے لئے نہیں بلکہ جنس کے لئے ہے اور لام جنسی جمعیت کے معنی کو باطل کر دیتا ہے (لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مذکورہ اقسام میں سے ہر قسم کو دیا جائے یا ایک قسم کے ہر فرد کو دیا جائے) اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ تمام اقسام ایک دوسرے میں داخل ہیں، کیونکہ رشتے داروں میں سے کوئی قسم، مسکین اور مسافر بھی ہو سکتا ہے۔ قبیوں میں سے کوئی رشتہ دار، مسکین اور مسافر ہو سکتا ہے اور مساکین میں سے کوئی رشتہ دار، تیم اور مسافر بھی ہو سکتا ہے (بلکہ یہ تمام اوصاف ایک فرد میں بھی جمع ہو سکتے ہیں) اگر ہر قسم کے لئے حصہ مختص ہوتا تو پھر ایک قسم کا حصہ دوسری قسم کی طرف پھیرنا جائز نہ ہوتا اور ہر قسم کا ذکر اس طرح کرنا لازم ہوتا کہ ایک قسم کا صدق دوسری قسم پر نہ ہو سکتا اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اگر ایک شخص کا تعلق تمام اقسام سے ہو تو پھر اسے ہر قسم کی طرف سے ایک ایک حصہ دیا جائے جیسا کہ جب خاندان بیوی کے چچا کا بیٹا ہو تو میراث میں سے اس کی دو مختلف حیثیتوں کے اعتبار سے دو حصے دینے جاتے ہیں۔ ایک خاندانہ ہونے کی حیثیت سے اور دوسرا عصب ہونے کی حیثیت سے۔ صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں تا کہ بچہ پینے کے سبب ہاتھ میں چمچالے پڑنے کی شکایت کریں کیونکہ آپ کو یہ خبر ملی تھی کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں کچھ باندیاں غلام آئے ہیں (اور آپ چاہتی تھیں کہ ان میں سے کوئی خدمت کے لئے لے ل جائے) لیکن آپ ﷺ سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ تو انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اپنی آمد کا دعویٰ کر لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ام المومنین نے آپ کو عرض کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ

حضور نبی کریم ﷺ نے خبر پا کر ہمارے گھر تشریف لائے، اس وقت ہم اپنے بستروں پر آرام کے لئے جا چکے تھے ہم نے آپ ﷺ کو دیکھ کر اٹھنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا اپنی جگہ پر بڑے رہو۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے اور حضرت فاطمہ الزہراء کے درمیان بیٹھ گئے میں تک کہ آپ ﷺ کا قدم مبارک میرے پیٹ سے لگا اور میں نے اس کی فشنگ محسوس کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم دونوں کی راہنمائی اس سے بہتر اور اچھی چیز پر نہ کروں جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے؟ کہ جب تم اپنے بستروں میں بیٹھ جاؤ تو تم دونوں تینیس مرتبہ سبحان اللہ، تینیس مرتبہ الحمد للہ اور پچوٹیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو اور یہ تم دونوں کے لئے خادم سے بہتر ہے (1) اور مسلم کی روایت میں ہے (حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا) کیا میں تمہاری راہنمائی ایسی چیز پر نہ کروں جو خادم سے بہتر اور افضل ہے کہ تم ہر نماز کے وقت اور اپنے آرام کے وقت تینیس مرتبہ سبحان اللہ، تینیس مرتبہ الحمد للہ اور پچوٹیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔ (2)

طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی روایت اسی طرح نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو وسعت عطا فرمادی ہے اور ان کے پاس کچھ باندیاں اور غلام آگئے ہیں تم بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خدمت کے لئے کسی کا مطالبہ کرو۔ چنانچہ آپ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں اور اپنا مدعی عرض کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا قسم بخدا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں خادم عطا کروں اور مالِ صفحہ کو چھوڑ دوں حالانکہ وہ بھوک سے بے حال ہو رہے ہیں اور میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو ان پر خرچ کروں لہذا میں ان غلاموں کو بیچ کر ان پر خرچ کروں گا۔ کیا میں تمہاری راہنمائی ایسی چیز پر نہ کروں جو اس سے بہتر ہے جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے۔ فرمایا وہ چیز مجھے جبرئیل امین نے بتائی ہے کہ ہر نماز کے بعد اور آرام کے لئے بستہ پر جاتے وقت دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمد للہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کر (3)۔ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فضل بن حسن ابن عمر بن حکم سے روایت نقل کی ہے کہ ان کی ماں نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنی والدہ کے ساتھ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ پھر تمام نفل حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تھے اور آپ کے ساتھ کچھ باندیاں اور غلام بھی تھے تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے ایک خادم کا مطالبہ کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا شہداء بدر کے پیغمبر سے زیادہ حق رکھتے ہیں (4)۔ مذکورہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بعض اصناف کو عطا فرماتے تھے، اور بعض کو عطا نہیں فرماتے تھے ورنہ آپ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ان کا حق نہ روکنے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق اہل صفحہ کے فقراء اور شہداء بدر کے یتیموں کی طرف نہ پھیرتے کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو ذوی القربیٰ کا حصہ فقراء اور یتامیٰ کی طرف پھیرنا جائز نہیں بلکہ ان کے نزدیک ذوی القربیٰ کے حصے کے علاوہ دونوں قسموں کے لئے نفس میں سے علیحدہ علیحدہ حصہ ہے اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں نقل کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اشعث بن سوار نے ابو الزبیر کے واسطے سے جابر بن عبد اللہ سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بخشش میں سے مجاہدین کے لئے سواریاں خریدتے تھے اور عوام کو بھی حاجات اور تکالیف کے ازالہ کے لئے بھی اس سے عطا فرماتے تھے۔ پھر جب مال کی مقدار بڑھ گئی تو آپ ﷺ اس

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 351 (قدیمی)

2- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 351 (قدیمی)

3- شرح معانی الآثار، جلد 2، صفحہ 128 (امدادیہ)

4- شرح معانی الآثار، جلد 2، صفحہ 128 (امدادیہ)

سے تہیوں، مساکین اور مسافروں کو بھی دینے لگے۔ (1)

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ جس صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یعنی اس نے اسے اپنی ملکیت میں ہی باقی رکھا ہے اور کسی غیر کو یہ ملکیت عطا نہیں فرمائی اور اس میں تصرف کرنے کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا۔ لہذا اہل تحقیق تصرف کے اعتبار سے یہ جس رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔ آپ ﷺ جیسے چاہیں اس میں سے اپنی ذات پر خرچ کر سکتے ہیں اور دیگر مصارف پر بھی۔ اور چونکہ اس کا مصرف ذوی القربیٰ و یتامی، مساکین اور اہل تکمیل ہیں۔ لہذا اس اعتبار سے یہ جس اہل چاروں کے لئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ آخری دونوں قسموں کا ذوی القربیٰ پر بغیر لام کے عطف کیا ہے اور چاروں قسموں کا ایک لام کے ساتھ ذکر کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تمام مصرف ہونے کے اختصام کے سبب ایک ہی جنس سے مختص ہیں اور رسول پر اس کا عطف نہیں فرمایا جیسا کہ آخری دونوں قسموں کا عطف کیا ہے اور لام لفظ رسول پر بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا عطف لفظ اللہ پر نہیں کیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا اختصام ایک صلحہ رحمہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا اختصام ملکیت کے لئے ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اختصام ملکیت کے لئے نہیں کیونکہ یہ (ذابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے پہلو سے ایک بال پکڑا پھر فرمایا تمہارے قیمت کے مال میں سے جس کے علاوہ اس بال کے برابر بھی میرے لئے حلال نہیں اور جس بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے (2)۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن عمار سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح عمرو بن شعیب نے اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے ان الفاظ میں اسے نقل کیا ہے کہ اس مال قیمت میں سے سوائے جس کے میرے لئے کوئی شی نہیں ہے اور نہ ہی یعنی اونٹ کا بال میرے لئے ہے اور جس بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے اور آپ ﷺ نے اس میں سوائے جس کے جس کا (الا خمس الخمس) ارشاد نہیں فرمایا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کو مکمل جس تقسیم کرنے کا اختیار تھا)۔ پس اختصام کی مذکورہ تینوں انواع پر لام اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اختصام مشترک ہے جس کے تین معانی ہیں۔ (یعنی لفظ اللہ پر لام ملکیت کے لئے ہے۔ لفظ رسول پر لام اختیار تصرف کے لئے ہے اور ذوی القربیٰ پر لام مقام مصرف کے بیان کے لئے ہے)۔ یا پھر یہ حقیقت و عجاز کی مثل ہے (یعنی پہلے معنی میں حقیقت ہے اور دوسرے دونوں معنوں کے لئے عجاز ہے) اور مشترک کے متعدد معانی کو جمع کرنا یا حقیقت و عجاز کو جمع کرنا قطعاً جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لام کو تین مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، واللہ اعلم۔

مسئلہ: حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے حصے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ آن کل آپ ﷺ کا حصہ مسلمانوں کی مصاص اور ان کاموں میں خرچ کیا جائے گا جو اسلام کے لئے باعث تقویت ہوں (3) کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ باقی مال سے ہتھیار اور سواریاں خرید لیا کرتے تھے۔ علامہ ابنی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اعمش نے ابراہیم سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضور نبی کریم علیہ السلوٰۃ والسلام کا حصہ گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری میں خرچ کرتے تھے (4)۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا حصہ خلیفہ وقت کے لئے ہوگا (5) کیونکہ آپ ﷺ اپنی حاکمیت اور امامت کے سبب ہی اس کے متعلق تھے (لہذا آپ کے بعد جسے حاکمیت و امامت حاصل ہوگی وہی اس کا حقدار ہوگا)۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ آپ کے وصال کے

1- کتاب الخزانہ صفحہ 23 (اشقیہ) 2- سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 379 (ذرات لعین)

3- تفسیر ابنی، جلد 3 صفحہ 28 (اتھاریہ) 4- تفسیر ابنی، جلد 3 صفحہ 28 (اتھاریہ) 5- تفسیر ابنی، جلد 3 صفحہ 28 (اتھاریہ)

ساتھ ہی ساتھ ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کا یہ احتیاق حاکمیت و امامت کے سبب نہیں تھا بلکہ آپ اپنی رسالت کے سبب اس کے تحقق تھے کیونکہ جب کسی حکم کو مینہ مشتق کے ساتھ مطلق کیا جائے تو یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا ماخذ اس حکم کی علت ہے (مشائخ کرام حکم یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے اور رسول مینہ صفت ہے اور اس کا ماخذ رسالت ہے۔ لہذا یہی وصف رسالت احتیاق نفس کی علت ہے)۔ اسی طرح اسی وصف کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کو مال قیمت میں سے اپنی پسند کی شئی جن لینے کا حق حاصل تھا ابناغزوہ بدر میں منہ بن حجاج کی تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا آپ ﷺ نے اپنے لئے پسند فرمائی اور خیر کے قیدیوں میں سے جس سے بنی بن اخطب یہودی کی بیٹی حضرت صفیر رضی اللہ عنہا آپ ﷺ نے اپنے لئے منتخب فرمائی (1) اسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور حاکم نے بھی آپ سے ہی اسے نقل کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے اور اس پر اصحاب امت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد انتخاب اور چناؤ کا یہ حق کسی امام وقت کو حاصل نہیں۔ پس جس طرح اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے لئے حکم آپ کے بعد آنے والے امام اور خلیفہ کے حکم کے خلاف ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے وصال کے بعد کوئی امام یا خلیفہ مال قیمت کے کسی کا حق نہیں ہو سکتا (لہذا اس کے لئے حکم آپ ﷺ کے حکم کے خلاف ہی ہوگا)۔

مسئلہ:- حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد ذوی القربی کے حصے کے بارے میں بھی علماء کے مختلف نظریات ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذی القربی کا حصہ بھی آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی ساتھ ہو گیا ہے۔ احناف نے اس کے سقوط کی متعدد وجوہ ذکر کی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ذوی القربی کو یہ حصہ ان کی مدد و نصرت کی وجہ سے عطا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی نصرت میں گزر چکا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبی مطلب کو یہ حصہ عطا فرمایا لیکن نبی نوفل اور نبی عبد شمس کو عطا نہیں کیا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا (نبی مطلب کو اس لئے دے رہا ہوں) کہ یہ نبی ہاشم کے ساتھ زمانہ جاہلیت اور اسلام میں اس طرح رہے اور دست مبارک کی انگوٹھ کو ایک دوسرے میں داخل فرما کر چال بناتے ہوئے فرمایا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نص میں قرب سے عزت اور قرب نصرت ہے قرب قرابت نہیں (2) اور جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو یہ اہل اور نصرت باقی نہ رہی۔ (لہذا ان کا حصہ بھی باقی نہ رہا) لیکن یہ تو جہ ضعیف اور کمزور ہے اور ہم اس کے ضعف کی علت پہلے بیان کر چکے ہیں۔ امام غلامی رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ سقوط بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حصہ بعض قرابت داروں کو عطا فرمایا جیسے نبی مطلب اور نبی ہاشم اور بعض کو اس سے محروم رکھا جیسے نبی نوفل اور نبی عبد شمس۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے تمام قرابتداروں کے لئے ذوی القربی کا حصہ عطا نہیں فرمایا بلکہ یہ خاص افراد کے لئے ہے اور تخصیص کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو تو عطا فرمایا کہ آپ ﷺ ان میں سے جسے چاہیں حصہ عطا فرمائیں۔ لیکن جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو آپ کی رائے کو جاننا اور معلوم کرنا بھی منقطع ہو گیا لہذا ساتھ ہی ذوی القربی کا حصہ بھی ساتھ ہو گیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو مال قیمت میں سے انتخاب کا حق عطا فرمایا تھا کہ آپ ﷺ اس میں سے اپنے لئے جو چاہتے جن سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کے لئے یہ اختیار آپ کی حیات ظاہر تک تھا اور جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو ساتھ ہی یہ اختیار بھی منقطع ہو گیا (3)۔ امام غلامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ذوی القربی میں تو رسول اللہ ﷺ کے تمام قرابتداروں کا ذکر کیا ہے ان میں سے بعض کی تخصیص نہیں فرمائی۔ پھر تصریح کرتے وقت

آپ ﷺ نے یہ حصہ صرف بنی ہاشم اور بنی مطلب کو عطا فرمایا اور بنی امیہ اور بنی نوفل کو اس سے محروم رکھا۔ حالانکہ ان کی تعداد بھی مبین اور محصور تھی اور جنہیں عطا فرمایا ان میں سے بعض خوشحال اور بعض فقیر تھے اور جنہیں نہیں عطا فرمایا ان میں سے بھی بعض خوشحال اور بعض مفلس تھے۔ آپ ﷺ کے اس طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حصہ حضور نبی کریم ﷺ کے لئے تھا اور آپ اپنے قرابتداروں میں سے جسے چاہتے عطا فرماتے تھے۔ لہذا اس کا حکم بھی ایسے ہی ہے جیسے آپ ﷺ کو مال غنیمت میں سے چنانچہ اور انتخاب کا اختیار تھا۔ تو جس طرح یہ حصہ آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی ختم ہو گیا اور آپ ﷺ کے بعد کسی کے لئے بھی یہ واجب نہیں رہا اسی طرح ذوی القربی کا حصہ بھی آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ ساتھ ہوا ہو گیا اور ان میں سے بعض کی تعیین کر کے کسی کے لئے بھی یہ حصہ واجب نہیں رہا۔ یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں تو جنہیں بھی کز اور ضعیف ہیں کیونکہ ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بنی مطلب کو اس لئے حصہ عطا فرمایا کیونکہ وہ تمام معاملات میں بنی ہاشم کے معاون و مددگار تھے، لہذا آپ ﷺ نے ان کی معاونت و موافقت کے سبب انہیں بنی ہاشم میں سے ہی شمار کیا (صرف اس لئے نہیں کہ وہ عبد مناف کی اولاد ہیں) جیسا کہ جب صدقہ کا مال بنی ہاشم کے لئے حرام قرار پایا تو ان کے سوا بنی مطلب پر کبھی حرام قرار پایا صرف اس لئے کہ بنی ہاشم کے معاون و مددگار تھے۔ اس لئے نہیں کہ یہ عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ عبد مطلب کی قرابت حضور نبی کریم ﷺ سے ایسی ہی تھی جیسے بنی ہاشم کی تھی یہ درست نہیں کیونکہ آپ ﷺ سے بنی ہاشم کی قرابت و دوسروں کی نسبت زیادہ اقرب اور اولیٰ تھی۔ اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذوی القربی کا ذکر فرمایا ان میں سے بعض کا ارادہ کیا ہے تمام کا نہیں لیکن ان بعض کی تعیین نہیں فرمائی تو پھر یہی کہا جائے گا کہ ذوی القربی کا لفظ مجمل تھا اور جب رسول اللہ ﷺ سے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو عطا فرمایا اور بنی امیہ اور بنی نوفل کو نہ دے کر اس کی وضاحت فرمادی تو اس سے اجمال ختم ہو گیا اور اجمال ہر بار اور ہمیشہ بیان و وضاحت کا تقاضا نہیں کرتا۔ (لہذا یہ لفظ مجمل نہیں رہا) پھر اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کا اختیار رسول اللہ ﷺ کی رائے کے سپرد کیا تھا اور جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو آپ کی رائے بھی متعلق ہوئی تو یہ کہنا بھی ممنوع ہے کیونکہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد ہی رائے کا اختیار آپ کے خلفاء کو حاصل ہو جائے گا جیسا کہ مال غنیمت میں سے مساکین، یتامی اور اربن سبیل کے حصے کے بارے اور صدقات و فیرہ کے بارے اختیار انہیں حاصل ہوا حالانکہ ان میں سے بعض کی تخصیص کا اختیار اصلاً حضور نبی کریم ﷺ کو حاصل تھا۔ پھر ذوی القربی میں سے بعض کی تخصیص و تعیین کا اختیار آپ ﷺ کے سپرد ہونا اس کا تقاضا نہیں کہ یہ حصہ ہی آپ ﷺ کی ملکیت ہے کیونکہ مساکین، یتامی اور اربن سبیل میں سے بھی بعض کی تعیین و تخصیص کا اختیار آپ ﷺ کو تقاضا نہیں کیا گیا لیکن بالا جماع ان کا حصہ آپ ﷺ کی ملکیت نہیں۔ لہذا آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ اس میں سے کوئی شی بھی ساتھ نہیں ہوئی پس اسی طرح ذوی القربی کے حصہ میں سے بھی کوئی شی ساتھ نہیں ہونی چاہئے و اللہ اعلم

دونوں فریقوں نے اپنے اپنے موقف کے حق میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل سے استدلال کیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے مال غنیمت کا شش تین حصوں میں اسی طرح تقسیم کیا ہے جیسے ہم نے بیان کیا ہے اور اقتداء کے لئے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تعامل ہی کافی ہے (2)۔ صاحب ہدایہ نے یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد اس وقت موجود تھی لیکن ان میں سے کسی نے بھی جاننے کے باوجود اس کا انکار نہیں کیا۔ لہذا یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ اور علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین ذوی القربی کو ان کا حصہ دیا کرتے تھے اور فقیر و امیر کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتتے تھے کیونکہ خصوصاً نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو حصہ دیا کرتے تھے حالانکہ وہ بہت مالدار تھے (1)۔ پس خلفاء کے علم کے بارے میں گفتگو ضروری ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ کبھی محمد بن سائب کہتے ہیں کہ میرے سامنے ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خمس پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا ایک حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے لئے، ایک حصہ ذوی القربی کے لئے اور تین حصے بتائی، مساکین اور ابن کئیل کے لئے۔ پھر حضرات ابو بکر صدیق و عمر فاروق اعظم اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم نے اسے تین حصوں میں تقسیم فرمایا اور اس سے رسول اللہ ﷺ اور ذوی القربی کے دو حصے ساقط کر دیئے اور اس کے تینوں حصوں کو بقیہ افراد پر تقسیم کر دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی خمس کو اسی طرح تین حصوں میں تقسیم کیا جیسے حضرات ابو بکر صدیق و عمر فاروق اعظم اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔ (2)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے محمد بن اسحاق نے زہری سے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ نجدہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف لکھا اور دریافت کیا کہ ذوی القربی کا حصہ کس کو دیا جائے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی طرف لکھا کہ تم نے میری طرف یہ پوچھنے کے لئے لکھا ہے کہ ذوی القربی کا حصہ کسے دیا جائے تو اس کے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ وہ حصہ ہمارا ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس طرف دعوت دی کہ وہ (یہ حصہ ہمیں دینے کی بجائے) اس سے ہمارے ہاتھ آدھوں کی شادی کریں گے، ہمارے مقروضوں کا اس سے قرض ادا کریں گے اور وہ ہمارے ہاتھ مفلس لوگوں کے لئے اس سے خدنگار (لوٹنیاں اور نغلام) مہیا کریں گے لیکن ہم نے ان کی اس پیشکش کا انکار کر دیا (3) اور یہی کہا کہ ہمارا حصہ ہمیں دیا جائے تو آپ نے وہ ہمیں دینے سے انکار کر دیا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قیس بن مسلم نے حسن بن محمد بن حنفیہ سے یہ بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد دو حصوں کے بارے میں لوگوں کے مابین اختلاف ہو گیا۔ ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کا حصہ تھا اور دوسرا ذوی القربی کا۔ تو ایک گروہ نے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ تو آپ کے بعد ظلیقہ وقت کے لئے ہے اور دوسروں نے یہ کہا کہ ذوی القربی کا حصہ حضور نبی کریم ﷺ کے قرابتداروں کے لئے ہی ہوگا اور اس کے برعکس ایک گروہ نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ذوی القربی کا حصہ آپ ﷺ کے بعد ظلیقہ کے قرابتداروں کو دیا جائے لیکن پھر تمام کا اتفاق اس بات پر ہوا کہ ان دونوں حصوں کو (جہاد کے لئے) گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری میں صرف کیا جائے (4)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ قیس بن مسلم کے واسطے سے حسن بن محمد بن حنفیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے اور اس میں یہ زائد ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ہے (5)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن خزیمہ سے یوسف بن عدی اور عبد اللہ بن مبارک کے واسطے سے محمد بن اسحاق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے ابو جعفر سے پوچھا کہ تمہارا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

1- تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 28 (اتحادیہ) 2- کتاب الخراج صفحہ 23 (اسلمیہ) 3- کتاب الخراج صفحہ 24 (اسلمیہ)

4- کتاب الخراج صفحہ 24 (اسلمیہ) 5- شرح صحابی الآثار، جلد 2، صفحہ 129 (امادیہ)

کے بارے کیا خیال ہے کہ جب وہ عراق کے والی بنے اور لوگوں کے معاملات ان کے اختیار میں آ گئے تو انہوں نے ذوی القربی کے حصے کے بارے کیا کیا؟ تو ابو جعفر نے جواب میں کہا قسم بخدا وہ اس معاملہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عرفانہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے طریقہ پر ہی چلے۔ میں نے کہا تو پھر اس قول کی حقیقت کیا ہے جو تم کہا کرتے ہو (کہ ذوی القربی کا حصہ ہمارا حق ہے) تو ابو جعفر نے جواب دیا قسم بخدا اہل عراق تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہی عمل کرتے تھے۔ پھر میں نے پوچھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے کوئی چیز رکاوٹ تھی (کہ انہوں نے آپ کو وہ حق نہیں دیا) تو ابو جعفر نے جواباً یہ کہا کہ آپ اس چیز کو ناپسند کرتے تھے کہ آپ کی طرف حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عرفانہ فاروق رضی اللہ عنہما کی مخالفت کرنے کی نسبت کی جائے۔ (1)

میں کہتا ہوں کہ اگر مذکورہ بالا اقوال صحابہ ثابت ہیں تو پھر ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین نے جس کو جن حصوں میں تقسیم کیا اور انہوں نے ذوی القربی کو ان کا حصہ نہیں دیا۔ اور ہم پہلے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ امام وقت کے لئے جس مذکورہ اسناف میں سے صرف ایک حنف میں بھی خرچ کرنا جائز ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ لہذا خلفائے راشدین کے ذوی القربی کو ان کا حصہ نہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا حصہ سا اقد ہو چکا ہے تو پھر یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ انہیں دینا جائز نہیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں محمد بن عبدالرحمن بن ابی بلی کے واسطے سے ان کے باپ سے یہ نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو جس شخص سے ہمارے (ذوی القربی کے) حق کا اختیار مجھے سوپ دیں کہ آپ کی حیات طیبہ میں میں اسے ذوی القربی میں تقسیم کیا کروں تاکہ آپ کے بعد ہم سے اس بارے میں کوئی جھگڑا نہ کرے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے میری عرضداشت کے مطابق ہی کر دیا اور اس کی تقسیم کا اختیار میرے سپرد کر دیا چنانچہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں میں ہی ذوی القربی کا حصہ تقسیم کرتا رہا پھر آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اس تقسیم کا اختیار میرے سپرد کر دیا اور میں ان کی حیات میں بھی یہ حصہ تقسیم کرتا رہا پھر حضرت عرفانہ فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی مجھے ہی اس تقسیم کا والی بنایا اور میں آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یہ حصہ تقسیم کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری سال تھا تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس بہت زیادہ مال آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ہمارا حصہ علیحدہ کر دیا اور پھر مجھے بلا بھیجا اور فرمایا یہ مال لے لو اور اسے ذوی القربی میں تقسیم کر دو۔ تو میں نے کہا اے امیر المؤمنین اس سال تو ہمیں اس مال کی ضرورت نہیں اور دوسرے مسلمان اس کے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا اس سال یہ حصہ انہی میں تقسیم کر دیجئے اور پھر حضرت عرفانہ فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد کسی نے بھی اس حصے کی تقسیم کے لئے دعوت نہیں دی۔ پھر جب میں وہاں سے اٹھا تو وہاں سے نکلنے کے بعد میری ملاقات حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو انہوں نے کہا اے علی! تم نے آج ہمیں ایسی چیز (ذوی القربی کے حصہ) سے محروم کر دیا ہے جو پھر کبھی بھی ہماری طرف نہیں لوٹائی جائے گی (2)۔ اس طرح ابوداؤد نے بھی یہ حدیث آپ سے نقل کی ہے۔

پس یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عرفانہ فاروق رضی اللہ عنہما ذوی القربی کو ایسے ہی یہ حصہ عطا فرمایا کرتے تھے جیسے رسول اللہ ﷺ انہیں عطا فرماتے تھے اور پھر حضرت عرفانہ فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے آخری سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اشارہ پر ذوی القربی سے یہ حصہ روک لیا۔ شاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ قول جو اوپر

گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ کہا کہ وہ ذوی القربی کے حصہ سے ہمارے ہاتھ اڑا کر کھریں گے، ہمارے مقروضوں کے قرض ادا کریں گے اور ہمارے ناداروں کو خادم مہیا کریں گے۔ لیکن ہم نے اس کا انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہمارا حصہ ہمارے ہی پر دیا جائے تو انہوں نے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا (1)۔ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بعد کا ہے جبکہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کہہ دیا تھا کہ اس سال ہمیں اس مال کی ضرورت نہیں بلکہ دوسرے مسلمان زیادہ حاجت مند ہیں۔ دونوں قولوں کے درمیان تلییق کرنے کی یہی صورت ہو سکتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوی القربی کا حصہ ساقط نہیں ہوا اور یہ ان کے فقراء اور انھیاء دونوں کو دینا جائز ہے۔ لیکن امام وقت کے لئے یہ جائز ہے کہ اگر ذوی القربی کو اس کی ضرورت نہ ہو اور ان کی نسبت دوسرے لوگ زیادہ حاجت مند ہوں تو وہ ان کا حصہ دوسرے لوگوں میں تقسیم کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ کا عظمیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے دور خلافت میں اسی طریقہ کار پر عمل پیرا رہے۔ چونکہ اسی میں آپ کو مصلحت نظر آئی لہذا آپ نے اپنے ساتھ خلفاء کی مخالفت کو ناپسند کیا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عطاء ابن سائب نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور ذوی القربی کے حصص بنی ہاشم کی طرف بھیج دیے (2)۔ میں کہتا ہوں کہ شاید ان کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے بنی ہاشم میں اس کی زیادہ ضرورت محسوس کی ہو لہذا آپ نے دونوں حصے ان کی طرف بھیج دیئے، واللہ اعلم۔

ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی عبد شمس اور بنی نفل کو شمس میں سے کوئی حصہ عطا نہیں فرمایا جیسا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو حصہ عطا فرمایا پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح شمس کی تقسیم کرنے تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے تقسیم فرمایا مگر آپ رسول اللہ ﷺ کے قراہتداروں کو نہیں دیتے تھے جبکہ حضور نبی کریم ﷺ انہیں عطا فرماتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد خلفاء بھی انہیں حصہ دیا کرتے تھے (3)۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ خلفاء و راشدین کبھی ذوی القربی کو حصہ نہیں دیتے تھے اور کبھی دیا کرتے تھے۔ لہذا یہ روایات ہمارے قول کی ہی تائید کرتی ہے، واللہ اعلم۔

فصل :- جاننا چاہئے کہ آیت کریمہ کی مہارت صراحتاً اس پر دلالت کر رہی ہے کہ مال نیت کے انحصار علیہ اللہ تعالیٰ حاکم ہے جو اس کی راہ میں مذکورہ قسموں میں ہی خرچ کیا جائے گا لیکن اشارۃً اس پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ پانچ میں سے ایک چار حصے غنمیں کے لئے ہے۔ اگر چہ آیت طیبہ پانچ میں سے چار حصے غنمیں کے لئے ہونے کے بارے خاموش ہے لیکن یہ منطوق کے حکم میں ہے۔ جیسا کہ اس قول باری تعالیٰ میں ہے: **فَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ ذَلِكَ فَبُيُوتُوا بِحَدِيثِ أَبِي ذَرٍّ إِذْ تَقُولُ فَدُوتُوا بِمَا جَاءُوا وَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ ذَلِكَ فَبُيُوتُوا بِحَدِيثِ أَبِي ذَرٍّ إِذْ تَقُولُ فَدُوتُوا بِمَا جَاءُوا وَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ ذَلِكَ فَبُيُوتُوا بِحَدِيثِ أَبِي ذَرٍّ إِذْ تَقُولُ فَدُوتُوا بِمَا جَاءُوا**۔ یعنی جب آیت صراحتاً اس پر دلالت کر رہی ہے کہ میراث میں سے ماں کا حصہ 1/3 ہے تو جب باپ کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تو پھر پانچ میں باپ کا حصہ 2/3 ہوگا) اس اعتبار سے یہ آیت اس ارشاد گرامی کے لئے ناخ ہوگی، **يَسْتَفْتُونَكَ عَنِ الْاَنْثَالِ فُلِلِ الْاَنْثَالُ بِذَوَاتِ الْمَسْئَلِ** کیونکہ اس میں تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی غیر کے لئے کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی (جبکہ یہ تفسیر آیت میں رسول اللہ ﷺ کے لئے شمس مقرر فرمایا

اور اس کے تفصیلی مصارف بیان فرمادے اور اشارہ چار حصے مجاہدین کے لئے مقرر فرمائے (جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت فزودہ بدر کے بعد فزودہ بنی قریظ کے وقت نازل ہوئی اور یہ فزودہ بدر کے ایک مہینہ بعد ہجرت کے بیسویں ماہ پندرہ شوال کو وقوع پذیر ہوا تھا (1)۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں ابن اسحاق بن ابی بن سعید بن کعب اور سعید بن المسیب کی سند سے نقل کیا ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت فزودہ بدر کے موقع پر نزلت تو کنعانہ کے واقعے کے بعد نازل ہوئی، واللہ اعلم۔

مسئلہ:- اس مسئلہ پر قرام علماء کا اجماع ہے کہ مال قیمت کے بقیہ 4/5 حصے غنائم (مجاہدین) کو دیئے جائیں گے، امام وقت کے لئے ان میں سے کسی کو اپنے حصے سے روکنا جائز نہیں۔ البتہ مقتول سے چھینے گئے سامان کے بارے علماء کے مابین اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے یہ کہا ہے کہ مقتول سے لیا گیا ساز و سامان صرف قاتل کے لئے ہوگا اور یہ اس میں جس واجب نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ قاتل بھی مقتول کے مقابلے میں اپنے آپ کو ایسے مقام پر پیش کرے جہاں اسے قتل کرنے میں مقتول کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو اور اگر کسی نے دور سے تیر پھینکا اور اس نے مشرکین کی صف میں سے کسی آدمی کو قتل کر دیا تو ایسے مقتول کا سامان قاتل کو نہیں دیا جائے گا اور پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاتل کا مجاہدین میں سے ہونا بھی شرط ہے۔ جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے اگرچہ قاتل کوئی بیرون آدمی ہو (باقاعدہ مجاہدین کے گروہ میں شامل نہ ہو) جب بھی اسے مقتول کا سامان دے دیا جائے گا۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کی ایک روایت اس طرح ہے کہ قاتل مقتول کے سامان کا اس وقت تک مستحق نہیں بنتا جب تک امام وقت اس کی شرط ذکر نہ کرے (لہذا اگر امام نے اس کی شرط ذکر نہ کی) تو عام حالات میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقتول کا سامان بقیہ مال قیمت کے چار حصوں میں شمار کیا جائے گا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا شمار خس میں سے ہوگا۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم فزودہ حنین کے سال حضور نبی کریم ﷺ کی سعیت میں جہاد کے لئے نکلے پس جب ہمارا مقابلہ دشمن سے ہوا تو ابتداً مسلمان ہجرا نکلے۔ میں نے ایک مشرک کو دیکھا کہ وہ ایک مسلمان کے اوپر سوار ہے۔ تو میں نے پیچھے سے اس کے کندھے اور گردن کے جوڑے پر زور سے تھواری ضرب لگائی اور اس کی زور کاٹ دی۔ پس وہ میری طرف آیا اور مجھ سے چہرہ لگایا (اور اس کا یہ عمل اتنا شدید تھا) کہ میں اس سے صحت کا خطرہ محسوس کرنے لگا پھر (زخم کے سبب) اسے صحت نے آیا تو اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ پھر میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جا ملا اور ان سے کہا آج لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا امر ایسی ہے۔ پھر جب لوگ واپس لوٹ آئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے پاس تشریف فرما ہو کر ارشاد فرمایا جس نے کسی مشرک کو قتل کیا ہو اور اس پر اس کے پاس گواہ موجود ہو تو پھر مقتول کا سامان اسی کے لئے ہوگا۔ چنانچہ میں نے کھڑے ہو کر کہا کون ہے جو میری شہادت دے گا؟ یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے کی مثل ارشاد فرمایا تو میں نے پھر کھڑے ہو کر کہا میرے لئے کون شہادت دے سکتا ہے؟ میں پھر بیٹھ گیا اور آقا قادی جہاں ﷺ نے تیسری بار پھر پہلے کی طرح ارشاد فرمایا میں بھی پھر کھڑا ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا اسے ابو قتادہ! تجھے کیا ہوا ہے؟ تو میں نے سارا واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔ تو پھر ایک آدمی نے اٹھ کر کہا ابو قتادہ نے سچ کہا ہے اور مقتول کا سامان میرے

پاس سے لہذا اسے بیڑی طرف سے راضی کر دیجئے۔ (اور یہ سامان میرے پاس ہی رہنے دیجئے) یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اہم ہتم ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک شہر اللہ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی طرف سے جنگ لڑتا ہے اور پھر مقتول کا سامان تجھے دے دے۔ یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ابو بکر نے سچ کہا ہے پس تو سامان اسے دے دے چنانچہ اس آدمی نے وہ سامان مجھے دے دیا اور میں نے اس سے قبیلہ بنی سلمہ میں کھجوروں کا ایک ماچھو خریدیا۔ پس یہی وہ پہلا مال تھا جو میں نے حالت اسلام میں حاصل کیا تھا (1)۔ یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح نقل کی ہے کہ انہوں نے مشرکین میں سے ایک آدمی کو قتل کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا سامان اور زرہ وغیرہ حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی جسے انہوں نے پانچ اوقیہ کے عوض فروخت کر دیا (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے غزوہ یمین کے دن ارشاد فرمایا جس نے کسی مشرک کو قتل کیا تو اس سے چھینا ہوا سامان اسے ہی دیا جائے گا۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اس دن میں مشرکوں کو قتل کیا اور ان سے چھینا ہوا سامان لے لیا (3)۔ اسے داری، طحاوی اور ابوداؤد رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں بنی ہوازن سے جنگ لڑی تو میں نے ایک آدمی کو قتل کیا پھر میں اس کے اونٹ کو (مہار سے) چکر کرنے آیا جس پر مقتول کا سب سامان اور ہتھیار وغیرہ تھے۔ پس سامنے سے حضور سید عالم ﷺ لوگوں کی معیت میں تشریف لائے۔ تو آپ ﷺ نے لوگوں سے دریافت کیا فلاں آدمی کو کس نے قتل کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی ابن اکوع نے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس سے چھینا ہوا تمام سامان ابن اکوع کے لئے ہے۔ (4) اسے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ مشرکین کا ایک جاسوس حضور نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور صحابہ کرام کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا رہا پھر وہاں سے آکھ چھا کر کھسک گیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے حکم فرمایا اسے تلاش کرو اور قتل کر دو۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے اسے تلاش کر کے قتل کر دیا اور اس سے سامان لے لیا تو رسول اللہ ﷺ نے وہ سامان مجھے ہی عطا فرمادیا (5)۔ اسے بھی طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سند سے جس میں واقدی بھی ہے یہ بیان کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کی پندلیوں پر ضرب لگا کر انہیں کاٹ دیا۔ لیکن کھل طور پر اسے قتل نہیں کیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے پاس سے گزرے تو آپ نے اس کی گردن ماری اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے چھینا ہوا مال حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، لیکن اس بار سے میں صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی مرحب کو قتل کیا تھا۔ صحیح مسلم کی روایت سے یہی ثابت ہے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کے لئے ہی قرار دیا (6)۔ اسے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت عوف بن مالک اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما دونوں سے یہی حکم مروی ہے۔ امام احمد، ابوداؤد اور طبرانی رحمہم اللہ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عوف بن مالک اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما سے روایت نقل

- 1- صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 3618 (ذرات تعلیم)، صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 87-88 (قدیمی)
- 2- شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (امدادیہ)
- 3- سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 373 (دست)، شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (امدادیہ)
- 4- شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (امدادیہ)
- 5- شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (امدادیہ)
- 6- شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (امدادیہ)

کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقتول سے چھینے گئے سامان کو پانچ حصوں میں تقسیم نہیں کرتے تھے (1)۔ ابو داؤد، ابن حبان اور طبرانی نے یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے مقتول سے چھینے گئے سامان کا فیصلہ قائل کے حق میں فرمایا اور اسے پانچ حصوں میں تقسیم نہیں کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سرور بن جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جس نے کسی (مشرک) کو قتل کیا تو مقتول سے چھینا ہوا سامان اسی کے لئے ہوگا (2)۔ اس روایت کی سند میں کوئی عیب نہیں۔ امام حمادوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مشرکین میں سے ایک آدمی نے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی تو حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مقابلے کا حکم فرمایا۔ پس آپ میدان میں نکلے اور اسے قتل کر دیا تو آپ ﷺ نے اس مقتول کا سامان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ (3)

علامہ ابن امام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے جس نے کسی (مشرک) کو قتل کیا اس سے چھینا ہوا سامان اسی کے لئے ہوگا۔ البتہ کلام اس بارے میں ہے کہ آیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد قانون شرعی ہے یا نہیں پر تمام اوقات و احوال میں باہم عمل ضروری ہے یا یہ جذبات میں انگیزت پیدا کرنے کے لئے محض ترغیبی فرمان تھا جو آپ ﷺ نے اس واقعہ میں ارشاد فرمایا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ فرمان قانون شرعی ہے اور آپ کے ارشاد کے بارے میں اصل (حکم) یہی ہے جو حکم آپ ﷺ اذکار شریعہ کے نفاذ کے لئے ہی مہجوت ہوئے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا سیاق و سمر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد قتل سے پہلے بطور عنایت نہیں تھا بلکہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے مشرک کو قتل کرنے کے بعد آپ ﷺ نے یہ حکم ارشاد فرمایا اور حضرت سلمہ بن اکیح رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح ہے۔ اور حدیث طیبہ میں جو یہ موجود ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے چھینے ہوئے سامان کو پانچ حصوں میں تقسیم نہیں فرمایا (4) تو یہ امام شافعی اور امام احمد کی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ وہ تو چھینے گئے سامان کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کے قائل ہیں۔

فائدہ: امام حمادوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ان کے بھائی براء بن مالک نے فارس کے ایک مرزبان کو دعوت مبارزت دی اور پھر زور سے نیزے کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ نتیجہً زین کا گلا حصرت گیا، وہ زخمی ہو گیا اور پھر اسی زخم کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ انہوں نے اس سے سارا سامان چھین لیا اور جب اسے نماز کیا تو وہ قیامت کے اعتبار سے تیس ہزار تک پہنچ گیا۔ جب منہج کی نماز پڑھ چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا پہلے تو ہم مقتول سے چھینے ہوئے سامان کو پانچ حصوں میں تقسیم نہیں کرتے تھے۔ لیکن براء نے جو مال حاصل کیا ہے وہ اپنی قدر کے اعتبار سے انتہائی کثیر مال ہے اس لئے ہم نے یہ خیال کیا ہے کہ اسے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیں پس ہم نے اس کی قیمت کا اندازہ تیس ہزار لگایا اور اس میں سے چھ ہزار کے برابر سامان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا (5)۔ (اور یقیناً چوبیس ہزار کے برابر کا سامان حضرت براء رضی اللہ عنہ کے پاس رہا)۔ امام حمادوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے ان الفاظ میں بھی بیان کیا ہے کہ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے فارس کے سرداروں میں سے ایک کو مقابلے کی دعوت دی اور اسے قتل کر دیا اور پھر

1- سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 373 (ذرات تعلیم) 2- مسند احمد، جلد 5 صفحہ 12 (صادر) 3- شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (لعداوی)

4- سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 373 (ذرات تعلیم) 5- شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 126 (لعداوی)

آپ ﷺ نے اس سے چھینے ہوئے سامان کا فیصلہ صرف معاذ بن عمرو بن جموح کے حق میں کیا۔ اگر یہ سامان مطلقاً قائل کو دینا ہی لازم ہوتا تو آپ ﷺ اس کا سامان دونوں کو عطا فرماتے (۱)۔ اسی طرح ایک روایت مسلم اور ابوداؤد رحمہما اللہ نے حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت زید بن عاص رضی اللہ عنہ کی معیت میں خزندہؓ سے مال شامل ہوا اور اس دوران اہل یمن میں سے ایک شخص مددی بھی میرے ساتھ تھا۔ وہی لشکر سے ہمارا آئنا سامنا ہوا۔ ان میں ایک آدمی اشقر گھوڑے پر سوار تھا۔ گھوڑے کی زین سنبری رنگ کی تھی اور اس آدمی کے ہتھیار بھی سنبری رنگ کے تھے۔ وہ دونوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے اکسار رہا تھا۔ چنانچہ مددی اس کی تاک میں ایک چٹان کے پیچھے بیٹھ گیا۔ جس جو نبی رومی اس کے پاس سے گزرا تو مددی اس پر بھپٹ پڑا اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور وہی پر سوار ہو کر اسے قتل کر دیا اور پھر اس کے گھوڑے اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی سے بہرہ ور فرمایا تو سالار لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے پاس بلا بھیجا اور مددی سے چھینے مال کا کچھ حصہ (خمس) وصول کر کے بقیہ مال اس کے عا لے کر دیا۔ عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور آ کر عرض کی اے خالد! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سنتوں سے چھینا ہوا مال قائل کے لئے قمار دیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کیوں نہیں، لیکن میرے خیال میں یہ مال کثیر تھا۔ (اس لئے میں نے اس سے کچھ مال لئے لیا ہے) پھر میں نے کہا کہ آپ وہ سامان واپس لوٹا دیں ورنہ میں رسول اللہ ﷺ کو تم دونوں کے واقعہ سے مطلع کروں گا۔ لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ سامان دینے سے انکار کر دیا۔ عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو میں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں مددی کا واقعہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سے جو سلوک کیا وہ سب بیان کر دیا۔ سارا واقعہ سامعین فرمانے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اے خالد! تم نے اس کا جو سامان لیا ہے وہ اسے واپس لوٹا دو۔ عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ فیصلہ سن کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہا تو خالد! کیا میں نے آپ کو پوری بات بتائیں وہی تھی۔ تو پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ تو میں نے آپ ﷺ کو مکمل واقعہ سے آگاہ کر دیا۔ عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میری بات سن کر رسول اللہ ﷺ پر غصے اور ناراضگی کے آثار ظاہر ہو گئے اور فرمایا اے خالد! اسے کچھ بھی واپس نہ کرنا۔ کیا تم میرے لئے (میرے مقرر کردہ) امراء کو مجھو نہیں سکتے (یعنی تم ان کے معاملات میرے سپرد کر دو جس جانوں اور یہ جانیں تمہارے ذمہ فقط ان کے حکم کی تعمیل ہے)۔ جنگ ان کے حکم کی بھلائی اور اچھائی تمہارے لئے ہوگی اور اس کی برائی ان پر پڑے گی (۲)۔ مذکورہ واقعہ میں وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پہلے مال واپس کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور پھر واپس کرنے سے روک دیا۔ لہذا اگر شرعیاً یہ مال دینا لازم ہوتا تو آپ ﷺ سختی کو مال ادا کرنے سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قطعاً منع نہ کرتے۔ خطابی نے اس ممانعت کی علت یہ بیان کی ہے کہ عوف کو جروتوج اور حبیہ فرمانے کے لئے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خالد بن ولید کو مال واپس کرنے سے منع فرمایا تاکہ لوگوں کو اپنے امراء کے خلاف بولنے کی جرأت نہ ہو اور چونکہ حضرت خالد بن ولید نے یہ فیصلہ اپنے اجتہاد سے کیا تھا۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے ہی برقرار رکھا اور کثیر منافع کے لئے تمہارا سا ضرر اور نقصان قائل برداشت ہوتا ہے۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ خطابی کا

مذکورہ غلطی سے اس لئے کہ حضرت خالد بن ولید کے خلاف بولنے اور ان کے حکم کی مخالفت کرنے کی جرأت تو عوف نے ہی تھی اور جیسا ہوا سامان عوف کا نہیں تھا بلکہ ہدی کے لئے تھا اور ایک آدمی کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ کوئی بھی دوسرے کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔ لہذا اس میں اصل وجہ یہ تھی کہ پہلے حضور نبی کریم ﷺ نے یہ پسند فرمایا کہ آپ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ سفارش فرمائیں کہ ہدی کو پر مال دے دیں۔ پھر جب آپ ﷺ غصے اور ناراض ہوئے تو آپ نے اپنی سفارش واپس لے لی اور پر مال دینے سے منع فرمایا۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے غصے کے سبب زجر توبیح کرتے ہوئے ایسے آدمی کا حق روک لیا جس سے کوئی جرم ضروری نہیں ہوا۔ پس یہ واقعہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ مقتول کا سارے کا سارا سامان قاتل کو ملنا شرعاً لازم اور ضروری نہیں (بلکہ اس کا انحصار امام وقت کی صوابدید پر ہے)۔

میں لکھتا ہوں کہ صحیب کے واقعہ والی حدیث معلل اور ضعیف ہے اور اگر صحیح ثابت بھی ہو جائے تو پھر بھی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام وقت مقتول سے لئے گئے مال کا پانچواں حصہ وصول کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے غم سے لینے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قاتل کے لئے مقتول کے سامان میں کوئی حق نہیں بلکہ وہ مال غنیمت کی مثل ہے اور ابو بکر جہل سے چھینے گئے مال والی حدیث منسوخ ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی اس نص کُلِّ الْأَقْتَالِ لِلْيَدِ الْأَيْمَنِ ۗ س سے ثابت ہے کہ غزوہ بدر سے حاصل ہونے والا مال غنیمت حضور نبی کریم ﷺ کے لئے تھا آپ جسے چاہیں اس میں سے عطا فرمادیں چنانچہ آپ ﷺ نے وہ مال غنیمت اس جماعت کو بھی عطا فرمایا جو میدان بدر میں حاضر نہیں تھی۔ پھر غزوہ بدر کے بعد مال غنیمت کے بارے آیت وَعَلَا مَلَأْنَا الْقُبُورَ مِنْكُمْ قَبْرَ لَيْثٍ ۗ وَاللَّاهِ نَازِلٌ هُوَ ۗ۔ تو حضور نبی کریم ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا سامان قاتل کے لئے قرار دیا اور پھر یہی حکم پختہ اور مضبوط ہو گیا۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا کہ کیا آپ جانتے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا سامان قاتل کے لئے مقرر کر دیا ہے اور اس کے جواب میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ہلے کہ اس کا اقرار کرنا اور پھر حضور نبی کریم ﷺ کا اسے تسلیم کرنا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم ارشاد فرمانا کہ ان سے حاصل کردہ سامان انہیں واپس کر دو یہ سب اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ایک عمومی شرعی قانون اور ضابطہ تھا۔ پھر اگر چاہتے امیر کے خلاف جرأت کا اظہار ہدی کے بذات خود نہیں کیا تھا بلکہ اس کی جانب سے ہی جرأت کا اظہار حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے کیا تھا لیکن چونکہ ہدی اس سارے عمل پر راضی تھا اس لئے وہ اس کا مستحق تھا کہ اسے مال غنیمت کی مثل دیا جائے۔ لہذا آپ ﷺ اس سے لیا گیا سامان واپس کرنے سے منع فرمادیا اور حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ کیا تم میرے لئے مقرر کردہ امر اہم و جہوز نہیں سکتے ان کے حکم اور معاملے کی بھلائی اور نیکی تمہارے لئے ہے اور ان کے حکم کی کدورت ان پر پڑے گی۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ امام وقت اگرچہ کسی پر ظلم کرے اور کس کا حق روک لے تو اس کے اس سلوک کی برائی اور کدورت اسی پر پڑے گی۔ وہ خود ہی اس کا ضامن ہوگا لیکن لوگوں پر اس کی اطاعت و فرمانبرداری واجب اور لازم ہے۔

مسئلہ:- بالا جماع یہ جائز ہے کہ امام وقت کسی بھی مجاہد کو اس کے حصے سے زیادہ مال دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ امیر نے دوران جنگ مال کے حصول سے پہلے اس کا اعلان کر دیا ہو کیونکہ یہ جنگ پر ابھارنے اور براہینت کرنے کی ایک صورت ہے اور امام وقت کو جہاد پر براہینت کرنے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: *يُؤَيِّدُ بِنُصْرَتِهِ الَّذِينَ هُمْ يَرِئُ الْيَقِيَالِ* (مومنین کو جہاد پر براہینت کرو)۔ لہذا امام کے

لئے یہ کہنا جائز اور درست ہے جو کوئی کسی کو قتل کرے گا اس کے لئے اس دراہم ہوں گے یا جو کوئی اس قلعہ میں داخل ہوگا اس کے لئے اتنا سامان ہوگا یا وہ کسی بھی فوجی دستہ کے لئے یہ کہہ دے کہ میں نے مال غنیمت سے فیس نکالنے کے بعد ماہی مال سے نصف یا چوتھائی تمہارے لئے مقرر کر دیا ہے۔ یہ یہ کہے جو کوئی کسی عورت کو بچڑلانے گا وہ اسی کے پاس (بطور لونڈی لے کرے گی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب جنگ کی غرض سے اپنی جماعتیں باہر بھیجا کرتے تو آپ ﷺ عام لشکریوں میں مال تقسیم کرنے کے علاوہ کچھ زائد سامان بطور انعام انہیں عطا فرمادیتے (1) یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔ لیکن امام وقت کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ جو کوئی جتنا مال حاصل کرے گا وہ اسی کے لئے ہوگا۔ کیونکہ اس سے تو فئس کا بطلان لازم آتا ہے جبکہ فئس کا حکم کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ ان حصوں کا باطل ہونا لازم آتا ہے جو کہ پیدل اور شہسوار کے لئے احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان مجاہدین کا حق باطل ہوتا ہے (جو جنگ میں شریک تو ہوئے) لیکن سامان میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آیا۔ اہل حاکم کی بعض روایات میں یہ موجود ہے کہ اگر امام وقت مصلحت دیکھے تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ سارے کا سارا مال غنیمت (کسی ایک فرد یا جماعت) کے حوالے کر دے۔ حاکم نے کنول سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے ابوامامہ کے واسطے سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا ہے کہ میدان بدر میں جب دونوں لشکر برسرس پیکار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا جو مال غنیمت جس کسی کے ہاتھ لگے گا وہ اسی کے لئے ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آیت فئس اس حکم کے بعد نازل ہوئی، اس لئے اس کے سبب یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ ۱۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال غنیمت دارالاسلام میں محفوظ کرنے سے پہلے فئس نکالنے کے بعد بقیہ چار حصوں میں سے بطور انعام کسی کو اضافی مال دیا جاسکتا ہے مگر دارالاسلام میں مال محفوظ کرنے کے بعد صرف فئس میں سے بطور انعام دینا جائز ہے دوسرے حصص سے دینا صحیح نہیں۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر حال میں فئس میں سے ہی یہ انعام دیا جائے گا کیونکہ فئس کو استعمال کرنے کا اختیار امام وقت کو سونپ دیا گیا ہے۔ جبکہ ماہی مال تو غنیمین کا حق ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے ابو ابراہیم کے واسطے سے حضرت سعید بن مسیب سے یہ نقل کیا ہے کہ لوگ (صحابہ کرام) صرف فئس میں سے ہی تقسیم کیا کرتے تھے (2) اور ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت سعید بن مسیب سے یہی قول نقل کیا ہے کہ وہ تقسیم فئس میں سے ہی کرتے تھے (3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فئس میں سے ہمارے حصے کے علاوہ کچھ زائد مال ہمیں عطا فرمایا تو ایک بوڑھا اونٹ میرے حصے میں آیا (4)۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ تمام آقا و کواں غنیمت دارالاسلام میں منتقل کرنے کے بعد کی حالت پر محمول کرتے ہیں۔ دارالاسلام میں مال منتقل کرنے سے پہلے ہر حال انعام مجاہدین کے چار حصوں میں سے ہی دیا جائے گا۔ کیونکہ جنہیں وہ دیا جائے گا وہ مجاہدین میں سے ہی ہوں گے۔ مساکین، یتامی اور ابن سبیل تو نہیں ہوں گے۔ علامہ ابونوی رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انعام فئس میں سے رسول اللہ ﷺ کے حصے سے دیا جائے گا۔ حضرت سعید بن مسیب کا قول بھی یہی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا معنی بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال غنیمت عطا

2۔ سنن ابوامامہ، جلد 2 صفحہ 456 (تاریخ العربی)

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 88 (قدیمی)

4۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 86 (قدیمی)

3۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 6 صفحہ 500 (ابن ابی)

فرمایا ہے اس میں سے میرے لئے شمس کے سوا اور کچھ نہیں اور پھر شمس بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے (1)۔ میں یہ کہتا ہوں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا کسی کو مال قیمت کے شمس کے پانچویں حصے سے بطور انعام مال دینا یہ آپ ﷺ کی جانب سے ہے۔ لہذا ان سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجاہدین کے بقیہ چار حصوں میں سے بطور تحلیل مال دینا جائز ہی نہیں۔ ترمذی، ابن ماجہ اور ابن ہبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے: **اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقَلَ فِي الْبَدَأِ مِنَ الْوَيْعِ وَهِيَ الرُّبْعَةُ الثَّلَاثُ (2)**۔ اسی طرح یہ روایت ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب بن سلمہ قہری سے بھی نقل کی ہے۔ خطابی نے اس حدیث کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ جب کوئی دستہ پہلی بار جنگ کے ارادہ سے سفر پر نکلتا تو اس کے لئے بطور تحلیل رسول اللہ ﷺ مال قیمت کا 1/4 (چوتھائی حصہ) مقرر فرماتے اور جب وہ لوگ لوٹ کر آتے اور پھر دوبارہ دشمن کے مقابلے کے لئے چلے جاتے تو دوبارہ ان کے لئے مال قیمت کا تیسرا حصہ بطور انعام مقرر کیا جاتا کیونکہ ان کے ایک بار سفر سے واپس آ جانے کے بعد فوراً دوبارہ سفر پر جانا ان کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہوتا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث تو ان لوگوں کے قول کا رد کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تحلیل فقط مال قیمت کے پانچویں حصے یا پانچویں کے پانچویں سے کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں تو چوتھائی اور تہائی مال شمس میں سے دیئے جانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ انعام تو کل مال قیمت سے دیا جائے گا جیسے ہمیشہ لکھا ہے یا پھر شمس نکالنے کے بعد بقیہ چار حصوں سے دیا جائے گا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حدیث طیبہ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں پہلی مرتبہ بطور تحلیل شمس میں سے چوتھائی اور دوسری بار لوٹنے کی صورت میں شمس میں سے تہائی مقرر کیا جاتا تھا۔ امام عسکری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے (3)۔ تو اس کے بارے میں ہم یہ نہیں گے کہ حدیث طیبہ شمس کی تنہید پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ قید فقط حدیث کو اپنے مدعی کے مطابق بنانے کے لئے لگائی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ امام عسکری رحمۃ اللہ علیہ نے بذات خود حبیب بن سلمہ کی حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے: **الْوَيْعُ بَعْدَ الْخُمْسِ وَالثَّلَاثُ بَعْدَ الْخُمْسِ**۔ (کہ مال قیمت سے شمس نکالنے کے بعد باقی چار حصوں سے چوتھائی یا تہائی حصہ بطور انعام مقرر کیا کرتے تھے) اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ الفاظ نقل کئے ہیں اور علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سے یہ استدلال کیا ہے کہ شمس نکالنے کے بعد باقی چار حصوں سے بطور انعام مال دینا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ امیر لشکر اگر کسی مجاہد کی سعی و کوشش اور جرأت و بہادری دوسروں کی نسبت زیادہ اور ایمان کی تہمتوں کے تو جنگ ختم ہونے کے بعد پیشگی شرط کے بغیر اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اسے مقررہ حصے سے زائد مال بطور انعام دے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں جنگ ختم ہونے کے بعد صرف اور صرف شمس سے انعام دینا جائز ہے کیونکہ جنگ ختم ہونے کے بعد مال لشکر کا اس مال میں حق ثابت ہو چکا ہے اور ان کے حق کو باطل کرنا (یا کم کرنا) جائز نہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے خلاف حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث بطور حجت بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام ہارح کے ہمراہ اپنے کچھ اونٹ روانہ کئے اور میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ جب صبح ہوئی تو عبدالرحمن فزاری نے رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں پر حملہ کر دیا اور وہ لوٹ لئے۔ پس میں بھی ایک پہاڑی پر چڑھ کر کھڑا ہوا اور وہینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے میں مرتبہ یہ آواز لگائی یا صحابہ!۔ (مقصود یہ تھا کہ اونٹوں پر حملہ کر دیا گیا

1- تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 29 (انتہاریہ) 2- جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 189 (ذمیرت تعلیم) 3- شرح صحابی الامار، جلد 2، صفحہ 131 (امدیہ)

ہے)۔ پھر بیچے آ کر ان لوگوں کے تعاقب میں چل پڑا میں اس پر تیر پھینکا اور ساتھ رجز پڑھتے ہوئے یہ کہتا "أَنَا ابْنُ الْأَخْوَجِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الْمَوْضِعِ" (میں ابن اوج ہوں اور آج کا دن منحوس دن ہے) میں ان پر مسلسل تیر برساتا رہا اور انہیں زخمی کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے تمام اونٹوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا (یعنی میں نے ان سے آپ ﷺ کے تمام اونٹ آزاد کرالئے) لیکن اس کے باوجود میں ان کے پیچھے چلتا رہا اور ان پر تیر برساتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے اپنا بوجھ ہٹا کر اپنے لئے تیس سے زائد چادریں اور تیس تیر سے پھینک دیئے۔ وہ جو چیز بھی پھینکتے تھے میں اس پر پتھر اکٹھے کر کے رکھ دیتا تاکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام ان کی پچان کر سکیں۔ (میں ان کا پیچھا کرتا رہا) یہاں تک کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آنے والے شہسوار نظر آ گئے۔ پس دیکھتے ہی دیکھتے رسول اللہ ﷺ کے شہسوار حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہما نے مجھ کو پیچھے سے جا ملے اور اسے قتل کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج کے دن ہمارا بہترین شہسوار ابوقحافہ ہے اور سب سے اچھا پیدل جہاد سلسلہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو حصے عطا فرمائے۔ ایک حصہ شہسوار کا اور ایک حصہ پیدل کا۔ پس آپ ﷺ نے دو حصے اکٹھے مجھے عطا فرمائے۔ پھر حضور نبی رحمت ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف لوٹتے وقت اپنی عصفاء اونٹنی پر اپنے پیچھے مجھے سوار کر لیا۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (1)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو ابن حبان نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس غزوہ میں حضرت سلمہ بن اوج پیدل تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فُرس میں انہیں اضافی حصہ بطور انعام دیا تھا۔ مسلمانوں کے حصے میں سے نہیں دیا تھا۔ اسی حدیث کو قاسم بن سلام بن قیس نے کہا ہے اور کہا ہے کہ ابن مہدی نے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے اس حدیث کا تذکرہ سفیان سے کیا تو انہوں نے یہ کہا کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کی خصوصیت ہے (کہ آپ جیسے جو چاہیں عطا فرمادیں) قاسم کہتے ہیں کہ میرے نزدیک حدیث کو اس معنی پر محمول کرنا یہ کہنے سے زیادہ بہتر ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنے حصہ سے عطا فرمایا۔ بصورت دیگر اسے نفل (اضافی انعام) کی بجائے ہیبت کرنا چاہئے تھا۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث کی مذکورہ دونوں تاویلوں (یعنی اسے حضور کی خصوصیت قرار دینا یا یہ کہنا کہ آپ نے اپنے فُرس سے دیا) کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہم معترب حضرت سلمہ بن اوج رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری حدیث ذکر کریں گے جس میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی فرازہ کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں جہاد کیا اور یہ روایت اس بیان میں ہے کہ مسلمان قیدیوں کا مشرک قیدیوں کے ساتھ تبادلہ جائز ہے تو اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک (قیدی) عورت انعام میں دی۔ بعض علماء نے حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت صبیح بن سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ اس حدیث: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَلَ فِي بَدَايَةِ الْمَوْضِعِ وَفِي وَجَعَةِ الْعُلْتِ (2) کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ کی ابتداء میں بطور تحفیل چوتھائی مال مقرر فرمایا تھا لیکن جنگ سے واپس لوٹنے کے بعد تہائی مال عطا فرمایا تو حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ سے واپس لوٹنے کے بعد ایک تہائی مال کا اضافہ اس مال سے کیا جس سے تحفیل جائز تھی اور وہ مال مال نسیئت کا ٹمس ہے۔ (یعنی آپ ﷺ نے فُرس میں سے ایک تہائی مال کا بطور انعام اضافہ کیا) امام غلامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اس مذکورہ معنی پر محمول کیا ہے تاکہ یہ حدیث ان کے اپنے

اور امام عظیم ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق ہو جائے، واللہ اعلم۔

جنگ میں شریک بعض مجاہدین کو مال قیمت میں سے ان کے مقررہ حصہ سے زائد مال بطور انعام دینا صحابہ کرام میں یہ عمل معروف و مشہور تھا۔ البتہ اس بارے میں اختلاف تھا کہ اس کا عمل کیا ہے (اور اس کا اہل کون ہے) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اسناد سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ایک غزوہ میں عبید اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ جنگ کے نتیجہ میں کچھ قیدی ہمارے ہاتھ لگے۔ عبید اللہ نے یہ چاہا کہ وہ تقسیم سے پہلے قیدیوں میں سے ایک حضرت انس رضی اللہ عنہ کو عطا کر دے۔ لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ایسا نہ کرنا بلکہ پہلے انہیں تقسیم کر دو اور پھر تم میں سے ایک مجھے دے دو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ میں کل مال قیمت میں سے ہی دوں گا لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس صورت میں قبول کرنے سے انکار کر دیا (۱) اور عبید اللہ نے تم میں سے کوئی چیز دینے سے انکار کر دیا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلیمان بن یسار سے روایت نقل کی ہے کہ ہم افریقہ کے جہاد میں معاویہ بن عبد بنج رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ تو انہوں نے لوگوں کو کچھ زائد مال بطور انعام دیا اور ہمارے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام بھی شریک جہاد تھے لیکن جب ان میں عمرو کے سوا کسی نے بھی (ان کے اس عمل کا) انکار نہیں کیا (۲)۔ خالد بن ابی عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سلیمان بن یسار سے جنگ (میں حاصل ہونے والے مال قیمت کے مقررہ حصہ سے) زائد مال کے بارے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا ہم نے ابن عبد بنج کے سوا کسی کو ایسا کرنے نہیں دیکھا کہ انہوں نے افریقہ کے جہاد میں مال قیمت کا شمس نکالنے کے بعد باقی مال کا نصف حصہ ہمیں دے دیا تھا اور اس وقت حضور نبی رحمت ﷺ کے صحابہ کرام میں سے اولیٰ بن مہاجرین کی کثیر تعداد ہمارے ساتھ موجود تھی (لیکن کسی نے بھی لینے سے انکار نہیں کیا) صرف جملہ نے کوئی چیز لینے سے انکار کر دیا (۳)۔

مسئلہ: مال قیمت میں سے شمس نکالنے کے بعد بقیہ چار حصوں کی تقسیم غنائم کے مابین اس طرح کی جائے گی کہ پیدل کے لئے ایک حصہ ہوگا اور گھوڑا سوار کے لئے تین حصے ہوں گے ان میں سے ایک حصہ گھوڑا سوار کا ہوگا اور دو حصے اس کے گھوڑے کیلئے ہوں گے۔ قاضی عبدالوہاب نے کہا ہے کہ صحابہ کرام میں سے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے ایسے ہی فرمایا ہے اور صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی ان سے مخالفت نہیں کی۔ تابعین میں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ابن میرین رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے۔ فقہاء و عظام میں سے امام مالک، امام اوزاعی، لیث بن سعد، سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابو یوسف، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی موقف اختیار کیا ہے اور امام عظیم ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا ہے۔ صرف انہوں نے یہ کہا ہے کہ گھوڑا سوار کیلئے دو حصے ہوں گے اور پیدل کیلئے ایک حصہ ہوگا۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خالد الخداع نے کہا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ سے یہ مروی ہے کہ گھوڑا سوار کے لئے تین حصے ہوں گے۔ جمہور نے متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں منذر بن زبیر بن عوام اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک حصہ دیا اور ان کے گھوڑے کے لئے دو حصے عطا فرمائے (۴)۔ اسے احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح دارقطنی نے حضرت عبد اللہ بن زبیر

1- شرح صحابی آثار جلد 2 صفحہ 133 (امدادیہ)

2- شرح صحابی آثار جلد 2 صفحہ 133 (امدادیہ)

4- مسند احمد جلد 1 صفحہ 166 (مسند)

3- شرح صحابی آثار جلد 2 صفحہ 133 (امدادیہ)

رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے۔ علاوہ ازیں دارقطنی نے اسی کی مثل روایات حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سہل بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی نقل کی ہیں۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے عبد اللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم سے حدیث منقول ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے وقت حضور نبی کریم ﷺ نے گھوڑوں کے لئے تین حصے مقرر فرمائے ایک حصہ شہسوار کے لئے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لئے۔ اسی بیان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے گھوڑے کے لئے دو حصے مقرر فرمائے اور اس کے سوار کے لئے ایک حصہ مقرر فرمایا (1)۔ اس حدیث کو امام بخاری اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام صحابہ سنن نے روایت کیا ہے۔ اور مسلم شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مقررہ حصے سے زائد مال بطور انعام تقسیم کرتے وقت گھوڑے کے لئے دو حصے اور پیادل کے لئے ایک حصہ مقرر فرمایا (2) اور دوسری روایت میں لعل کا لفظ موجود نہیں (یعنی اس میں زائد مال کا ذکر نہیں کیا گیا) اور ایک اور روایت میں ہے آدمی اور اس کے گھوڑے کے لئے تین حصے ہوں گے، ایک حصہ آدمی کے لئے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لئے۔ اسحاق بن راہویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی اسی طرح نقل کی ہے۔ اسی کی مثل روایت ابو داؤد نے ابن ابی عمیر کے واسطے سے ان کے باپ سے نقل کی ہے اور بزار نے حضرت محمد ادریس اللہ عنہ سے ایسے ہی روایت نقل کی ہے۔ ابویوسف انصاری کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال ارشاد فرمایا میں نے گھوڑے کے لئے دو حصے اور اس کے سوار کے لئے ایک حصہ مقرر کر دیا ہے۔ سو جس نے اس میں کسی کی اللہ تعالیٰ اسے کم کر دے گا۔ اسے دارقطنی اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (3)۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن ابی عمران اسیسی ہے جسے اکثر لوگوں نے ضعیف کہا ہے۔ ابودہم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ایک غزوہ میں شریک ہوئے اور ہمارے پاس دو گھوڑے تھے تو آپ ﷺ نے ہمیں چھ حصے عطا فرمائے، چار حصے ہمارے گھوڑوں کے لئے اور دو حصے ہمارے لئے۔ اسے دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں اپنی سند کے ساتھ ابوحازم سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا میں اور میرا بھائی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک ہوئے اور ہمارے پاس دو گھوڑے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چھ حصے عطا فرمائے، چار حصے ہمارے گھوڑوں کے لئے اور دو حصے ہمارے لئے۔ ہم نے وہیں اپنے چھ حصے دو جوان اونٹوں کے عوض فروخت کر دیئے (4)۔ امام عظیم ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی ابن ماجہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شہسوار سے حاصل ہونے والا مال اہل حدیبیہ پر تقسیم کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مال کو انصار و صحابہ میں تقسیم کیا جبکہ لشکر کی کل تعداد پندرہ سو تھی اور ان میں تین سو گھوڑوں سوار تھے۔ تو آپ ﷺ نے ہر شہسوار کو دو حصے اور پیادل کو ایک حصہ عطا فرمایا (5)۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور ابو داؤد نے کہا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔ حقیقتاً اس لشکر میں دو سو گھوڑوں سوار تھے اور آپ ﷺ نے گھوڑے کے لئے دو حصے اور اس کے سوار کے لئے ایک حصہ عطا فرمایا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہم نے بھی سورۃ فتح کی تفسیر میں خیر کے مال قیمت کے بارے میں یہی کچھ بیان کیا ہے۔ حضرت مقداد بن عمرو

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 401 (ذرات تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 92 (قدیمی) 3۔ معجم کبیر طبرانی، جلد 22، صفحہ 342 (ان جیب)

4۔ کتاب الخراج، صفحہ 22 (انتلیف) 5۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 375 (ذرات تعلیم)

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ غزوہ بدر میں اپنے گھوڑے پر سوار تھے جسے سچ کہا جاتا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دو حصے عطا فرمائے ایک اپنے لئے اور ایک آپ کے گھوڑے کے لئے۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں واقدی ضعیف راوی ہے۔

واقدی نے ہی مغازی میں جعفر بن خارجہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں غزوہ بنی قریظہ میں گھوڑے پر سوار ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ایک حصہ مجھے اور ایک حصہ میرے گھوڑے کے لئے عطا فرمایا۔ ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس سند کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان نقل کیا ہے: حدثنا محمد بن محمد السری حدثنا المنذر بن محمد حدثنا ای حدثنا یحییٰ بن محمد بن ہانی عن محمد بن اسحاق حدثنا محمد بن جعفر عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت: آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی مصطفیٰ کے بچھو قیدی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ آئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرس نکالا پھر باقی کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا گھوڑا سوار کو دو حصے عطا فرمائے اور پیادل کو ایک حصہ۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور واقفی نے اپنی کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابواسامہ اور ابن نمیر نے بیان کیا کہ صید اللہ نے نافع کے واسطے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑا سوار کے لئے دو حصے اور پیادل کے لئے ایک حصہ مقرر فرمایا ہے (1)۔ واقفی نے اس روایت کے ساتھ یہ بھی کہا کہ ابوبکر بنی شاپوری کہتے تھے کہ میرے نزدیک یہ ابن ابی شیبہ کا وہیم ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالرحمن بن شیبہ وغیرہ نے ابن نمیر سے ہی اس کے خلاف سابقہ منہجیم کے مطابق حدیث بیان کی ہے، یعنی گھوڑا سوار کے لئے تین حصے ہوں گے پھر واقفی نے ہم سے اس سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ابن ابی شیبہ کی حدیث کی مثل حدیث نقل کی ہے۔ سند اس طرح ہے: "عن نعیم حدثنا ابن المبارک عن عبید اللہ ابن عمرو عن نافع عن ابن عمرو رضی اللہ عنہم۔" علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس روایت میں وہیم کو ہوسکا ہے کیونکہ ابن مبارک تو لوگوں کی بہت زیادہ مضبوط اور قوی الحفظ تھے۔ لیکن ابن ہام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہم اللہ راوی ہے۔ واقفی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ یونس بن عبدالاملی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابن وہب نے عبید اللہ بن عمرو نافع کے واسطے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے اور سوار کے لئے دو حصے اور پیادل کے لئے ایک حصہ مقرر فرماتے تھے۔ ابن ابی مریم اور خالد بن عبدالرحمن نے عبداللہ بن عمر و امیری سے روایت نقل کر کے ان کی متابعت کی ہے۔ بعضی نے یہی روایت امیری سے اس شک کے ساتھ نقل کی ہے کہ آیا اس میں قارس (شہسوار) یا فرس (گھوڑا) کا لفظ ہے۔ پھر حجاج بن منہال سے اس سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے ہے۔ حدثنا حماد بن سلمہ حدثنا عبید اللہ بن عمرو عن نافع عن ابن عمرو رضی اللہ عنہما۔ کہ حضور نبی کریم ﷺ نے گھوڑا سوار کے لئے دو حصے اور پیادل کے لئے ایک حصہ مقرر کیا۔ نعیم بن محمد بن حماد نے اس کی متابعت کی ہے۔ علامہ ابن ہام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جنہوں نے عبید اللہ کی حدیث کو اعتراض کے ساتھ ذکر کیا ہے ان میں سے ایک علامہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں لیکن جو روایت بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبید اللہ سے نقل کی ہے وہ زیادہ مضبوط اور پختہ ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عبید اللہ بن عمر ضعیف راوی ہے۔ واقفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے عبدالرحمن بن امین کے واسطے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ

روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ گھوڑ سوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ تقسیم کیا کرتے تھے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بن عمارہ سے اور انہوں نے حکم بن عیینہ اور عقیق کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرزدہ بدر کا مال قیمت اس طرح تقسیم فرمایا کہ گھوڑ سوار کو دو حصے عطا فرمائے اور پیدل کو ایک حصہ (1)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ فقیر اعظم حضرت امام ابو حنیفہ (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کا سایہ رکھے) فرمایا کرتے تھے کہ پیدل کے لئے بھی ایک حصہ ہوگا اور سوار (گھوڑے) کے لئے بھی ایک ہی حصہ ہوگا۔ (شاید اس عبارت میں فارسی سے مراد فرس یعنی گھوڑا ہے) آپ فرماتے ہیں کسی چوپائے کو مسلمان آدمی پر فضیلت نہیں دوں گا اور آپ استدلال اس روایت سے کرتے تھے جو آپ نے ہمیں ہرگز بائبن حارث کے واسطے سے منذر بن ابی حصہ ہمدانی سے بیان فرمائی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک غلام جو کہ شام کے کسی جہاد میں سالار لشکر تھا۔ اس نے مال قیمت کی تقسیم اس طرح کی کہ گھوڑے کے لئے بھی ایک حصہ نکالا اور آدمی کے لئے بھی ایک حصہ۔ جب یہ مسئلہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس کی اجازت دے دی۔ (یعنی اس تقسیم کو برقرار رکھا) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی بناء پر کہا کرتے تھے کہ گھوڑے کے لئے بھی ایک حصہ ہے اور پیدل کے لئے بھی ایک۔ لیکن وہ آثار اور احادیث جن میں یہ مذکور ہے کہ گھوڑے کے لئے دو حصے ہیں اور آدمی کے لئے ایک حصہ دو تعداد میں کثیر ہیں، اس اثر کی نسبت زیادہ کامل اعتماد و مضبوط ہیں اور جمہور کا عمل بھی اسی پر ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ اس میں گھوڑے کی آدمی پر فضیلت لازم آتی ہے تو یہاں ایسی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ پھر تو گھوڑے کا ایک حصہ بھی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس صورت میں بھی ایک چوپائے کی مسلمان آدمی کے ساتھ مساوات اور برابری لازم آتی ہے۔ بلکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر جہاد کی تیار کریں اور لوگوں کو جہاد کے لئے گھوڑے تیار کرنے کی رغبت دلائی جائے۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ گھوڑے کا حصہ بھی اس کے مالک کو ہی دیا جاتا ہے۔ گھوڑے کو تو اس سے کچھ بھی نہیں ملتا۔ اس تقسیم میں رضا کار اور جہاد میں حصہ لے رہا ہے (2)۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب روایات کے مابین تضاد آ جائے تو پھر اصل ہونے کی بناء پر نئی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہذا تین حصوں والی روایت کو تھمیل پر محمول کیا جائے گا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس جیسی دیگر روایات میں جو یہ وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ہم میں سے سواروں کو تین حصے عطا فرمائے۔ تو الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی مستقل حکم نہیں تھا اور یہ کہا جاتا کہ آپ ﷺ ہمارے سواروں کو تین حصے دے کر آتے تھے یا آپ ﷺ نے تین حصے دینے کا فیصلہ فرمایا تھا اور یہی ابو کبشہ کی حدیث جس میں یہ ہے کہ میں نے گھوڑے کے لئے دو حصے مقرر کئے ہیں اور اس کے سوار کے لئے ایک۔ پس جس نے اس میں کسی کی اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا (3)۔ تو یہ حدیث صحیح نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر کوئی آدمی دو گھوڑے ساتھ لیکر جنگ میں شریک ہو تو امام اعظم ابو حنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں بیان کیا ہے کہ میں نے مال کی تقسیم میں صرف ایک گھوڑے کا حصہ ہی سنا ہے (4)۔ امام ابو یوسف اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ دونوں گھوڑوں کا حصہ نکالا جائے گا۔ لیکن بالا جماع دو سے زائد گھوڑوں کا حصہ نہیں دیا جائے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو دارقطنی نے بشر بن عمر بن

1۔ کتاب الخراج صفحہ 21 (استیعاب)

2۔ کتاب الخراج صفحہ 22 (استیعاب)

2۔ مجملہ کتب برائی جلد 11 صفحہ 342 (ابن تیمیہ)

4۔ مؤطا امام مالک جلد 2 صفحہ 457 (الترغیب والترہیب)

مجلس سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے دو گھوڑوں کے لئے چار حصے اور میرے لئے ایک حصہ عطا فرمایا اور میں نے پورے پانچ حصے حاصل کئے۔ عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ابراہیم بن یحییٰ السلمی نے محمول سے میں نے خبر دی ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرود خبیر میں دو گھوڑے لیکر حاضر ہوئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں پانچ حصے عطا فرمائے۔ یہ روایت منقطع ہے۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی میں بیان کیا ہے کہ عبد الملک بن یحییٰ نے سہمی بن عمر کا قول بیان کیا ہے کہ فرود خبیر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ تو حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں پانچ حصے عطا فرمائے۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ یعقوب بن محمد نے عبد الرحمن بن عبد اللہ بن ابی حصصہ سے اور انہوں نے حارث بن عبد اللہ بن کعب سے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ فرود خبیر میں تین گھوڑوں لٹاز، ضرب اور سب کے ہمراہ شریک ہوئے، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی گھوڑے لیکر آئے، حراس بن صمت دو گھوڑوں کے ساتھ شریک ہوئے، ابراہم بن اوس دو گھوڑے لیکر آئے اور ابو عمر و انصاری کے پاس بھی دو گھوڑے تھے تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تمام افراد کو جن کے پاس دو دو گھوڑے تھے انہیں چار حصے عطا فرمائے اور ایک ایک حصہ انہیں اپنے لئے عطا فرمایا (اسی طرح مجموعی طور پر انہیں پانچ پانچ حصے دیئے گئے) اور جتنے گھوڑے دو سے زائد تھے ان کا کوئی حصہ بھی نہیں دیا گیا۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند کے ساتھ سعید بن منصور اور ابن عیاش کے واسطے سے امام اوذاعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑوں کا حصہ دیا کرتے تھے لیکن کسی آدمی کو دو سے زائد گھوڑوں کا حصہ عطا نہیں فرماتے تھے اگرچہ اس کے ساتھ دس گھوڑے ہی کی تعداد ہوں اور مزید یہ روایت بیان کی کہ سعید بن منصور نے فرج بن فضالہ سے انہوں نے محمد بن ولید سے اور انہوں نے زہری سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ ایک گھوڑے کے دو حصے دیجئے، دو گھوڑوں کے چار حصے اور دونوں کے مالک کو ایک ایک حصہ دیجئے۔ پس اس طرح وہ آدمی جو دو گھوڑوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوگا اس کے لئے مجموعی طور پر پانچ حصے ہوں گے اور جو گھوڑے دو سے زائد ہیں وہ کوئل ہیں (ان کا حصہ نہ دو)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ ابن یحییٰ بن سعید نے ہم سے ایسے آدمی کے بارے میں حسن کا قول نقل کیا ہے جو جنگ میں شریک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کسی گھوڑے ہوں تو اسے دو سے زیادہ گھوڑوں کا حصہ مال قیمت میں سے نہیں دیا جائے گا (1) اور مجھ سے محمد بن اسحاق نے یہ بیان کیا ہے کہ صاحب بن جابر کے واسطے سے محمول کے قول بھی بیان کیا ہے کہ مال قیمت میں سے دو سے زائد گھوڑوں کا حصہ نہیں دیا جائے گا (2)۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ چشتی روایات امام ابو یوسف اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے موقف کی تائید میں بیان کی گئی ہے۔ ان تمام کو تفصیل پر محمول کیا جائے گا (ان میں مقرر شدہ حصہ مراد نہیں) جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سلم بن اوع رضی اللہ عنہ کو دو حصے عطا فرمائے حالانکہ وہ پیدل تھے (3)۔ میں کہتا ہوں کہ جو کچھ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ ایک گھوڑے کے لئے دو حصے دینا اور دو گھوڑوں کے لئے چار حصے دینے کو تفصیل پر محمول کیا جائے گا اس کے صحیح ہونے کا تصور تب کیا جاسکتا ہے جب یہ کہا جائے کہ امام وقت کے لئے جنگ ختم ہونے کے بعد بعض لشکریوں کو (ان کی جرأت و بہادری کی قدر افزائی کے طور پر) کسی جنگی شرط کے بغیر مقررہ حصے سے زائد مال (الطور انعام) دینا جائز ہے۔ مگر جو احادیث یہاں ذکر کی گئی ہیں کسی میں بھی یہ مروی نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ سے قبل

ایسی شرط کا ذکر فرمایا ہو (احوال صاحب ہدایہ کی مذکورہ تاویل درست نہیں)۔

مسئلہ: جنگ ختم ہونے کے بعد مالِ نیت و دارالاسلام مختل کرنے سے پہلے جب دارالحرب میں اسلامی لشکر کی امداد کے لئے کمک پہنچی جائے تو امرِ خدا کے نزدیک انہیں مالِ نیت میں سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انہیں بھی حصہ دیا جائے گا۔ امرِ خدا نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو ابن ابی شیبہ اور طحاوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے طاریق بن شہاب الأفسس سے نقل کی ہے کہ اہل بصرہ نے نہادند میں جنگ لڑی تو اہل کوفہ ان کی امداد کو پہنچے۔ ان کے امیر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھے۔ لیکن اہل بصرہ (ان کے پیچھے سے قتل) نلاب پانچکے تھے۔ اہل بصرہ نے چاہا کہ وہ اہل کوفہ کو مال میں سے کچھ حصہ نہ دیا تو نبی تم میں سے ایک آدمی اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نبی عطارہ میں سے ایک آدمی نے کہا اس کان کے غلام کیا تم تو ہمارے ساتھ مالِ نیت میں شریک ہونا چاہتے ہو؟ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا ایک کان رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جنگ لڑتے ہوئے کٹ گیا تھا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا بھترین کان وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام آگیا۔ پھر آپ نے سارا واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف لکھ بھیجا۔ تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لکھا کہ مالِ نیت انہی کا حق ہے جو جنگ میں شریک ہوئے (۱)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوع اور موقوف روایت نقل کی ہے کہ مالِ نیت انہی کے لئے ہے جو جنگ میں شریک ہوئے۔ اور ساتھ کہا ہے کہ موقوف روایت صحیح ہے۔ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے حشری بن عمار کی سند سے عبدالرحمن بن مسعود کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوف اسے نقل کیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن عبداللہ بن عقیل کی سند سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت پانچ مسلمانوں پر مشتمل لشکر زید بن لیبید کی مدد کے لئے بھیجا اس واقعہ کے آخر میں یہ موجود ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ساتھ لکھ بھیجا کہ مالِ نیت انہی کے لئے ہے جو جنگ میں حاضر ہوئے۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک دست کے ساتھ نجد کی طرف بھیجا۔ وہ حج خیر کے بعد وہاں سے واپس آئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے خیر کے مالِ نیت میں سے انہیں کوئی حصہ نہیں دیا (۲)۔ اسے ابوداؤد اور ابونعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حقیقاً نقل کیا ہے۔ احناف کی طرف سے اس حدیث کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ خیر کے بعد دارالاسلام بن گیا تھا جس وہاں سے حاصل ہونے والا مالِ نیت خیر میں موجود ہوتے ہوئے بھی دارالاسلام میں پہنچ کر محفوظ ہو گیا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایسی کمک جو اس وقت پہنچے جبکہ مالِ نیت دارالاسلام میں پہنچ کر محفوظ ہو چکا ہو تو اس کے لئے مالِ نیت میں سے کوئی حصہ نہیں ہوگا کیونکہ جنگ میں شریک ہونے والے افراد کمک پہنچنے سے پہلے ہی مالِ نیت کے دارالاسلام میں محفوظ ہونے کے سبب اس کے مالک بن چکے ہوتے ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ خیر فتح ہو جانے کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے اس کے مال میں سے ہمیں بھی حصہ فرمایا اور ہماری کشتی والوں کے علاوہ کسی ایسے شخص کو حصہ عطا نہیں فرمایا جو اس جنگ میں شریک نہیں تھا (۳)۔ تو اس روایت کی وضاحت کرتے ہوئے ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضور

1- شرح صحابی آثار جلد 2 صفحہ 134-135 (امدادیہ) 2- سنن ابی داؤد جلد 2 صفحہ 373 (مختصر) (ادارت تعلیم)

3- صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 608 (ادارت تعلیم)

نبی کریم ﷺ نے انہیں جس کے جس میں سے (یعنی اپنے حصے سے) یہ مال عطا فرمایا (مجاہدین کے 4/5 حصوں سے انہیں نہیں دیا) واللہ اعلم۔

مسئلہ: مالِ غنیمت میں سے لشکر کے ساتھ جانے والے تاجروں اور گھوڑوں کی تربیت و خدمت کرنے والے لوگوں کے لئے کوئی حصہ نہیں نکالا جائے گا مگر جب وہ جنگ و جدال میں شریک ہوں (تو پھر انہیں بھی حصہ دیا جائے گا) یہ مؤقف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان یہ ہے کہ انہیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان پہلے گزر چکا ہے: "إِنَّ الْغَنِيمَةَ لِمَنْ شَهِدَ الْوُقُوفَةَ" (کہ مالِ غنیمت ان کے لئے ہے جو جنگ میں حاضر تھے) اور یہ لوگ بھی جنگ کے وقت موجود اور حاضر ہوتے ہیں (اس لئے ان کے لئے بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ ہوگا)۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں ایک تو اس وجہ سے کہ مذکورہ روایت کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ اس کا موقوف ہونا صحیح ہے۔ (تو اس اعتبار سے یہ فرمان رسول نہیں بلکہ صحابی کا قول ہے) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی اور مفہوم یہ ہے جو جنگ کے ارادے سے موقع پر حاضر ہو اور اس میں شریک ہو۔ اس کے لئے مال میں سے حصہ ہوگا۔ (مطلق موجود ہونا حصہ دار بننے کے لئے کافی نہیں) اور ارادہ جنگ کی پہچان دو امروں میں سے ایک ہوگی یا تو وہ پہلے جنگ کے لئے تیار کرے اور پھر جہاد کے لئے نکلے گا (تو پھر جہاد کا حصہ دیا جائے گا) یا پھر حقیقت جنگ میں شریک ہو اور اگر اس ارشاد کو مطلقاً اپنے عموم پر رکھا جائے (کہ جو بھی وہاں موجود ہوگا اسے مال میں سے حصہ دیا جائے گا) تو پھر عورتوں، بچوں اور غلاموں کو بھی حصہ دینا لازم آئے گا اور اس پر تمام کا اجماع ہے کہ مذکورہ افراد کے لئے مالِ غنیمت میں کوئی حصہ نہیں۔ مسلم اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ میں حاضر ہوتی تھیں اور کیا ان کے لئے بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ مقرر کیا جاتا تھا۔ تو آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا عورتیں جنگ میں حاضر ہوتی تھیں لیکن ان کے لئے مالِ غنیمت میں کوئی حصہ مقرر نہیں کیا جاتا تھا (1)۔ ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ انہیں باقاعدہ حصہ مقرر کئے بغیر مال میں سے کچھ عطا فرمادیا کرتے تھے (2)۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ روایت حشر بن زیاد کی روایت کے معارض ہے کہ انہوں نے اپنی داد کی ہے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے ایسے ہی حصہ مقرر کیا جیسے مردوں کے لئے حصہ مقرر فرمایا (3)۔ اسے ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ تو اس کے بارے ہمارا کہنا یہ ہے کہ حشر بن مجہول راوی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی بچہ جنگ کی طاعت رکھتا ہو اور امام وقت اسے جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے دے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مالِ غنیمت میں سے اسے کھلے حصہ دیا جائے گا لیکن اس کے برعکس جمہور کا موقف یہ ہے کہ اسے کھلے حصہ نہیں دیا جائے گا بلکہ کچھ مال دیا جائے گا۔ اگرچہ ابوداؤد نے نکول کی سند سے حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں، بچوں اور گھوڑوں کا حصہ بھی عطا فرمایا۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے اور اگر صحیح بھی ہو (تو چونکہ اس کا عام احادیث سے تعارض لازم آتا ہے) اس لئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں کچھ مال عطا فرمایا تاکہ باقاعدہ حصہ مقرر کر کے دیا۔

مسئلہ:- اس مسئلہ میں ائمہ کے مابین اختلاف ہے کہ اگر دشمن کا علاقہ مسلمان بزرگ و شمشیر فتح کریں تو کیا اس کی زمین غنائین میں تقسیم کی جائے گی یا نہیں؟ تو اس بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ امام وقت کے ذمہ یہ لازم ہے کہ وہ دشمن نکالنے کے بعد باقی بقعہ متقولہ جائیداد متقولہ سامان کی طرح غنائین کے مابین تقسیم کر دے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین تقسیم فرمادی تھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی طرح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت طیبہ میں مَا غَنِمْتُمْ کے الفاظ عام ہیں (ان میں منقولہ یا غیر منقولہ کی کوئی قید نہ کوئی نہیں) ہاں اگر غنائین اپنی رضامندی اور خوشی سے اپنا چھوڑ کر اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائیں تو اس وقت امام کو چاہئے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے اسے وقف کر دے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سرزمین عراق کے بارے میں کیا تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ امام وقت کے لئے غنائین کے مابین اس زمین کو تقسیم کرنا جائز نہیں بلکہ وہ زمین تو اس وقت بذات خود وقف ہو جاتی ہے جب اس پر غلبہ پایا جاتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اس قول کے مطابق ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت ہے کہ امام وقت کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو مسلمانوں کے لئے اسے وقف کر دے یا پھر تمام مسلمانوں کے لئے اسے وقف کر دے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ امام وقت کو یہ اختیار ہے کہ اگر چاہے تو مسلمانوں کے لئے اسے وقف کر دے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ موقف کے حق میں بطور حجت یہ احادیث پیش کی ہیں کہ حضرت بل بن حمزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی سرزمین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حصہ اپنی حاجات و ضروریات کے لئے اور دوسرا حصہ مسلمانوں کے لئے۔ پھر اس حصہ کو اٹھارہ حصوں میں ان کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اسے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کا علاقہ نصف پیداوار کی شرط پر انہیں دے دیا پھر حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہوں نے جا کر اہل خیبر سے پیداوار کو تقسیم کرایا (۱۹)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ وہاں سے حاصل ہونے والی پیداوار کے نصف کی شرط پر معاملہ کیا (۲۰)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خیبر کو جو زمین اور باغات و خیر و عطا فرمائے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح وہاں کے باسیوں کو ان پر برقرار رکھا جیسے وہ پہلے تھے اور یہ معاملہ کیا کہ حاصل ہونے والی پیداوار نصف نصف ہوگی۔ پھر پیداوار وصول کرنے کے لئے حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بطور نگران بنا کر بھیج دیا (۲۱)۔ اس کے بعد امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سارا خیبر تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ اس کا ایک حصہ تقسیم کیا اور ایک چھوڑ دیا سے تقسیم نہیں کیا۔ (۴)

میں کہتا ہوں کہ ہم نے سورۃ فتح میں فتح خیبر کے واقعہ میں ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا ہے کہ خیبر کے مال کی تقسیم ان تین صورتوں پر ہوئی۔ شق، غلظہ اور کھجور۔ کھجور سے مراد وہ حصہ ہے جن میں شمس کو تقسیم کیا گیا اور شق اور غلظہ سے مراد وہ اٹھارہ حصہ ہیں جو بقیہ چار حصوں سے مجاہدین کے لئے بنائے گئے۔ ان میں سے پانچ حصے غلظہ سے اور تیرہ شق تھے۔ واضح اور سلام مسلمانوں کی حاجات و

1- شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ 135 (اعداد یہ)

2- شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ 135 (اعداد یہ)

3- شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ 135 (اعداد یہ)

4- شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ 135 (اعداد یہ)

ضروریات کے لئے تھے آپ ﷺ نے ان کے بارے وہاں کے یہودیوں سے نصف پیداوار کی شرط پر معاملہ طے کر لیا اور پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہر سال ان کے پاس آتے تھے اور پیداوار تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں جلا وطن کر دیا کیونکہ حضور نبی مکرم ﷺ نے ان سے خبر فرمایا تھا ہم جب تک چاہیں گے تمہیں اس پر رقرار رکھیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب عراق فتح ہوا تو اس کی تقسیم میں صحابہ کرام کی آراء مختلف ہو گئیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مدینہ طیبہ کے کئی علماء نے میرے سامنے بیان کیا ہے کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جانب سے عراق کا لشکر واپس آیا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس زمین کی تقسیم کے بارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے شام و عراق کی زمین میں سے مسلمانوں کو عطا فرمائی تھی۔ تو دوران گفتگو ایک گروہ نے یہ کہا کہ مجاہدین کو ان کے حقوق دینے جائیں لہذا جو کچھ انہوں نے فتح کیا ہے وہ انہی میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس زمین اور اس کے غیر مسلم باسیوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے تو پھر ان کی اولادوں کو اپنے آباء کا وارث بنا دیا جائے اور یہ زمین ان کے لئے محفوظ کر دی جائے تو پھر وہ مسلمان جو بعد میں آئیں گے ان کا حال کیا ہوگا وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے زمین کہاں پائیں گے؟ اس لئے میری رائے یہ نہیں ہو سکتی۔ حضرت عبدالرحمن بن مہک رضی اللہ عنہ نے کہا زمین اور اس کے باسیوں کی تقسیم کے بارے وہی رائے ہونی چاہئے جو اس مال کے حلقے میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا بات تو وہی ہے جو آپ کبیرہ سے ہیں۔ لیکن میں یہ رائے نہیں رکھتا کیونکہ قسم بخدا امیر سے بعد کوئی ایسا شہر فتح نہیں ہوگا جس سے کوئی بہت زیادہ ماز و سامان حاصل ہو بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں پر بوجہی ثابت ہو۔ لیکن جبے میں عراق کی سر زمین اور اس کے باشندے، اور شام کی سر زمین اپنے باشندوں سمیت مجاہدین میں تقسیم کر دوں تو پھر کونسا مال ہوگا جس سے سرحدوں کی اعانت اور دیگر کچھ بحال کی جائے گی؟ شام و عراق کے جہاد میں حصہ لینے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گروہ جمع ہو گئے اور کہنے لگے وہ مال اور علاقہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہماری مشیر زنی کے سبب عطا فرمایا ہے وہ آپ ایسے لوگوں کے لئے وقف کرنا چاہتے ہیں جو جنگ کے وقت نہ حاضر تھے نہ اس میں شریک تھے اور ایسے لوگوں کے بیٹوں اور پوتوں کے لئے وقف کرنا چاہتے ہیں جن کی اولادیں جنگ میں شریک تک نہیں ہوئیں مگر آپ نے ان لوگوں کے جواب میں صرف اتنا کہا کہ یہ میری رائے ہے۔ اس پر انہوں نے کہا پھر آپ مشاورت کر لیجئے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے مشاورت کے لئے مہاجرین اور اہل بیت کو بلایا۔ تو ان کی آراء مختلف ہو گئیں۔ پس حضرت عبدالرحمن بن مہک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجاہدین کو ان کے حقوق دینے چاہئے (یعنی حاصل ہونے والی زمین اور اس کے غیر مسلم باسی ان میں تقسیم کر دیے جائیں) حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کی رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق تھی۔ چنانچہ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے انصار میں سے دس افراد کو بلا بھیجا ان میں سے پانچ قبیلہ اہل کے سردار اور معززین تھے اور پانچ خزرج میں سے تھے۔ پس جب وہ تمام جمع ہو چکے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور پھر فرمایا میں نے تمہیں صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ تمہارے معاملات کے بارے جو بوجہ میں نے اٹھا رکھا ہے (وہ تمہاری جانب سے مجھ پر ایک امانت ہے) اور میں چاہتا ہوں کہ اس امانت کو اٹھانے میں تم میرے ساتھ شریک رہو

کیونکہ میں تمہارا کیا نام میں سے ایک فرد کی طرح (کمزور اور ناتواں) ہوں۔ آج کے دن تم حق کو پہنچتے اور مضبوط کر سکتے ہو۔ سو مجھے میری رائے سے اختلاف ہووہ اختلاف کرے اور مجھے اطلاق ہووہ اطلاق کرے۔ میں قطعاً یہ نہیں چاہتا کہ تم میری رائے کی ہی اتباع اور جبری کرو۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے جو ہمیشہ حق پوچتی اور سکھاتی ہے۔ قسم بخدا! میں جب کسی امر کے ارادہ سے بولتا ہوں تو اس سے تصور صرف اظہار حق ہوتا ہے (اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہوتا) یہ سن کر تمام حاضرین نے کہا امیر المؤمنین! آپ ارشاد فرمائیے ہم آپ کی بات سنیں گے۔ تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا آپ لوگوں نے ان لوگوں کی گفتگو سنی جن کا خیال یہ ہے کہ میں ان کے حقوق کے بارے میں ان سے زیادتی کر رہا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں کسی کی حق تلفی کروں اور حقوق کے بارے میں کسی سے ظلم و زیادتی کروں۔ اگر میں کسی کی حق تلفی کرتے ہوئے ان کی چیز نہ دوں بلکہ ایسے لوگوں کو دے دوں جو ان کے مستحق نہیں تو یہ میری انتہائی بد بختی اور شقاوت ہے۔ لیکن میں نے یہ دیکھا ہے کہ سرزمین کسری کے بعد کوئی ایسا ملک باقی نہیں رہا جسے فتح کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا مال و متاع، زمینیں اور ان کے غیر مسلم باشندے کے مال قیمت کے طور پر ہمیں عطا فرمادیئے ہیں۔ میں نے مال قیمت کا ٹکس نکالنے کے بعد بقیہ مال کو مجاہدین میں اس طرح تقسیم کر دیا ہے جس طرح وہ اس کے مستحق تھے اور ٹکس کو بھی اس کے صحیح مصرف میں خرچ کر رہا ہوں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ زمین اور غیر مسلم باشندوں کو روک لوں اور انہی لوگوں کو ان زمینوں پر برقرار رکھ کر زمین پر ایسے ہی خراج عائد کر دوں جیسے ان کی ذاتوں پر جزیہ کی ادا کی جائے۔ نتیجہ وہ دونوں قسم کی ٹکس ادا کریں گے جس سے مسلمان مجاہدین، ان کی اولادوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے کچھ نہ کچھ بن جائے گا۔ کیا تم ان سرحدوں کو دیکھ نہیں رہے ان کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لئے ایسے افراد کا ہونا ضروری ہے جو وہاں قائم رہیں۔ کیا تم ان بڑے بڑے شہروں، شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مسرکود دیکھ نہیں رہے ان کی حفاظت کے لئے یہ ضروری ہے کہ فوج میں لوگوں کو بھرتی کیا جائے اور پھر ایسے تمام محافظین کے لئے تنخواہ اور مالی اعانت کا انتظام از بس ضروری ہے۔ اگر میں یا زمینیں اور غیر مسلم باشندے سب مجاہدین میں تقسیم کر دوں۔ تو پھر ان لوگوں کے اخراجات کہاں سے ادا کئے جائیں گے کہ یہ سن کر تمام حاضرین نے بالاطلاق کہا آپ کی رائے لائق درست ہے۔ آپ نے جو کہا اور خیال کیا وہ خوب اور بہت اچھا ہے۔ چیکلہ لہران سرحدوں اور ان شہروں کی حفاظت کے لئے بھرتی نہ کی جائے اور ان کا مشاہرہ مقرر نہ کیا جائے جس کے سبب وہ طاقتور ہو جائیں تو ان کو لڑنے اپنے شہروں کی طرف واپس لوٹ آئیں گے۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے لئے حقیقت واضح ہوگئی۔ پس اب مجھے آوی کی ضرورت ہے جو انتہائی دانشمند اور ذی عقل ہو، ہر قسم کی زمین کو اپنے مقام پر رکھ سکا ہو اور غیر مسلم باشندوں پر اتنا خراج مقرر کرے جسے وہ برداشت کر سکتے ہوں۔ تو تمام حاضرین نے بالاطلاق حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی پیش کیا اور کہا اگر آپ اس سے بھی اہم ترین کام ان کے سپرد کریں گے (تو یہ بالیقین اس میں کامیاب ہوں گے) یہ انتہائی اہل بصیرت، ذی عقل اور تجربہ کار آدمی تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انتہائی جلد انہیں بلا بھیجا اور سرزمین عراق کی پیشکش اور سرورے کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ نتیجہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے وصال سے ایک سال پہلے تک صرف کوفہ کی زمین کا لگان ایک کروڑ درہم تک پہنچ گیا تھا اور اس وقت درہم کا وزن ایک مثقال (1/2 = 14 ماشے) تھا (1)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے محمد بن اسحاق نے زہری سے نقل کر کے میرے

سامنے بیان کیا ہے کہ جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کی زمین کی تقسیم کے بارے سے لوگوں سے مشورہ طلب کیا۔ تو اس میں عام لوگوں کی رائے یہ تھی کہ یہ زمینیں غائبین میں تقسیم کر دی جائیں اور بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہ اس بارے میں انتہائی شدید جذبات میں تھے جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اس زمین کو بغیر تقسیم کے ہی چھوڑ دیا جائے۔ (جب معاملہ ختم ہوا اور شدت بڑھ گیا) تو اس وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خداوندی میں یہ التجا کی: "اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِبَلَاءِ" اے اللہ! بلال کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ الغرض دو یا تین یا اس سے کم و بیش دن اسی طرح گزر گئے پھر جب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اپنے موقف کے حق میں ایک مضبوط دلیل پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب دیشان میں فرماتا ہے: وَمَا آتَاكَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ أَلَىٰ قَوْلِهِ وَالَّذِينَ جَاءُوا ذُوقُوا عَذَابَهُمْ۔ یہ آیات سورہ حشر کی ہیں۔ ان کا حکم ان تمام لوگوں کے لئے بھی عام ہے جو بعد میں آئیں گے۔ لہذا حاصل ہونے والا یہ مال ان تمام لوگوں کے لئے بھی ہے۔ پس کیسے (ان زمینوں کو) صرف ان مجاہدین کے لئے تقسیم کیا جا سکتا ہے کہ ان کے پیچھے آنے والے لوگوں کو بغیر حصہ دینے چھوڑ دیا جائے۔ پس تمام حاضرین نے زمین کو تقسیم کو بغیر چھوڑنے اور اس پر اصرار رکھنے پر اتفاق کر لیا (۱)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مجھ سے لیث بن لیث بن سعد نے حبیب بن ابی ثابت کے حوالہ سے یہ بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور جبہور مسلمانوں نے یہ چاہا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی زمین اسی طرح تقسیم کر دیں جیسے رسول اللہ ﷺ نے سرزمین خیر کو تقسیم فرمایا تھا اور اس رائے میں تمام لوگوں سے مضبوط اور جذباتی حضرت زید بن عوام اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہما تھے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ فرمایا تب میں تمہارا بعد آنے والے مسلمانوں کو (بغیر حصہ کے) چھوڑ دو۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجا کی اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِبَلَاءِ وَأَضْحَانِهِ۔ اے اللہ! بلال اور اس کے ساتھیوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ عام مسلمانوں کی رائے یہ ہے کہ شام والوں پر ظالموں عموماً کی جو بیماری پڑی وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بددعا کا نتیجہ تھا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان زمینوں کو ذبیحوں کے پائے ہی رہنے دیا اور وہ مسلمانوں کو ان کا خراج ادا کرتے رہے (2)۔ میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ زمین کو اس کے باسیوں کے پاس چھوڑ دینا اس شرط پر جائز ہے کہ وہ اس کا خراج ادا کرتے رہیں گے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آیت طیبہ کا نسخ اجماع ہے کیسے کہا جائے جو سکتا ہے جبکہ اجماع نہ ناسخ ہو سکتا ہے نہ منسوخ؟ اور پھر قول باری تعالیٰ: وَمَا آتَاكَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو استدلال کیا ہے وہ بھی درست نہیں کیونکہ آیت میں اس مال کا ذکر ہے جس کے حصول کے لئے مسلمانوں نے کھجوروں، اونٹوں اور دیگر ساز و سامان کے ساتھ دشمن پر لشکر کشی نہ کی ہو (اور بغیر جنگ کے وہ مال حاصل کر لیا ہو) جبکہ ہمارے موضوع بحث مسئلہ میں ایسے مال کا ذکر ہے جس کے لئے لشکر کشی کی گئی ہو (اور جنگ کے ساتھ وہ مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہو)۔ تو وہ کورہ شدہ کے بارے ہمارا قول یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی امت کبھی بھی گمراہی اور ضلالت پر جمع نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس مسئلہ میں ساری امت کا اجماع اس پر دلالت کرتا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ مَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ؛ اپنے عموماً پر باقی نہیں (بلکہ یہ عام مخصوص عند بعض ہے) اور یہ اپنے عموماً پر کیسے ہو سکتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے لئے مال غنیمت میں اپنے لئے مال چھیننے اور انتخاب کرنے کا اختیار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے

مستقل سے چھینا ہوا مال قائل کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور اس مال سے فُس بھی نہیں لیا جاتا تھا اور اہل فِکر کے لئے یہ بھی جائز تھا کہ وہ مال قیمت میں سے دارالحرب میں اپنے جانوروں کو چارہ ڈال سکتے تھے اور کھانے پینے کی جو چیزیں وہ پاتے انہیں کھانی سکتے تھے (کھانے کی ان چیزوں کا نہ فُس نکالا جاتا تھا اور نہ وہاں ان چیزوں کی تقسیم مساوی ہوا کرتی تھی)۔ محمد بن ابی جالد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کھانے (غذ، بھل اور تیار کھانے وغیرہ) سے فُس نکالا کرتے تھے تو انہوں نے جواب فرمایا فرودہ خبیر کے دن کچھ کھانا ہمارے ہاتھ آیا تھا جس جو آدمی بھی آتا وہ اپنی ضرورت کے مطابق اس سے لیتا اور واپس چلا جاتا (۱)۔ (یعنی اس سے فُس نہیں نکالا گیا تھا)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک شکر کو کچھ کھانا اور شہد مال قیمت میں ملا۔ تو ان سے فُس نہیں لیا گیا (۲)۔ عبدالرحمن کے آقا اکبرہ غلام قاسم بعض صحابہ کے نام سے یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ہم جہاد کے دوران اونٹ کا گوشت کھاتے تھے اور ہم اسے تقسیم نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جب ہم اپنی قیادگاہ کی طرف لوٹتے تھے تو ہماری خورجیاں گوشت سے بھری ہوتی تھیں (۳)۔ ان تینوں احادیث کو ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

فائدہ:۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا موقف یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق و شام کی زمین غائبین کی رضامندی اور ان کے اپنے حقوق کے دستبردار ہونے کے سبب وقف کی تھی۔ لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ اگر اس طرح ہوتا تو آپ سب سے پہلے اس سے فُس نکالتے کیونکہ فُس تمام کا حق ہے اور نہ ہی مجاہدین کا اور نہ وہ ان کے ساقط کرنے سے ساقط ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی بھل پر لگان کی معینہ مقدار اور ایک جریب گندم پر لگان کی ایک معینہ مقدار مقرر کر دی تھی۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ زمین عام مسلمانوں کی ملکیت اور ان کے لئے وقف نہیں تھی ورنہ اس سے معدوم کی بیع لازم آئے گی (کیونکہ بیع اور توستنتیل میں ہوگی اور اس کا عوض ابھی مقرر نہ کیا گیا ہے) اور ساتھ ہی یہ بھی لازم آئے گا کہ وہ بھی جو ابھی تک آپ کے پاس یا قبضے میں موجود نہیں اس کی بیع درست ہے۔ (اور یہ سب چیزیں درست نہیں) لہذا حقیقی صورت حال یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان زمینوں کو کافروں کی ملکیت میں ہی رہنے دیا اور ان پر اسی طرح زمین کا خراج لگا دیا جیسے ان پر جزیہ لگایا گیا تھا اور وہ اپنے معاملات میں آزاد تھے اور جزیہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مسلمانوں کے غلام ہیں اور ملکیت کے سبب ان پر مسلمانوں کی جانب سے جزیہ لگ جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی عورتوں، بوزمروں اور بچوں پر جزیہ نہیں لگایا جاتا اگرچہ وہ بعض بالغ مردوں کی نسبت زیادہ کمانے کی طاقت رکھتے ہوں۔ (لہذا اگر جزیہ لگانے کا سبب ملکیت کو قرار دیا جائے تو پھر عورتوں، بوزمروں اور بچوں پر بھی جزیہ لگانا چاہئے) اس سے معلوم ہوا کہ اس کا سبب ملکیت نہیں ہو اللہ اعلم۔

۱۔ اور اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جسے ہم نے اپنے محبوب بندے محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا یعنی ملائکہ، نصرت اور آیات معجزات وغیرہ۔ ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کے بارے جو وعدہ فرمایا تھا وہ تحقیق ہو گیا اور ساتھ ہی یہ خبر بھی دی تھی کہ مسلمانوں کا سیلان قافلے کی طرف ہے نہ کہ فِکر کی طرف اور پھر اللہ تعالیٰ نے بارش عطا فرمائی

۱۔ سنن ابی داؤد، جلد ۲ صفحہ 369 (ذرات تعلیم)

۲۔ سنن ابی داؤد، جلد ۲ صفحہ 369 (ذرات تعلیم)

۳۔ سنن ابی داؤد، جلد ۲ صفحہ 369 (ذرات تعلیم)

جو مسلمانوں کے لئے باعث نعمت ثابت ہوئی اور انکار کے لئے زحمت و عذاب کا سبب بنی۔ انہی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی مدد و نصرت کے لئے ملائکہ کو حکم ارشاد فرمایا حتیٰ کہ مسلمانوں نے فرشتوں کی آوازیں سیں کہ وہ کہہ رہے ہیں اقدیم خیر و ذمہ۔ اور یہ منظر بھی دیکھا کہ بعض کافروں کے سر جسوں سے کٹ کر گر رہے ہیں حالانکہ کسی انسان نے انہیں کاٹائیں اور ابو جہل کے بدن پر کوڑوں کے نشان بھی تھے (حالانکہ اسے کسی انسان نے کوڑے لگائے نہیں) ان میں سے یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مٹھی بھر نکریاں مشرکین کی طرف پھینکیں یہاں تک کہ تمام کفار کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جرأت و بہادری دلانے کے لئے مشرکین کی تعداد کو مسلمانوں کی لگا ہوں میں کم کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی قتل گاہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔ پھر مسلمانوں نے دیکھا وہ اسی مقام پر گرے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مقبرین ابی عقیلہ کے بارے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھی پورا فرمادیا کہ اگر میں لے جتھے کہ مکرم کے پہاڑوں سے باہر پایا تو میں جتھے روک کر قتل کروں گا۔ انہی میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس چیز کے بارے مطلع کر دیا جو وہ ام الفضل کے پاس رکھ کر آئے تھے۔ پس اس سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا آپ کی نبوت کے بارے میں جو شبہ تھا وہ زائل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے ساتھ کئے گئے اس وعدہ کو بھی پورا کر دیا کہ اگر اس نے تمہارے دلوں میں ہلائی دیکھی تو وہ تمہیں اس سے ہجر (مال) عطا فرمادے گا جو تم سے لیا گیا ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یس اور قیام کے بارے میں غلام عطا فرمادے۔ جو ان کے مال سے تجارت کرتے تھے (اور نفع کما کر آپ کو پیش کرتے تھے) اسی طرح یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو اس پر مطلع کر دیا کہ مکرم بن عبدالمطلب اور صفوان ابن امیہ نے آپ کے قتل کے بارے مشورہ کیا ہے۔ (وہ اس ارادے سے یہاں آئے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا اور اسی کو عمیر بن وہب کے اسلام لانے کا سبب بنا دیا۔ چنانچہ وہ مدینہ طیبہ سے واپسی اسلام بن کر واپس لوٹا۔ انہی میں سے سمجھو کہ کلمی کا تلواری میں تبدیل ہونا ہے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن اسلم اور یزید بن رومان وغیرہ سے بتائی اور ابن عساکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمران سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عکاشہ بن محسن رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کے دن اپنی تلوار سے لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ تو آپ ﷺ نے انھیں صدمہ کی کلموں میں سے ایک کلمی انہیں عطا فرمادی اور فرمایا اے عکاشہ! اسی سے لڑو۔ پس جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے پکڑ کر اسے لہرایا تو وہ آپ کے ہاتھ میں ایک طویل و عریض، انجمانی مضبوط سفید لوہے کی چمکدار تلوار بن گئی۔ آپ اس سے جنگ لڑتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی عطا فرمادی۔ اس تلوار کا نام میون تھا۔ پھر وہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہی رہی اور وہ اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔ حتیٰ کہ تتر ارتد کے ایام میں ظہر بن خویلد اسدی (مدنی نبوت) کے ہاتھوں شہید ہو گئے (1)۔ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے داؤد بن حصین کے واسطے سے نبی عبدالاشہل کے دست مبارک سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ غزوہ بدر کے دن سلمہ بن اسلم بن حرش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ بالکل خالی ہاتھ ہو گئے ان کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں بنی طابہ کے سمجور کے درختوں کی ایک چھڑی موجود تھی آپ ﷺ نے وہی انہیں عطا

۱۔ اِذْ اَنْتُمْ بَوْمُ الْفُرْقَانِ سے بدل ہے، یعنی اے مسلمانو! جب تم داوی کے نزدیک والے کنارے اترے ہوئے تھے۔ العُدوة الدنیا میں ذُنْبًا اُذْنِي کی مؤنث ہے۔ اس کا معنی ہے قریب ترین کنارہ، یعنی وہ کنارہ جو شام کی طرف تھا اور مدینہ طیبہ کے قریب ترین تھا اور مشرکین دور والے کنارہ پر تھے۔ فَصُوِي اَفْصٰی کی مؤنث ہے۔ قیاس کے مطابق اسے فُضِيًّا ہونا چاہئے تھا جیسا کہ ذُنْبًا اور غَلْبًا وغیرہ تاکر فُعْلٰی اِی اَوْضَعِي کے درمیان فرق ہو جائے لیکن اسے اپنے اصل پر ہی رکھا گیا ہے جیسا کہ تو داوی یہ فُضِيًّا کی نسبت زیادہ استعمال ہوتا ہے اور العُدوة القصوی سے مراد وہ کنارہ ہے جو یمن کی طرف تھا اور مدینہ طیبہ سے دور تھا۔ ابن کثیر اور ابو عمر و جہما اللہ تعالیٰ نے العُدوة میں دونوں مقامات پر یمن کو کسور پڑھا ہے اور باقیوں نے منضموم۔

۲۔ المُرْكَب سے مراد اہل یمن اور اس کے ساتھیوں کا قافلہ ہے، یعنی وہ قافلہ میدان بدر سے تین میل کے فاصلے پر ساحل سمندر کی جانب تم سے نیچے کی طرف تھا۔ اَسْفَلَ طرف ہونے کی بناء پر لفظ منصوب ہے اور مبتدا کی خبر ہونے کی بناء پر مضاف مرفوع ہے اور یہ جملہ مانع طرف سے حال ہے۔ معنوی اعتبار سے یہ جملہ قافلے کے سبب دشمن کی قوت اور ان کے غالب آنے کے امکان پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ وہ خود جنگ کے حرم میں تھے۔ انہیں یہ اطمینان تھا کہ وہ اپنا مرکز خانی نہیں کریں گے، یعنی اس میں ڈٹے رہیں گے اور وہ اپنی تمام تر قوت و طاقت خرچ کر ڈالیں گے (اور یمن کے ساتھ ساتھ قافلہ قریب ہے، اگر ضرورت پڑتی تو اس سے مدد حاصل کر لیں گے) جبکہ اس کے برعکس مسلمانوں کی حالت کمزور تھی اور بظاہر ان کا غالب آنا بعید از امکان تھا۔ اسی چیز کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے مرکز کا ذکر کیا ہے کیونکہ نزدیک والا کنارہ رہتا تھا۔ اس میں پاؤں جھنس جاتے تھے۔ اس میں چلنا انتہائی مشکل تھا اور ہاں پانی بھی موجود نہ تھا۔ بخلاف دور والے کنارے کے کہ اس کی حالت اس طرح نہ تھی۔

۳۔ اے مسلمانو! اگر تم تمام کنارہ کے ساتھ جنگ کے لئے وقت مقرر کرے اور پھر تمہیں اپنی قلت اور دشمن کی کثرت اور قوت کا علم ہو جاتا تو بالیقین تم ان سے ڈرتے ہوئے اور ان کے خلاف کامیابی سے ماہوس و کامیاب ہو کر وقت مقرر سے پیچھے رہ جاتے (اور دشمن کے ساتھ جنگ کے لئے میدان میں نہ آتے)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر کے بغیر تمہیں جنگ کے لئے جمع کر دیا ہے اس طرح کہ تم قافلے کی تلاش میں نکلے تھے اور کنارے قافلے کو پھانسنے کے لئے نکلے تھے۔ لہذا اس طرح دونوں گروہ وقت مقرر کے لئے بغیر ایک دوسرے کے آئے سانسے آگئے اور اس میں شکست نہ تھی تاکہ اللہ تعالیٰ وہ کام کر دکھائے جو ہو کر بنانا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی امداد فرمائی اور اپنے دین کو غلبہ عطا فرمایا اور اپنے دشمنوں کو ہلاک و برباد کر دیا۔

۴۔ یہ جملہ یا تَوْفِيْقِيَّی اللہ سے بدل ہے یا پھر مفعول کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہے تاکہ مرنے والا اس حال میں مرے کہ وہ دین اسلام کی حقانیت پر شواہد کچھ چکا ہو، مہرت تاک اور سبق آموز حقیقت کا معائنہ کر چکا ہو اور اس پر مضبوط اور پختہ دلائل قائم ہو چکے ہوں اور ان میں سے زخم رہنے والا اس حال میں زندہ رہے کہ وہ صداقت و حقانیت کے پختہ دلائل کا مشاہدہ کر چکا ہو تاکہ کسی کے لئے بھی عذر و معذرت کا کوئی گل بانی نہ رہے کیونکہ بدر کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی واضح نشانیوں میں سے ایک ہے۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اس کا معنی ہے تاکہ جسے کفر پر ہانا ہے وہ حجت قائم ہونے کے بعد اس پر ہے اور جو ایمان اختیار کرنا چاہے وہ حجت قائم ہونے کے بعد اس پر ہے (1)۔ اس میں بطور استعارہ ہلاکت سے مراد کفر ہے اور حیات سے مراد اسلام ہے۔ (کیونکہ نبی

احقیقت کفر میں انسانیت کی ہلاکت اور اسلام میں انسانیت کی حیات ہے (مقصود یہ ہے کہ تقدیر الہی میں جس کا کفر لکھا ہے وہ کافر ہی رہے گا اور جس کا ایمان لکھا ہے وہ مومن ہو جائے گا۔ بروایت بزرگ ابن کثیر نے اور نافع، ابو بکر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے سنیٰ کو مستقبل پر محمول کرتے ہوئے بغیر ادا عام کے پڑھا ہے۔

یہ جس نے کفر اختیار کیا اس کے کفر اور اس کی سزا کو، جو ایمان لایا اس کے ایمان اور اس کے ثواب کو اللہ تعالیٰ سننے جانے والا ہے چونکہ دونوں امر قول اور اعتقاد پر مشتمل ہیں۔ اس لئے دونوں وصف (سبح علیہم) اس مقام پر جمع ہیں۔ مضموم یہ ہے کہ بیگ اللہ تعالیٰ کفر و ایمان کے کلام کو خوب سننے والا اور کفر و ایمان کے عطا کردہ کو خوب جاننے والا ہے۔

إِذْ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ فِي مِثَاقِ بَلِيلًا ۗ وَتَوَّأَسْتُمْ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا كُنْتُمْ فِي
الْأَمْرِ وَالْيَمِينِ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ يُبَيِّنُ لَكُمْ إِذِ
التَّقْوِيمِ ۗ فِي آعْيُنِكُمْ قُبُلًا وَيُقَدِّلُكُمْ فِي آعْيُنِهِمْ لِيُقْضَىٰ إِلَيْهِ أَمْرًا كَانِ
مَفْعُولًا ۗ وَإِنِ اللَّهُ لَجَعَلَ الْأُمُورَ

”یاد کرو جب دکھایا اللہ نے آپ کو لشکر کفارہ خواب میں قبیل ۱ اور اگر دکھایا ہوتا آپ کو لشکر کفار کثیر تعداد میں تو ضرورتاً لوگ بہت ہار دیتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس معاملہ میں لیکن اللہ نے (جسہیں) بچالیا۔ بیگ وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے ۲ اور یاد کرو جب اللہ نے دکھایا جسہیں لشکر کفار جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری لگا ہوں میں قبیل اور قبیل کرو یا تمہیں ان کی نظر میں جس سے تاکہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سارے معاملات میں“

۱۔ اذ سے پہلے اذ کھوٹل محذوف ہے۔ یا پھر یہ یوم الفرقان سے دوسرا بدل ہے یا پھر یہ غلبت کے متعلق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان مصارع اور منافع سے خوب واقف و آگاہ ہے کہ اس نے عالم خواب میں آپ ﷺ کی لگا ہوں کے کمانے دشمن کی تعداد کم کر دی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے اصحاب اس سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور تعداد کم دکھانے میں حکمت ہے کی تاکہ آپ ﷺ کے اصحاب کو دشمن کے مقابلہ میں بہت قدم رکھا جائے اور ان کی جرأت و دلیری کے جذبات کو مزید آگست دی جائے۔ واقعہ یہ ہوا کہ غزوہ بدر کے دن حضور نبی کریم ﷺ نے پہلے صحابہ کرام کو حکم ارشاد فرمایا کہ تم اس وقت تک جنگ نہ چھیڑنا جب تک میں تمہیں اجازت نہ دوں اور اگر وہ تمہارے قریب آجائیں تو پھر ان پر تیر برسانا اور تھوڑے سے حملہ نہ کرنا یہاں تک کہ وہ تم پر حملہ کرتے ہوئے جھپٹ پڑیں۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ پر عرض میں میں نیند کا غلبہ ہوا اور تھوڑی سی آنکھ لگ گئی۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اب تو دشمن قریب آ گیا ہے اور وہ کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کرنے لگے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ یہ آواز سننے ہی بیدار ہو گئے اسی نیند کے دوران اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دشمن کی تعداد کم کر کے دکھادی تو آپ ﷺ نے اس سے صحابہ کو باخبر کر دیا۔ (۱)

ابن اسحاق اور ابن منذر رحمہما اللہ تعالیٰ نے جہان بن واسع سے اور انہوں نے اپنی قوم کے شیوخ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب حضور

نبی کریم ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو فرمایا اے ابو بکر تمہیں بشارت ہو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت تمہارے لئے آگئی۔ یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اُسے صیغیئہ لارے میں اور ان پر غبار پڑا ہوا ہے (1)۔ حسن نے کہا ہے کہ یہاں بھی منامیک فی غیبک سے معنی میں ہے۔ (یعنی آپ کی نگاہوں میں کم کر کے دکھائی مقصود یہ ہے کہ دشمن کی تعداد کی قلت حالت خواب میں نہیں دکھائی گئی بلکہ حالت بیداری میں دکھائی گئی) اور یہاں منامیک اس لئے مذکور ہے کیونکہ آنکھ ہی نیند کا گل ہوتی ہے (2)۔ (اس لئے یہاں مراد نیند نہیں بلکہ آنکھ ہے)۔

سچ اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں لشکر کفار کی تعداد کثیر دکھاتا تو یقیناً تم بزدل ہو جاتے اور مت ہار دیتے، جنگ کے معاملہ میں تم باہم بھڑ پڑتے اور جنگ کے بارے میں ثابت قدم رہتے اور اس سے راہ فرار اختیار کر کے میں تمہاری آراء متفرق ہو جاتیں۔ (یعنی بعض کی رائے یہ ہوتی کہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور بعض یہ کہتے کہ بھاگ جانا چاہئے)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس مخالفت اور بزدلی سے محفوظ رکھا لیا۔ جنگ اللہ تعالیٰ خوب جانتے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہوتا ہے اور جو ان کے احوال و کیفیات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے سینوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو محبت موجود ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتے والا ہے۔

سچ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ ہماری نگاہوں کے سامنے اتنے کلیل تھے کہ میں نے اپنے پہلو میں کھڑے آدمی سے پوچھا کیا تمہارے خیال کے مطابق ان کی تعداد کون سے ہوگی تو اس نے جواب دیا میرے خیال میں یہ سو ہوں گے۔ پھر ہم نے ان میں سے ایک آدمی کو گرفتار کیا تو اس سے پوچھا تمہاری تعداد کتنی تھی تو اس نے کہا ایک ہزار (3) اور اے گردو موشین! ان کی نظروں میں تمہاری تعداد اس لئے کم کر دی تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔ (ابو جہل نے یہ کہا تھا کہ محمد ﷺ) اور ان کے ساتھی ایک اونٹ کی خوراک ہیں۔ (4)

ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ غزوہ بدر کے دن ابو جہل نے یہ بھی کہا تھا کہ ان (مسلمانوں) کو پکڑ لو اور رہیوں سے باندھ دو ان میں سے کسی کو قتل نہ کرنا۔ تو اس کے بارے یہ آیت نازل ہوئی **إِنَّا لَنُؤْتِكُمْ مِمَّا لَمْ يَأْتِ بِالسَّيْفِ مَا يُغْنِيكُمْ عَنْكَ كَفَاؤًا كَثِيرًا** کفار کو مسلمانوں کی جو تعداد دکھائی گئی تھی یہ جنگ چھڑنے سے پہلے کی حالت تھی جب خوب شدت کے ساتھ جنگ ہونے لگی تو پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں کی تعداد اپنے سے دو گنا دکھائی۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے۔
سے یہ آیت (يُضَيِّضُ اللَّهُ أَمْرًا يُؤْتِيهِ مَا يَشَاءُ وَمَنْ يُضَيِّضِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ حَافِظٍ) یعنی وہ دونوں فضل جن کی علت اس آیت سے بیان کی گئی ہے وہ مختلف ہیں) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں امر اے مراد وہ مقابلہ ہے جسے بطور حکایت ذکر کیا گیا ہے اور اس آیت میں امر اے مراد اسلام اور اہل اسلام کو عزت و عطا فرمانا اور اہل شرک اور اہل شرک کو ذلیل و رسوا کرنا ہے۔ (تو اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے اس آیت میں تکرار ہے مگر معنی مراد یہ مختلف ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آیت تکرار ذکر کی گئی ہے) اور تیسرا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوٹا ہے جاتے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے ہی کا حکم دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قَاتَيْتُمْ فِيهِ فَاقْتُلُوا إِذَا كُرِدُوا اللَّهُ يُغْنِيكُمْ عَنْكُمْ

تُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَسَازَعُوا فَمَا تَقْفُوا أَن تَذْهَبَ رِيَاحُكُمْ
وَأَصْبِرُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۱﴾

”اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو۔ اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم بہت ہمو جاؤ گے اور اکٹرا جائے گی تمہاری ہوا۔ اور (ہر صمیمیت میں) صبر کرو جب تک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

اے ایمان والو! جب تم کافروں کی جماعت سے جنگ آزما ہو۔ فتنہ کے ساتھ مخالف ذاتی صفت اس لئے ذکر نہیں کی گئی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ یقین فقط کفار سے ہی جنگ لڑتے ہیں۔ تو ان کے ساتھ جنگ کرتے وقت ثابت قدم رہو کیونکہ میدان جہاد سے فرار اختیار کرنا منہا کبیرہ ہے۔ کئی صحیح احادیث میں وارد ہے۔

یعنی اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو یعنی اس سے فتح و نصرت کی دعا مانگو، اس کی یاد سے غلبے اور قوت کے حصول کی التجا کرو اور پھر اس کی مدد کے منتظر ہوتا کہ تم فتح و نصرت اور جہاد پانے کے سبب اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ۔ اس جملہ میں اس بات پر حتمیہ ہے (کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایات ہمہ وقت اپنے بندے پر ہوتی ہیں) اس لئے بندے کو چاہئے کہ کوئی شی اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کرے اور وہ مصائب و آلام اور تکالیف کے اوقات میں اسی کی بارگاہ میں التجا کرتا رہے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم کسی بھی حال میں اپنے بندہ مومن سے جدا نہیں ہوتا اپنے دل کو تمام چیزوں سے خالی کر کے عمل طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہے۔

یعنی (باہموم تمام امور میں) اور بالخصوص اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کرنے اور اس کے دین کو عزت بخشنے اور سر بلند کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اختلاف آراء کے سبب آپس میں نہ جھگڑو جیسا کہ تم نے غزوہ بدر کے دن ابتداء میں اور پھر غزوہ احد کے دن کیا۔ ورنہ تم بزدل اور کم بہت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکٹرا جائے گی۔ ففسشلوا اور تذهب دلوں فعل نمی کے جواب میں واقع ہیں اور انی مضمرہ کے سبب منصوب ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ فعل نمی پر معطوف ہیں۔ اسی لئے تذهب کو جزم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہاں رسخ سے مجازی طور پر مراد حکومت، اقتدار اور اپنی منشا اور پسند کے مطابق حکم کا اجراء اور نفاذ ہے۔ جیسا کہ انھیں نے کہا ہے (۹) کہ جس طرح ہوا آزادی کے ساتھ جدھر چاہتی ہے چلتی ہے اسی طرح آزاد اور خود مختار حکومت اپنے احکام نافذ کرنے میں آزاد ہوتی ہے (اور وہ اپنی مرضی اور منشا کے مطابق احکام نافذ کر سکتی ہے) گویا اس میں حکومت کی آزادی اور خود مختاری کو ہوا کی چال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (لہذا ہوا سے مراد حکومت اور اقتدار ہوگا)۔ سدی نے کہا ہے کہ رسخ سے مراد جرات اور دلیری ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اس سے مراد تیزی اور جذبات ہیں اور نصر بن حمال کے قول کے مطابق اس سے مراد قوت اور طاقت ہے۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہاں رسخ (ہوا) اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے کیونکہ مسلمانوں کو ہمیشہ فتح و نصرت ہوا کے سبب حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہوا بھیجتا اور اس کے سبب دشمن کے چہروں کے رخ پھیر دیتا۔ اسی طرح ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو زید سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ میری مدد صبا (پردا) کے ذریعے کی گئی اور قوم عاد کو دیور (جھپی ہوا) کے ذریعے ہلاک کیا گیا (1)۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک رہا پس جب بھی آپ ﷺ دن کی ابتداء میں جنگ نہ کرتے تو پھر آپ سورج اٹھنے، چلنے، ہوا نہیں چلنے اور مدو وھرت نازل ہونے کا انتظار فرماتے تھے۔ اسے ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (2)

جس موت آجانے اور زخم لگ جانے کی صورت میں مہر کر دینا جیسا کہ اللہ تعالیٰ مہر کرنے والوں کے ساتھ ہے کہ (دنیا میں) ان کی مدد فرماتا ہے اور (آخرت میں) انہیں بہترین اور اچھی جزا سے نوازے گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عمرو بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ابوالنصر سام سے روایت نقل کی ہے اور سالم عبداللہ بن عمرو کے کاتب بھی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی اوفی نے ایک خط لکھا اور میں نے وہ پڑھا کہ رسول اللہ ﷺ کی غزوہ میں دشمن کے مقابل تھے آپ انظار کرتے رہے کہ سورج ڈھل گیا پھر آپ ﷺ لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو! تمہیں سے (پہلے) جنگ لڑنے کی خواہش اور تمنا مت کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جنگ سے بچنے اور عافیت کی التجا کرو۔ لیکن جب تمہارا مقابلہ دشمن سے ہو جائے تو کھڑے جاؤ، ثابت قدم رہو اور یقین کر لو کہ جنت تمہاروں کے سامنے کے نیچے ہے۔ پھر رب کریم کی بارگاہ میں التجا کی: اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَ مُجْعِلَ السُّخَابِ وَ هَازِمَ الْاَخْرَابِ اِهْزِمْنَاهُمْ وَ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ۔ (3) (اے اللہ! کتاب کو نازل فرمانے والے، بادلوں کو چلانے والے اور (کافروں) کے گروہوں کو شکست سے دوچار کرنے والے ان کو شکست دے دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما (اور فتح و کامرانی عطا فرما دے)۔ اس آیت طیبہ میں جب اللہ تعالیٰ نے جہاد اور مہر کے بارے میں حکم ارشاد فرمایا تو ما بعد آیت میں اخلاص نیت کا حکم ارشاد فرمایا کیونکہ اعمال کا اعتبار نیتوں کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوْرَتِكُمْ وَ اَمْوَالِكُمْ وَ لٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ اَعْمَالِكُمْ۔ (4) (رواہ مسلم) کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)۔ صحیحین میں حضرت امین عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیکن جہاد اور نیت (5) (ابھی باقی ہیں ہجرت کا حکم شہ ہو چکا ہے)۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تَتَوَّنَوْا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطْرًا وَاُتِيَ النَّاسُ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ

سَبِيلِ اللّٰهِ وَاَللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيطٌ ۝

”اور (دیکھو!) نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اترا تے ہوئے اور (محض) لوگوں کے دکھاوے کے لئے لے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے (اپنے علم اور قدرت سے) گہیرے ہوئے ہے۔“

2۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد 6 صفحہ 478 (ابن ابی)

4۔ صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 317 (تذیبی)

1۔ صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 295 (تذیبی)

3۔ صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 424 (وزارت تعلیم)

5۔ صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 13 (وزارت تعلیم)

اور تم مجاہد اور جہاد کے معاملہ میں ان اہل مکہ کی طرح نہ ہو جانا جو فخر کرتے ہوئے اور کڑتے ہوئے قافلہ کی حمایت اور حفاظت کے لئے مکہ سے نکلے تھے۔ زین جانے کہا ہے کہ بطور کاہنی ہے نعمت کے حصول پر سرکشی اختیار کر لینا اور اس کا شکر ادا نہ کرنا۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ بطور سے مراد نعمت کے نشے میں اس طرح مست ہونا ہے کہ اس کے شکر سے غافل ہو جائے اور دنائے مراد اچھائی اور خوبی کا اظہار کرنا ہے تاکہ اسے دیکھا جائے اور قباحت اور برائی کو چھپاتا ہے۔ یعنی اہل مکہ اپنی کثرت تعداد اور فوڑ مال پر تکبر اور فخر کرتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے مکہ کمرہ سے نکلے تاکہ لوگ ان کی شجاعت و بہادری اور سخاوت کی تعریف کریں اور ان کی عظمت و شان کا اعتراف کر لیں۔

ع اور وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے یعنی اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے سے روکتے تھے۔ کیونکہ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ اس نے اپنے قافلے کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا ہے تو اس نے قریش کی طرف پیغام بھیجا کہ تم قافلے کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے نکلے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے بچالیا ہے، اس لئے اب تم واپس آ جاؤ تم اس وقت ابوجہل نے کہا تھا۔ تم بخدا ایم واپس نہیں لو نہیں گے یہاں تک کہ ہم بدر میں پہنچ کر وہاں تین دن تک قیام کریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، لوگوں کو کھانا کھلائیں گے، شراب اڑائیں گے اور طوائفیں نچے گا کریں گی، جب ان چھ دن اور باتوں کا تذکرہ عرب نہیں گئے (تو ان پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی) اور وہ ہمیشہ ہم سے خوفزدہ رہیں گے۔ چنانچہ وہ میدان بدر میں پہنچے تو وہاں انہوں نے شراب کی بجائے سموتوں کے جام نوش کئے اور ہاتھیوں کے گانوں کی بجائے نوحہ کرنے والیاں ان پر نوحہ نکالیں۔ لہذا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان کی مثل تکبیر اور ریاکاری سے منع فرمایا اور انہیں حکم فرمایا کہ ان کی نیتوں میں غلوس ہو اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے دین اور نبی کریم ﷺ کی مدد و نصرت میں ہر قسم کے لالچ، تکبر اور ریا سے محفوظ ہوں۔ (۱)

وَإِذْ زَيَّنَّا لَهُمُ الشَّيْطَانَ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَاعِلٌ لَكُمْ تَالُفَاتٍ أَعْرَابَ الْفُلُجَيْنِ نَكِصَ عَلَى عَقْبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرْمِي مَا لَا تَشْرُونَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۰﴾

”اور یاد کرو جب آراستہ کر دیئے ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال اور (انہیں) کہا کہ کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں تمہارا لالچ تو جب آئے سامنے ہوئیں دووں تو تمہیں ڈوہو اٹلے پاؤں بھاگاؤ اور یوں میں بری الذمہ ہوں تم سے۔ میں دیکھ رہا ہوں وہ جو تم نہیں دیکھ رہے۔ میں تو ذرا تمہوں اللہ سے اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔“

۱۔ اڈ سے پہلے اڈ کھڑے فضل مخدوم ہے۔ انعام اللہ تم سے مراد حضور نبی کریم ﷺ سے عداوت رکھنے، آپ ﷺ کو شہید کرنے اور آپ ﷺ کے ساتھ جنگ لڑنے جیسے اعمال کا ارادہ کرنا ہے۔ ہم یہ واقعہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دارالاندھہ میں قریش کے پاس شیطان اٹلیں بھی حاضر ہوا تھا اور جب انہوں نے چلنے کا ارادہ کیا تو وہ ان کے پاس سراقہ بن ماکب بن ہشتم کی صورت میں آیا تھا۔ میں نے قریش اور بنی مکر کے درمیان جو جنگ تھی اس کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ لَا غَالِبَ لَكُمْ مِّنَ النَّاسِ الْيَوْمَ یعنی لَا غَالِبَ

کَاتِبٌ لَّكُمْ۔ یہ اس کا صلہ نہیں ورنہ منسوب ہوتا جیسا کہ اس قول میں ہے لَا خَافَ بِهَا زَيْدٌ اِعْتَدَكَ۔ یعنی شیطان نے انہیں کہا کہ تمہاری کثرت تعداد اور تمہارے واقف مال کے سبب آج تم پر لوگوں میں سے کوئی غالب نہیں آسکتا اور اس نے ان کے ذہنوں میں یہ راسخ کیا کہ جو اعمال وہ کر رہے ہیں وہ نیک اور اچھے ہیں اور ان کے لئے باعث نجات ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے یہ دعا بھی کر دی ”اے اللہ! وہ گروہوں میں سے جو ہدایت پاتے ہے اور افضل دین پر ہے اس کی مدد فرما۔“ ساتھ ہی انہیں یہ حوصلہ بھی دیا کہ نبی کنا نہ کی جانب سے میں تمہارا نگہبان ہوں۔

ع۔ جب اہل اسلام اور مشرکین کی دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور ابلیس نے ملائکہ کو آسمان سے اترتے دیکھا اور یہ یقین کر لیا کہ وہ ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ لٹے پاؤں بھاگ نکلا۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے نفاعہ بن رافع سے اور ابن جریر، ابن منذر اور ابن مردودہ یہ مہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور مومنین کی امداد کے لئے ایک ہزار فرشتے نازل فرمائے ان میں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ہمراہ ایک جانب تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ دوسری جانب تھے۔ (اور مشرکین کی امداد کے لئے ابلیس بھی اپنے شیطانوں کا لشکر لیکر آ گیا اس کے ساتھ اپنا علم بھی تھا یہ شیطان بنی مدین کے مردوں کی صورتوں میں تھے اور خود ابلیس سراقہ بن مالک بن عجم کی شکل اپنانے ہوئے تھا۔ تو اس دن شیطان نے مشرکین سے کہا لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَابْنِي جَبْرَائِيلُ حَضَرَ جِبْرَائِيلُ امِينٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ ابليس کی طرف متوجہ ہوئے پس جو نبی اس نے آپ کو دیکھا تو اس وقت اس کا ہاتھ مشرکین میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں تھا۔ ابلیس نے اس سے اپنا ہاتھ کھینچا اور لٹے پاؤں بھاگ گیا اور اس کا لشکر بھی ساتھ ہی بھاگ نکلا تو اس آدمی نے پکار کر کہا اے سراقہ! کیا تو نے نہیں کہا تھا ابْنِي جَبْرَائِيلُ كُفَّكُمْ (1)۔ (اور اب بھاگا جا رہا ہے) تو اس نے جواب دیا ابْنِي بَرِيءٌ مِنْكُمْ ابْنِي اَرِي مَا لَا تَقْرُونَ الْاَبَدِ۔

ح۔ شیطان اس وقت بھاگا جب اس نے ملائکہ کو دیکھا۔ حارث بن ہشام (جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا) نے جب شیطان کا کلام سنا تو اسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور یہ اسے سراقہ ہی گمان کر رہے تھے۔ لیکن شیطان نے حارث کے سینے میں شدید ضرب لگائی تو حارث گر پڑے اور ابلیس اسی طرح بھاگ نکلا کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا حتیٰ کہ سمندر میں جا کر اور وہاں ہاتھ اٹھا کر رب کریم کی بارگاہ میں التجا کرنے لگا اسے میرے پروردگار! جو وعدہ تو نے مجھ سے کیا تھا وہ پورا فرما اور میں تجھ سے اس سہلک کا سوال کرتا ہوں جو تو نے مجھے (قیامت تک باقی رہنے کی) دی تھی۔ اور اس کے اس رونے دھونے اور التجا کا جب یہ تھا کہ اسے یہ خوف اس نے چھوٹا تھا کہ اب اسے قتل کر دیا جائے گا تو ابوجہل نے اس وقت یہ اعلان کیا اسے لوگو! سراقہ نے جنہیں چھوڑ دیا ہے تم اسے کوئی اہمیت نہ دو کیونکہ اس نے محمد ﷺ سے ساز باز کر لی تھی۔ شب اور شبہ قتل ہو گئے انہیں بھی تم کوئی اہمیت نہ دو کیونکہ انہوں نے تو جلدی کی ہے۔ لات وعزنی کی قسم! ہم اس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جائیں گے جب تک محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو رسیوں سے باندھ نہیں لیں اور میں تم میں سے قطعاً ایسا آدمی نہ پاؤں جس نے ان میں سے کسی آدمی کو قتل کیا ہو بلکہ تم انہیں مضبوط پکڑو تاکہ ہم انہیں ان کے برے کرتوتوں کے بارے بتا سکیں۔ (2)

یہ بھی روایت ہے کہ جنگ کے بعد لوگوں نے سراقہ کو مکہ میں دیکھا تو اسے کہا اسے سراقہ! تو نے ہماری صفوں کو توڑ ڈالا اور ہمیں ہزیمت اور شکست سے دوچار کر دیا۔ تو جواب میں سراقہ نے کہا قسم بخدا! مجھے تو تمہارے معاملات میں سے کسی کا علم نہیں۔ حتیٰ کہ تمہاری ہزیمت کے بارے میں تو کچھ نہیں جانتا کیونکہ میں وہاں گیا ہی نہیں۔ لیکن لوگوں نے اس کی بات کو سچا تسلیم نہ کیا لیکن جب وہی لوگ اسلام کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور وہ آیات میں جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بارے میں فرمایا تو پھر انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جو یہ ان کے پاس سراقہ کی صورت میں آیا تھا (1)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ کہا یعنی اری مالا فترون تو یہ اس سے سچ کہا اور جو یہ کہا یعنی اَخَافُ اللہَ تو یہ اس نے جھوٹ بولا۔ قسم بخدا! اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں تھا بلکہ اسے یہ یقین تھا کہ اس میں نزوت ہے اور نہ دفاع کی طاقت۔ پس وہ انہیں میدان میں لے تو آیا لیکن پھر انہیں تمہا چھوڑ کر چلا گیا اور یہ اس دشمن خدا کی عادت ہے جب بھی حق اور باطل باہم برسریکا ہوتے ہیں تو وہ اپنی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے اور ان سے اپنی برأت کا اظہار کر دیتا ہے (2)۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے بھی ان افراد کے ساتھ ہلاک نہ کر دے جنہیں وہ ہلاک کر رہا ہے۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اسے یہ خوف تھا کہ لیکن چراغ اہل امن اسے پکڑ کر اس کے حال کے بارے میں لوگوں کو مطلع نہ کر دیں اور پھر لوگ اس کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار نہیں کریں گے۔ بعض نے بھی اَخَافُ اللہَ کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اپنے دوستوں کے لئے سچا ہے کیونکہ وہ ان کی مدد فرماتا ہے۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ میں تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ بعض کا موقف یہ ہے کہ پہلا کلام قول باری تعالیٰ یعنی اَخَافُ اللہَ پر فہم ہو جاتا ہے اور ۵ اللہ شہید العاقب علیہ جملہ ہے (3)۔ (نقلی اعتبار سے اس کا اہم جملے سے کوئی رد نہیں کیا۔)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کربز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یوم عرفہ کو جب شیطان یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت نازل فرما رہا ہے اور ان کے بڑے بڑے گناہ معاف فرما رہا ہے تو وہ اپنے آپ کو انتہائی حقیر، بے عزت، ذلیل اور غضب ناک دیکھتا ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر غزوہ بدر کے دن اس نے اپنے آپ کو ذلیل و رسوا دیکھا۔ عرض گئی یا رسول اللہ ﷺ! اس نے غزوہ بدر کے دن کیا دیکھا تھا (کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل و خوار اور حقیر سمجھتا تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا اس نے جبرئیل امین کو اس حال میں دیکھا تھا کہ وہ ملائکہ کو مدد دیاں قسم فرما رہے تھے (4)۔ یہ دیکھ کر اسے یہ احساس ہوا کہ اس کا تمام ہتھیار منسوب ہے اور چال ناکام ہوگئی! اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مرسل روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ مصابیح اور معالم میں نقل کیا ہے۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّهُمْ أَذْيِبُهُمْ وَ مَنْ
يَسْتَكْبِرْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ⑤

”یاد کرو جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہ مغرور کر دیا ہے انہیں ان کے دین

2- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 33-34 (احمدیہ)

1- سہیل الدینی و ارشاد، جلد 4 صفحہ 43 (احمدیہ)

4- مصابیح السنہ، جلد 3 صفحہ 317 (احمدیہ)

3- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 34 (احمدیہ)

نے لہ اور جو شخص بھروسہ کرتا ہے اللہ پر تو بیک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

جب مدینہ طیبہ کے منافقین نے یہ دیکھا کہ تین سووس سے کچھ زائد مسلمان مدینہ طیبہ سے چلے ہیں اور انہوں نے یہ بھی سنا کہ تقریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل لشکر لیکر ابو جہل بھی جنگ کرنے کی فرض سے آیا ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ ان مسلمانوں نے اپنے دین کے سبب ایسا دھوکا کھایا ہے کہ یہ ایسے لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نکل پڑے ہیں جن سے مقابلے کی طاقت یہ نہیں رکھتے اور یہی بات ایسے لوگ بھی کر رہے تھے جن کے دل ابھی تک ایمان سے مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ ان کے کلوب میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا بلکہ ابھی تک شکوک و شبہات باقی تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لوگ مشرکین تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ منافقین تھے اور عطف دونوں معنوں کے درمیان مغایرت پانے جانے کے سبب ہے۔ (یعنی ان میں نفاق بھی تھا اور اسلام کے بارے میں شبہات بھی تھے)۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ مکرمہ میں مشرف باسلام تو ہوئے مگر ان کے گمراہ اور گمراہ ہونے کے سبب ان کے رشتہ داروں نے انہیں ہجرت مدینہ سے روک دیا۔ پھر جب قریش جنگ بدر کے لئے مکہ سے نکلے تو انہوں نے ان مسلمانوں کو بھی بالجبر قریش کے ساتھ بھیج دیا۔ میدان بدر میں پہنچ کر جب انہوں نے مسلمانوں کی تعداد کو کم دیکھا تو ان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے اور وہ سرمد ہو گئے اور کہنے لگے ان مؤمنین کو ان کے دین نے مفروض کر دیا ہے۔ نتیجہ وہ سب کے سب میدان بدر میں ہی ہو گئے۔ ان میں سے چند نام یہ ہیں قیس بن ولید بن مغیرہ، ابو قیس بن فاک بن مغیرہ یہ دونوں غزوہ بدر میں تھے۔ حارث بن زعمہ بن اسود بن مطلب، علی بن امیہ بن خلف جمہی اور عاص بن معنہ بن حجاج (1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ متبہ بن ربیعہ اور مشرکین میں سے چند افراد نے یہ کہا تھا غرہؤ لآءہ جنہم۔ (کہ انہیں ان کے دین نے مفروض کر دیا ہے)۔

مذکورہ قول کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَ مَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَسَوْفَ يُعْطِيَ اللَّهُ أَجْرًا كَثِيرًا ۗ وَلَا يَرْجُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُفْرًا ۚ وَلَئِن سَأَلْتُمُوهُنَّ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَعْبُدُ اللَّهَ مِن قَبْلُ وَآبَاءُنَا مِن قَبْلُ ۚ إِنَّنَا كَانَمُتِلِكُمْ مِن قَبْلُ بَشَرًا مِّثْلُكُمْ ۚ وَإِن كُنْتُمْ لَبَشَرًا مِّثْلُكُمْ ۗ أَلَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ آيَاتٍ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۚ (اللہ تعالیٰ ایسا غالب ہے جو اس پر توکل کرتا ہے اور اس کی پناہ طلب کرتا ہے تو وہ بھی اسی ذلیل اور راجوا نہیں ہونے دیتا، اگرچہ وہ تعداد میں کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ہائے کفار کے ساتھ ایسا کام کر دیتا ہے جسے عقل بعید از امکان سمجھ بھی سکتی ہے اور اس کے ارادے سے عاجز ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ ایسا سلوک کیا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا میں کفار کے برے انجام یعنی قتل اور شکست وغیرہ کا تذکرہ کرے تو پھر بعد آنے والی آیت میں اس کیفیت کا تذکرہ فرمایا جو موت کے بعد ان پر جاری ہوئی۔ لہذا ارشاد فرمایا۔

وَلَوْ تَمَّآى اِذْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَنْصُرُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَاذْ يَبَاكُرٰهُمْ
وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۱۰

”اور (اسے خطاب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر لہ اور (کہتے ہیں اب) پھیلو آگ کا عذاب۔“

لے چونکہ لَوْ مَضَارِعُ كَوْمَايَ کے معنی میں کر دیتا ہے۔ اس لئے یہاں لَوْ تَمَّآى لَوْ ذٰلِكَ کے معنی میں ہے، یعنی اسے محمد ﷺ اگر آپ

دیکھتے جب فرشتے کفار کی جان نکالتے ہیں میدان بدر میں یا کسی دوسرے مقام پر۔ اَبْدُ تَرَىٰ فَعِلَ كَيْلَافٍ ہے۔ اور اس کا مقبول محذوف ہے۔ یعنی اگر آپ دیکھتے کافروں کو یا ان کی حالت کو جب کہ ملائکہ ان کی جان نکال رہے تھے۔ (1)

الْمَلٰئِكَةُ يَنْفُوْهُنَّ فَعِلَ كَيْلَافٍ ہے۔ ان عامر کی تاء کے ساتھ قرأت یعنی تنوُّفِی اس پر ذرات کر رہی ہے اور جمہور کی قرأت کے مطابق یہ بھی جائز ہے کہ یَنْفُوْهُنَّ کا فاعل ضمیر ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہو اور الْمَلٰئِكَةُ مبتدأ ہو اور اس کی خبر نَضُوْهُنَّ وُجُوْهُهُنَّ وَاَذْنَباؤُهُنَّ ہو اور یَجْرِيْہِمْ جِلْمُ الْمَلٰئِكِیْنَ كَقَفْوَاتِہٖمْ حال ہو۔ اور یہ واؤ کے سبب ضمیر سے مستثنیٰ ہے۔ پہلی ترکیب کے اعتبار سے یہ جملہ (نَضُوْهُنَّ وُجُوْهُهُنَّ الخ) یا تو کفروا سے حال ہے یا مَلٰئِكَةُ سے یا پھر دونوں سے کیونکہ یہ دو ضمیروں پر مشتمل ہے۔ اَذْنَباؤُهُنَّ سے مراد ان کی پشتیں ہیں، یعنی فرشتے آگ کے ٹوکڑوں اور لوہے کے گرزوں سے ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں اور اس سے مراد عاصب ہے۔ یعنی وہ انہیں سامنے سے مارتے ہیں اور پیچھے سے مارتے ہیں۔ سعید بن جبیر اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ اَذْنَباؤُهُنَّ سے مراد ان کی سرینیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حیا کے سبب یہاں کتابت اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (1)

اس کا عطف نَضُوْهُنَّ پر ہے اور اس سے پہلے قول مَضْرَبٌ ہے۔ یعنی یَنْفُوْهُنَّ ذُو قُوْلِ الخ یعنی وہ انہیں یہ بشارت دیتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ تم داعی آگ کے عذاب کا مزہ چکسو۔ مذکورہ وضاحت کے مطابق یہ ان کے لئے عالم برزخ میں ہونے والے عذاب کا بیان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ مشرکین جب میدان بدر میں مسلمانوں کی طرف منہ کر کے آگے بڑھتے تو فرشتے ان کے چہروں پر ٹوکڑیاں مارتے تھے اور جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے۔ تو فرشتے انہیں پیچھے سے مل کر ان کی پشتوں پر ضربیں لگاتے (2)۔ پس اس طرح انہوں نے ان میں سے کسی افراد کو قتل کیا اور ساتھ ہی فرشتے انہیں یہ بھی کہہ رہے تھے کہ آگ کے عذاب کا مزہ (بھی) چکسو۔ بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ فرشتوں کے پاس لوہے کے گرز تھے جن سے وہ کفار کو مار رہے تھے اور ان کے سبب ان کے زخموں میں آگ سی بھڑک اُٹھتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد ذُو قُوْلِ اَعْدَابِ النَّارِ الخ کا یہی مفہوم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فرشتے انہیں یہ بات موت کے بعد کہتے ہیں (3)۔ لَوْ كَا جَرَابٍ مَّحْذُوفٍ ہے اور وہ یہ ہے لَوْ اَنْتَ اَمْرًا فَرِيْعًا مَّهْلُوْلًا۔ تو آپ بائیس ایک خوفناک اور ڈراؤناک منظر دیکھتے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اٰیٰتِنَا مِنْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ لِّعٰبِدِهٖۙ ﴿۱۰﴾ كَذٰبٍ اٰلٍ
فَرَعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَحَدَهُمُ اللّٰهُ بِئْسَ تُوْبُوْمٌ ۙ
اِنَّ اللّٰهَ قَوِيْمٌ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

”یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے، اور اللہ تعالیٰ ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے (اپنے) بندوں پر، جیسے دستور تھا فرعونوں کا اور جو (زرورست) لوگ ان سے پہلے تھے جو انہوں نے کفر کیا آیات الہی کے ساتھ تو بجز کیا انہیں اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث۔ بیشک اللہ قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے۔“

۱۔ بِمَا قَدَّمْتُمْ میں ماضیہ ہے، یعنی یہ جو کچھ تمہارے ساتھ دنیا میں ہو اور آخرت میں ہوگا۔ اس کا سبب وہ کفار اور معاصی ہیں جن کا ارتکاب تم کرتے رہے۔ چونکہ اکثر افعال ہاتھوں کے ساتھ ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں اس لئے یہاں ایڈی کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ (مگر

اس سے مراد ذات ہے۔

جس کا عطف مانگنا مستحسن ہے اور یہ اس پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ اگرچہ عذاب کا سبب اعمال ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ورنہ وہ بغیر گناہوں کے بھی عذاب دیتا۔ مگر ظلم کی نفی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر وہ گنہگاروں کو عذاب نہ دیتا چاہے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مستحق عذاب کو عذاب نہ دینا تو شرعاً ظلم ہے اور نہ ہی عقلاً بلکہ یہ تو رحمت اور مغفرت ہے۔ ظلم مابعد کا صیغہ ہے اور کثرت کے معنی کو بیان کرنے کے لئے ہے اور اس کا سبب بندوں کی تعداد کی کثرت ہے۔ (یعنی چونکہ بندوں کی تعداد کثیر ہے اس لئے کثرت مظالم کی نفی کر دی گئی ہے) مگر اللہ نے کفار کے لئے جو کام کیا یہی اس کا بقیہ حصہ تھا۔

اس کتاب الیٰلٰہیٰ عنون معذوف مبتدا کی خبر ہے۔ یعنی ان کفار کا عمل اور وہ طریقہ جس پر یہ چل رہے ہیں اور جسے یہ اپنائے ہوئے ہیں ایسا ہے جیسے فرعون کا طریقہ اور دستور تھا اور ان لوگوں کی مثل جو ان سے پہلے تھے مثلاً قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ۔

یعنی کفر و کفارت اللہ واجب کی تکفیر ہے۔ یعنی ان کا طریقہ اور عمل یہ تھا کہ انہوں نے آیات الہی کے ساتھ کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں عذاب کے ساتھ جزیلایا اور انہیں اپنی گرفت میں لے لیا بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے، یعنی کوئی بھی اس پر غالب نہیں آسکتی اور نہ ہی کوئی بھی اس کے عذاب کو روک سکتی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُعْتَبِرًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ
وَاَنَّ اللّٰهَ سَبِيْبٌ عَلِيْمٌ

”یہ اس لئے کہ اللہ نہیں بدلے والا کسی نعمت کو جس کا انعام اس نے فرمایا ہو کسی قوم پر یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہی اپنے آپ کو اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے والا جاننے والا ہے۔“

لَمْ یعنی اصل میں لقم بھونکنا تھا۔ حرف جازم لَمْ کی وجہ سے آخر سے حرکت حذف کر دی، پھر واؤ اور نون دوسرا جمع ہوئے واؤ واجتماع ساکنین کی وجہ سے گرتی اور پھر حرف لین کے مشابہ ہونے کی وجہ سے نون کو تلفظاً حذف کر دیا۔ مفہوم یہ ہے کہ یہ عذاب جو ان پر نازل ہوا (ظلم نہیں ہے بلکہ) اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نعمت کے سبب کسی قوم پر جو انعام فرماتا ہے اس وقت تک عذاب اور تکلیف سے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو بدترین حالت میں نہ بدل ڈالیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو امن، رزق اور عزت کی نعمت سے سرفراز فرمایا تھا اور ان سے اصحاب قتل کے لشکر کو روک کر تباہ و برباد کیا تھا اور اس وقت تک انہیں میدان بدر میں قتل اور قید و بندی کی صعوبتوں سے دوچار نہیں کیا جب تک قریش نے دین اسماعیل، ملت ابراہیم، صلح حرمی، کعبہ معظمہ کی خدمت، مہمان نوازی اور حاجیوں کو پانی پلانے جیسے نیک اعمال کو چھوڑ کر حضور نبی رحمت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی عداوت و دشمنی اختیار نہیں کر لی، مسجد حرام میں انہیں داخل ہونے سے روک نہیں دیا، قربانی کے جانوروں کا داخل حرم پاک میں ممنوع نہیں قرار دیا، لا الہ الا اللہ کہنے والوں کا خون جانے کے درپے نہیں ہو گا اور آیات قرآن کو جھٹلا کر ان سے استہزاء وغیرہ نہیں کرنے لگ گئے۔ مومنین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے دادا عبدمناف کے دادا کا نام کلاب بن مرہ بن کنانہ بن لوی تھا۔ کلاب سے پہلے اس کے تمام باپ دادا جدانسل ورنسل دین اسماعیل پر تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے باپ کی جانب سے وراثت میں ریاست

اپنی نعمتیں واپس لیکر ان کے بدلے ان پر عذاب مسلط کر دیتا ہے اور ساتھ ہی عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب یہ بھی ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں رب کریم اسے خوب سننے والا ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ اسے خوب جاننے والا ہے (گویا ان کے اقوال و افعال ایسے ہوتے ہیں جو انہیں عذاب کا مستحق بنا دیتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے)۔

كَذٰبِ اِلٰی فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَدَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ
بِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَاَعْرَفْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ ۙ وَكُلًّا كَاٰنُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّ سَمَ الدَّوٰبِ
عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَآيُوْمُوْنَ ﴿۱۱﴾

” (کھانا کھا کر طرز عمل بھی) فرعونیوں اور ان (سرکشوں) کا سا ہے جو پہلے گزر چکے انہوں نے جھٹلایا اپنے رب کی آجوں کو پس ہم نے ہلاک کر دیا انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے۔ اور ہم نے فرق کر دیا فرعونوں کو جس (اور) وہ سب کے سب ظالم تھے۔ بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کیا پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے۔“

یہ آیت اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ انہوں نے کفرانِ نعمت اور حق کا انکار کرنے میں انتہائی زیادتی اور مبالغہ سے کام لیا۔ تو ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے بدلے ہلاک کر دیا (مگر ہلاکت و بربادی کے انداز مختلف تھے)۔ پس ہم نے بعض کو قتل کر دیا بعض پر زلزلہ برپا کیا بعض کو زمین میں دھنسا دیا بعض کی شکلیں سچ کر دیں اور بعض پر آمدگی و طوفان چلا کر انہیں نیست و نابود کر دیا۔

یہ جب کفار مکہ نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں فرعونوں کی طرح میدانِ بدر میں گوارا کے سبب ہلاک و برباد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے کذابِ اِلٰی فِرْعَوْنَ، الامیکو کو رد فرمایا تو اس کا مقصد و نیت ظاہر کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ پہلے مقام پر یہ بیان کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ان پر عذاب مسلط کرنے کا سبب کفر ہے اور دوسرے مقام پر اس بیان کے لئے ہے کہ چونکہ انہوں نے اپنی حالت کو بدل لیا لہذا اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت کو عذاب سے بدل ڈالا۔ یا پھر یہ مفہوم ہے کہ پہلے مقام پر صرف یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے سبب انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔ (آگے عذاب کی نوعیت بیان نہیں فرمائی) جبکہ اس دوسرے مقام پر یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بالکل تباہ و برباد کر دیا اور انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔

یہ دوسرے سبب یعنی پہلے اپنے والے اور بعد میں آنے والے کفر اختیار کرنے اور گناہوں کا ارتکاب کرنے کے سبب اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔

یہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور وہ انسان ہیں جو کفر پر مصر رہے اور اسی پر ڈنٹے رہے۔ پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے۔ اس آخری شرط کے ساتھ وہ لوگ سابقہ حکم سے خارج ہو گئے جنہوں نے پہلے تو کفر کیا مگر پھر ایمان لے آئے اور اپنے اسلام کو احسن کردار سے مزین کیا۔ یا پھر قبضہ لایئذی و موتیوں کے ذریعے ان لوگوں کے ہارے خبر دی جا رہی ہے جن کی طبع اور فطرت میں کفر راسخ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ”فہاء“ حاطف ہے اور یہ اس امر پر متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ معطوف علیہ کا محقق معطوف کے تحقق کا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ان کا کفر اللہ تعالیٰ کے علم میں مضبوط اور پختہ ہو چکا ہے پس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس

اعتبار سے اس آیت کا حکم ان تمام لوگوں کو شامل ہوگا جن کی موت کفر ہوگی۔ ابوالفتح نے سعید بن جبیر سے یہ نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ
 اِنَّ شَرَّ النَّاسِ الَّذِيْنَ اٰتٰنَا الْاٰيَةَ يَهُودِيُوْنَ كَيْفَ تَبَايَعُوْنَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكَ اَنْ يَّكُوْنَ مِنْكُمْ مَنْ يَّخْلُقُكُمْ كَمَا يَخْلُقُكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَكْفُرْ بِكُمْ
 تھا۔ (1)

اَلَّذِيْنَ عٰهَدَتْ مِنْهُمْ يَبْتٰغُوْنَ عٰهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرْثَاةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝۱
 فَاَمَّا تَشْتَقِقْتُمْ فِي الْحَرْبِ فَاَسْرِدُوْهُمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَدْكُرُوْنَ ۝۲

”وہ جن سے (کئی بار) آپ نے معاہدہ کیا، پھر وہ توڑتے رہے اپنا عہد ہر بار اور وہ (عہد شکنی سے) ڈرانے میں
 پرہیز کرتے ہیں۔ اس لیے اگر آپ (میدان) جنگ میں تو انہیں ہر تھاکہ سزا دے کر (منتشر کرو انہیں جو ان
 کے پیچھے ہیں۔ مثلاً وہ سمجھ جائیں گے“

۱۔ اَلَّذِيْنَ عٰهَدَتْ اَللَّبِيْبُ يَخْلُوْنَ اَوْ اَسْرِدُوْهُمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَوْ اَسْرِدُوْهُمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَوْ اَسْرِدُوْهُمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ
 کفر نبی بہت برا ہے مگر عہد شکنی یا گھمنے کا عمل (جس سے) یا پھر سعید بن جبیر کی بیان کردہ روایت کے مطابق یہ بدل کل ہے۔ (یعنی وہ
 انکار جو عہد شکنی کے مرتکب ہوئے) یہاں عہد شکنی منہم مذکور ہے حالانکہ معاہدہ کے مفعول پر مبنی آنا چاہئے، لہذا اسے
 عہد شکنی ہونا چاہئے۔ تو اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ معاہدہ اخذ کے معنی کو گھمنے سے، یعنی عہد شکنی منہم کا معنی ہے اخذ
 منہم الغنم (تو نے ان سے عہد لیا) اور اخذ کا صلا من آتا ہے۔

۲۔ آپ نے جو معاہدہ ان سے کیا وہ اسے ہر بار توڑتے رہے۔ ان معاہدہ توڑنے والوں سے مراد نبی قرظہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ
 نے مہاجرین و انصار کے مابین (محبت و اخوت) کی ایک تحریر لکھی اور اس میں یہود سے مصالحت کا ذکر بھی کیا اور ان سے ایک معاہدہ
 بھی کیا جس میں ان کے حقوق و فرائض کی شرائط کا ذکر کیا۔ اس میں یہ بھی تھا کہ جب تک وہ اسلام قبول کرنے سے باز رہیں گے انہیں
 اپنے دین اور مال پر قائم رہنے دیا جائے گا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ معاہدہ دو دور پر مشتمل
 تھا۔ لیکن انہوں نے بعد میں اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان سٹے پانے والے معاہدہ کو توڑ ڈالا اور حضور نبی کریم ﷺ اور آپ
 کے صحابہ کرام کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے ہتھیاروں کے ساتھ مشرکین کی مدد کی اور پھر یہ کہنے لگے کہ تم تو بھول گئے، ہم نے غلطی ہو
 گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دوسری بار ان سے معاہدہ کر لیا۔ لیکن انہوں نے اسے بھی توڑ دیا جس کے نتیجے میں خندق کے دن انکار
 رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوئے۔ کعب بن اشرف یہودی سواری پر مکہ پہنچا اور وہاں جا کر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے میں اپنی
 موافقت کا انہیں یقین دلایا۔

۳۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرانے سے ڈرانے ڈرتے حالانکہ وہ آپ ﷺ کو ایسے پہنچاتے ہیں
 جیسے اپنے بیٹوں کو۔ اس کے باوجود ہر بار آپ سے معاہدہ توڑ دیتے ہیں۔ عہد بن سعید ابن جریر اور ابو نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ روایت
 نقل کی ہے کہ معاذ بن جبل، بشر بن براہ اور داؤد بن سلمہ رضی اللہ عنہم نے یہودوں سے فرمایا اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور
 اسلام قبول کرلو۔ جب ہم مشرک تھے تو تم ہمارے خلاف محمد ﷺ کے وسیلے سے فتح یاب ہوئے کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور ہمیں یہ

باتے تھے کہ آپ سمجھتے ہوئے والے ہیں اور آپ کے اوصاف بھی بیان کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے (معاہدہ حکن) کفار کو بدترین جانور قرار دیا کیونکہ لوگوں میں سے بلکہ ساری مخلوق میں سے بدترین کفار ہیں اور کفار میں سے بدترین کفر پر اصرار کرنے والے لوگ ہیں اور کفر بڑے رہنے والوں میں سے بدترین عہد توڑنے والے کفار ہیں۔ اس لئے وہ بدترین جانور ہیں۔

یہ پس اگر آپ انہیں میدان جنگ میں پائیں اور انہیں قیدی مانیں۔ تحریک کا اصل معنی ہے التصرف علی اضطراب اضطراب اور بے چینی کی حالت میں متفرق کر دینا منتشر کر دینا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی ہے انہیں ایسی سزا دو جو ان کے بچپنوں کے لئے باعث عبرت ہو (۱۹)۔ یعنی جن لوگوں نے آپ سے مہدثنیٰ کی ہے آپ انہیں اس طرح قتل کریں اور ایسی سزا دیں کہ اہل مکہ اور یمن میں سے جو ان کے پیچھے لوگ ہیں وہ آپ سے ڈر جائیں اور خوفزدہ ہو کر دور بھاگ جائیں۔ (اور پھر کبھی انہیں آپ کے مقابلے میں لڑنے کی جرات نہ ہو)۔ کہا جاتا ہے ضوؤث بفلقان۔ یعنی میں نے اس سے ایسا سلوک کیا جس نے دوسروں کو اس جیسا فعل کرنے سے دور بھاگ دیا۔ یعنی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نبی قریظہ پر ظہر عطا فرمایا تو آپ نے ان کے تمام بائع مرووں کو قتل کر دیا اور مہدثنیٰ اور ان کی اولادوں کو قیدی بنا لیا اور ان کا مال تقسیم کر دیا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسلم انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نبی قریظہ کی چھان بین پر مجھے مقرر فرمایا چنانچہ میں نے جسے بھی بائع دیکھا اس کی گردن اڑا دی (۲۱)۔ شاید جو ان کے پیچھے ہیں وہ سمجھ جائیں اور نصیحت حاصل کر لیں اور وہ مہدثنیٰ کا کتاب نہ کریں۔

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قُوَّةِ حَيَاتِكَ فَاِنَّهُمْ عَلَىٰ سَوءِ اَمْرٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الْمُخَافِيْنَ ۝۳۱

”اور اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو یہ نیک دہان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو۔“

۱۔ اور اگر آپ کو معاہدہ کرنے والی قوم کی جانب سے خیانت یعنی معاہدہ توڑنے کا اندیشہ ہو اور ان کی طرف سے مہدثنیٰ کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو آپ بھی ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے۔ علیؑ سے مراد ہے عدل و انصاف کو اپناتے ہوئے یعنی تاکہ معاہدہ مہدثنیٰ کی اطلاع میں تم اور وہ برابر اور ایک دوسرے کے مساوی ہو جاؤ۔ پایہ مطلب ہے کہ جنگ شروع کرنے سے قبل معاہدہ توڑنے کی اطلاع انہیں پہلے دے دو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ختم ہو چکا ہے تاکہ تمہاری طرف سے خیانت کا ارتکاب نہ ہو۔

ابو اسحاق ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل امین حضور نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا آپ نے تو جتھیا رکھول دیئے ہیں ہم تو ابھی ایک قوم کی تلاش میں ہیں۔ لہذا آپ بھی چلے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی قریظہ سے جنگ لانے کی اجازت عطا فرمادی ہے اور اسی کے بارے پر آیت وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قُوَّةِ حَيَاتِكَ اِیَّہ نازل ہوئی (۳)۔ میں کہتا ہوں یہ واقعہ غزوہ اتراب سے بعد کا ہے۔ حافظ محمد یوسف صاکنی سے سنبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ یہودی قبائل میں سے نبی قحطیاء کے یہودیوں نے سب سے پہلے مہدثنیٰ کی، بغداد اور حسد کا اظہار کیا اور ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین جو معاہدہ طے پایا تھا انہوں نے اسے توڑ ڈالا اور اپنی عداوت کا اظہار کر دیا۔ عرب کی ایک برقعہ پوش خاتون نبی قحطیاء کے بازار میں آئی اور یورخیر نے نبی قحطیاء سے سنا کہ پاس

بیٹھ گئی۔ لوگوں نے یہ خواہش کی کہ وہ اپنے چہرے سے نقاب ہٹا کر اسے نکال کر دے مگر اس نے ایسا نہ کیا۔ سارے چھپنے کی جانب سے اس کے کپڑوں کی ایک طرف کو کسی کیل میں الجھا دیا اور اسے اس کا علم نہ ہو سکا۔ چنانچہ جب وہ اٹھی تو اس کے بدن کا ڈھانپنا ہوا کچھ حصہ نکلا ہو گیا جسے دیکھ کر وہ لوگ غصہ پڑے۔ اسے سننے میں وہ خاتون بیچ پڑی۔ اس کی آواز سن کر ایک مسلمان نے سارے حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ چونکہ سارے یہودی تھے۔ لہذا یہودی مسلمان پر جھپٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا۔ اس طرح انہوں نے اپنا عہد توڑ ڈالا پس اس مسلمان کے گھر والوں نے مسلمانوں کو یہودیوں کے خلاف پکارا۔ مسلمان غضبناک ہو گئے۔ پس اس طرح مسلمانوں اور بنی قریظہ کے درمیان فتنہ و فساد پرا ہو گیا (1) اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: **وَإِنَّمَا تَخَافُونَ رَبَّكُمْ فَارِحُوا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالْيَهُودَ عَلَى سَوَاءٍ** **إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ**۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے بنی قریظہ کی جانب سے عہد شکنی کا خطرہ ہے۔ چنانچہ اس آیت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے لیکر بنی قریظہ کی طرف چل پڑے۔ علم حضرت خزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا اور آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں حضرت ابولہب بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ بنی قریظہ کے یہودی قلعہ بند ہو گئے اور آپ ﷺ نے چند روزوں تک ان کا شدید محاصرہ جاری رکھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ پس وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق اس شرط پر قتلوں سے بچنے لگے اور ان کا مال دستاویز رسول اللہ ﷺ کے لئے ہو گیا اور غور میں اور سچے ان کے اپنے پاس رہیں گے جنہیں ساتھ لیکر وہ مدینہ طیبہ سے ہلا وطن ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ تین دنوں کے بعد مدینہ طیبہ سے نکل گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے مال سے صفی (وہ مال جسے تمہیں سے قتل آپ کو انتخاب کا اختیار تھا) اور تمہیں وصول کیا اور بقیہ 5 حصے صحابہ کرام میں تقسیم فرمادیا۔ غزوہ بدر کے بعد یہی سب سے پہلے ہوا۔

ع۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنہ سے بنی حنیملہ کے ایک آدمی سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ اور روہیوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا۔ آپ ان کے شہروں کی طرف جا رہے تھے تاکہ جو بھی معاہدہ کی حد تک پہنچے ہو تو (انہیں اطلاع دینے بغیر) ان پر جانک حملہ کریں۔ اسی دوران گھوڑے پر سوار ہو کر ایک آدمی آیا۔ وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ اکبر اللہ اکبر ولاء لا عدو۔ (یعنی وعدہ وفا کرو اسے توڑ نہیں) اور وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا بھیجا اور ان سے اس کے بارے استفسار کیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس آدمی اور وہ مہجری قوم کے مابین معاہدہ ہو تو وہ اپنے معاہدے کی تکلیف دہی نہ کرے، یہاں تک کہ اس کی مدت گزر جائے یا (پھر اس قوم کی جانب سے معاہدہ توڑنے کے آثار نمودار ہونے کی صورت میں) برابری کی بنیاد پر یہ معاہدہ انہیں واپس کر دے۔ پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی واپس لوٹ آئے۔ (2)

وَلَا يَخْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَسْجُودًا إِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٠﴾ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا
 اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَابِ وَالْخَيْلِ تُرْهِمُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَ
 آخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٥١﴾

” اور ہرگز نہ خیال کریں کافر کو وہ سچ کر نکلتا ہے۔ یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ اور تیار رکھوان کے لئے جتنی استطاعت رکھتے ہو، قوت و طاقت حج اور بندھے ہوئے گھوڑے، تاکہ تم خوفزدہ کروا دینی، جتنی تیار یوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور دوسرے لوگوں کو ان کھلے دشمنوں کے علاوہ ہی تم نہیں جانتے ہو انہیں (ابلیس) اللہ جانتا ہے انہیں اور جو چیز خفیہ کرے راو خدا میں اس کا پر پورا پورا دیا جائے گا تمہیں اور (کسی طرح) تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

۱۔ حلف، ابن عامر اور مزدونے نے لایفحسبنہ کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا فاعل اس موصول ہے اور مفعول اول انفسہم ہے جو حکمرانی و حج سے مخدوف ہے۔ یا فاعل ضمیر ہے جو من خلفہم کی طرف راجع ہے۔ یا قیوں نے اسے تاء کے ساتھ سینہ خطاب کی صورت میں پڑھا ہے اور اس کے دونوں مفعول الذین کفروا مستقلاً ہیں۔ مفہوم یہ ہے لایفحسبنہم ساقبتین فلیضین من عبدنا بندہ (یعنی آپ انہیں ہمارے عذاب سے بچا لٹنے والا گمان نہ کریں)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جو میدان بدر سے شکست خوردہ ہو کر بھاگ نکلے تھے۔ (۱)

۲۔ ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے انہم میں ہمزہ کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے لایفحسبنہ لایفحسبنون۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ بعض نے کہا ہے کہ لایفحسبنون میں لا زائد ہے اور معنی یہ ہے کہ کافر اللہ تعالیٰ کو عاجز کر دینے کا گمان تک نہ کریں۔ اس صورت میں مسقوا سابقین کے معنی میں حال ہے۔ لیکن جمہور قراء نے انہم میں ہمزہ کو کسور ہی پڑھا ہے کیونکہ یہ ابتدائے کلام میں واقع ہے۔

۳۔ اے اہل ایمان! عہد توڑنے والوں کے لئے یا کفار کے لئے جتنی استطاعت رکھتے ہو اتنی تیار کرو۔ اعداد سے مراد حاجت اور ضرورت کے وقت کے لئے کوئی چیز بنانا اور تیار کرنا ہے اور قوت سے مراد ایسے اسباب اور ہتھیار فراہم کرنا اور ایسے اعمال کا کرنا ہے جو جنگ میں باعث تقویت ہوں اور کفار کے خلاف مدد و معاون ثابت ہوں مثلاً کھوڑے، اسلحہ اور کشتی وغیرہ اسی طرح تیر اندازی اور بندوق چلانے کی مشق کرنا وغیرہ۔ جہاد کی تیاری کے لئے مال جمع کرنا بھی اسی ذمہ میں آتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قوت سے مراد قلعے ہیں۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سیر پر پڑھتا سنا ہے: وَاعْبُدُوا لَهُمْ مَا اسْتَغْنَعُمْ مِنْ قُوَّةٍ خَيْرَ دَارٍ قُوت سے مراد تیر اندازی ہے، آگاہ ہو جاؤ قوت سے مراد تیر چھینکنا ہے۔ متبہ ہو جاؤ قوت سے مراد تیر اندازی ہے (۲)۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب تمہارے لئے روم فتح کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کافی ہوگا۔ پس تم میں سے کوئی بھی تیر اندازی سے عاجز نہ ہو (۳)۔ (یعنی تم تیر اندازی کی مشق جاری رکھو تاکہ بوقت ضرورت کوئی بھی اس سے عاجز نہ ہو)۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو بکر صلی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتا سنا ہے جو اللہ کی راہ میں ایک تیر لیکر پہنچا تو اس کے لئے جنت میں ایک درجہ ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک تیر چھینکا تو وہ اس کے لئے (گناہوں کا) نقد ہے اور (۱) سے دوزخ کی آگ سے) آزاد کرے والا ہے (۴)۔ رواہ السنائی۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی روایت اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے

2- صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 143 (قدیمی)

1- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 37 (انچاریہ)

4- سنن سنائی، جلد 2 صفحہ 48 (نورمحمد)

3- صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 143 (قدیمی)

دوسری روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ زائد ہے کہ وہ نو جوان جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے کرتے بوڑھا ہو گیا (یعنی اس کے بال سفید ہو گئے) تو قیامت کے دن وہ اس کے لئے نور ہو جائیں گے (1)۔ بتائی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں تینوں احادیث نقل کی ہیں مگر اس کی مذکورہ روایت میں فی سبیل اللہ کی بجائے فی الاسلام کے الفاظ ہیں۔ یعنی حالت اسلام میں جس کے بال سفید ہو گئے تو قیامت کے دن وہ اس کے لئے نور ہو جائیں گے۔ (2)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس نے حیر اندازی کیجی پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے یا یہ فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی (3)۔ اسے بھی مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرزادہ بدر کے دن جب ہم نے قریش کے سامنے اور انہوں نے ہمارے سامنے صف بندی کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب وہ تمہارے قریب آئیں تو تم پر لازم ہے کہ ان پر تیرے گھوڑے (4)۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر جنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے سبب تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے۔ ایک وہ آدمی جو ثواب اور خیر کی نیت سے تیر بنا تا ہے، دوسرا آدمی تیر پیچھنے والا ہے اور تیسرا اسے جوڑ کر دینے والا۔ پس تیر چھاندازی کیا کرو اور گھوڑے پر سوار ہو کر دو اور تمہارا تیر اندازی کرنا گھوڑے پر سوار ہونے کی نسبت زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔ برودہ کی جنس سے انسان ہو ولب (کھیتا) کرتا ہے وہ باطل ہے مگر اپنی کمان سے تیر پیچھنے اور گھوڑے سواری کی مشق کرنا اور اپنی بیوی سے طاعت کرنا یہ سب درست اور حق ہے (5)۔ اسے ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ اور ابو داؤد اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ جس نے حیر اندازی کا فن سیکھنے کے بعد اس سے اعراض کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا تو گویا اس کے پاس ایک نوت تھی جسے اس نے ترک کر دیا یا فرمایا گویا اس نے نعمت کی ناشکری کی۔ علامہ ابنی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک حیر کے سبب تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے، ایک تیر بنانے والا دوسرا اس کے ذریعے مدد دینے والا اور تیسرا اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں پیچھنے والا۔ (6)

ج. رباط الخیل سے مراد گھوڑوں کو باندھنا اور جنگ کے لئے ان کی تربیت و پرورش کرنا ہے۔ رباط مصدر ہے جو اسم مفعول کے معنی میں مستعمل ہے۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رباط ایسے گھوڑے کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے باندھا جاتا ہے۔ یہ مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔ کہا جاتا ہے ربط و رباط اور رباط من رباط و رباط، یہ دونوں طرح آ سکتا ہے۔ یا پھر یہ بروزن فعال مفعول کے معنی میں ہے۔ یا رباط ربط کی جمع ہے جسے فسیل کی جمع فعال ہے۔ ترکیب کلام میں من رباط الخیل من قوۃ پر معنوف ہے کہ (چونکہ من قوۃ میں بالعموم رباط الخیل کا مضموم بھی آ جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کا اس پر عطف کیا گیا ہے تو یہ خاص کا عطف عام پر ہے) جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کا عطف ملائکہ پر ہے (7)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا بلک برکت گھوڑے کی پیشانی کے بالوں میں ہے، متعلق علیہ۔ (8)

- 1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 197 (وزارت تعلیم)
- 2۔ شعب الایمان، جلد 5، صفحہ 210 (اصحیہ)
- 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 143 (قدیمی)
- 4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 406 (وزارت تعلیم)
- 5۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 197 (وزارت تعلیم)
- 6۔ تفسیر ابنی، جلد 3، صفحہ 37 (اتحاریہ)
- 7۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 243 (فرانس)
- 8۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 133 (قدیمی)

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی انگلی مبارک سے گھوڑے کی پیشانی کے بال مروڑ رہے تھے اور ساتھ ہی یہ فرما رہے تھے کہ ان کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیر اور بھلائی رکھ دی گئی ہے، یعنی (اس کے ذریعے جہاد یا شہادت کا اجر و ثواب ملے گا اور (فتح کی صورت میں) مال قیمت حاصل ہوگا) (1)۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت عمرو بارتی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کی فرض سے گھوڑا ہاندھ رکھا تو قیامت کے دن گھوڑے کا پیٹ بجز رکھنا، نبی بجز کر پانی سے سیراب ہونا، لید کرنا اور پیشاب کرنا وغیرہ سب میزبان میں رکھا جائے گا (2)۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہیں۔ ایک آدمی کے لئے گھوڑا بوجھ ہے۔ دوسرے کے لئے سزا اور پردہ ہے اور تیسرے کے لئے باعث اجر ہے۔ پس ایسا آدمی جس نے ریاکاری، خنجر، فخر و اور اولیٰ اسلام سے اپنے آپ کو اونچا اور بلند ظاہر کرنے کے لئے گھوڑا ہاندھ رکھا ہو تو ایسا گھوڑا اس آدمی کے لئے ہار اور بوجھ ہے اور وہ آدمی جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کی فرض سے گھوڑا ہاندھ رکھا ہو اور پھر اس حق کو نبھایا جو اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کی سواری اور ذات کے بارے میں قائم کر رکھا ہے تو ایسا گھوڑا اس آدمی کے لئے باعث سزا ہے اور ایسا آدمی جس نے اہل اسلام کے جہاد میں شریک ہونے کے لئے کوئی گھوڑا ہاندھ رکھا ہو تو وہ اس کے لئے باعث اجر ہوگا۔ لہذا اگر اس نے اسے کسی چراگاہ یا باغ میں ہاندھ دیا تو جو کچھ وہ اس چراگاہ اور باغ سے کھائے گا تو اس کے مطابق نیکیاں مالک کے نامد اعمال میں لکھی جائیں گی (3) اور جتنا اس نے بول و برازی کیا اس کے مطابق نیکیاں مالک کے اعمال نامہ میں لکھ دی جائیں گی اور اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی صورت میں وہ ایک یا دو ٹیلوں پر چڑھ جائے تو وہاں بھی اس کے قدموں کے نشانات اور بول و برازی کی مقدار کے برابر مالک کے حق میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر اس کا مالک اسے نیکر شہر کے پاس سے گزرے اور وہ اس سے پانی پی لے اور مالک بھی اسے پانی پلانے کا ارادہ کرے تو جتنا وہ اس سے پانی پیئے گا اس کی مقدار اس کے مالک کے حق میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ دوسری قسم کے بارے میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت ہے کہ ایسا آدمی جس نے گھوڑا اس لئے ہاندھ رکھا ہو کہ وہ لوگوں کا حاجت مند نہ رہے (بلکہ ان سے مستغنی ہو جائے) اور بوقت ضرورت اسے کسی سے مانگنے کی ضرورت نہ پڑے اور وہ گھوڑے کی ذات اور اس کی سواری کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اسے بھی نہ بھولے تو ایسا گھوڑا اپنے مالک کے لئے سزا اور پردہ ہے (4)۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑے تیار کرو ان کی پیشانیوں اور چہنٹوں پر ہاتھ بھیرا کر اور انہیں قلاوہ ڈال کر رکھو لیکن ان کی گردنوں میں تانت کا قلاوہ نہ ڈالو (5)۔ اسے ابو داؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

یہ تاکہ اس کے ذریعے تم خرفزدہ کرو۔ یعقوب نے تُوْجْهَبُوْنَ کو مشدود پڑھا ہے اور ضمیر کا مرجع ما استعظمم یا بعدا ہے۔ وَعَذُوْ اللّٰہِ وَعَذُوْ نَحْمِہِ میں اضافت عہدی ہے اور مراد کفار مکہ ہیں اور انھوں نے مراد کفار مکہ کے علاوہ دیگر کفار ہیں۔ یعنی یہ ہوگا تاکہ اس کے ذریعے تم اللہ کے دشمنوں، اپنے دشمنوں اور ان کھلے دشمنوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو خرفزدہ کرو۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

- 1- صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 32 (قدیمی)
 2- صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 400 (ذات تعلیم)
 3- صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 319 (قدیمی)
 4- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 38 (اتحادیہ)
 5- سنن نسائی، جلد 2 صفحہ 103 (نورمہ)

اخوین سے مراد اہل فارس ہیں اور ابن زید اور حسن نے کہا ہے کہ ان سے مراد منافقین ہیں۔ (1)۔
 تم انہیں نہیں جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتے ہیں اور لا الہ الا اللہ بھی کہتے ہیں (اس لئے تم تو انہیں نہیں جانتے) لیکن اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اخوین سے مراد کافر جن ہیں (2)۔ ابو اسنیخ نے اسے ابو السہدی کی سند سے نقل کیا ہے کہ اس نے اسے اپنے باپ، دادا کے واسطے سے حضور نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل روایت بزیہ بن عبد اللہ بن فریب سے ان کے باپ اور دادا کے واسطے سے مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

يُوفِّى الْبَيْتُكُمْ كَمَا مَعِيَ ہے کہ جو چیز تم اللہ تعالیٰ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر و ثواب تمہیں دیا جائے گا اور وَانْتُمْ لَا تَظَلُمُونَ کا معنی ہے کہ تمہارا سے اجر و ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کسی نے جہاد کو جہاد کے لئے ساز و سامان دیا تو گویا اس نے خود جہاد کیا اور جس کسی نے جہاد کی عدم موجودگی میں اس کے گھروالوں کی دیکھ بھال کی تو گویا وہ خود جہاد میں شریک ہوا (3)۔ حقیق علیہ۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اونٹنی لے کر آیا جسے کھیل پڑی ہوئی تھی اور آ کر عرض کی یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا قیامت کے دن تیرے لئے اس کے بدلے سات سو اونٹیاں ہوں گی ان تمام کو کھیل پڑی ہوگی (4)۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا شریکین کے خلاف اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو (5)۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ حضرت خزیم بن ثاکب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں کچھ خرچ کیا تو اس کے لئے سات سو گنا تک (اجر) لکھا جاتا ہے (6)۔ اسے ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہاد کے لئے اس کا اپنا اجر ہے اور (تھیاریا) بنانے والے کے لئے اپنے بنانے کا اجر بھی ہے اور جہاد کا اجر بھی (7)۔ اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ حضرت علی، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوامامہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین تمام کے تمام رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے اپنا سامان بیچ دیا اور خود اپنے گھر میں ہی مقیم رہا تو اس کے لئے ہر درہم کے بدلے سات سو درہموں کا ثواب ہوگا اور جس نے نفسِ نفسِ جہاد میں شرکت کی اور اپنا مال خود خرچ کیا تو اس کے لئے ہر درہم کے بدلے سات ہزار درہموں کا ثواب ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاللَّهُ يَضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ (8)۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمن ابن حباب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اس وقت حاضر تھا جب حضور نبی کریم ﷺ حبش العسورہ (وہ لشکر جو غزوہ تبوک کے لئے گیا تھا) کی تیاری کے لئے لوگوں کو تہذیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جہاد کے لئے سوانت جھواؤں اور پالاؤں

- 1- تفسیر ربوئی، جلد 3 صفحہ 39 (انتہاریہ)
- 2- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 359 (اعلیٰ)
- 3- صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 137 (قدیمی)
- 4- صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 137 (قدیمی)
- 5- سنن نسائی، جلد 2 صفحہ 43 (نورمحمد)
- 6- جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 196 (ذرات تعلیم)
- 7- سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 342 (نورمحمد)
- 8- سنن ابن ماجہ، صفحہ 203 (ذرات تعلیم)

سمیت میرے ذمہ ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوبارہ لشکر کی تیاری کے لئے انگلیٹ دلائی۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پھر کھڑے ہو کر عرض کیا: اے نبی! جہاد کے لئے دو سواوت جھولوں اور پالانوں سمیت میرے ذمہ ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے پھر جذبات کو کمبیز لگائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! جہاد کے لئے تین سواوت جھولوں اور پالانوں سمیت میرے ذمہ ہیں۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ منظور کچھ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے اتر رہے تھے اور فرما رہے تھے اس کے بعد عثمان جو مل بھی کرے اس پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اس کے بعد عثمان جو مل بھی کرے اس پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ (ما علی عثمان ما عمل بعدہ هذا ما علی عثمان ما عمل بعدہ هذا۔) (رواہ الترمذی (۱)۔ اور حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب ہمیں مسرہ تیار ہوا تو اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لیکر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی گود مبارک میں وہ بکسیر دیئے۔ پھر میں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ انہیں اپنی گود میں الٹ پلٹ کر رہے ہیں اور ساتھ فرما رہے ہیں آج کے بعد عثمان نے جو مل بھی کیا وہ ان کے لئے ضرر رساں نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے یہ جملہ دو بار بار شاعر فرمایا: (ما حضر عثمان ما عمل بعدہ التوبہ مؤمنین) (رواہ احمد (۲)۔

وَإِنْ جَحَحُوا لِسَلَامٍ فَاجْتَمِعْ لَهُمْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۰﴾
 إِنْ يَرِيدُوا أَنْ يَخَذَعُوكَ فَإِنْ حَسِبَكَ اللَّهُ ۗ هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِصُورَةٍ
 بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾ وَأَلْفَ بَيْتٍ قَلْبُوهُمْ ۗ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا
 أَلْفَتَ بَيْتَنَ قَلْبُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ ۗ إِنَّكَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۲﴾

”اور اگر تم کو سلام کی طرف مائل ہو جائے تو آپ بھی مائل ہو جائیے اس کی طرف۔ اور اگر وہ دیکھے اللہ تعالیٰ پر۔ بیٹک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ ارادہ کریں کہ آپ کو جھو کر دیں (تو آپ لگ رہند کیوں ہوں) بیٹک کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ۔ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مؤمنوں (کی جماعت) سے۔ اور اسی نے اللت پیدا کر دی ان کے دلوں میں۔ اگر آپ فرج کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تو اللت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اللت پیدا کر دی ان کے درمیان بلاشبہ وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔“

۱۔ اور اگر تم کو سلام کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیے اور ان سے معاہدہ کر لیجئے۔ جنحو فعل لام اور انی کے واسطے کے ساتھ تھہری ہوتا ہے۔ مسلم کو ایو بکر نے سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی مسلم۔ اور باقیوں نے فتح کے ساتھ یعنی مسلم۔ مسلم (صلح) چونکہ حرب (جنگ) کی نقیض ہے اور یہ مؤنت ہے۔ اس لئے مسلم کی طرف راجع ضمیر لہذا۔ مؤنت ذکر کی گئی ہے۔

حسن اور قواد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ آیت قول باری تعالیٰ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ سے منسوخ ہے (۳)۔

۱۔ جامع ترمذی، جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ (ذرات تعلیم) ۲۔ مسند احمد، جلد ۵ صفحہ ۶۳ (ماور) ۳۔ تفسیر ربوئی، جلد ۳ صفحہ ۳۹ (انتہایہ)

کے اعتبار سے معنی یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اور آپ کے قسبین کے لئے کافی ہے۔ یہ لفظاً تو بعید ہے مگر معنی قریب ہے۔ بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ کل رفع میں ہے اور اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اور آپ کی اتباع کرنے والے مومنین آپ کے لئے کافی ہیں۔ یہ ترکیب لفظاً قریب ہے اور معنی بعید ہے لیکن اس کی تائید و روایت کرتی ہے جو ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ صحیح کے ساتھ حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ جب تینتیس مرد اور چھ عورتیں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایمان لائیں تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرف باسلام ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ ابو اسنیخ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اسلام لانے کے وقت یہ آیت نازل فرمائی **حَسْبُكَ اللَّهُ الْآيَةُ (2)** لہذا ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے سعید بن جبیر کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ اتنا بیس مرد اور عورتیں اسلام لائے تھے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شرف باسلام ہونے کے سبب ان کی تعداد چالیس ہو گئی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ الْآيَةُ (3)** بزرگمرد اللہ علیہ نے صحیح سنہ کے ساتھ عمرہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو مشرکین نے کہا آج ہماری قوم (کی طاقت) نصف ہو گئی ہے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (4)۔ مذکورہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیت مکی ہے جبکہ سیاق کلام اس کے مدنی ہونے کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ یہ سورہ پاک فرودہ بدر کے بعد نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۗ إِنْ يَأْتِكُمْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ
صَبْرُونَ يُغْلِبُوا مِائَتِينَ ۗ وَإِنْ يَأْتِكُمْ مِنْكُمْ فَمَا يَتَّعِلِمُوا ۗ أَلْفَاقِينَ ۗ الَّذِينَ
كَفَرُوا بِمَا كَانَتْهُمْ قَوْمًا لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٥﴾

”اے نبی ﷺ! برا بھینٹہ کہتے مومنوں کو جہاد پر لے آ کر ہوں تم سے بیس آدمی مہر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سے سو آدمی (مہر کرنے والے) تو غالب آئیں گے ہزار کا فردوں پر کیونکہ یہ کافر وہ لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے (اے مسلمانو!) ہے“

لے اے نبی کریم ﷺ! انہیں جہاد میں شریک ہونے کی بہت زیادہ ترغیب اور انگیزت دیجئے۔ حرض کا اصل معنی یہ ہے کہ مرض (بیماری) کا کسی کو اتنا کمزور کر دینا کہ وہ قریب المرگ ہو جائے۔ پس جس طرح مرض آدمی کے بدن کو کمزور اور عاجز کر کے ہلاکت پر مجبور کر دیتا ہے۔ اسی طرح حرض کا لفظ اس شدید ترغیب اور انگیزت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو مامور کو عاجز کر کے وہ کام کرنے پر مجبور کر دے (کس کے لئے اس کے سو کوئی چارہ کار نہ رہے)۔

یعنی اگر تم میں سے بیس آدمی ثواب کے حصول کی خاطر جنگ پر مہر کرنے والے اور ڈٹ جانے والے ہوں تو وہ اپنے دشمنوں میں سے دو سو افراد پر غالب آ جائیں گے۔ وَاِنْ يَأْتِكُمْ كُوْبُرًا وَاَوْ كُوْبُرًا نَعْمَ لَكُمْ فِيهَا ۗ وَلَئِنْ يَأْتِكُمْ مِنْكُمْ فَمَا يَتَّعِلِمُوا ۗ أَلْفَاقِينَ ۗ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانَتْهُمْ قَوْمًا لَا يَفْقَهُونَ ۗ

1- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 362 (اعلیٰ)

2- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 362 (اعلیٰ)

3- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 362 (اعلیٰ)

4- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 362 (اعلیٰ)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، ابن مردود یہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، ابن ابی شیبہ، احمد، ترمذی، ابن منذر اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے، ابن مردود یہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن منذر، ابو اسحاق، ابن مردود یہ اور ابو یوسف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے کہ جب غزوہ بدر کے دن قیدی لائے گئے تو ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جنہیں انصار میں سے ایک آدمی نے قید کیا تھا۔ پھر انصار نے انہیں قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ پس جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تو اپنے چچا عباس کی وجہ سے آج رات نیند نہیں آئی اور انصار نے یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں قتل کر دیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی تو کیا میں انصار کے پاس چلا جاؤں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں (تم جاؤ) چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انصار کے پاس آئے اور انہیں کہا تم عباس کو چھوڑ دو۔ انہوں نے جواب دیا ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ کی رضا اور خوشی اس میں ہے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ کی رضا اس میں ہے تو پھر انہیں لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں چلا لیا۔ جب عباس ان کے قبضے میں آگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اے عباس! اسلام قبول کر لے۔ تم بخدا! تیرا اسلام قبول کرنا میرے نزدیک (میرے ہاتھ) خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمہارے اسلام لانے کو رسول اللہ ﷺ بہت پسند کرتے ہیں (1)۔ امام بخاری اور بیہقی رحمہما اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ انصار کے کچھ افراد اجازت لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمیں اجازت عنایت فرمائیں کہ تم اپنے بھانجے عباس کا فدو چھوڑ دیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں قسم بخدا تم ان کا ایک درہم بھی نہ چھوڑو (2)۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا کہ ان قیدیوں کے بارے میں کیا حکم کیا جائے ہے۔ جنگ اللہ تعالیٰ نے جنہیں ان پر قدرت عطا فرمادی ہے اور یہ بھی تمہارے بھائی ہیں؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ کی اہل اور قوم کے افراد ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر کامیابی عطا فرمائی اور ان کے مقابلے میں آپ کی مدد فرمائی یہ سب چھڑا دے ہیں، خاندان کے افراد ہیں اور بھائی ہیں اس لئے انہیں باقی رکھئے قتل نہ کیجئے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان سے فدو لے لیں۔ پس جو مال ہم ان سے بطور فدیہ لیں گے وہ کفار کے خلاف ہمارے لئے باعث قوت ثابت ہوگا اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کی وساطت سے انہیں ہدایت عطا فرمادے اور یہ آپ کے دست و بازو ہو جائیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی، آپ کو اپنے شہر سے باہر نکال دیا اور آپ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ لہذا میری رائے ابو بکر کے نظریے کے موافق نہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک قریبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کی آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر قلم کر دوں تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دلوں میں شکرین کی قطعاً کوئی محبت نہیں۔ یہ لوگ قریش کے سردار ہیں، ان کے اہل اور قاصدین ہیں ان کی گردنیں مار دو کیجئے۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! دیکھئے وہاں کئی لکڑیوں سے بھری پڑی ہے بہت سی لکڑیوں کو آگ لگا کر انہیں اس میں پھینک دیجئے۔ پس

آیات نازل فرمائیں۔ (1)

مَا كَانَ لِيَوْمِي أَنْ يَتَّخُونَ لَكَ أَسْمَاءَ حَتَّىٰ يَمُوتُوا فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَصَ
الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْأُجْرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٥٠﴾

”نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کر لے زمین میں لے جا رہے ہو

دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لئے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور) دانتا ہے۔“ (1)

ابو جعفر اور ابو ہریرہ نے ان یٹھون کو تاء کے ساتھ ان یٹھون پر حابہ اور ہاتھوں نے یاہ کے ساتھ ہی پر حابہ ہے۔ انسوی کو ابو جعفر نے اساری پر حابہ ہے، جبکہ مسہور نے اسوی پر حابہ ہے۔ یفخن فی الازھض کا معنی ہے کافروں کو کثرت سے قتل کرے اور انہیں کزور کر دے اور کزور کو قتل و خواہر کر دے۔ جب بیماری کسی کو انتہائی کزور کر دے اور اس پر بوجھل ہو جائے تو کہا جاتا ہے انھضہ انھض۔ ترکیب کلام میں مفصل محدود ہے، اصل اس طرح یفخن الانسوی فی الازھض۔ کاموں میں ہے انھض فلاتا۔ یعنی اس نے ظان کو انتہائی کزور کر دیا اور انھض العود۔ یعنی اس نے دشمن کو خوب زخمی کیا۔

ع اے اہل ایمان! تم فدیہ لیکر حقیر دنیوی ساز و سامان کی خواہش کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ مشرکین کو قتل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی ہد کرنے کے سبب تمہارے لئے اجر و ثواب کا ارادہ فرماتا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور دانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ واقعہ غزوہ بدر کے دن کا ہے اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ پھر جب مسلمانوں کی تعداد کثیر ہوئی اور ان کی قوت و طاقت بڑھ کر ان کا اقتدار مضبوط ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد فَاِنَّمَا اتَّخَذْتُم مَّن دُونِ اللَّهِ مَنَاسِكُمْ كَمَا كُنتُمْ كُفْرًا اور نبی محرم ﷺ اور مومنین کو قیدیوں کے ہارے میں اختیار دے دیا کہ اگر چاہیں تو انہیں قتل کر دیں، چاہیں تو انہیں غلام اور لونڈیاں بنائیں، چاہیں تو فدیہ لیکر انہیں چھوڑ دیں اور اگر چاہیں تو انہیں بغیر فدیہ کے آزاد کر دیں۔ (2)

مسئلہ: تمام غلام کا اس پر ابناج ہے کہ امام وقت کے لئے قیدیوں کو قتل کرنا جائز ہے جہاں کہہ کر یہ آیت اس حکم پر دلالت کرتی ہے اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے نبی کریم کے ساتھ کیا تھا۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے حضرت بن حارث، طبعہ بن عدی اور عتبہ بن ابی معیط کو بھی گرفتار کرنے کے بعد ان کے لئے قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ کتب الارشاد میں لکھا ہے کہ عتبہ بن ابی معیط نے کہا اے محمد (ﷺ) بچوں کے لئے کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا آگ۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اسے ابن ابی اسفل نے قتل کیا اور ابن ہشام کے قول کے مطابق اسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

(1) قاضی ابوالفضل ہاشم رحمہ اللہ تعالیٰ نے خطا شریف میں لکھا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ مَا كَانَ لِيَوْمِي أَنْ يَتَّخُونَ لَكَ مَكَانَ لَسْبِي أَنْ يَكُونَ لَهُ اسوی۔ حضور نبی کریم ﷺ کو کسی گناہ یا جرم کا اہرام دینے کے لئے نہیں بلکہ اس میں تو آپ کی اس خصوصیت اور فضیلت کو جان کیا گیا ہے جو دوسرے تمام انبیاء و شہداء اسلام پر آپ کو حاصل ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا میرے لئے مال ہیئت حلال کیا گیا ہے اور یہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں تھا۔

قاضی ابوالفضل ہاشم رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ تو یوں میں خطاب صرف ان لوگوں کو ہے جن کا مقصد غنا و ثروتی ساز و سامان کا حصول اور اس کی کثرت تھا۔ یہ خطاب نہ صرف ضروری اصطلاح اسلام کو ہے اور نہ عام صحابہ کرام کو بلکہ حاکم کے یہ مروی ہے کہ غزوہ بدر کے دن جب شرکین ہلکتے خود ہو کر بھاگے تو لوگ جنگ چھوڑ کر مال ہیئت اکتھا کرنے میں مشغول ہو گئے تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پڑی تو نے لگا لگا کر دشمنوں کی پلٹ کر حملہ آور تہ جائے۔

1 تمہیر بغوی، جلد 3 صفحہ 41-40 (اتھارویہ) 2 تمہیر بغوی، جلد 3 صفحہ 42 (اتھارویہ)

مسئلہ: - قیدیوں کو غلام بنا کر رکھنا بھی بالاجماع جائز ہے کیونکہ اس میں ان کے شر اور ضرر سے بچاؤ بھی ہے اور اہل اسلام کے بہت سے فوائد بھی ہیں۔ حضرت امام عظیم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر فرمایا کہ غازیوں میں سے کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی قیدی کو امام وقت کی اجازت کے بغیر از خود قتل کر دے کیونکہ یہ اختیار فقط امام وقت کو تفویض کیا گیا ہے (کہ وہ جیسے مناسب اور نفع بخش سمجھے اسی کے مطابق فیصلہ کر دے) لیکن اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے اس پر کوئی بھی واجب الادا نہیں ہوگی۔

مسئلہ: - قیدیوں پر احسان کرنے کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً انہیں بغیر معاوضہ کے چھوڑ کر دارالحرب جانے کی اجازت دینا مالِ فدیہ لیکر دارالحرب بھیج دینا، بطور فدیہ مسلمان قیدیوں سے ان کا تبادلہ کرنا یا پھر انہیں ذمی بنا کر اپنے ہی ملک میں آزاد رہنے کی اجازت دینا۔ مذکورہ تمام صورتیں قَائِمًا مَتَابَعًا وَإِنَّمَا فِدَاؤُكُمُ هِيَ۔ ان کے بارے علماء کے مابین اختلاف ہے۔

حضرات امام مالک، امام شافعی، امام احمد، ثوری، اسحاق، حسن اور عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا، ان کے بدلے مال کی صورت میں فدیہ وصول کرنا اور (مسلمان) قیدیوں کے ساتھ ان کا تبادلہ کرنا سب جائز ہے۔ جبکہ حضرت امام عظیم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام ابو ذریبی، قتادہ، شاک، ہمدی اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ قیدیوں کو بلا عوض چھوڑنا تو بالکل جائز نہیں اور مال کی صورت میں فدیہ لیکر بھی قیدیوں کو آزاد کرنا امام عظیم ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مشہور مذہب کے مطابق جائز نہیں اور امام عظیم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ بطور فدیہ مسلمان قیدیوں سے ان کا تبادلہ بھی جائز نہیں۔ صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ نے بھی یہی کہا ہے لیکن آپ سے اظہر ترین روایت یہ ہے کہ مسلمان قیدیوں سے ان کا تبادلہ جائز ہے اور صاحبین نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ قیدیوں کو ذمی بنا کر دارالاسلام میں آزاد چھوڑ دینا تو اسے امام عظیم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے اور دلیل یہ قائم کی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل عراق اور شام کو ذمی بنا کر رکھا تھا لیکن امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ تو ملوک ہو چکے ہیں۔ (اور ملوک کو ذمی نہیں بنایا جاسکتا)۔ امام عظیم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ قیدیوں کو بلا معاوضہ یا فدیہ لیکر دارالحرب بھیجنا جائز نہیں اس کی علت یہ ہے کہ ایسا کرنا کفار کی مدد کرنے کے مترادف ہے کیونکہ وہ (دوبارہ) ہم پر ہی حملہ آور ہوں گے لہذا مال لیکر انہیں دارالحرب بھیج دینا جائز نہیں اور مسلمان قیدیوں سے ان کا تبادلہ بھی جائز نہیں کیونکہ مسلمان قیدی جب تک ان کے قبضہ میں رہے یہ مسلمان قیدیوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک آزمائش اور امتحان ہے۔ یہ ہماری طرف منسوب نہیں۔ لیکن کافر قیدیوں کو دارالحرب بھیج کر کفار کی مدد کرنا ہمارا فعل ہے جو ہماری طرف ہی منسوب ہے۔ (اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم کافر قیدیوں کو دارالحرب بھیج کر ان کی اعانت اور مدد نہ کریں)۔ جبکہ جہور کے قول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: قَائِمًا مَتَابَعًا وَإِنَّمَا فِدَاؤُكُمُ هِيَ۔ لیکن اس آیت طیبہ کے بارے میں حضرت امام عظیم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت اس ارشاد سے منسوخ ہے۔ قَائِمًا تَشْفِقْتُمْ فِي الْعَرْبِ فَسَيُذَوِّبُهُمْ مَن خَلْفَهُمْ اور ارشاد باری تعالیٰ قَائِمًا لَوْ أَنشُرْ كَيْفَ تَشَاءُ وَتَذَوِّبُوهُمْ تَبَعًا۔ لیکن جمہور کا موقف یہ ہے کہ آیت قَائِمًا مَتَابَعًا وَإِنَّمَا فِدَاؤُكُمُ هِيَ منسوخ نہیں کیونکہ ہم اوپر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر کر چکے ہیں کہ جب مسلمانوں کی تعداد اکثر ہوگی، ان کی قوت و طاقت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی قَائِمًا مَتَابَعًا نَعْدُ الْآيَةَ۔ اور ارشاد

باری تعالیٰ اَفْتَلُوا الْمُشْرِكِينَ سے مراد قیدی نہیں (بلکہ دوسرے مشرکین ہیں) کیونکہ قیدیوں کو بالا جماع غلام اور لونڈیاں بنانا جائز ہے۔ (انہیں قتل کرنا لازم اور ضروری نہیں) اور حضرت امام عظیم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا ہے کہ انہیں ذمی بنا کر دارالاسلام میں آزاد چھوڑ دینا بھی جائز ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اور ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مسلمان آدمیوں کا ایک مشرک (قیدی) سے تبادلہ کر لیا۔ امام احمد و امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ اور اصحاب سنن ابن ماجہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر فرمایا اور ہم نے ان کی زیر قیادت بنی فزارہ کے خلاف جنگ لڑی۔ پس ہمارے اور ان کے پانی کے درمیان ایک گھنٹی کی مسافت تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم وہیں فروکش ہو گئے۔ پھر ہم نے ان پر حملہ کیا اور ان کے پانی پر قبضہ کر لیا۔ پس وہاں جن کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا تھا وہ قتل ہو گئے۔ میں نے وہاں کچھ لوگوں کی طرف دیکھا جن میں ان کے بیٹے بھی تھے، تو مجھے ان کے بارے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ وہ مجھ سے پہاڑ پر پہنچ جائیں گے۔ پس میں پہاڑ اور ان کے درمیان حائل ہو کر ان پر تیر چبھنے لگا۔ جب انہوں نے تیر برستے دیکھے تو دوڑ کر گئے۔ پس میں ان کو ہانک کر لے آیا۔ ان میں بنی فزارہ کی ایک عورت تھی وہ چمڑے کی پرانی پونین پہنے ہوئے تھی اور اس کے ساتھ عرب کی ایک حسین ترین لڑکی بھی تھی۔ پس میں انہیں ہانکتا رہا یہاں تک کہ میں انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ تو آپ نے اس عورت کو وہ لڑکی مجھے عطا فرمادی۔ پھر ہم مدینہ طیبہ آئے اور میں نے راستے میں اس کا کپڑا اتک نہیں کھولا کہ بازار میں رسول اللہ ﷺ سے میری ملاقات ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے سلمہ! یہ عورت مجھے ہیہہ کر دو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو مجھے پسند تھی اور میں نے اس کا کپڑا اتک نہیں کھولا۔ آپ ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ جب دوسرا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ بازار میں مجھے ملے تو فرمایا اے سلمہ! اللہ تعالیٰ تجھے خیر عطا فرمائے یہ عورت مجھے ہیہہ کر دو۔ تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ کے لئے ہے قسم بخدا میں نے اس کا کپڑا اتک نہیں کھولا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اسے واپس بھیج دیا اور اس کے عوض مکہ مکرمہ میں جو مسلمان قیدی تھے وہ لے لے۔ (2)

ابن اسحاق اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا۔ تو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی (اپنے خاندان) ابو العاص کے فدیہ کے لئے کچھ سامان بھیجا اور اس میں آپ نے وہ ہارے بلور فدیہ بھیجا جو آپ کو ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ابو العاص سے شادی کے وقت جیز میں عطا فرمایا تھا۔ پس جب حضور نبی کریم ﷺ کی نظر اس ہار پر پڑی تو آپ ﷺ پر سخت رقت طاری ہو گئی۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا اگر تم مناسب خیال کرو تو زینب کے قیدی کو رکھ دو اور اس کا سامان بھی واپس لوٹا دو۔ پس صحابہ کرام نے حکم کی تعمیل کی (3)۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے اور یہ زائد بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ابو العاص کو اس وعدے پر ہانک دیا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے پاس بھیج دے گا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ وہ افراد جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بغلاموں آزاد فرمائے ان میں حضرت ابو ایوب

2- مسند احمد، جلد 4، صفحہ 51 (مسار)

1- جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 190 (ذرات العلیم)

3- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 367، مستدرک حاکم، جلد 3، صفحہ 236 (بصر اللہ علیہ)

انصاری رضی اللہ عنہ کا قیدی مطلب بن حطب تھا۔ آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ ایک ابو عزیحی تھا یہ محتاج آدمی تھا اس کی لڑکیاں ہی تھیں۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے محتاج ہونے اور عیالدار ہونے کا عذر پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرما کر اسے با عرض ربا کر دیا لیکن اس سے یہ عہد لیا کہ وہ آپ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا اس نے آپ ﷺ کی مدد میں چند اشعار بھی کہے لیکن وہ بھی فزادہ احد میں شریکین کے ساتھ مل کر شریک ہوا اور اسے قمار کر لیا گیا۔ اس نے بھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھ پر رحم فرمائے مجھے معاف کر دیجئے مگر آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بعد تیرے دشمن کا مکہ مکرمہ نہیں چھو سکیں گے تو یہ کہتا ہے کہ میں نے محمد ﷺ کو دو بار دعوہ کر دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی گردن مار دینے کا حکم فرمایا۔

تنبیل الشراذہ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فزادہ بدر کے جن قیدیوں سے جو مال فدیہ وصول فرمایا وہ بعض سے چار ہزار، بعض سے تین ہزار، بعض سے دو ہزار اور بعض سے ایک ہزار تھا اور بعض ایسے بھی تھے جنہیں آپ ﷺ نے با عرض ربا کر دیا کیونکہ ان کے پاس کوئی مال و مکان (عقار) (۱) - صحیح بخاری میں ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر معظم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے جان کے بارے میں بات کرتا تو میں ان تمام کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دیتا۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے یمامہ کی طرف چند شہسوار بھیجے تو وہ نبی صلیفہ کا ایک آدمی پکڑ کر لے آئے جسے ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا۔ پس صحابہ کرام نے اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے ثمامہ! تم میرے پاس کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرے پاس خیر اور بھلائی ہے۔ اسے محمد (ﷺ) اور آپ مجھے قتل کریں گے تو خون والے لوگوں کو نہیں گے اور اگر میری فرمائش کو شکر گزار پر میری فرمائش گے۔ اگر آپ مال کی خواہش رکھتے ہیں تو فرمائیے جو آپ چاہتے ہیں تو آپ ﷺ نے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر دوسرے دن آپ ﷺ تشریف لائے تو فرمایا اے ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے۔ تو اس نے وہی عرض کی جو کل تھا کہ آپ ﷺ نے پھر اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ تیسرا دن آ گیا۔ آپ ﷺ نے پھر اسے فرمایا اے ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟ تو اس نے وہی عرض کی میرے پاس وہی ہے جو میں نے آپ کو عرض کر دیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو۔ چنانچہ وہ مسجد کے کربیب واقع کھجور کے درختوں میں گیا اور غسل کیا۔ پھر مسجد میں داخل ہو کر پڑھا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ عرض کی اسے محمد ﷺ! ہم بخدا! اس سے قتل تلخ زمین پر کوئی چہرہ وہ آپ ﷺ کے چہرے سے بڑھ کر میرے نزدیک مشغوش نہیں تھا اور اب آپ ﷺ کا دین میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ ہم بخدا! میرے نزدیک آپ ﷺ کے شہرے سے بڑھ کر کوئی شہر مشغوش نہیں تھا اب آپ ﷺ کا شہر سب سے زیادہ پسندیدہ ہو گیا ہے۔ میں عمرے کے ارادہ سے نکلا تھا کہ آپ ﷺ کے گھوڑ سواروں نے مجھے پکڑ لیا اب آپ ﷺ کا کیا خیال ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے خوش کیا اور عمرہ کرنے کا حکم فرمایا۔ پس جب وہ مکہ مکرمہ آیا تو اسے کسی نے کہا تو اپنے دین کو چھوڑ دیا۔ تو اس نے جواب دیا نہیں بلکہ میں نے تو محمد ﷺ کا لایا ہوا دین اسلام قبول کیا ہے۔ ہم بخدا! اب تمہاری طرف یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی حضور نبی کریم ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں آئے گا (۳) وان اللہ اعلم۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ بدر کے دن حضور نبی کریم ﷺ نے قیدیوں کے بارے

1۔ سنن الہدیٰ وارشاد، جلد 4 صفحہ 69 (باطلیہ)

2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 443 (وزارت تعلیم)

3۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 94-93 (قدیمی)، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 452 (مسار)

میں لوگوں سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر قدرت عطا فرمائی ہے۔ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ انہیں قتل کر دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے امر ایش کر لیا (یعنی آپ ﷺ نے ان کی رائے کی طرف توجہ نہ فرمائی)۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی مناسب ہے کہ آپ انہیں معاف فرمادیں اور ان سے فدیہ قبول کر لیں۔ پس آپ ﷺ نے ان کی رائے کے مطابق انہیں معاف کر دیا اور ان سے فدیہ قبول فرمایا تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (1)

لَوْ كُنَّا كَيْفَ بَيْنَ يَدَيْهِ لَكُنَّا نَعْلَمُ مَا آخَذْتُمْ مِنْ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١﴾

”اگر نہ ہوتا حکم الہی پہلے سے (کہ عطا اجتہادی معاف ہے)۔ تو ضرور پہنچتی تھیں لوہے کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا“

۱۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو ہدایت عطا فرماتا ہے تو جب تک وہ تمام چیزیں بالوضاحت بیان نہ فرمادے جن سے بچنا اور اجتناب کرنا ان کے لئے لازم اور ضروری ہے تو وہ ہمیں ایسے کسی فعل کا ارتکاب کرنے کے سبب یہ تو کہہ کر اتر دیتا ہے اور نہ ہی انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور حکم نبی سے قبل کسی فعل کے کرنے سے ان کا مواخذہ نہیں کرتا۔ حسن، مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح بیان کی ہے۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم سے قبل کسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے مال خیمت حلال نہیں کیا بلکہ آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی تھی جو اسے کھا جاتی۔ پس جب بدر کے دن مسلمان اپنے لئے مال خیمت کی حلت کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس پر ٹوٹ پڑے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لَوْ كُنَّا كَيْفَ بَيْنَ يَدَيْهِ لَكُنَّا نَعْلَمُ مَا آخَذْتُمْ مِنْ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١﴾ (2) یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہلے ہی لوح محفوظ میں یہ فیصلہ موجود تھا کہ وہ تمہارے لئے مال خیمت حلال فرمادے گا۔ (اگر یہ نہ ہوتا تو وہ تمہیں عذاب میں مبتلا کر دیتا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لکھی تفسیر منقول ہے۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے لوح محفوظ میں پہلے سے یہ حکم موجود نہ ہوتا کہ وہ اجتہاد میں خطا کرنے والے کو سزا نہیں دے گا (تو وہ تمہیں سزا دیتا) اور یہ مسلمانوں کا اجتہاد ہی تھا کہ انہوں نے غور و فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگر ان سے فدیہ نہ لیکر انہیں چھوڑ دیا جائے تو اس سے ایک تو ان کی جان بچ جائے گی اور یہ ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب بن جائے گی اور پھر واقف ایسا ہی ہوا کہ جن لوگوں کو اس طرح چھوڑ دیا گیا تھا ان میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا تھا اور دوسرا ان سے لئے ہوئے مال فدیہ کے سبب جہاد کی قوت بڑھ جائے گی۔ (یعنی اس سے اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ خرید لیا) اور یہی ان کی اجتہاد کی غلطی تھی کیونکہ ان پر یہ امر مخفی رہا کہ ان کے قتل کے سبب اسلام کو غلبہ نصیب ہوتا، قوت کا اظہار ہوتا اور دوسرے کافروں پر خوف اور رعب چھا جاتا (اور بعد میں انہیں اسلام کے خلاف سے سازش کی جرات نہ ہوتی)۔ اور بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر پہلے سے لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوتا نہ ہوتا کہ وہ اہل بدر (1) کو عذاب

1۔ مسند امام احمد جلد 3 صفحہ 243 (سار) 2۔ جامع ترمذی جلد 2 صفحہ 134 (دور از قیام)

(1) بعض نے آیت کا معنی اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر قرآن جو کہ کتاب سابق ہے اس پر جہاد ایمان نہ ہوتا اور اس کے سبب تم درگزر کے ستمی نہ بن چکے ہوتے تو تمہیں ضرور سزا دی جاتی۔ اس کی مزید تفسیر اور وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ اگر تم قرآن کریم پر ایمان لانے والے نہ ہوتے اور ان میں سے نہ ہوتے جن کے لئے مال خیمت حلال کیا گیا ہے تو پھر تمہیں سزا دی جاتی۔ یہ تمام بیانات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ فدیہ نہ لینے (قبل اسکے اسلحہ پر)

علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ جب سابقہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے مال فدیہ لینے سے اپنے ہاتھ روک لئے (1) تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

فَكُلُوا مِمَّا عَمِلْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَفِيفٌ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥١﴾

”سو کھاؤ جو تم نے قیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

۱۔ فَكُلُوا ۚ ما فہم یہ ہے۔ یہاں سب محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے اَنْبَحْتُ لَكُمْ الْغَنَائِمَ فَكُلُوا (میں نے تمہارے لئے مال قیمت مباح قرار دیا ہے پس تم اسے کھاؤ)۔ حَلَالًا طَيِّبًا معنی ہے یا یہ محذوف مصدر کی صفت ہے۔ یعنی اَمْكَلًا حَلَالًا۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ عتاب کے سبب جو توشیح دلوں میں واقع ہوتی ہے اس سے اس کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی صفت طَيِّبًا کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔

۲۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے میں اس سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ تم نے جو فدیہ اور مال قیمت حاصل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے وہ تمہارے لئے مباح قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے چھ چیزوں کے ساتھ دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے اور آپ ﷺ نے ان میں سے ذکر فرمایا کہ غنائم کو میرے لئے حلال کیا گیا ہے (2)۔ ۱۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سالم بن بکر رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزوں کے ساتھ دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے اور ان میں سے ہے کہ میرے لئے مال قیمت کو حلال کیا گیا ہے اور یہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے بھی حلال نہیں تھا (3)۔ تیسری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے مگر اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے چار چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح حدیث نقل کی ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم سے قبل کسی کے لئے بھی مال قیمت حلال نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف اور عجز کو دیکھا تو اسے ہمارے لئے پاک و طیب بنا دیا (4)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث

گزشتہ سے بیست: ۱۔ سو اس سے کوئی نہ بچ سکتا۔ یہ ان کی رائے کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس میں ان کی مثل رائے کے لوگ بھی شامل ہیں۔ یعنی اس واقعے نے عتاب کو ثابت کیا اور اس میں عمر اور ان کی مثل رائے رکھنے والے نہات پائے۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سب سے پہلے قیدیوں کے قتل کی رائے دی تھی اس لئے ان کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ مگر عتاب نہ آیا کیونکہ تقدیر سابق میں فدیہ کا حلال ہونا لکھا جا چکا تھا۔
۲۔ اور وہی نے کہا ہے کہ اول تو یہ خبر ثابت ہی نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تب بھی یہ گمان کرنا جائز نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایسی چیز کا حکم ارشاد فرمایا جس کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں کوئی حکم دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ایسے قتل سے پاک ہونے کا اظہار فرمایا ہے، واللہ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 43 (تجاویز)

2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 188 (ذرات قیمیم)

3۔ تفسیر طبرانی، جلد 7، صفحہ 154 (المطہر، دارالم)

4۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 43 (تجاویز)

روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے لئے مالِ نسیئت حلال کیا گیا اور وہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا (1)۔
 و اللہ اعلم۔ علامہ ابنو رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بھی غزوہ بدر کے دن قیدی بنایا گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ان دس افراد میں سے ایک تھے جنہوں نے جنگ بدر میں شریک ہونے والے کفار کے کھانے کا ذرا اٹھایا ہوا تھا۔
 پس میں جنگ کے دن آپ رضی اللہ عنہ کی باری تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے میں اوقیہ سونا ساتھ لائے تھے۔ اس دن آپ رضی اللہ عنہ نے کھانے کا انتظام کا ارادہ کیا مگر جنگ شروع ہو گئی اور وہ میں اوقیہ سونا آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ہی باقی رہا اور پھر جنگ میں آپ کی گرفتاری کے ساتھ ہی وہ بھی پکڑا گیا۔ پھر انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ یہ گفتگو کی کہ وہ میں اوقیہ سونا آپ کے ہاتھ میں شام کا رکھا جائے مگر آپ ﷺ نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا وہی جسے تو مسلمانوں کے خلاف مدد کے لئے لے آیا ہے اسے میں تیرے لئے چھوڑ نہیں سکتا اور ساتھ ہی انہیں اس کا پابند کیا کہ وہ اپنے دو ہاتھوں میں بن ابی طالب اور نوزل بن حارث کا ہاتھ بھی لے لیں (2)۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے محمد (ﷺ) تو مجھے اس حال میں چھوڑے گا کہ میں جب تک باقی رہوں قریش سے مجھ پر ہتھیار نہیں لگے گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فإِنَّ النَّهْبَ الَّذِي ذَلَفْنَا إِلَى أُمِّ الْفَضْلِ وَفَتَّ حُرُوجَكَ مِنْ مَكَّةَ وَقُلْتَ لَهَا إِنِّي لَا أَذْرِي مَا يَنْصِبُنِي هِيَ وَنَهَيْتُ هَذَا فَإِنِ حَدَّثَ بَنِي حَدَثٍ فِهَذَا لَكَ وَلَعَبْدِ اللَّهِ وَلَعَبْدِ اللَّهِ وَالْفَضْلِ وَفِيهِ بَعْضُ نَبِيهِ الْأَوْفَعَةِ۔ (3) اور کہاں کیا جو کہ مکرر سے نکتے وقت تو نے ام الفضل کو دیا تھا اور یہ کہا تھا مجھے معلوم نہیں مجھے کون سے حالات پیش آئیں گے، اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ سونا تیرے لئے، عبد اللہ کے لئے، حمید اللہ، فضل اور حم کے لئے ہے۔ یعنی تیرے لئے اور چاروں بیٹوں کے لئے ہے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ آپ اس کے بارے کیسے جانتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے میرے رب نے خبر دی ہے۔ یہ سنتے ہی عباس بول اٹھے
 أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے بندے اور رسول ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلق اور واقف نہیں تھا (4)۔ ابن جریر، ابن حنفیہ، ابن ابی حاتم، ابن ماجہ، ابویہ، اسحاق بن راہویہ، بطرانی اور ابوالشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن اسحاق اور ابویہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کے دن قریش کے صحرا فراد کو قیدی بنایا ان میں عباس اور عقیل بھی تھے۔ تو آپ ﷺ نے ان پر چالیس اوقیہ سونا بطور فدیہ لگایا (5)۔ یعنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسہائیل بن عبد الرحمن سے نقل کیا ہے کہ عباس، عقیل، نوزل اور اس کے بھائی کاندہ یہ چار سو دینار تھا (4)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ جنگ بدر کے تمام قیدیوں میں سے سب سے زیادہ فدیہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا تھا کہ اسے ان کے ذمے ایک سو اوقیہ سونا تھا (5)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے کافر قیدیوں کا فدیہ یہ چار سو (نی گس) مقرر فرمایا (6)۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میرے پاس تو کوئی مال نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے

1- تفسیر ابنو، جلد 3 صفحہ 43 (بخاری) 2- تفسیر ابنو، جلد 3 صفحہ 43 (بخاری) 3- دلائل البیہ و تنقیح، جلد 3 صفحہ 143 (اعلیٰ)

4- دلائل البیہ و جلد 3 صفحہ 143 (اعلیٰ) 5- دلائل البیہ و جلد 3 صفحہ 141 (اعلیٰ)

6- سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 366 (ترمذی)

انہیں ارشاد فرمایا کہاں ہے وہ مال جو تو نے ام فضل کو دیا اور اسے یہ کہا تھا کہ اگر دو دن سفر مجھے کوئی حادثہ پیش آجائے تو میرے بیٹوں فضل، عبد اللہ اور حم کے لئے ہے۔ تو انہوں نے عرض کی قسم بخدا! میں نے ہاتھیں جان لیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں کیونکہ یہ ایسی وحی ہے جس کا علم میرے اور ام فضل کے سوا کسی کو نہیں تھا، واللہ اعلم۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما سو اوقیہ (زر) نقد یہ مقرر کیا گیا تھا اور بعض لوگوں نے چالیس کہا ہے اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ پر اسی اوقیہ نقد یہ لگایا گیا تھا (1) تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے یہ عرض کی کہ آپ نے مجھے رضی زندگی تک قریش میں سب سے زیادہ محتاج کر کے چھوڑا ہے (2)۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي آيَاتِنَا مِنْ قَبْلِ الْأَنْبِيَاءِ إِنْ يُعْلِمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا
يُؤْتِيَكُمْ خَيْرًا مِمَّا آخَذَ مِنْكُمْ وَيَعْفُو عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ۝

”اے نبی (محمد) آپ فرمائیے ان قیدیوں سے جو تمہارے قبیلہ میں ہیں، اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے اور بخشے گا تمہارے (قصور) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

ابن محمد بن یوسف صالحی نے تسبیح الارشاد میں ذکر کیا ہے کہ بدر کے قیدیوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اور عرض کی ہم تو مسلمان تھے ہمیں تو بالجر جنگ کے لئے نکالا گیا تھا پھر ہم سے نقد یہ کیوں لیا جا رہا ہے؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي آيَاتِنَا مِنْ قَبْلِ الْأَنْبِيَاءِ إِنْ يُعْلِمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا مِمَّا آخَذَ مِنْكُمْ وَيَعْفُو عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ۝ (3)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاموال میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم بخدا! یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی خبر دی اور آپ ﷺ نے یہ درخواست کی کہ میرا وہ ہیں اوقیہ سونا جو آپ ﷺ نے میرے ساتھ اپنی گرفت میں لیا ہے اسے میرے ذوق نقد میں شمار کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اسے ۶۰ کے عوض مجھے بیس غلام عطا فرمائے۔ ان میں سے ہر ایک میرے مال سے تجارت کرتا ہے (اور بخش مجھے ملتا ہے) اور اس کے ساتھ ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی بھی امید رکھتا ہوں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (میں اوقیہ کے بدلے) بیس غلام مجھے عطا فرمادیئے ہیں وہ تمام باجر ہیں اور کثیر مال کاتے ہیں وہ کم سے کم بیس اوقیہ کی بجائے بیس ہزار درہم کاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ماہِ مزمزم کی (تولیت) بھی عطا فرمادی ہے اس کے مقابلہ میں مجھے اہل مکہ کا تمام مال بھی پسند نہیں اور میں اپنے رب کی مغفرت کا منتظر بھی ہوں (4)۔ تسبیح الارشاد میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح مذکور ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے یہ پسند کیا کاش! آپ نے جو مال مجھ سے لیا ہے اس سے کئی گنا زیادہ لیا ہوتا۔ پس

1- سنن ابی داؤد، جلد 4 صفحہ 71 (اعلیٰ)

2- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 43 (اتقاریہ)

4- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 44 (اتقاریہ)

3- سنن ابی داؤد، جلد 4 صفحہ 71 (اعلیٰ)

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بہتر یعنی چالیس غلام عطا فرمادیئے ہیں ان میں سے ہر ایک کے قبضے میں میرا مال ہے جس سے وہ اور مال کما رہا ہے۔ (اور اس کا نفع میرے لئے ہے) اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی بھی امید رکھتا ہوں (1) واللہ اعلم۔

امام بخاری اور ابن سعد جہا اللہ تعالیٰ نے روایت ذکر کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس بحرین سے کچھ مال آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے مسجد میں سکھیر دو۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس سے مجھے بھی عطا فرمائیے کیونکہ میں نے اپنا اور عقیل کا نذیہ ادا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا لے لو۔ پس انہوں نے اپنا کپڑا بھرا لیا (2)۔ پھر جب اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اسے اٹھانا نہ سکے۔ تو عرض کی کسی کو ارشاد فرمائیے کہ مجھے اٹھوادے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے عرض کی پھر آپ خود ہی اٹھوادجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، پس انہوں نے کچھ مال کپڑے سے باہر نکالا اور پھر اٹھائے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور چل دیئے۔ وہ اسے لے جاتے وقت کہہ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرمادیا ہے۔ رسول اللہ مسلسل نگاہ اٹھا کر پیچھے سے انہیں دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ ہم سے اوچھل ہو گئے اور آپ ﷺ ان کی مالی حرص پر تعجب کتناں تھے جب تک اس مال میں سے وہاں درہم بھی رہا آپ ﷺ اپنی جگہ سے نہیں اٹھے۔

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَابَتَنَا فَقَدْ حَالُوا اللَّهُ مِنْ قَبْلِ مَا كُنْتُمْ مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

”اور اگر وہ ارادہ کریں آپ سے دھوکا پانا یا (تو حیرت کیوں ہو) انہوں نے تو دھوکہ کیا ہے اللہ سے پہلے ہی (اسی

لئے) تو اللہ تعالیٰ نے قابو سے دیا (تمہیں) (ان پر اور اللہ تعالیٰ علیم (و حکیم ہے)۔“

1۔ اگر وہ اس عہد کو توڑنے کا ارادہ کریں جو انہوں نے نذیہ کے عوض یا اس کے بغیر قید سے رہائی پاتے وقت آپ سے کیا (تو اس کا وبال اور اذیت انہی کو پہنچے گی)، (اور ان کا مہم شکنی کرنا تو باعث حیرت امرئیں) کیونکہ وہ اس سے قبل کفر اختیار کر کے اور بیباک السنث کو تو ذکر اللہ تعالیٰ سے تو دھوکہ کر چکے ہیں۔ یہ بیباک السنث بونہکم کے قول سے ماخوذ ہے۔ پھر انہیں عقیل عطا فرما کر جو جہدان سے لیا گیا انہوں نے اسے توڑ دیا۔ پس اسی وجہ سے بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کے قابو میں دے دیا۔ شرط کی جزاء محمد ص ہے اور اس کی دلیل کو ہی جزاء کے قائم مقام رکھ دیا گیا ہے۔ نقدیر کلام کچھ اس طرح ہے اگر وہ آپ سے دھوکہ بازی کا ارادہ کریں تو اس کا وبال انہی پر ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر قدرت عطا فرمادی۔ پس اگر انہوں نے دوبارہ ایسے کیا تو ہم دوسری مرتبہ بھی آپ کو ان پر قابو عطا کر دیں گے۔ جیسا کہ ہم نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ابوہریرہ صحابی کو بدر کے دن بغیر نذیہ کے آزاد کر دیا اور اس سے یہ مہم لیا کہ وہ ہمارے خلاف کسی کی امداد نہیں کرے گا لیکن وہ دوبارہ جنگ احد میں مشرکین کے ساتھ مل کر آیا اور گرفتار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم جاری فرمایا (3)۔ اور اللہ تعالیٰ اسے بھی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں انتہائی دانا اور حکیم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

أَوْ دَانَصْرَةَ أَوْلِيَاءَ بَعْضِهِمْ أَوْ لِأَيِّ بَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَمْ يَهَاجِرُوا وَلَا لَكُمْ
 قِيمٌ وَلَا لِيَتَمَنَّوْا قِيمَ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۗ وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ
 النَّصْرُ الْأَعْلَىٰ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللَّهُ يَسْمَعُ لِمَا يُعْسِلُونَ ۖ ۝۱۰

”یقیناً جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اور وہ جنہوں نے پناہ
 دی (مہاجرین کو) اور (ان کی) مدد کی۔ یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن
 ہجرت نہیں کی۔ نہیں تمہارے لئے ان کی وارثت سے کوئی چیز یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ مدد طلب کریں تم
 سے دین کے معاملہ میں تو فرض ہے تم پر ان کی امداد مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح) کا
 معاہدہ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔“

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی محبت میں اپنی قوم اور اپنے گھروں کو چھوڑا۔ یعنی
 جنہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اور انہوں نے اپنا مال ہتھیار اور گھوڑے خریدنے میں صرف کیا اور دیگر ضروریات و حاجات پوری
 کرنے کے لئے مال خرچ کیا اور اپنی جانوں سے جنگ میں شریک ہو کر اور ان تمام عبادات بند نہ کر کے عمل پیرا ہو کر جہاد کیا جن کا حکم اللہ
 تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مہاجر ساتھیوں کو مدینہ منورہ میں واقع اپنے گھروں میں پناہ دی اور اللہ
 تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی مدد کی یعنی انصار مدینہ یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ یہ اپنے کافر قریباہ
 کے دوست نہیں۔ پس اہل ایمان کے لئے کفار سے دوستی رکھنا جائز نہیں اور نشان کی مدد کرنا جائز ہے۔ اگرچہ وہ رشتہ میں ان کے آباء،
 بیٹے، بھائی یا خاندان کے دیگر افراد ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ آیت میراث کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ ہجرت کے سبب ایک دوسرے
 کے وارث ہوں گے۔ پس مہاجرین آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں نہ اپنے ذمہ داروں کے اور وہ آدمی جو ایمان تو لایا لیکن
 ہجرت نہیں کی وہ اپنے مہاجر ہونے سے دار کا وارث نہیں ہوگا۔ (یہی اصول قائم رکھا گیا) یہاں تک کہ کفار جو ہوا اور ہجرت کا حکم شتم ہو گیا تو
 پھر وہ اپنی قرابت داری کے مطابق ایک دوسرے کے وارث بننے لگے اور یہ حکم ارشاد باری تعالیٰ ذوالکواکب ہتھیار ہتھیار ہتھیار ہتھیار
 فی یکسب اللہ کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔ (۱)

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں۔ اگر اس سے مراد حکم میراث ہی ہو تو پھر بھی جب تک دو آدمیوں کو بیع کر یا ممکن
 ہو تو کسی ایک کے بارے میں شیخ کا قول کرنا جائز نہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ مہاجرین و انصار ایک دوسرے کے
 وارث بننے تھے نہ کہ قرابت دار تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرابت دار کافر تھے جو اختلاف دین کے سبب مہاجرین کے وارث نہیں بن سکتے
 تھے۔ (اور اختلاف دین آج بھی مانع ارث ہے) رہا ان کا مسئلہ جو ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی وہ اپنے رشتے دار مہاجر کے
 وارث نہیں ہوتے تھے تو اس کا سبب دونوں کے دار کا مختلف ہونا ہے (کیونکہ مہاجر دار الاسلام میں سکونت پذیر ہے جبکہ غیر
 مہاجر دار الحرب میں رہ رہا ہے اور یہ اختلاف دار آج بھی مانع ارث ہے)۔ لہذا جب کہ شیخ ہو گیا اور وہ بھی دار الاسلام بن گیا۔ ہجرت

کا حکم ختم ہو گیا اور تمام اہل مکہ اسلام لے آئے تو پھر وہ باہم قرابتاً رہنے کے سبب ایک دوسرے کے وارث بنتے گئے (کیونکہ اب میراث سے مانع اختلاف دین اور اختلاف دارین دونوں ختم ہو گئے) اور انصاری کا مہاجر کی میراث کا وارث بننا عقد موالیات کے سبب تھا اور عقد موالیات امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میراث کا سبب ہے بشرطیکہ میت کا کوئی نسبی یا نسبی وارث موجود نہ ہو اور عقد موالیات کا سبب وارث ہونا مانع کی عدم موجودگی میں منسوخ نہیں اور میت کے کسی قرابتاً راسم کے مدینہ طیبہ میں موجود ہونے کے باوجود مہاجر کا انصاری کی میراث لینا یا انصاری کا کسی مہاجر کا وارث بننا ثابت نہیں اور نہ آیت میں اس پر کوئی دلالت موجود ہے۔ لہذا آیت کے منسوخ ہونے کا قول کرنا جائز نہیں، واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں وہ لایمہ میں ولایت کو عمل اور صنعت کے مصادر سے تشبیہ دیتے ہوئے حمزہ نے واؤ کو مسموم بنا دیا ہے۔ جیسا کہ مکتبہ ادریس پبلشرز نے لکھا ہے کہ اس میں کام کرنے والے کی ولایت ہوتی ہے جو کہ مسلسل کام کر رہا ہوتا ہے۔ اس میں وہ اہل ایمان جنہوں نے ہجرت نہیں کی ان کی ولایت کی کوئی جگہ جاری ہے۔ یہاں نفی جی کے معنی میں ہے۔ مراد یہ ہے چونکہ وہ فریضہ ہجرت کو ترک کرنے کے سبب فاسق ہو چکے ہیں اس لئے ان سے دوسری مدت تک وہ ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صالح اور نیک بندہ مومن کا فاسق مومن سے دوستی کرنا اس وقت تک مکروہ ہے جب تک وہ فاسق ہو رہے ہیں اور اگر ولادت سے مراد میراث ہے تو پھر آیت اس امر پر حجت ہے کہ اختلاف دارین میراث کے مانع ہے۔

علاوہ مومنین جنہوں نے ہجرت نہیں کی اگر وہ اہل حرب میں سے اپنے دشمنوں کے خلاف تم سے مدد طلب کریں تو دشمن کے خلاف ان کی مدد کرنا تم پر واجب ہے مگر ایسی قوم کے خلاف نہیں جب کہ درمیان اور تمہارا سے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو کیونکہ معاہدہ توڑنا جائز نہیں۔ سبکی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوہندل کی کوئی مدد نہیں فرمائی۔ یہ تفصیلی واقعہ سورہ فتح میں ذکر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔ اس آیت میں حدود شرعیہ سے تجاوز کرنے سے ڈرانا اور وہ کتنا مقصود ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْبَعُصُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ ۗ أَلَا تَتَعْلَمُونَ كَيْفَ يَكُونُ فِتْنَةُ فِي الْأُمَمِ ۗ وَقَسَادٌ كَيْفَ يَكُونُ ۗ

”اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے ممانعتی ہیں۔ اگر تم ان کے عملوں پر عمل نہیں کرو گے تو پھر پاپا جائے گا۔ کفار تمہارے میں اور (کھیل جائے گا) بڑا فساد ہے۔“

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مومنین کے لئے کفار سے دوستی قائم کرنا اور ان کی مدد کرنا جائز نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی مسلمان کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا (۱)۔ اس حدیث کو حضرت اسامہ بن زید سے شیخین نے صحیحین میں اور اصحاب سنن اربعہ نے نقل کیا ہے۔ اور ہم نے تفصیلی مسئلہ سورۃ النساء کی آیت میراث کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ:۔ مسوط میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر دار الحرب کے کچھ کافر اپنے ہی دار کے کافروں کی ایک ہستی پر حملہ آور ہو جائیں اور اس ہستی میں مسلمان سنا سن بھی سکوت پزیر ہوں تو ان مسلمانوں کے لئے حملہ آور کفار سے لڑنا جائز نہیں۔ بشرطیکہ انہیں اپنی جانوں کے

بارے کوئی خوف نہ ہو کیونکہ جنگ میں اپنے آپ کو ہلاک ہونے کے لئے پیش کرنا ہوتا ہے اور بندہ ایسا ہی کر سکتا ہے جبکہ اس سے مقصود اعلا بکلمتہ اللہ اور دین کا غلبہ ہو یا پھر اپنی جان سے ضرر اور تکلیف کو دور کرنا اور جب سے اپنی جان کے بارے کوئی خوف نہ ہو تو پھر اس کی لڑائی فقط اپنی ہستی کے کفار کی سر بندی کے لئے ہوگی اور یہ مومن کے لئے جائز نہیں۔

مسئلہ - دارالحراب کے وہ کفار جن کے ساتھ مسلمان مستامن بھی رہائش پذیر تھے اگر ان کفار نے باہر کے مسلمان گروہ پر حملہ کر دیا اور ان کے بیوی بچوں کو قید بنا لیا۔ پھر وہ انہیں لیکر اپنے ساتھ رہنے والے مستامن مسلمانوں کے پاس سے گزرے تو ان مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ کفار سے لڑیں اور ان کے قبضے سے مسلمان قیدیوں کو آزادی دلا لیں کیونکہ کفار مسلمانوں پر قبضہ کرنے کے باوجود ان کے مالک نہیں بنتے۔ لہذا جب تک یہ قیدی ان کے پاس رہیں گے تو یہ ان مسلمانوں کی طرف سے ظلم کی حمایت اور تائید ہوگی اور مسلمانوں کی طرف سے ان کا معادہ اور ضمانت نہیں۔ ہاں اگر وہ کفار مسلمانوں سے مال تحمین کر لے آئیں تو چونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال دارالحراب میں منتقل کرنے کے ساتھ ہی وہ اس کے مالک بن جاتے ہیں اور ان کے ساتھ رہنے والے مسلمانوں نے یہ معادہ کر رکھا ہے کہ وہ ان کے مالوں سے قطعاً تعرض نہیں کریں گے (اس لئے اس صورت میں مسلمانوں کا ان کفار سے لڑنا اور ان سے اپنے خارجی مسلمان برائوں کی گمان و آزار کرنا جائز نہیں)۔

ج۔ اور تمہیں ایک دوسرے کے ساتھ دوہی اختیار کرنے، باہم ایک دوسرے کی مدد کرنے اور کفار کے ساتھ اپنے تعلقات منقطع کرنے حتیٰ کہ رشتہ میراث تک توڑنے کا جو حکم دیا گیا ہے اگر تم سے اس کے مطابق عمل نہ کیا تو زمین میں بہت بڑا فتنہ برپا ہو جائے گا یعنی کفر غالب آجائے گا اور جہاد ترک کرنے اور مسلمانوں کے کفار کے ساتھ احمطہ کی بنا پر اسلام کمزور ہو جائے گا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَاؤُا وَنَصَرُوا
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ مَغْفِرَةٌ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۖ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۱۰۰﴾

”اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی (خوش نصیب)

لوگ سچے ایماندار ہیں۔ انہیں کے لئے بخشش ہے اور باعزت روزی ہے۔“

۱۔ اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا سے مراد یہ ہے کہ وہی لوگ کامل ایماندار ہیں، اپنے دعویٰ اسلام میں سچے ہیں اور یہ امر بالکل حق ہے کیونکہ انہوں نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے اپنے ایمان کو ثابت کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی، مال اور جان خرچ کئے اور حق کی نصرت و مدد کی بخلاف ان لوگوں کے جو ایمان تو لائے لیکن نہ تو ہجرت کی اور نہ ہی جہاد کیا۔ کیونکہ اگرچہ ان پر ذَالِہِیْنَ آمَنُوْا تحت مومن کا اطلاق کرنا صحیح ہے۔ لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی اس لئے وہ کامل ایماندار نہیں اور ان کے دعویٰ اسلام کی صداقت تحقق ہے بلکہ ان میں نفاق کا احتمال ہے۔ بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ شاید آیات میں نکرار آ گیا ہے، حالانکہ فی الحقیقت یہ نکرار نہیں بلکہ پہلی آیت باہم ایک دوسرے سے صحبت و دوہی اور آپس میں ایک دوسرے کی حمایت و تائید کرنے کے حکم کے بارے نازل ہوئی اور یہ آیت ان لوگوں کی مدد و ستائش اور ان سے مغفرت اور رزق کریم کے وعدہ کے

سے ذکر کی گئی ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث طیبہ پہلے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام اپنے سے پہلے (گناہوں اور جرائم کو) شتم کرتا ہے اور ہجرت اپنے سے پہلے گناہوں کو گرا دیتی ہے۔ (1)

جاننا چاہئے بعض وہ مہاجرین ہیں جو پہلی ہجرت والے مہاجرین کہلاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی اور بعض وہ ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں ایک مرتبہ حبشہ کی طرف اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ کی طرف۔ ان میں حضرت عثمان غنی اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما وغیرہ تھے اور بعض وہ مہاجرین ہیں جو دوسری ہجرت کرنے والے مہاجرین کہلاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلے حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی۔ مذکورہ آیت میں پہلی ہجرت کرنے والوں کی فضیلت کے سبب ان کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر آگے آنے والی آیت میں دوسری ہجرت کرنے والوں کا ذکر دیا گیا اور ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ وَأُولَٰئِكَ
الْأَشْحَابُ لَمْ يَجْعَلْهُمُ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ قَوْمًا مُّشْرِكِينَ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

”اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا تمہارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں۔ اور رشتہ دار (دوسرے) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ حکم الہی کے مطابق یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے۔“

یعنی وہ لوگ جو صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے، ہجرت بھی کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا تو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں۔ یہ خطاب انصار اور پہلے مہاجرین کو ہے کہ بعد میں ہجرت کرنے والے بھی تم میں شامل ہیں اور تمہاری ہی جنس سے ہیں۔ لہذا تم آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہو اور ایک دوسرے وارث بھی ہو۔

عمرات اور صلہ رحمی میں مومنین میں سے باہمی رشتہ دارا جنہوں کی نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں، یہ آیت سابقہ آیت کے مفہوم کے منافی نہیں بلکہ معنی ہے کہ اگر مومن کا کوئی قرعی رشتہ دار ہو تو وہ بقیہ تمام مومنین کے مقابلہ میں وارث کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ پس اگر اس کا شمار ان قرابتداروں میں سے ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں کیا ہے تو وہ کسی اور کی نسبت زیادہ حقدار ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے میراث میں سے جو حق اسے دیا ہے اس کے مطابق میراث اسے ہی دی جائے گی۔ اور اگر ان قرابتداروں میں سے کوئی نہ ہو بلکہ ان کے علاوہ کوئی دور کا رشتہ دار ہو تو جنہوں کی نسبت وہ بھی میراث کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ اس آیت کا سبکی مفہوم ہے اور یہی طرح حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد بھی ہے۔ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث مومن ہوگا (1)۔ ہم نے یہ حدیث سورۃ النساء میں ذکر کر دی ہے۔ پس یہ آیت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف کے خلاف جنت ہے کہ اگر میت کے لئے ذوقی الفروض و عصبات اور ذوقی الارحام میں سے کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ مفصل مسئلہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ اور اگر (مرنے والے) مومن کا کوئی بھی رشتہ دار مومن نہ ہو تو پھر اس کے وارث تمام مسلمان ہوں گے جیسا کہ پہلی آیت میں ذکر ہو چکا

ہے۔ لہذا اس کا سامان تمام مسلمانوں کے لئے بیت المال میں جمع کر لیا جائے گا۔
 ۳۔ فی کتیب اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تقسیم کے مطابق یا یہ معنی ہے کہ لوح محفوظ میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ وکتب اللہ
 تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اسی سے میراث بھی ہے اور اس کا تعلق قرابت، اسلام، دلاء اور نکاح سے قائم کرنے کی حکمت سے
 بھی اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے، واللہ اعلم۔

تمت بالخیر

آج مورخہ 17 اگست 2000ء بروز سوموار بوقت 6 بجکر 25 منٹ پر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے سورۃ الانفال کا ترجمہ پایہ تکمیل
 کو پہنچا۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ۔





سورہ توبہ کے اسماء

حضرت ابوعلیہ الہمدانی سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے غوزروں کی طرف کھٹا کہ سورہ براءت تم خود لکھو اور سورہ النور کی تعلیم اپنی عورتوں کو دو (1)۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ براءت میں جہاد پر براہِ کفایت کیا گیا ہے اور سورہ نور میں پردہ کے احکام ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا سورہ براءت اور سورہ انفال کو زمانہ نبوت میں القوریتین کہا جاتا تھا اس لئے میں ان کو صحیح الطوال سورتوں میں جمع کر دیا ہے۔ (2)

اس سورت کے بہت سے اسماء ہیں: (1) براءت: اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کفار کے تمام معاہدوں سے براءت کی گئی ہے۔

(2) توبہ: کیونکہ اس میں مومنین کی توبہ کا تذکرہ ہے۔

(3) معشقة: ابوالفتح اور ابن مردودہ نے ذہبی بن اسلم بن عبد اللہ بن عمر کی سند سے روایت کیا ہے چونکہ یہ نفاق سے براءت کا اظہار کرتی ہے اس لئے اس کا نام معشقة رکھا گیا ہے (3) معشقة کا معنی نفاق سے براءت کا اظہار کرنا ہے۔

(4) المبعثرة: ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے اس نام کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس میں لوگوں (منافقین) کے اسرار سے پردہ اٹھایا گیا ہے (4)۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو ابن ابی حاتم، الطبرانی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابی راشد حرانی عن مقداد بن اسود کی سند سے بھی روایت کی ہے۔

(5) المشیوۃ: ابن المنذر، ابوالفتح اور ابن ابی حاتم نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس نام کی وجہ یہ روایت کی ہے کہ یہ نفاق کو بھیرتی ہے، اس کا پردہ چاک کرتی ہے اور منافقین کی خفیہ حرکتوں کو ظاہر کرتی ہے۔

(6) المنکحۃ: (سزا دینے والی)، (7) المصلدۃ: (ہلاک کرنے والی)، (8) سورہ خطاب:

ابن ابی شیبہ، الطبرانی اور ابوالفتح اور الحاکم اور ابن مردودہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا جس سورت کو تم سورہ توبہ کہتے ہو وہ سورہ خطاب ہے۔ قسم بخدا اس نے کسی کو نہیں چھوڑا مگر پھر اس کا ذکر دیا۔ ابوعبیدہ ماہن المنذر، ابوالفتح ابن مردودہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی سورہ خطاب نام نقل کیا ہے۔

(9) الفاضحۃ: (رسوا کرنے والی) چونکہ اس سورہ پاک نے منافقین کے قلبی منصوبوں کو بیان فرمایا کہ انہیں رسوا کر دیا تھا۔ علامہ ابنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورہ توبہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ الفاضحۃ (رسوا کرنے والی) ہے یہ نازل ہوئی رہی حتیٰ کہ لوگ خیال کرنے لگے کہ یہ کسی منافق کا ذکر چھوڑے گی نہیں۔

فرماتے ہیں پھر میں نے سورۃ انفال کے متعلق پوچھا تو فرمایا یہ سورۃ بدر ہے پھر میں نے سورۃ حشر کے بارے پوچھا تو فرمایا اسے سورۃ
النصر کہو۔ (1)

سورۃ توبہ کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ شریف نہ لکھنے کی وجہ

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے، امام احمد، ابوداؤد و نسائی، ابن حبان، الحاکم، برتذلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تم نے سورۃ انفال اور سورۃ براءت کو طاردا ہے اور ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ شریف نہیں لکھی اور تم نے اسے سبع الطوال میں ذکر کیا ہے حالانکہ سورۃ انفال ہشتائی میں سے اور سورۃ توبہ مثنیٰ (جن کی دوسو کے قریب آیتیں ہیں) میں سے ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر مختلف سورتوں کی آیات نازل ہوتی تھیں۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کا جان وحی کو ہلاتے، جو قرآن نکلا کرتے تھے اور فرماتے اس آیت کو اس سورت میں لکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔ سورۃ انفال ہجرت کے بعد پہلے نازل ہوئی اور آخر میں سورۃ براءت نازل ہوئی (2)۔ سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کا قصہ آپس میں مشابہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا لیکن آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا تھا کہ سورۃ توبہ سورۃ انفال کا جزو ہے اس لئے میں نے ان کو جمع کر دیا ہے اور ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الخ نہیں لکھی اور میں نے اسے سبع الطوال میں لکھا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں بسم اللہ الخ نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورۃ امان کو اٹھانے کے لئے نازل کی گئی تھی جبکہ بسم اللہ امان ہے اس طرح ابوالفتح، ابن مردودہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سورۃ براءت سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کیوں نہیں لکھی جاتی تو آپ نے فرمایا کیونکہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ امان ہے جبکہ سورۃ براءت کا نزول جنگ کرنے کے متعلق ہوا ہے (3)۔ بعض علماء فرماتے ہیں صحابہ کرام کا اس بات میں بھی اختلاف تھا کہ سورۃ براءت اور سورۃ انفال ایک سورت ہے یا علیحدہ علیحدہ دوسورتیں ہیں۔ بعض کا خیال یہ تھا کہ سورۃ انفال اور توبہ ایک سورت ہے جو جنگ کے متعلق نازل ہوئی اور یہ سبع الطوال میں ساتویں سورت ہے۔ بعض فرماتے تھے کہ یہ دوسورتیں ہیں۔ پس ان کے درمیان جگہ خالی رکھی گئی ان صحابہ کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے جو انہیں دوسورتیں قرار دیتے ہیں اور جو انہیں ایک سورت قرار دیتے تھے ان کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھی نہیں گئی۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ تہوک کی طرف تشریف لے گئے تو منافقین نے جھوٹے پروپیگنڈے کرنے شروع کر دیے جن کی وجہ سے مسلمان بہت پریشان و مضطرب تھے اور مشرکین نے ان معاہدوں کو توڑنا شروع کر دیا جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان طے پائے تھے (4)۔ میں کہتا ہوں مشرکین کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی یہ بے سرد سامان مٹھی بھر فوج قیصر شام سے مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عہد شکنی پر اپنے محبوب مکرم ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ بھی ان سے معاہدوں کی تصحیح کا اعلان فرمادیں۔

2- تفسیر بغوی جلد 3 صفحہ 45 (اتھاریہ)

4- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 46 (اتھاریہ)

1- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 45 (اتھاریہ)

3- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 377 (اعلیٰ)

﴿ اسباق ۱۲۹ ﴾ ﴿ سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ ۹ ﴾ ﴿ مَكِّيَّةَاتُهَا ۱۶ ﴾

﴿ بِرَأْسِ آيَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَأُولِيهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ ﴾
 "یقیناً تعلق (کا اعلان) ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا مشرکوں میں سے۔"

۱۔ جانِ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب مشرکوں نے اپنے عہد و پیمانہ کو توڑ دیا ہے تو اللہ اور اس کا رسول بھی ان سے کئے گئے وعدوں کے ایفاء سے بری ہیں (۱)۔ ہر آءِ قہ، معاہدہ کی ضد ہے اور یہ مصدر ہے جیسے نشاء، اور کثافتہ مصادر ہیں۔ من ابتداء یہ ہے جو مخذوف سے متعلق ہے، اصل عبارت اس طرح ہوگی وَاصِلَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ اور یہی گناہ ہے کہ ہر آءِ قہ، مبتداء ہو کیونکہ صفت کی وجہ سے مخصوص ہو گیا ہے اور خبر اِیْ الذِّیْنَ عَاهَدْتُمْ ہو۔ یعنی اسے میرے بر گزیدہ رسول اور جانکار رسول! تم نے جو معاہدہ کیا ہے مشرکین سے۔ قَبْلِ الْيَوْمِ كَيْفَ تَمُوتُونَ اِسْمُ مَوْصُولٍ كَمَا بَيَّنَّا هُوَ۔ ہر آءِ قہ کو اللہ اور اس کے رسول سے متعلق کیا گیا ہے اور معاہدہ کا تعلق رسولِ کریم ﷺ اور مؤمنین سے فرمایا ہے۔ اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ جو تم نے معاہدہ کیا تھا اس کا تم پر توڑنا واجب ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول نے ہر آءِ قہ کا اظہار کر دیا ہے۔

فَوَيْحُوا لِلَّذِينَ اضْرَأْبَلَّةَ أَشْهُدُ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ عَيْدٌ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ
 اللَّهُ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝

"(اے مشرکوں!) پس چل پھر لو ملک میں چار ماہ اور جانِ مال کو تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو!"

۱۔ اس کلام میں التفات ہے کہ پہلے ان سے کلامِ غالب کے سینوں کے ذریعے کی گئی اور اب مخاطب کے سینوں سے کلامِ فرمائی ہے۔ یا یہ معنی کسے پیارے محبوب ان سے کہہ دو کہ اے مشرکوں تمہیں چار ماہ میں اس ملک میں آنے جانے کی کھلی چھٹی ہے بلا خوف و تردد گھومو پھرو۔ السباحة کا معنی آزادی سے چلنا پھرتا ہے اور یہ حقیقت بھی دل میں پھیلنا کہ تم تو خدا سے چھپ سکتے ہو اور نہ اس سے بچ سکتے ہو۔ اگر چنانچہ تمہیں چار ماہ بہت دلی ہے وہ دنیا میں کافروں کو کھل اور تہیہ دہ چار ماہ کے اور آخرت میں عذاب دے گا۔ اگر ہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چار ماہ سے مراد شوال، ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں کیونکہ یہ آیت شوال میں نازل ہوئی تھی (۲)۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس چار ماہ مدت کا آغاز حجِ اکبر کے دن سے ہوا تھا اور اختتام دس ربیع الثانی کو ہوا تھا (۳) کیونکہ آئندہ آیت اس کی تائید کرتی ہے۔

وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَسَأُولِيهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ
 الْمُشْرِكِينَ وَسَأُولُهُ فَأَنْ تَبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا
 أَنَّكُمْ عَيْدٌ مُعْجِزِي اللَّهِ وَيَسِّرُ اللَّهُ لِكُفْرٍ وَابْعَادٍ آلِيمٍ ۝

”اور اعلان عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لئے بڑے حج کے دن حج کہ اللہ تعالیٰ بری ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی حج اب بھی اگر تم تاب ہو جاؤ تو یہ بہتر ہے تمہارے لئے حج اور اگر تم منہ بھیر رہو تو خوب جان لو کہ تم نہیں عاجز کر نے والے اللہ تعالیٰ کو ہے اور خوشخبری سناؤ کہ فرسوں کو درناک عذاب کی ہے“

لہذا ان اس کا معنی اعلان ہے۔ یہ فعال کے وزن پر افعال کے معنی میں ہے جیسے امان اور عطا افعال کے وزن پر ہیں لیکن افعال (مصدر) کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اسی سے اذان الصلاۃ ہے (نماز کا اعلان کرنا)۔ عرب کہتے ہیں اذنتہ فاذن یعنی میں نے اسے بتایا تو وہ جان گیا۔ اس کی اصل اذن سے ہے، یعنی کسی کے کان میں کوئی بات ڈالنا۔ اس کے مرفوع امر اب کی وجہ وہی ہیں جو براء ف کے متعلق تشریح کی ہیں۔

ع علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عمرہ رمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوم الحج الاکبر (۱) سے مراد یوم عرفہ روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب، ابن عمر اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما (ب) سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے عطاء، طاہاس، مجاہد اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔

میں کہتا ہوں اس قول کی اصل آپ ﷺ کا ارشاد الحج عرفہ ہے (۱)۔ اس ارشاد کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم، دارقطنی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے سعید بن جریج بن سعید بن مسروق بن جریج سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوم عرفہ و هذا یوم الحج الاکبر (۲) عرفہ کا دن اور یہ حج اکبر ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک جماعت علماء کا خیال ہے کہ یہ دسویں ذی الحجہ ہے (۳)۔ یعنی یوم الحج الاکبر سے مراد یوم النحر ہے۔ یعنی بنی النحر از سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نجر برسوار ہو کر دس ذی الحجہ کو جان کی طرف جا رہے تھے ایک شخص آیا اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی سواری کی لگام پکڑ کر یوم الحج الاکبر کے متعلق پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آج کا دن ہے سواری کا راستہ چھوڑ دو۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے یوم الحج الاکبر کے متعلق دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ یوم النحر ہے (یعنی دس ذی الحجہ ہے) (۴)۔ اس حدیث کی شاہد ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عبد اللہ بن اوفی اور سفیر بن شعبہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور شعبی، سعید بن جبیر اور سعدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ میں کہتا ہوں ابوداؤد اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے

1- جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 108 (ذرات تعلیم) 2- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 382 (اعلیٰ)

3- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 49 (التاریخ) 4- جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 136 (ذرات تعلیم)

(۱) حضرت مسن رضی اللہ عنہ سے حج اکبر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ سال ہے جس میں سیدنا مدین اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تھا، آپ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا۔ اس موقع پر سلمان اور مشرک سب حج تھے۔ اس لئے اس حج کو حج اکبر کہا جاتا ہے اور اس دن بیوہ انصاری کی عیسیٰ مواتی ہو گئی تھی۔

(ب) حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو ذر اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک نے نبی کریم ﷺ سے سنا تب تک آپ اس آیت کو بعد کے دن شہر پر چڑھ رہے تھے، ایک نے دوسرے سے پوچھا یہ آیت کب نازل ہوئی۔ جب نماز مکمل ہو گئی تو سوال کرنے والے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارا جسد نہیں ہوگا، فطرس حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سلا کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج اور حج کیا ہے۔

کافۃ کے ارشاد کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔ گویا حکم عام ہے یعنی حرمت والے لمبیتوں میں اور غیر حرمت والے لمبیتوں میں برابر ہے۔ یہ فتاویٰ رحمۃ اللہ علیہ، عطا الخراسانی، زہری، سفیان الثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کو ہوازن کے ساتھ جنین میں اور ثقیف کے ساتھ طائف میں جنگ کی تھی اور ان کا محاصرہ کیا تھا تو وہ شوال اور بعض ذی القعدہ کے ایام تھے۔ یہ قول میرے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً يَوْمَ اِنَّ عِدَّةَ الْهُجُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اَشْهُرٌ اَعْرَسَ فِيهَا الْكُفْرُ الْاَنْثَوِيَّةُ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ وَارْتَضَىٰ مِنْهَا اَرْبَعَةً سُوْرًا فَاُولٰٓئِكَ الْاَيُّمُ الْقَدِيْمَةُ كَاتِبَةٌ ہے۔ پس تم اپنے آپ ان لمبیتوں میں علم نہ کرو اور تمام شرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تمہارے ساتھ کرتے ہیں۔ جبکہ تاریخ کے لئے منسوخ سے متاثر ہونا ضروری ہے، اور خصوصاً کافۃ کا قول بھی یہاں مقصود نہیں ہے اور قاتلوا المشرکین کافۃ عام ہے، حرمت اور غیر حرمت والے تمام لمبیتوں کو یہ حکم شامل ہے، یہ کہنا بھی باطل ہے کیونکہ یہ افرادی عمومییت پر دلالت کرتا ہے زمانہ کے عموم پر دلالت نہیں کرتا۔ اور آپ ﷺ کا ذی القعدہ میں طائف کا محاصرہ کرنا اخباراً عامہ کے ساتھ ثابت ہے اور اخباراً عامہ کے ساتھ کتاب کا نسخ نہیں ہو سکتا اور یہ دلیل ویسے بھی درست نہیں کیونکہ سورہ توبہ کا نزول غزوہ طائف کے بعد ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے دس ذی الحجہ کو حجۃ الوداع کے موقع پر وصال سے (اسی دن) پہلے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ زمانہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے دن سے اپنی ایت پر گردش کر رہا ہے سال بارہ لمبیتوں کا ہے ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں تین سواتر ہیں ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے (1)۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی صحیح میں مع ابوجہر و رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کی ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے طائف کا ذی القعدہ میں محاصرہ کرنا جائز ہو اور آپ ﷺ کے لئے اس میں قتال مباح کیا گیا ہو جیسا کہ حرم میں آپ کے لئے قتال کے لئے مباح کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا وہ شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے دن حرام قرار دیا تھا۔ میں یہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک حرام ہے مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس میں قتال حلال نہیں ہوا لیکن میرے لئے دن کے ایک مخصوص وقت کے لئے حلال ہوا ہے (2)۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

صحیحین میں ابوشریح العدوی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے قتال کے لئے اس میں قیامت کی رخصت کا جواز طلب کرے تو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو اجازت دی تھی لیکن تمہیں اجازت نہیں (فرمایا) مجھے بھی دن کے ایک خاص وقت میں اجازت تھی آج پھر اس کی حرمت اسی طرح ہے جس طرح کھلی تھی (3)۔ جب یہ آیت کریمہ 9 سورہ ہود میں نازل ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ لوگوں کو حج کے اجتماع میں یہ آیت سنانے۔ نساہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ (1) سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج پر بھیجا تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ آئے جب ہم

1 صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 80 (قدیمی) 2 صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 437 (قدیمی) 3 صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 438 (قدیمی)

(1) حضرت مردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو 9ھ میں لوگوں کے لئے امر حج بنا کر بھیجا اور حج کا طریقہ لکھ کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آیت برات دیکر بھیجا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عمر فرمایا کہ یہ ایلان مکہ یعنی عرفات اور تمام شعائر حج پر کہہ کہ اللہ ارسلنا رسول بری ہیں ہر اس شرک کے جو اس سال کے بعد کرے گا یا بد مذہب بنے اللہ شریف کا طواف کرے گا۔ ہاں جن کے آپ ﷺ کے ساتھ چارہ ماہ معاہدہ ہے ان کے لئے یہ بھی تسبیح کا حکم نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سواری پر (ابتلائے صلی پر)

لوگوں کو احکام حج سکھانے اور لوگوں کو حج کر دیا اور اس سال عرب ان مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے جن پر وہ زمانہ جاہلیت میں حج کے عرصہ میں ٹھہرتے تھے۔ جب دسویں کا دن آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اس چیز کا اعلان فرمایا جس کا انہیں حکم ملا تھا اور آپ نے سورۃ براءت کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنا لیں۔ زید بن تیہج رضی اللہ عنہ (1) فرماتے ہیں ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا انہیں کن احکامات کے ساتھ حج پر بھیجا گیا تھا۔ فرمایا مجھے چار احکامات دیئے گئے تھے 1۔ کوئی شخص ننگے بدن طواف نہ کرے، 2۔ جس کا اللہ کے رسول ﷺ سے معاہدہ ہے وہ اپنی مدت تک برقرار ہے اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہے اس کی مدت چار ماہ ہے، 3۔ جنت میں صرف نیک مسلمان جائے گا، 4۔ اس سال کے بعد مسلمان اور مشرک جمع نہ ہوں گے (1)۔ شیخین نے صحیحین میں حید بن عبدالرحمن بن ابی ہریرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حج میں دسویں کے دن اعلان کرنے والوں میں بھیجا کہ یہ اعلان کر دو کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور کوئی بیت اللہ شریف کا ننگے بدن طواف نہ کرے (2)۔ حید بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ بڑا ہاتھ کا اعلان کر دو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ اعلان کیا دسویں کے دن کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ننگے بدن بیت اللہ شریف کا طواف کرے۔ (3)

یہ قصہ صریحاً روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مارت حج سے معذور نہیں فرمایا تھا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان آیات براءت کے لئے بھیجا تھا ان کی وجہ یہ تھی کہ عربوں میں یہ بات متعارف تھی کہ معاہدہ کرنے یا معاہدہ کا توڑنے کا کام صرف سردار اور قوم کا رئیس کر سکتا ہے یا سردار کے قبیلہ کا کوئی شخص کر سکتا ہے، پس آپ نے اسی حدیث کے ازالہ کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ ہمارے جاہل قریبیوں کے تو یہ چیز خلاف ہے اور عہد کے توڑنے کے منافی ہے۔ حضور ﷺ کے ارشاد لا یضیی لا خبذ ان ینلف هذا الا زجلی من اہلبی (کہ یہ پیغام میرے اہل میں سے کسی شخص کے علاوہ کسی کو پہنچانا مناسب نہیں ہے (4)۔ یہ الفاظ امام احمد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کہا ہے۔ یہ قصہ جو ہم نے ذکر کیا ہے، اس میں سے بعض کا ذکر مسند امام احمد میں بعض کا ذکر ابی نعیمی میں، بعض کا تفسیر ابن مردودہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

جی اگر تم تفسیر سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہو جاؤ تو دنیا و آخرت میں ہر لحاظ سے تمہارے لئے اس میں ٹھہر جانا چاہئے ہے۔
یہ اور اگر تم تکبر و معصیت سے نہ چلنے تو تم جہاگ کر اس کو عابز نہیں کر سکتے یعنی اگر تم نے حسب دستور عراض کوئی اپنا طریقہ بنا لیا

(1) ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور حکم دیا کہ ان کلمات (آیات براءت) کی منادی کرنا پھر پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ ان کلمات کی منادی کرنا۔ دونوں اٹھنے چلے پھر اکھا ج کیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، ایام تنزیل میں اور اعلان کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ مشرکوں سے بری ہے چار ماہ یا سات کروڑ میں میں چار ماہ پھر اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے نہ ننگے بدن بیت اللہ کا طواف کرے اور جنت میں صرف مومن داخل ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب فارغ ہوئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان آیات احکامات کو پڑایا۔

- 1- تفسیر بنو ہب، جلد 3 صفحہ 49 (اتحادیہ)
- 2- صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 435 (قدیمی)
- 3- تفسیر بنو ہب، جلد 3 صفحہ 49 (اتحادیہ)
- 4- جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 135 (ذرات تعلیم)

تو اللہ تعالیٰ تمہیں دیا و آخرت میں عذاب دے گا کیونکہ تم اپنے کسی جملہ اور سازش سے اس کو عاجز نہیں کر سکتے۔
یہ اور کفار کو دیا نہیں قید اور قتل کی خوشخبری سناؤ اور آخرت میں آگ کے عذاب کا سزا دے سناؤ۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْنَا مِنْ الْمُشْرِكِينَ لَمْ يَكْفُرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۗ وَالَّذِينَ عَاهَدْنَا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِ إِنَّا جَعَلْنَا لَكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَعَلَّكَ تَنْتَهِي ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

”بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے نہ کسی کی تمہارے ساتھ ذرہ بھرا اور نہ انہوں نے مدد کی تمہارے خلاف کسی کی تو پورا کرو ان سے ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک چیلک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرستار گاروں کو۔“

علامہ رفوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے جن لوگوں کی یہاں استثناء کی گئی ہے وہ بنی کنانہ میں سے ہونگے ہیں اور ان کے معاہدہ کی مدت ابھی نو ماہ باقی تھی اور انہوں نے اپنے عہد کو توڑا ابھی نہ تھا (۱) اور فرمایا جن کے معاہدہ کی مدت باقی ہے ان کی مدت پوری کرو اور ان کو معاہدوں توڑنے والوں اور جن سے کوئی معاہدہ نہیں ہے ان کی طرح نہ سمجھو۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ کا جملہ اس بات پر تعبیر کرنے کے لئے ہے کہ معاہدہ کو مکمل کرنا تقویٰ کے باب سے ہے۔ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْنَا سے المشرکین سے اور بعضی استدراک ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ تمہیں صرف ان سے معاہدہ کے منسوخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو خود پہلے اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی کر چکے ہیں یا ان کے تمہیں جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن سے کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ لیکن جن کی مدت معاہدہ باقی ہے یا جو عہد کو توڑنے والے نہیں ہیں ان سے تمہیں جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے۔

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا مِنْهُمْ وَاحْتَصِرُوا ۚ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ ۚ إِن تَابُوا إِذَا اتَّوَا إِلَىٰ الذُّكُورِ فَاتَّوَا إِلَىٰ الذُّكُورِ فَاتَّوَا إِلَىٰ الذُّكُورِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

”پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے۔ تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں اور گرفتار کرو انہیں اور گھیرے میں لے لو انہیں اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ سے پھرا گریو تو یہ کہیں اور قائم کریں لیکن انہیں اور گرفتار کریں ذکوۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ ہے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

انسلاخ کا اصل معنی جسم کے ساتھ چھٹی ہوئی چیز کو اتار کر پھینک دینا ہے۔ یہ مسلخ الشاة سے مشتق ہے جس کا معنی بکری کی کھال اتارنا ہے۔ مجاہد اور ابن اسحاق زہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حرمت والے مہینوں سے مراد وہ مہد والے مہینے ہیں۔ پس جس کا عہد ہے اس کا عہد چار ماہ ہے اور جس کا عہد نہیں ہے اس کی مدت محرم کے گزرنے تک پچاس دن ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ ان مہینوں میں موتیوں پر مشرکین کا خون بہانا اور ان سے تعرض کرنا حرام کیا تھا اس لئے ان کو اشہر حرم کہا جاتا ہے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ مذکورہ قول کے مطابق تو بعض اشہر حرم (50 دن) بنتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اشہر حج کا مہینہ ذکر فرمایا ہے، اس کا

کے بعد چار ماہ کی مدت مقرر فرمائی تھی کہ اس مدت میں چاہیں تو اسلام قبول کر لیں یا کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں چار ماہ کی مدت گزرنے سے پہلے اہل مکہ مسلمان ہو گئے تھے۔ سدی، بکلی اور ابن اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الا الذین سے مراد بنو نجر، بنو خزیمہ، بنو عدی (جو حمرہ ہے) اور بنو الدیل کے قبائل ہیں یہ وہ لوگ ہیں۔ جو حدیبیہ کے دن قریش کے ساتھ گئے عہد میں شامل تھے۔ اس عہد کو صرف قریش اور بنی بکر میں سے بنو الدیل نے توڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ کو مکمل کرنے کا حکم دیا ہے جنہوں نے عہد کو نہیں توڑا تھا وہ بنی ضرہ تھے۔ علامہ بنواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ آیت قریش کے معاہدہ توڑنے اور بکسر فتح ہونے کے بعد نازل ہوئی تھی۔ پس جو معاملہ گزر چکا ہے اس کے متعلق قناتنا انشقاقوا لکم فانشقوا انہم کیسے کہا جا سکتا ہے۔ پس وہ لوگ یہاں مراد ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ عہد شکنی نہیں کی تھی جس طرح قریش نے عہد شکنی کی تھی اور تمہارے خلاف کسی کی مخالفت نہیں کی جیسا کہ قریش نے حضور ﷺ کے حلیف بنی خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی امداد کی تھی۔ (1)

یہ جملہ دلیل ہے کہ عہد کو قائم کرنا تقویٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔

كَيْفَ وَإِنْ يَظُنُّوْا اَعْلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فَيْكُمْ اِلَّا ذَلًا وَّهَمَةً يُرْمُوْنَكُمْ بِاَنْوَاعِهِمْ
وَتَايِي قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فَيْسُقُوْنَ ۝

”کیونکہ (ان کے معاہدہ کا لحاظ رکھا جائے) مالا نکدا اگر وہ غالب آجائیں تم پر تو نہ لحاظ کریں تمہارے بارے میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی عہد کا۔ راستی کرنا چاہتے ہیں جنہیں (صرف) اپنے منہ (کی باتوں) سے اور انکار کر رہے ہیں ان کے دل ج۔ اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں۔“

1۔ کیف کا حکم ان کے عہد پر ثبات کو بوجہ تصور کرنے کے لئے ہے یا ان کے اعطاء عہد کے حکم کو باقی رکھنے کے لئے ہے، جبکہ ساتھ استبعاد (بجود بھنا) کی علت پر متنب بھی کیا گیا ہے اور فعل کو حذف کیا گیا ہے کیونکہ وہ پہلے ہی معلوم ہے یعنی ان کا عہد کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ حالت ہے کہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو تمہاری رشتہ داری اور قرابت کی حفاظت نہ کریں۔ شحاک رحمۃ اللہ علیہ نے لا یوقوا کا معنی لا یظنوا (مہلت نہ دیں) کیا ہے اور قلب نے لا یروا (رعایت نہ رکھیں) کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الا کا معنی حلقاً ہے۔ ابن عباس اور شحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی قرابت فرمایا ہے۔ اور یمان نے رحم (رشتہ تعلق) فرمایا ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے عہد لکھا ہے۔ اسی طرح اللعنة کا معنی بھی رشتہ داری اور قرابت ہے مگر تکرار الفاظ کے اختلاف کی وجہ سے ہے (2)۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہو سکتا ہے یہ حلف (معاہدہ) کے لئے الال سے مشتق ہو جس کا معنی جوار اور پڑوس ہے کیونکہ عرب جب معاہدہ کرتے تو اپنی آوازوں کو بلند کرتے اور اس معاہدہ کی تشہیر کرتے پھر یہ قرابت کے لئے استعمال ہونے لگا کیونکہ قرابتی رشتہ داروں کا جو تعلق ہوتا ہے وہ معاہدہ والوں کا نہیں ہوتا، پھر یہ تربیت کے لئے استعمال کیا گیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ ال الشیء سے مشتق ہے جس کا معنی کسی بھی کی حد بیان کرنا ہے یا یہ ال البرق سے مشتق ہے جس کا معنی بجلی کا چمکتا ہے (3)۔ ابو جیمز اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ال کا معنی اللہ ہے اور یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے عبید بن عمیر جبرال کو لام کی تشبیہ کے ساتھ پڑھتے تھے اس کا معنی

1- تفسیر بنواری جلد 3 صفحہ 51 (انتھاریہ) 2- تفسیر بنواری جلد 3 صفحہ 52 (انتھاریہ) 3- تفسیر بیضاوی جلد 3 صفحہ 248 (قراس)

عبداللہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مسیلہ کذاب کی قوم کے چند آدمی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے مسیلہ کذاب کا خط پڑھوایا تو انہوں نے پڑھا۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کلام ال کا نہیں ہے، یعنی اللہ عزوجل کا نہیں ہے۔ اس تویل کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قرأت لَا يُؤْتِيهِمْ لَيْفًا وَلَا يُؤْتِيهِمْ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا لَيْفًا یعنی وہ کسی مومن کے بارے اللہ کا خیال نہ رکھیں۔ جیسے جبرئیل و میکائیل میں الا سے مراد اللہ ہے۔ قاموس میں ہے کہ الا ہمزہ کے ساتھ ہے اور اس کا معنی عہد، معاہدہ، پڑوسی اور قربت عہد و اصل معدن، کینہ، دشمنی ربوبیت، اور اللہ ہے اور ہر اسم جس کا آخر ال یا ایل ہو وہ اللہ کی طرف مضاف ہوتا ہے نیز قاموس میں اس کا وجی، امان اور مصیبت کے وقت گھبراہٹ کا اظہار کرنا بھی لکھا ہے اور مذکورہ کا معنی وہ عہد باحق ہے جس کی غفلت کرنا معیوب ہوتا ہے۔

یعنی ایمان، طاعت اور ایقانہ عہد کا وعدہ منافقت اور تفریق کرتے ہوئے صرف زبانی زبانی تمہیں خوش کرنے کے لئے کرتے ہیں، جبکہ ان کے قلبی جذبات ان کی شخص چہرے کی باتوں کے یکسر مختلف ہیں، وہ اپنے باطن میں کفر اور دشمنی رکھتے ہیں کیونکہ اے یہ جب بھی تم پر غالب آ جا کر تم کو اپنی باتوں کی مخالفت کریں گے۔ یہ حونوکم کا جملہ متاثر ہے جو ان کے ان احوال کو بیان کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے جو عہد پر شہوت کے منافی ہیں اور اس بات کا وہ احوال تقاضا کرتے ہیں کہ غلبہ کے وقت وہ مسلمانوں کو مہلت نہیں دیں گے۔ اس جملہ کو لاترہقوا کے فاعل سے حال بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ غلبہ کے بعد تو وہ مومنین کو خوش نہیں کرتے۔

۱۷۔ یہاں فسق سے مراد عہد شکنی ہے۔ بعض مشرکین اپنے عہد و بیان کی پاسداری کرتے تھے اور عہد شکنی کو عار سمجھتے تھے۔ اس لئے فسق کو اکثر مشرکین کے ساتھ مختص کیا تمام کی طرف فسق کی نسبت نہیں فرمائی۔

إِنَّكُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾

”انہوں نے بے دینی اللہ کی آیتیں توڑی ہی قیمت پر (مزید برآں) رد کیا انہوں نے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے جنگ وہ

بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔“

۱۸۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں انہوں نے اس عہد کو توڑا تھا جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان قائم تھا صرف اس کھانے کی وجہ سے جو ابلاخیان نے انہیں کھلایا تھا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابوسفیان نے اپنے پیغمبروں کو کھانا کھلایا تھا (۱) اور انہوں نے عہد توڑنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو دین محمدی (ﷺ) میں داخل ہونے سے منع کیا تھا لہذا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کے موضو دینا کی لذتوں اور مادی مقصودوں کے حصول نے انہیں دین سے منع کرنے کے جرم تک پہنچایا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اہل منافق نے ان مشرکوں کی اپنے مال و دولت کے ذریعے امداد کی تھی تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے پر قادر ہو جائیں (۲)۔

لَا يَزِيدُ الْيَاقُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا ذُلًّا ذِمَّةً ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَعَدُّونَ ﴿۱۸﴾

”نہیں لیا ظفر کرتے کسی مومن کے حق میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی وعدہ کا اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔“

۱۹۔ یہ آیت کریمہ کا کنواو یعملون کی تفسیر ہے۔ اس میں تکرار نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں پہلا ارشاد تمام منافقین کے لئے

ہے اور یہ ارشاد الذین اشعروا یہود اور ان بدوؤں کے ساتھ خاص ہے۔ جنہیں ایوسیان نے جمع کیا تھا اور کہا تھا کھلا یا تھا۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِذَا هُمْ فِي الدِّينِ أُولُو نَقْصِلٍ
الْأُولِي لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ①

”پس اگر یہ توبہ کر لیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں
(اپنی) آیتیں اس قوم کے لئے جو علم رکھتی ہے۔“

۱۔ یہ آیت کریمہ معابدین اور تائین کے واضح احکامات میں غور و فکر کرنے کے لئے جملہ مفسرین کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت کریمہ نے اہل قبلہ کے خون بہانے کو حرام کر دیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہیں نماز اور زکوٰۃ کا اظہار کیا گیا ہے پس جس نے زکوٰۃ نہ دی اس کی نماز بھی قبول نہیں ہے (1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تحت خلافت پر متمکن ہوئے تو بعض عربوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں ان وقت تک لوگوں سے لڑوں گا یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ بولیں۔ پس جو علم رکھنے والے کا وہ مجھ سے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کرنے کا مگر اسلام کے حق کی وجہ سے (ان کا مواخذہ ہوگا) اور اس کا حساب اللہ پر ہے (یعنی دل کے معاملات اس کے سپرد ہیں)۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بخدا میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، اگر یہ مجھے ایک بھری کالج دینے سے بھی انکار کریں تو میں ان سے جنگ کروں گا جو بچہ وہ رسول ﷺ کے عہد ہمایوں میں ادا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بخدا اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کا سینہ کھول دیا ہے۔ اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی حق ہے (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہماری نماز بھی نہیں پڑھی، ہمارے قلب کی طرف رخ کیا اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا وہ مسلمان ہے جس کا ذمہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لیا ہے۔ اس حدیث کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے علم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ کی گواہی دیں، نماز اور زکوٰۃ ادا کریں، جب وہ ایسا کریں گے تو مجھ سے ان کے خون، مال محفوظ ہو جائیں گے مگر اسلامی حق کی وجہ سے (ان سے مواخذہ ہوگا) اور قطعی عقاب کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے وحسابہم علی اللہ کے الفاظ ذکر نہیں کیے (4)۔

وَإِنْ فَكَّنُوا أَيْبَانُهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَيْمَّةَ
الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنبَهُونَ ②

”اور اگر یہ لوگ توڑ دیں اپنی قسمیں اپنے معاہدہ کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین پر، تو جنگ کرو کفر کے پیشواؤں

1۔ تفسیر بخاری، جلد 3، صفحہ 53 (تجاویز)

2۔ صحیح بخاری، جلد 4، صفحہ 268 (مکمل)

4۔ صحیح بخاری، جلد 17، جلد 1 (دارالمنیر بیروت)

3۔ صحیح بخاری، جلد 1، جلد 1 (دارالمنیر بیروت)

جو کہ بعد نازل ہوئی تھی اور اہل مکہ اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس قول کی تائید و تقویت باسراج الوہاب کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو شہر سے جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہوئے تھے جبکہ اہل مکہ نے (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا اور انہوں نے آپ ﷺ کو کھانے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ کو نکال بھی دیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَإِذْ أَخْرَجْنَا آلَهُمْ مِنْهُ أَكْبَرًا وَعَسَىٰ أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ﴾ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اللذین نكثوا ایمانہم سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑا تھا اور خزاع قبیلہ کے خلاف بنی مکہ کی معاونت کی تھی اور دارالندوہ میں جمع ہو کر یہ سازش کی تھی کہ آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیں اور قاتل کا آغا ز بھی انہوں نے کیا تھا کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے مشن کی ترقی کے لئے ان کو مدد دی تھی اور اپنے حق ہونے پر اور ان کے نظریات کے باطل ہونے پر کتاب مبین کے ذریعے حجت قائم فرمائی اور کتاب کے وحی الہی ہونے پر دلیل اس کا مقابل لانے پر متوجہ تھا۔ جب ان سب چیزوں کا وہ علمی جواب نہ دے سکے تو دشمنی اور جنگ پر اتر آئے۔ دارالندوہ میں جمع ہو کر آپ ﷺ کے چراغ زیست کو بجھانے کا منصوبہ تیار کیا یا یہ کہ بدر کے دن قافلہ کی سلامتی کے بعد ابو جہل نے کہا تھا کہ ہم اس وقت تک واپس نہ جائیں گے جب تک کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو قلع قمع نہ کر دیں یا انہوں نے اس وقت زیادتی کا آغا ز کیا تھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے حلیفہ قبیلہ خزاعہ سے جنگ کی تھی۔ یہ تاویل صرف اس صورت تصور ہو سکتی ہے جبکہ ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہو، اس صورت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی درست ثابت ہو جائے گا کہ وان نکثوا ایمانہم و طعنوا فی ذنبکم۔ (ابو حنیفہ وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی تھی (۱) اور الا الذین عاهدتم عند المسجد العوام الخ سے مراد قریش ہیں اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انکار کرنے کا حکم دیا تھا کہ اگر یہ اپنے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی قائم رہو لیکن وہ اس پر قائم نہ رہے، فرمایا کیا تم ڈرتے ہو کہ ان سے جنگ کریں گے تو ان کی طرف سے کوئی ناگوار صورت پیش آجائے گی انھیں ہم سے پہلے ہمزہ استنہاری انکاری ہے، یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ تم ان دشمنوں سے لڑنے کے حکم کو چھوڑنے پر اللہ سے ڈرو۔ فاللہ سے پہلے ہاء سبیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ اقدار ہو، غیر سے ڈرنے پر انکار کا سبب ہے۔ ان کستم مومنین شرط ہے اور ما قبل کلام کی دلالت کی وجہ سے جزا کو ذکر نہیں کیا گیا، یعنی اگر تم ایماندار ہو تو صرف اللہ سے ڈرو کیونکہ ایمان کا منتفی اللہ سے ڈرنا ہے کیونکہ جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جو اہر، امراض اور افعال عبادت سب چیزوں کا خالق اللہ ہے اور صرف اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر کوئی نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا تو ایسا عقیدہ محمد رکھنے والا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا۔ پہلے قال کے ترک پر توجہ فرمائی پھر قاتل کا حکم دوبارہ دیا فرمایا:-

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيِّ يَكُمُ وَيُخْزِيهِمْ وَيُصْرِّمُ عَلَيْهِمْ وَيُشْفِ صُدُورًا

قَوْلٍ مِّنْ مِّنِينَ ﴿۱۰﴾

”جنگ کرو ان سے، عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا انہیں اور مدد کرے گا تمہاری ان

کے مقابلہ میں اور (یوں) صحت مند کر دے گا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہیں۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے کفار کو عذاب دے گا اور ان کو ذلیل و رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری پشت بنا ہی فرمائے گا، یہ

افشا کرتے ہوں۔ لہذا کافظہ ذکر فرما کر اشارہ فرمادیا کہ لحدت محمد ﷺ میں مخلص جانٹوں اور جاننازوں کا وجود متوقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا رہے گا جو اللہ کے امر کو قائم رکھنے والا ہوگا اور ملامت کرنے والوں اور مخالفت کرنے والوں کی مخالفت انہیں کچھ نقصان نہیں دے گی حتیٰ کہ امر الہی (قیامت) پہنچ جائے گی اور وہ احکام الہیہ پر مضبوطی سے کاربند ہوں گے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم نے حضرت معاذ بن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (1)۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کی ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن عمر سے روایت کی ہے اور حدیث کو صحیح بھی لکھا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ حق کو ظاہر کرنے والا ہوگا (یعنی حق پر عمل بجا رہے گا) حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی (2)۔

ع ولما يعلم اللہ سے جو شبہ پیدا ہوتا تھا (کہ اللہ نے ابھی جاننا ہی نہیں) اس کا اس جملہ سے ازالہ فرمادیا کہ جو تم کرتے ہو وہ اس سے خوب باخبر ہے۔ علاحد بنوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لیکن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر کے روز اسیر ہو گئے تو مسلمانوں نے انہیں کفر اور قطع تعلق پر عائد لائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سخت کلامی کی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم ہماری برائیاں تو یاد کرتے ہو لیکن ہماری نیکیاں یاد کیوں نہیں کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم میں کوئی نیکیاں بھی ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں، ہم مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں، کعبہ کی درباری کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کے رد پر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل ارشاد نازل فرمایا (3)۔

مَا كَانَ لِشُرَكَائِكَ أَنْ يَنْهَوْاكَ عَنِ ابْنِ مَرْجَانَ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ
أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۗ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿١٥﴾

”تمہیں ہے روا مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو اور حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی ہے یہ وہ (بد نصیب) ہیں ضائع ہو گئے جن کے تمام اعمال سے اور (دوزخ کی) آگ میں ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“

ابن جریر اور ابواسخ نے الصحاح و رحمة اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ اگر تم اسلام، ہجرت اور جہاد میں ہم سے سبقت لے گئے ہو تو ہم بھی مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں قیدیوں کو پھراتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مشرکین کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ کسی مسجد کو تعمیر کریں (4) چنانچہ ایک مسجد حرام تعمیر کریں، پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ خود مسجد کی تعمیر کریں کیونکہ مسجد صرف اللہ وحدہ کی عبادت کے لئے تعمیر کی جاتی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کا منکر ہے اس کو تعمیر مسجد کا کام سونپنا درست نہیں ہے۔ علماء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ تعمیر مسجد سے مراد صرف تعمیر ہے، یعنی مسجد کی عمارت تعمیر کرنا اور اس کے گرنے کی صورت میں اس کو مرمت کرنا، پس کافر کو اس سے بھی منع کیا جائے گا، اگر وہ مرتے وقت وصیت کرے کہ میرے مال سے

2۔ متدرک حاکم، جلد 4، صفحہ 449 (نصر)

4۔ تفسیر طبری، جلد 10، صفحہ 67 (امیر)

1۔ صحیح بخاری، جلد 3، صفحہ 1331 (ابن کثیر)

3۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 3، صفحہ 55 (امیر)

مسجد تعمیر کر دینا تو اس وصیت کو نافذ نہیں کیا جائے گا۔ بعض علماء کا نظریہ ہے کہ تعمیر مسجد سے مراد مسجد میں داخل ہونا اور اس میں بیٹھنا ہے۔ امام احمد ترمذی، ابن حبان اور الحاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی شخص کو مسجد کو آباد کرو اور والدہ دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ کی مساجد کو صرف وہ تعمیر کرتا ہے جو اللہ پر ایمان لایا ہو (1)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مشرکوں کو مسجد حرام کی تعمیر کی اجازت نہیں ہے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے مسجد اللہ یعنی مفر (مسجد) پڑھا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو ایک مسجد بنائے گا جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ اور اگر مسجد مفر کا مینہ ہوگا تو مفر ادبش ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں مسجد الحرام مراد ہے کیونکہ دوسرے مقامات پر اس کی وضاحت ہے مثلاً عمارة المسجد الحرام، فلا یقربوا المسجد الحرام مع کے مینہ سے مراد بھی مسجد حرام ہی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسجد حرام کو مع کے مینہ سے تعمیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسجد حرام تمام مساجد کا قبلہ ہے اس کی عمارت تمام مساجد کی عمارت ہے۔ فراء فرماتے ہیں عرب واحد کی جگہ جمع اور مع کی جگہ واحد کا مینہ استعمال کرتے رہتے ہیں جیسا کہ آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ جو شخص مجھی گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے اجالت فعی رکوب البواذین۔ یہاں بڑوں کی جگہ جمع بواذین استعمال کیا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے فلان کثیر الدرہم و الدینار تو مراد کثیر الدرہم و الدنانیر ہے۔

ج وہ شرک اور تکذیب رسول اللہ ﷺ کی دلیل خورد ہے ہیں یہ یعمروا کے ضمیر سے حال ہے۔ معنی یہ ہے کہ ان کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ دو مخالف و متعارض امور کو جمع کریں یعنی بیت اللہ کی تعمیر بھی کریں اور غیر اللہ کی پوجا بھی کریں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ ہم کافر ہیں لیکن ان کی کلام ان کے کفر کی دلیل ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ان کی اپنے نفسوں پر کفر کی شہادت یہ تھی کہ وہ بتوں کو بوجہ کرتے تھے۔ کفار قریش نے بیت اللہ کی دیواروں کے ساتھ اور بیت حرام کے باہر بت نصب کر رکھے تھے جب وہ نکلے دن بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے طواف کا پھر لگاتے وقت بتوں کو بوجہ کرتے تھے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان کی اپنے نفسوں کے خلاف شہادت کا مطلب یہ ہے کہ نصرانی سے پوچھا جاتا کہ تو کون ہے تو وہ کہتا میں نصرانی ہوں، یہودی سے یہی سوال کیا جاتا تو وہ کہتا میں یہودی ہوں۔

سے یہ اعمال جن پر یہ کفر کرتے ہیں اور جنہیں یہ اپنے محاسن شارگرتے ہیں مثلاً مسجد تعمیر کرنا، حاجیوں کو پانی پلانا اور قیدیوں کو چھڑوانا وغیرہ سب ریاکیاں جائیں گے کیونکہ اللہ کی رضا کے لئے نہیں کئے گئے تھے۔

یہ معاصی اور نیکوں کے ضائع ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

إِنَّمَا يَعْهَدُ مَسْجِدَ اللَّهِ مِنْ أَمْنِ بَالِدِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى
الرَّكُوعَ وَلَمْ يَحْسَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَبِينَ ﴿٥٠﴾

”صرف وہی آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر اور قائم کیا نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور

نڈر رہا ہو اللہ کے سوا کسی سے۔ پس امید ہے کہ یہ لوگ ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے۔ ج۔“

لے دین کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا خوف اس کے دل میں نہ ہو اور کسی کے خوف سے رضا الہی کو ترک نہ کرے۔ خوفناک چیزوں سے ڈرنا فطری امر ہے کیونکہ اور بر عقل مندا ایسی چیزوں سے ڈر جاتا ہے۔ اس لئے یہاں نہ ڈرنے سے مراد دین کے معاملہ میں کسی سے نہ ڈرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسجد کی عمارت کو مومنین کے ساتھ خاص فرمایا ہے کیونکہ یہیں لوگ علی اور محمدی کمالات کے جامع ہوتے ہیں یہاں ایمان بالرسول کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ ایمان باللہ رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے بغیر اور آپ کی تعلیمات و فیضان کے بغیر تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کیا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ کی گواہی دینا ایمان ہے، یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وفد عبدالقیس کے وفد میں یمنین میں موجود ہے (1)۔ تعمیر مسجد سے مراد مسجد میں ہمیشہ عبادت کرنا، اس میں ذکر الہی میں مشغول رہنا اور اس میں علم دین اور تعلیم قرآن کا سلسلہ جاری رکھنا ہے۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی شخص کو ہمیشہ مسجد میں آتے جاتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایما یصلحوا یصلح اللہ من آمن باللہ والیوم الاخر۔ اس حدیث کو ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت ابو ہریرہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں جب کوئی مسجد کی طرف صبح وشام جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر رجبہ مسجد میں آنے پر جنت میں ایک مکان تیار فرماتا ہے (شقی علیہ) (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سات افراد کو اللہ تعالیٰ اس دن (قیامت) سایہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ان افراد میں آپ ﷺ نے اس شخص کا بھی ذکر فرمایا جو مسجد سے لگتا ہے تو اس کا دل مسجد سے معلق رہتا ہے حتیٰ کہ وہ مسجد میں لوٹ آتا ہے (4) (سقی علیہ)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو اپنے گھر میں وضو کرتا ہے اور بہت اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد میں آتا ہے تو وہ اللہ کا زیارت کرنے والا ہوتا ہے اور جس کی زیارت کی جاتی ہے اس پر حق ہوتا ہے کہ وہ ازراہین کو عزت عطا فرمائے۔ اس حدیث کو طبرانی، عبدالرزاق اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی تفسیر میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے (5)۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اصحاب رسول ﷺ فرماتے تھے کہ زمین میں اللہ کے گھر مساجد ہیں اور اللہ کا حق ہے کہ وہ ان میں اپنے ازراہین کو عزت عطا فرمائے۔ اس کو بھی بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں عبدالرزاق اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے (6)۔

مسجد کی تعمیر میں مسجد کی عمارت اس کی ذہب و زینت اس میں روشنی کا انتظام اور ہر ایسی چیز سے اس کی حفاظت کرنا شامل ہے جو مسجد کی شان کے لائق نہیں ہے جیسا کہ مسجد میں دینی ہاتھیں کرنا، بیع و شراء وغیرہ۔ محمود بن لبید سے مروی ہے کہ عثمان بن عفان رضی

1- صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 29 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 33 (قدیمی)

2- جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 140 (سید)، تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 56 (اتقاریہ)

3- صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 235 (ابن کثیر) 4- صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 35-234 (ابن کثیر)

5- شعب الایمان، جلد 3 صفحہ 62 (احمدیہ) 6- شعب الایمان، جلد 3 صفحہ 82 (احمدیہ)

اللہ عزہ نے مسجد تعمیر کرانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اس کو ناپسند کیا اور نبی مسجد نہ بنانے کو پسند کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے گھر بنائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی کی مانند جنت میں اس کے لئے گھر بنائے گا۔ ایک حدیث میں اس طرح ہے کہ جو رضا الہی کو چاہتے ہوئے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس جیسا جنت میں گھر بنائے گا۔ اس حدیث کو امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور ابویوسف رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس نے اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنائی، اگر چہ وہ کوچہ کھولنے کی مقدار ہو جس میں وہ اٹھے وہ جی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی امامہ سے صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس نے اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے جنت میں اس سے وسیع گھر بنائے گا (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کسی کو مسجد میں گمشدہ اونٹنی کا اعلان کرتے ہوئے سے تو اسے یہ کہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اسے تھو پر اوٹس نہ کرے کیونکہ مساجد اس کام کے لئے تو نہیں بنائی گئیں۔ اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے گھروں کو مسجد بنانے اور اسے پاک جانے رکھنے کا حکم فرمایا اس حدیث کو ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (3)۔ ابن عمرو بن شیبہ بن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں اشعار پڑھنے، خرید و فروخت کرنے اور نماز سے پہلے مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کو مسجد میں کوئی چیز بیچتے یا خریدتے دیکھو تو کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب تم دیکھو کہ کوئی گمشدہ چیز کا اعلان کر رہا ہے تو کہو اللہ تجھے (وہ چیز) اوراپس نہ فرمائے۔ اس حدیث کو ترمذی اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے (5)۔

اس اطاعت الہی کو اپنا شعار بنانے کی وجہ سے وہ ہدایت پانے والے ہیں جو جنت تک پہنچائی ہے۔ عسنی کسی کام کی توقع پر ادا کرتا ہے۔ اس کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریکین کے ہدایت پانے کی توقع اور امید بھی نہ رہے اور کسی طور پر ان کے اعمال کے ضائع ہونے پر ریل ہو جائے اور ان کو توقع ہو جائے کہ تم اپنے آپ کو ہدایت یافتہ کہتے ہو حالانکہ مسلمان جو اطاعت و فرمانبرداری کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ ان کی ابتدا بھی امید اور توقع پر مبنی ہے تو جن کا کردار مسلمانوں کے بالکل برعکس ہے وہ جیسے ہدایت یافتہ ہو سکتے ہیں، دوسرا فائدہ اس میں یہ توقع کا یہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی حبیہ کی جائے کہ اس بارگاہے نیاز میں اپنے اعمال پر اتراؤ نہیں اور نہ ان پر بھروسہ کرو (بلکہ اس کی رحمت اور فضل پر نظر رکھو)۔ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اسرائیل کے ایک نبی کو فرمایا کہ اپنی امت کے اطاعت شعاروں کو کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرو قیامت کے روز مجھے اپنے بندے کے حساب کی کوئی پروا نہیں میں چاہوں گا تو عذاب دوں گا، چاہوں گا تو عذاب

2- صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 210 (قدیمی)

1- صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 173 (ابن کثیر)

4- جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 73 (سعید)

3- جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 130 (سعید)

5- جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 247 (سعید)

نہ دوں گا اور اپنے گنہگار امتیوں سے کہہ دو کہ اپنے آپ کو مایوسی کے گڑھے میں نہ ڈالیں، میں بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں، مجھے کوئی پروا نہیں (واللہ اعلم)۔ مسلم، ابن حبان اور ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ نے نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ منبر رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا کہ ایک صحابی نے کہا میں اسلام لانے کے بعد سوائے حاجیوں کے پانی پلانے کو کوئی عمل اللہ کے لئے نہ کروں تو مجھے کوئی پروا نہیں، دوسرے نے کہا بلکہ مسجد حرام کی تعمیر سب سے افضل عمل ہے، تیسرے نے کہا بلکہ تمہارے اعمال کی نسبت اللہ کے راست میں جہاد کرنا افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو جھڑکا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ سے منبر کے پاس اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔ یہ جمعہ کا دن ہے میں نماز جمعا دعا کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر تمہارے اختلاف کے متعلق پوچھوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ مندرجہ ذیل آیت نازل فرمادی (۱)۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

”کیا تم نے ظہر الیاء میں حاجیوں کو پانی پلانے (والے) کو اور مسجد حرام کے آباد کرنے (والے) کو اس شخص کی مانند جو ایمان لے آیا اللہ پر اور روز قیامت پر اور جہاد کیا اس نے اللہ کی راہ میں! وہ نہیں یکساں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ان لوگوں کو جو ظالم ہیں“

۱۔ فی ربی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں علی بن ابی طالب مکہ میں تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے کہا اے عم مجرم آپ ہجرت کیوں نہیں کرتے اور آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیوں نہیں مل جاتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے کہا میں مسجد حرام کی تعمیر کرتا ہوں، بیت اللہ شریف کی دریافت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمادی۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن عباس نے فرمایا جب عباس جنگ بدر میں اسیر ہوئے تو کہنے لگے اگر تم ہم سے اسلام لانے ہجرت اور جہاد کرنے میں سبقت لے گئے ہوتو ہم مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (۲)۔ اللہ تعالیٰ نے نابویا کہ شرب کی موجودگی میں مسجد حرام کی تعمیر اور حاجیوں کو پانی پلانا انہیں کچھ مفید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور نبی کریم ﷺ کی معیت میں جہاد کرنا ان کے ان اعمال سے کہیں درجہ بہتر ہیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن شعیب اور محمد بن کعب القرظی کا قول نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت علی بن ابی طالب، عباس عبدالمطلب اور طلحہ بن شیبہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ اپنے اعمال پر فخر و مباہات کا اظہار کر رہے تھے۔ طلحہ نے کہا میں بیت اللہ شریف کا خادم ہوں اور اس کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں، عباس نے کہا میں حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کرتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں تم کس امر پر فخر کر رہے ہو، جبکہ میں سچے سال سے قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہوں، یعنی تمام لوگوں سے پہلے میں نے اسلام قبول کیا تھا اور میں مجاہد ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (۳)

سقاۃ اور عمارۃ مصدر ہیں۔ اسقی اور عمو کے مصدری معنی کی صورت میں عشبہ میں محذوف نکالنا پڑے گا یا عشبہ بہ میں

مخروف نکالنا ہوگا۔ عبادت اس طرح ہوگی اَجْعَلْنُم اَهْلَ سِقَايَةِ الْحَاجِّ وَعِصَاةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تَحْمَنُ اَمَنٌ يَّا اَسْرَحِ
 عبادت ہوگی اَجْعَلْنُم سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَ عِصَاةَ الْمَسْجِدِ كَايْمَانٍ مِنْ اَمَنٍ بِاللَّهِ وَجِهَادٍ مِنْ جَاهِدِ. یا یہ دونوں الفاظ اسم
 فاعل کے معنی میں ہوں گے۔ یعنی ساقی الحاج و عامر المسجد الحرام۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اَلْعَاقِبَةُ لِشَاقِي يَسْتَقِي
 اچھا انجام متعین کے لئے ہے اور عبد اللہ بن زبیر کی قرأت اس قول کی تائید کرتی ہے اَجْعَلْنُم سِقَاةَ الْحَاجِّ وَ عِمْرَةَ الْمَسْجِدِ
 الْحَرَامِ سِقَاةَ اور عِمْرَةَ جمع ہیں ساقی اور عامر کی۔ اور یہاں استفہام نکاری ہے اگر آیت کا نزول مؤمنین اور مشرکین کے
 اختلاف کے وقت ہو جیسا کہ ابن عباس اور محمد بن کعب القرظی وغیرہ کا قول بھی اس پر دلالت کر رہا ہے تو اس صورت میں مشرکین اور ان
 کے ضابطہ ہونے والے اعمال کو مؤمنین اور ان کے اعمال ثابت کے ساتھ تشبیہ ہوگی اور اگر اختلاف مؤمنین کے وقت نازل ہوئی ہو جیسا
 کہ مسلم نے نعمان بن بشر سے روایت کیا ہے تو عِمْرَةَ الْمَسْجِدِ سے مراد اس کی تعمیر ہوگی اس میں دواغی ذکر اور صلوات مراد نہیں ہوگی
 کیونکہ دواغی ذکر جہاد سے افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے اللہ کے عذاب سے اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز زیادہ بچانے والی
 نہیں ہے (1) اس حدیث کو امام مالک، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ
 نے الدعوات الکبیر میں عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے اور یہ الفاظ زاہد ہیں کہ صحابہ کرام نے پوچھا حضور اللہ کے راستہ میں
 جہاد بھی ذکر الہی سے افضل نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جہاد بھی افضل نہیں ہے مگر یہ کہ لڑتے لڑتے تلوار ٹوٹ جائے۔ آپ
 ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں سب سے بہتر اور تمہارے مالک کی بارگاہ میں سب سے پاکیزہ اور تمہارے درجہ جات کو بلند کرنے والا،
 سونے چاندی کے صدقہ کرنے سے بہتر اور تمہارے دین کے ساتھ مقابلہ کرنے اور تمہارا دین کی گردنیں مارنے اور ان کا تمہاری
 گردنیں کاٹنے سے بھی بہتر سمجھتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کی حضور ﷺ! ضرور بتائیے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا ذکر (ان سب
 کاموں سے بہتر ہے) (2) اس حدیث کو امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابودراء سے روایت کیا ہے اور امام مالک رحمۃ
 اللہ علیہ نے ابودراء سے موقوف روایت کی ہے۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے
 دریافت کیا گیا کیا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے افضل اور سب سے بہتر درجہ بندے کون سے ہوں گے فرمایا کثرت
 سے ذکر الہی کرنے والے مرد اور عورتیں۔ عرض کی کئی یا رسول اللہ ﷺ کیا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والے شخص سے بھی یہ
 افضل ہوں گے؟ فرمایا اگر وہ اپنی تلوار سے کنارے ساتھ جہاد کرے حتیٰ کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے یا خون آلود ہو جائے پھر بھی اللہ کا ذکر
 کرنے والا اس سے بہتر درجہ ہوگا (3)۔ اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ
 فرماتے ہیں یہ حدیث فریب ہے۔

یعنی یہ ارشاد مشرک اور مؤمن کے درمیان مشابہت نہ ہونے پر مزید تاکید ہے اور یہ قول ان علماء کی تائید کرتا ہے جو فرماتے ہیں کہ اس
 آیت کریمہ سے مراد مؤمنین کے افعال ایمان اور جہاد اور مشرکین کے افعال حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد کی تعمیر کے درمیان عدم استواء
 مراد ہے، معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرک کی موجودگی میں خالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا تو پھر یہ ان لوگوں کے مساوی کیسے ہو سکتے ہیں جن کو
 اللہ تعالیٰ نے شاہراہ ہدایت دکھائی اور حق و صواب کے راستہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ بعض علماء فرماتے ہیں الظالمین سے

2- جامع ترمذی، جلد 29، 5428 (اعلمیہ)

1- جامع ترمذی، جلد 5، صفحہ 429 (اعلمیہ)

3- جامع ترمذی، جلد 5، صفحہ 428 (اعلمیہ)

مراد وہ ہیں جو شکر اور موشیخین کے درمیان برابری کا قول کرتے ہیں۔

زم زم سے پانی پلانے کا واقعہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک تالاب پر تشریف لائے اور پانی طلب فرمایا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے فضل کو کہا اپنی ماں کے پاس جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کے لئے ان سے پانی لے آؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اسی سے پلا دیجئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ لوگ اس میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اسی پانی سے پلا دو آپ ﷺ نے اس سے پانی پیا پھر زم زم کے پاس آئے تو لوگ اس سے پانی نکال رہے تھے، اس میں کام کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ کام کرتے رہو تم یہ نیک کام کر رہے ہو۔ پھر فرمایا اگر تم پر بھیڑ ہوتے کا نیت نہ ہوتی تو میں بھی اس پر ہی رکھتا (آپ نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا) (1) مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بکر بن عبد اللہ المزنی سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کعبہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور کہا کیا وجہ ہے کہ تمہارے چمکے سینے تو شہد اور دودھ پلاتے ہیں اور تم ٹھنڈا پلاتے ہو تم حجاج ہو یا خلیل ہو ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا الحمد للہ ہم نہ حجاج ہیں اور نہ خلیل ہیں۔ نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر تشریف لائے اور آپ ﷺ کے پیچھے اسامہ بیٹے ہوشے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ پینچا کر رہے ہو، ایسا کرتے رہو پھر جس کام کا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں علم دیا ہوتا ہم اس کو بدلنے کا ارادہ نہیں کرتے تھے۔ (2)

أَلَنْ يَنْ أَمْنُوا وَهَاجَرُوا وَجَهْدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمَ
دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝

”اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بہت بڑا ہے (ان کا) درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور بہتر ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔“

لے ان اعلیٰ صفات سے مزین لوگ ان سے ہزار درجہ افضل ہیں جو تعمیر مسجد اور حاجیوں کی خدمت پر اترتے ہیں اور یہ کالمین امت تو ان موشیخین سے بھی بہتر ہیں جن میں یہ تمام حسنات نہیں پائی جاتیں اور خدا کا کلام ان خوش نصیبوں کی کامیابی و کامرانی کی خود گواہی دے رہا ہے کہ یہ لوگ دوزخ کے شعلوں سے نجات پانے والے ہیں اور جنت کے بلند اور رفیع درجات پر فائز ہونے والے ہیں۔ مشرکین کو یہ مرتبہ نہیں مل سکتا اگرچہ وہ حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد کی تعمیر کرنے والے بھی ہوں۔

يُجِبُّهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝
خُلِّيَ فِيهَا أَبْدَانُ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

”خوشخبری دیتا ہے انہیں ان کا رب اپنی رحمت اور اپنی خوشنودی کی اور (ایسے) بانغات کی کہ ان کے لئے ان میں دائمی نعمت ہوگی۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ اس میں تا ابد بیٹک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی العظیم ہے۔“

۱۔ بیسٹو ہم کو نوزو نے تحفیف کے ساتھ باب افعال سے اور باقی قراء نے باب تکمیل سے تشدید کے ساتھ بڑھا ہے۔ فیہا کی خبر پر کا مربع الجنات ہے۔ نعیم مقیم سے مراد دائمی اور دائمی نعمتیں ہیں ان خوش نصیبوں کو جن نعمتوں کی خوشخبری دی گئی ہے اس کو نکرہ ذکر کر کے یہ شعور دلانا ہے کہ وہ نعمتیں اور نعمتیں تعین اور تعریف سے ورہا ہیں۔ خلود کے ساتھ ابدی کا تکیہ اس لئے لگائی کیونکہ خلود دوام کے علاوہ زیادہ مدت ظہر نے کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ ان نعمتوں کے مقابلہ میں ان کے اعمال بہت کم درجہ ہیں یا دنیا کی نعمتیں ان آخری نعمتوں کے مقابلہ میں کم مرتبہ ہیں اس لئے انہیں اجر عظیم کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنَّ اسْتِجَابَ
الَّذِينَ عَلَى الْإِيمَانِ ۗ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَمِنْكُمْ قُلُوبِكُمْ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۰﴾

”اے ایمان والو! نہ بنا لو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دلی دوست اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر اور جو دوست بنا تا ہے انہیں تم میں سے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔“

۱۔ علامہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت مہاجرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا تعلق مہاجرہ سے کیا ہے اور یہ بھی حضرت عباس اور طلحہ رضی اللہ عنہما کے ہجرت نہ کرنے پر ماحول ہوئی۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی صالح کے واسطے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے ہجرت کا حکم فرمایا تو کچھ لوگوں کے ساتھ ان کے اہل و عیال چٹ گئے اور خدا کا واسطہ دینے لگے کہ ہمیں چھوڑ نہ جاؤ۔ تو اہل کی فریاد اور بچوں کے بلکنے سے ان کے دل بیچ گئے اور انہوں نے ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ متعلق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو اسلام کے چشمہ شیریں کو چھوڑ کر کفر کے گندے چھپر میں دوبارہ جا کر گئے تھے اور مکہ میں چلے گئے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو ان سے دوستی کرنے سے منع فرمایا۔ یعنی یہ آیت نازل فرمائی کہ ان کو چھری دوست نہ بناؤ اور ان پر اپنے راز افشاء نہ کرو اور ان کے ساتھ رہنے کو ہجرت پر ترجیح نہ دو اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیتے ہیں (۱)۔ ظہبی نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ آخر میں فرمایا جو مسلمانوں کے خفیہ رازوں پر کفار کو مطلع کرے گا اور ہجرت پر ان کی سنگت و معیت کو ترجیح دے گا وہ ظالم ہے کیونکہ اس نے دوستی کو اپنے مقام پر نہیں رکھا۔ مسلمانوں کی دوستی کا کل صرف اور صرف مسلمان ہی ہیں۔ علامہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان مسلمانوں نے کہا جنہوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی تھی کہ اگر ہم ہجرت کریں گے تو ہمارے مال ضائع ہو جائیں گے ہماری تجارت خسارے میں چلی جائے گی، ہمارے شادو آباد گھر کھنڈ رہن جائیں گے اور ہمارے رشتے اور تعلق سب ضائع ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ
اقتَرَسْتُمْوهَا وَتِجَارَةٌ تَتَّخِذُونَ كَسَادَهَا وَ مَسْكَنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ
فِرَنِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۗ وَاللَّهُ لَا

يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ ﴿٣١﴾

”(اے حبیب) آپ فرمائیے اگر میں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کہنہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار اندیشہ کرتے ہو جس کے مندرے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو زیادہ پیار سے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے۔“

اس آیت کریمہ میں عشیرہ تکم کو ایوب کر نے عامم سے روایت کر کے عشیرہ انکم یعنی الف کے اضافہ سے جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ قرآنی قراء نے عشیرہ تکم بغیر الف کے پڑھا ہے، اس کا معنی اقرباء ہے اور یہ عشرۃ سے ماخوذ ہے۔ الف فمحوھا کا معنی اکسبتموھا ہے یعنی جو مال تم نے کمائے۔ تعشون کسادھا یعنی جس تجارت کے مندرے اور خسارے کا فائدہ ہے۔ فتر بصوا حتی یاتی اللہ بامرہ شرط کی جزاء اور ردید ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بامرہ سے مراد بقضائہ ہے، یعنی فوری اور دیر سے ملنے والی سزا کا انتظار کرو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ فرمایا دنیا کے مال و متاع اور خاندانی مراسم کو رخصا ائی، محبت الہی اور محبت رسول ﷺ ترجیح دینے والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں محبت سے مراد اختیار یا محبت ہے۔ یعنی ان دشمنی اشیاء کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی پر ترجیح نہ دے۔ محبت طبعی مراد نہیں ہے کیونکہ اس کا انسان مکلف نہیں ہے اگر چاہا اختیار کسی اور سے زیادہ محبت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے (۱)۔ میں کہتا ہوں ایمان کا کمال یہ ہے کہ طبیعت شریعت کے تابع ہو اور طبیعت اس چیز کا تقاضا ہی نہ کرے جس کا شریعت نے حکم نہ دیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ کی رضا کے لئے کسی سے محبت کرتا ہے، اللہ کے لئے کسی نے بغض رکھتا ہے، اللہ کے لئے کسی کو عطا کرتا ہے اور اللہ کے لئے روکتا ہے تو اس کا ایمان مکمل ہے، اس حدیث کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابی امامہ سے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے معاذ بن انس سے نقل کیا ہے (۲)۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اسے اس کے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (۱)۔ (۳)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس میں تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی مناس پائے گا۔ 1۔ دنیا کی ہر چیز سے اسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول محبوب ہو۔ 2۔ کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے۔ 3۔ کفر سے اللہ تعالیٰ نے اسے نجات عطا فرمائی ہے اب دوبارہ کفر کی طرف لوٹنا اس طرح اسے ناپسند ہو جیسے آگ میں گرنے سے ناپسند ہے (۴)۔ میں کہتا ہوں ایمان کی علالت (مناس) پانے سے مراد ایمان کی اس طرح لذت محسوس کرنا ہے جیسے انسان خواہشات طبعیہ سے لذت محسوس کرتا ہے یہ ایمان کا درجہ کمال ہے اور یہ مقام و مرتبہ صرف اور صرف

1- تفسیر بیضاوی صفحہ 250 (فراس)

2- جامع ترمذی، جلد 5 صفحہ 16 (المطبع)

3- صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 14 (ابن کثیر)

4- صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 14 (ابن کثیر)

(۱) عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جبکہ آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ سوائے اپنی جان کے آپ ﷺ مجھے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے جان سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔

پاکیزہ نفوس اور ارباب شوق صوفیا کی معیت و صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگان دین کے توسل سے ہمیں بھی لذت ایمان سے سرفراز فرمائے۔ یہ آیت کریمہ اور مذکورہ بالا احادیث طیبہ ثابت کرتی ہیں کہ مشائخ کی خدمت کے ذریعے تصوف کا استہباب ضروری ہے، واللہ لا یہدی القوم الفاسقین کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اپنی معرفت کی طرف راہنمائی نہیں فرماتا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت میں بڑی سختی اور شدت ہے۔ بہت کم نفوس قدسیہ اس معیار پر پورے اترتے ہوں گے۔ میں کہتا ہوں یہ لئیل گروہ صوفیا مکرام کا ہے۔ صاحب مدارک لکھتے ہیں لوگوں میں جو عقائد کی کروری اور یقین کی کمی ہے یہ آیت اس کو بیان کر رہی ہے کیونکہ بڑے بڑے متقی و پرہیزگار بھی اپنے باپ، بیٹوں، مالوں اور دنیا کی جاہ و حشمت کو اپنے دین پر ترجیح دے دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت عطا فرمائی ہو وہ اپنے دین کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے اور بزرگانِ حال یہ کہہ رہا ہوتا ہے:-

انہیں کہ تراشناخت جاں راچہ کند
فرزند و عیال و خان و مان راچہ کند
دیوانہ گئی ہرود جہانش بخشی
دیوانہ تو ہرود جہا تراچہ کند
ترجمہ:- جس نے تیری معرفت حاصل کر لی وہ اپنی جان کو کیا کرے گا، اولاد اور خاندان کو کیا کرے گا
تو نے اسے دیوانہ کر کے دو جہاں بخشے اب تیرا دیوانہ دو جہاں کو کیا کرے گا۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۚ وَذِيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ صِيغَاتُ إِذْ تُضَارِبُ الصَّخْرَةَ ۚ وَلْيَوْمَ مَدْيُنَ عِنْدَ حُنَيْنٍ كُنَّ أَسْفَلَ وَكُنَّا أَسْفَلَ لَكُم ۚ فَكَفَّ اللَّهُ بُعْثَ كُفْرِكُمْ ۖ وَلَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ قَوْلَهُ ۚ وَلِيَوْمَ مَدْيُنَ عِنْدَ حُنَيْنٍ كُنَّ أَسْفَلَ وَكُنَّا أَسْفَلَ لَكُم ۚ فَكَفَّ اللَّهُ بُعْثَ كُفْرِكُمْ ۖ وَلَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ قَوْلَهُ ۚ وَلِيَوْمَ مَدْيُنَ عِنْدَ حُنَيْنٍ كُنَّ أَسْفَلَ وَكُنَّا أَسْفَلَ لَكُم ۚ فَكَفَّ اللَّهُ بُعْثَ كُفْرِكُمْ ۖ

”بیشک مد فرمایا تمہاری اللہ نے بہت سے جنگی میدانوں میں اور حنین کے روز بھی جہ جیکہ تمہند میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے جس سے نفاذ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی ہے اور کثرت ہو گئی تم پر زمین باد جو دیا پانی و صحت کے لیے پھر تم مزے پیٹھ پھیرتے ہوئے“

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے جنگی میدانوں میں تمہاری مد فرمائی مثلاً جنگ بدر، حنین، ماحراب، نضیر، قرظہ، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ وغیرہ کے مقامات پر تمہاری کم تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود تمہاری پشت پناہی فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک مہینہ کی مسافت پر دشمن کے دل میں رعب ڈال کر میری تائید کی گئی ہے۔

۲۔ یوم حنین کا معطف موطن پر ہے یا معطف میں مضاف کی تقدیر کے ساتھ یعنی اصل میں موطن حنین ہے یا معطف علیہ میں مضاف کی تقدیر کے ساتھ یعنی فی ایام موطن کثیرہ۔ یا موطن سے مراد اوقات ہیں جیسے کہا جاتا ہے مثل حنین رضی اللہ عنہ یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت۔

۳۔ جیکہ تمہیں کثرت نے تمہیں گھمنڈ اور عجب میں ڈال دیا تھا مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار یا چودہ ہزار تھی جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا اور کفار کی تعداد چار ہزار تھی۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے لیکن الحافظ ابن حجر و غیرہ فرماتے ہیں کہ کفار کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں دو گنا یا اس سے بھی زائد تھی۔ اس قول کے مطابق کفار کی تعداد چوبیس ہزار یا اٹھائیس ہزار تھی۔ اذا عجبکم بدل ہے یوم حنین سے۔ اور فی موطن پر معطف ہو اذا عجبکم کو یوم حنین سے بدل بنانے سے مانع نہیں ہے کیونکہ معطف جس کی طرف مضاف کیا گیا ہے ان

دونوں کا اس میں مشترک ہونا ضروری نہیں ہے تاکہ تمام مواقع پر ان کی کثرت و عجب تسلیم ہو۔ حسین مکدا اور طائف کے درمیان ذی الحجاز کے پڑوس میں طائف کے قریب ایک وادی ہے۔ اس وادی اور مکہ کے درمیان دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ ہے۔ اس وادی میں رسول اللہ ﷺ نے عرب کے ایک وسیع خاندانوں والے قبیلہ ہوازن سے جنگ لڑی تھی۔ ہوازن کا سلسلہ نسب یہ ہے ہوازن بن منصور بن نحرہ بن حصہ بن قیس بن فیضان بن الیاس بن مسرہ ثقیف بھی ان کی ایک شاخ تھی۔

واقعہ غزوہ حنین

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے چھ رمضان 8ھ کو مکہ فتح کیا تو ہوازن اور ثقیف کے سردار ایک دوسرے سے ملے اور یہ خدشہ ظاہر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کہیں ہم پر حملہ نہ کریں۔ کہنے لگے اب انہیں ہم پر حملہ کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ خیال یہ ہے کہ ہم پہلے ان پر حملہ کریں، اپنا ارادہ پختہ کر لو اور ان کے حملہ سے پہلے ہم حملہ کر دو۔ ہوازن قبیلہ کے افراد جمع ہوئے اور ان کی قیادت مالک بن عوف بن سعد بن ربیعہ انصاری کر رہا تھا۔ بعد میں یہ مسلمان ہو گیا تھا ہوازن کے ساتھ ثقیف کے تمام لوگ اور نصر و حشم قبائل کے بھی تمام لوگ جمع ہو گئے۔ بنی ہلال میں سے سعد بن بکر کے چند افراد بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے، یہ سب بھی کم افراد تھے۔ قیس بن فیضان اور ہوازن میں سے سب اور کلاب قبیلہ کے لوگ اس بیعت میں شامل نہ ہوئے۔ ان قبائل کو ابن ابی براء نے حاضر ہونے سے منع کیا تھا اور کہا تھا اگر مشرق و مغرب کے تمام لوگ محمد ﷺ سے دشمنی پر آمرا آئیں تو پھر بھی وہ (محمد ﷺ) غالب آئیں گے۔ حشم قبیلہ میں درید بن الصمہ ایک سوساٹھ سال یا ایک سو بیس سال کا ایک شخص تھا۔ انہوں نے درید سے رائے طلب کی کیونکہ وہ ان کا رئیس اور سردار تھا۔ اس نے کہا نہ مجھے دکھائی دیتا ہے اور نہ میں سواری پر بیٹھ سکتا ہوں لیکن میں تمہارے ساتھ آتا ہوں اور اس شرط پر مشورہ دوں گا کہ تم میری مخالفت نہیں کرو گے اور اگر تم میری مخالفت کرو تو میں باہر ہی نہیں نکلتا۔ مالک بن عوف آیا جس کی عمر تینتیس سال تھی اور وہ لوگوں کا لیڈر تھا اس نے کہا ہم حیرتی مخالفت نہیں کریں گے۔ جب مالک نے رسول اللہ ﷺ کی طرف حملہ کرنے کی خاطر جانے کا ارادہ کر لیا تو اس نے لوگوں کو اپنے مال مویشی اور عورتوں کے ساتھ نکلنے کا حکم دیا۔ لوگ اسی طرح بیویوں اور بچوں کو لیکر چل پڑے جب اوطاس کے مقام پر پہنچا تو وہاں لشکر کی قیام گاہ بنائی ہر طرف سے امداد آنے لگی۔ درید بن الصمہ بھی پہنچ گیا۔ اس نے کہا یہ بچوں کے رونے، ادھتوں پر بیٹھنے، گدھوں کے بیٹکنے، بیٹوں کے دکارنے اور کمریوں کی میں میں مجھے سنائی دے رہی ہے۔ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ مالک لوگوں کو بیٹوں، عورتوں اور مال مویشیوں کے ساتھ لایا ہے۔ درید نے مالک سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا میرا خیال ہے ہر ایک شخص کے ساتھ بیوی اور بیٹے ہوں گے تو وہ ان کے دفاع کے لئے لڑے گا۔ درید نے کہا یہ بھیڑیں چرانے والا ہے اسے جنگ سے کیا تعلق۔ درید نے ایک ہاتھ بطور تعجب اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر تالی بجائی اور کہا شکست خوردہ کو کوئی چیز وہاں نہیں لاسکتی اگر جنگ تمہارے حق میں ہوتی ہے تو تجھے مردانہ اپنی کھوار اور اپنے نیزے کے ساتھ نفع دے گا اور اگر تمہارے خلاف ہوگی تو تجھے اپنے اہل و عیال اور مال کے بارے رسوائی ہوگی۔ اپنی عورتوں، بچوں اور اموال کو اپنی قوم کو بالائی اور محفوظ علاقوں میں چھوڑ آؤں۔ پھر قوم کو گھومڑوں کی چٹھوں پر سوار کر کے اور پیدل چل کر جنگ کرو، اگر تمہیں فتح ہوئی تو بجز لوگ تم سے مل جائیں گے اور اگر حالات مخالف ہو گئے تو تیرا گھرانہ اور مال تو محفوظ ہوگا۔ مالک نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا تم بڑھے ہو گئے ہو اور

تہماری عقل بھی پوچھی ہوگی ہے، دریدہ کو اس بات پر بہت غصہ آیا۔ دریدہ نے پوچھا اے مسخر ہوا زن، کعب اور کلاب نے کیا فیصلہ کیا ہے، لوگوں نے کہا ان میں سے تو کوئی بھی نہیں آیا دریدہ نے کہا طاقت اور شجاعت تو عاقب ہے۔ اگر یہ دن حق اور نعمت کا ہوتا تو وہ کبھی پیچھے نہ رہے۔ اے ہوا زن لوٹ جا اور تم بھی ان جیسا فیصلہ کرو لیکن انہوں نے دریدہ کی بات نہ مانی۔ پھر دریدہ نے پوچھا تم میں سے کون کون حاضر ہوا ہے۔ انہوں نے کہا عمرو بن عاص اور عوف بن عاص۔ دریدہ نے کہا یہ دونوں تو بنی عاص میں سے کمزور ترین لوگ ہیں۔ نہ یہ تمہیں فائدہ دیں گے اور نہ یہ بھائیں گے۔ مالک نے دریدہ سے کہا اسے علاوہ کوئی اور صورت بھی ہے جس کا میں قوم کو حکم دوں۔ دریدہ نے کہا ہاں تو ایک خفیہ لشکر بنا دے اگر مسلمان قوم تجھ پر حملہ کرے گی تو یہ پوشیدہ لشکر تیری مدد کو آ جائے گا اور پیچھے سے مسلمانوں کے لشکر پر حملہ آور ہو جائیں گے اور تم اور تمہارے ساتھی میرے جوش و جذبہ کے ساتھ حملہ کرو گے۔ اگر تم حملہ کرو گے تو ان مسلمانوں میں سے کوئی نکل نہیں سکے گا۔ یہ اس طرح مالک نے گھاٹیوں میں اپنے نو جوانوں کو چھپا دیا۔ پھر انہوں نے حملہ کیا تھا جس میں چند صحابہ کرام کے پاؤں اکٹڑ گئے تھے اور ٹکست سے دو چار ہوئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو ہوا زن کی ان ساری چال بازیوں کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ان سے جنگ کا ارادہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے عقاب بن اسید کو مکہ کا امیر بنایا۔ جن کی عمر میں سال تھی اور معاذ بن جبل کو مدینی تعلیم دینے کے لئے بحیثیت معلم مقرر فرمایا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حنین کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو فرمایا اے ان شاء اللہ ہماری منزل خبث بنی کنانہ کی وہ جگہ ہوگی جہاں انہوں نے فخر پڑانے و نہنے کی تمہیں اٹھائی ہیں۔ آپ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے زرہ میں اور ہتھیار عاریہ طلب فرمائے تو اس نے کہا اے محمد آپ مجھ سے غصہ کرنا چاہتے ہیں یا عاریہ لینا چاہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا عاریہ مضمونہ صفوان نے آپ ﷺ کو سوزرہ میں اور کچھ دوسرے ہتھیار دے دیئے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور ابو الدرداء اور امام ۶۶۶ ہجرت جبرما اللہ تعالیٰ نے امیہ بن صفوان سے اسی طرح یہ حدیث روایت کی ہے (۱)۔ کنبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں آپ ﷺ نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے عاریہ تین ہزار تیزے لئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے تیزوں کو شترکین کی ٹانگوں میں ٹوٹا ہوا کچھ رہا ہوں۔ نبی کریم ﷺ 6 شوال 8ھ کو ہنتہ کے دن بارہ ہزار چنانچہ مسلمانوں کی معیت میں نکلے ان میں سے دس ہزار مدینہ طیبہ کے اور دو ہزار اہل مکہ میں سے تھے۔ ابو اسحاق نے محمد بن عبید اللہ المثنیٰ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اہل مدینہ میں دس ہزار افراد تھے۔ چار ہزار انصار میں سے تھے، جبینہ، ہزینہ، اسلم، غفار اور اشج ہر قبیلہ سے ہزار ہزار آدمی تھے اور مہاجرین اور ان کے علاوہ لوگ بھی ہزار کی تعداد میں تھے۔ عرہ اور زہری کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ مکہ میں بارہ ہزار افراد کے ساتھ تشریف لائے تو وہاں سے دو ہزار اول کے توکل چودہ ہزار افراد ہوئے ابن عقیل اور محمد بن عمر کہتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ حنین کی طرف نکلے تو آپ ﷺ کے ساتھ اہل مکہ بھی نکلے، کوئی بھی ان سے پیچھے نہ رہا کچھ سوار تھے اور کچھ پیادے تھے، حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ نکلیں اگرچہ وہ مسلمان تھیں صرف جنگی مناظر دیکھنے اور مال فینیت کے حصول کے لالچ میں نکلے تھے اور آپ ﷺ کی ٹکست کو ناپسند نہ کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ ابو سفیان اور صفوان بن امیہ بھی تھے صفوان کی بیوی مسلمان تھی اور وہ خود ابھی مشرک تھا ان کے درمیان تفریق نہیں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کے ساتھ ازواج

کھڑا ہو گیا۔ میں بیدار ہوا تو اس نے کہا اے محمد تجھے مجھ سے کون بھانے گا میں نے کہا اللہ! پھر میں نے اپنی کپڑا اس پر سونٹ لی اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس اللہ کے دشمن کا سر قلم کر دوں یہ مشرکوں کا جاسوس ہے۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا اے ابو بردہ خاموش رہو۔ آپ ﷺ نے کسی خفیہ مصلحت کی وجہ سے اسے نذبان سے برا بھلا کہا اور نساہت جسمانی سزا دی فرمایا اے ابو بردہ اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے والا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے دین کو تمام ادا دین پر غالب کر دے گا (۱)۔ ابو نعیم اور سیوطی نے کہا اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس شوال بروز منگل شام کے وقت حنین کی وادی میں پہنچے، مالک بن عوف نے اپنے تین افراد بھیجے تاکہ وہ محمد ﷺ کے لشکر کی خبر لے آئیں اس نے انہیں کہا کہ تم لشکر میں پھیل جانا اور ہر بات کا خوب خیال کرنا، جب وہ تینوں افراد واپس آئے تو ان کے اعضاء کانپ رہے تھے۔ مالک نے کہا تمہیں کیا ہوا انہوں نے کہا ہم نے اہل کھوڑوں پر سفید سفید مرد دیکھے ہیں ہم تو انہیں دیکھ کر اس کیفیت میں مبتلا ہو گئے ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔ قسم بخدا ہماری جنگ اہل زمین سے نہیں بلکہ آسمان والوں سے ہے۔ اگر تو ہماری بات مانتا ہے تو اپنی قوم کو واپس لے جا کیونکہ اگر لوگوں نے بھی وہ کچھ دیکھ لیا جو ہم نے دیکھا ہے تو ان کی بھی وہی حالت ہوگی جو ہماری ہے۔ مالک بن عوف نے کہا انس صد انسوس تم تو پورے لشکر سے بزدل آدمی ہو اس نے ان تینوں کو ایک جگہ میں بند کر دیا تاکہ یہ گھبراہٹ اور ڈر پھرے لشکر میں پھیل نہ جائے، پھر اس نے کہا کوئی بہادر آدمی بتاؤ۔ تمام نے اتفاق سے ایک شخص کو متعین کیا وہ جب گیا اور واپس آیا تو وہ بھی اسی لڑکھڑاہٹ اور پریشانی میں مبتلا تھا جس سے پہلے دو چار تھے۔ اس نے بھی وہی کچھ بتایا جو پہلے تین شخصوں نے بتایا تھا۔ محمد بن عمر کہتے ہیں جب رات کا دو تہائی حصہ گزر گیا تو مالک بن عوف اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان کی صف بندی کرنے لگا یہ وادی بہت خطرناک، مختلف ٹھکانوں والی اور جنگ راستوں والی تھی لوگ اس میں بٹھر گئے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ محمد (ﷺ) پر کیا ہر کی حملہ کر دینا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی سحری کے وقت اپنے چائٹاروں کی صف بندی فرمادی اور ان کے لیڈر اور جھنڈے مقرر فرمائے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوزر ہیں، ایک خود ادرکتز پھینا اور صفوں کا چکر لگا کر انہیں درست فرمایا۔ پھر جہاد کے موضوع پر خطبہ فرمایا لوگوں کو جنگ پر ابھارا اور حج کی نوبت سنانی بشرطیکہ وہ صداقت و صبر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ خالد بن ولید کو نبی سلیم اور اہل مکہ کا جرنیل بنایا۔ عینہ، سیرہ اور قلب بنایا۔ آپ ﷺ خود قلب میں تھے۔ ابو اسنیخ، حاکم، بزاز اور ابن مردویہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں جب اہل مکہ اور اہل مدینہ حنین کی جنگ میں جمع ہوئے تو لشکر ت افراد نے انہیں گھمنڈ میں ڈال دیا اور کہنے لگے قسم بخدا آج جنگ ہوگی۔ بزاز رضی اللہ علیہ کے الفاظ میں ہے کہ ایک انصاری نوجوان نے کہا تھا آج قلت کی بنا پر ہم مغلوب نہیں ہوں گے اور ہماری دشمن سے مدد بھیجے ہوگی تو دشمن چہنچہ پھر کر بھاگ جائیں گے۔ یونس بن مکرر کی روایت میں یہ زمانہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی ان باتوں کو ناپسند فرمایا (۲)۔ ابن ابی الحداد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت الحسن رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد اذ اعجتکم کشتکم سے اسی عجب کی طرف اشارہ ہے۔

جی تمہاری کثرت نے تمہیں کچھ فائدہ نہیں دیا یہ دشمن کے معاملہ میں سے کچھ مفید نہ ہوئی۔

یہ ما مصدر یہ ہے اور بقاء بمعنی مع ہے، یعنی وسعت اور کشادگی کے باوجود، یا بقاء بمعنی صحابہت ہے اور جار مجرور حال واقع ہو

رہے ہیں جیسے تیرا قول ہے ذُخِّلْتُ عَلَيْهِ بِبِنَابِ الشُّغْرِ (یعنی میں سفروا لے کپڑوں کے ساتھ اس کے پاس گیا) یعنی زمین میں اتنی کشادگی کے باوجود جنہیں اس میں قرار نہ ملا اور شدتِ رعب کی وجہ سے تمہارے دل اطمینان نہ پاسکے یا یہ معنی کہ زمین کی وسعت کے باوجود تم اس میں اس شخص کی مانند تھے جس کو کھکانے کی گنجائش نہ ہو۔

یہ خطاب ابن موسیٰ کو ہے جو جنگِ خوردد تھے۔ ادھار کا معنی پیچھے کی طرف جانا ہے اور یہ اقبال (سامنے آتا) کی ضد ہے۔ ابن اسحاق، احمد اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے جابر سے ابو یعلیٰ اور محمد بن عمر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم وادیِ حنین پر پہنچے تو وہ وادی بڑی بھیا تک، جنگ راستوں اور مختلف گھاٹیوں والی تھی۔ ہوا زان ہم سے پہلے وادی میں پہنچ گیا اس کی گھاٹیوں، راستوں میں چھپ گئے تھے اور مقابلہ کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ ہم بخدا ہم وادی میں اتر رہے تھے تو ہمیں صرف لشکر ہی نظر آئے انہوں نے ہم پر یکبارگی حملہ کر دیا اور وہ سب تیرا انداز تھے (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس دن ہوا زان کی کثرت جو ہم نے دیکھی اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اپنی عورتیں، بچے اور اموال سب ساتھ لے آئے تھے۔ پھر انہوں نے صفِ بندی اس طرح کی تھی کہ عورتوں کو اونٹوں کے اوپر سوار کر کے مردوں کی صفوں کے پیچھے کھڑا کیا تھا۔ اس کے بعد بغایت اوثق، گائے اور بکریاں کھڑی کر رکھی تھیں۔ یہ ساری چیزیں پیچھے اس لئے کھڑی کی تھیں تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔ جب ہم نے ان کی سیاہی دیکھی تو ہم نے تمام کو سردمان کیا جب صبح مناد ہرے ہم وادی میں اترے تو فوجی دستے ہم نے محسوس کئے۔ وہ ہم پر تلگ وادیوں اور گھاٹیوں پر ٹوٹ پڑے اور یکبارگی حملہ کر دیا تو نبی سلیم بھاگ گئے ان کے پیچھے اہل مکہ اور پھر دوسرے لوگ بھی پیٹھ پھیر گئے۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اس وقت اتفاقاً راز راز تھا کہ کسی کو اپنا ہاتھ اور کھائی نہ دیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ قلب سے دائیں طرف ہو گئے اور فرمایا اے لوگو! میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔ (2)

امام بخاری، ابن ابی شیبہ، ابن مردودہ اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے براء بن عازب سے کہا اے ابو عمارہ کیا تم حنین کے معرکہ میں بھاگ گئے تھے، انہوں نے کہا نہیں قسم بخدا رسول اللہ ﷺ نے جنگ سے پیٹھ نہیں پھیری تھی۔ لیکن کچھ نوجوان صحابہ جو نہتے تھے اور ان کے پاس ہتھیار بھی نہ تھے۔ وہ میدان کارزار سے نکل گئے تھے۔ ان کا مقابلہ تیرا انداز قوم سے ہوا تھا جن کا کوئی تیر خطا نہیں ہونا تھا۔ پھر جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا گئے تھے۔ لوگ مال غنیمت اٹکھا کرنے لگے۔ ہوا زان نے تیروں کے ساتھ ہمارا مقابلہ کیا ان کے تیر ہڑی دل لشکر کی طرح تھے اور ان کا کوئی تیر خطا نہیں ہوتا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف پیش قدمی کرتے تھے، جبکہ آپ ﷺ سفید دراز گوش پر سوار تھے اور ابو سفیان بن الحارث اس کی ناکام بکڑے ہوئے تھا۔ رسول اللہ ﷺ دراز گوش سے نیچے اترے اور دو گانگی اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا میں نبی ہوں اس میں ذرہ بھر شک نہیں، میں ابن عبد المطلب ہوں (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم پر جنگ تیز ہو جاتی تو ہم حضور ﷺ کے پیچھے اپنا بچاؤ کرتے تھے ہم میں سے بڑا بہادر وہ ہوتا جو آپ ﷺ کے ساتھ برابر کھڑا ہوتا تھا (4)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب لوگ شکست سے دوچار ہوئے تو جن لوگوں

کے دلوں میں کیڑہ تھا وہ پائیں کرنے لگے۔ ابو سفیان بن حرب جس کا اسلام ابھی کامل نہ تھا۔ اس نے کہا یہ بھانگے والے لوگ سندر کے قریب جا کر کریں گے۔ جبکہ بنی مہمل نے بڑے واضح الفاظ میں کہا۔

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے کلدہ بن الحسبیل نام لکھا ہے، یہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا، اس نے اپنے اخیافی بھائی صفوان بن امیہ سے کہا آج جاو کا پوئل مکمل کیا۔ صفوان شریک تھا اور اس مدت میں تھا جو مشرکوں کو فوراً فخر کے لئے عطا فرمائی گئی تھی۔ صفوان نے اسے کہا خاموش رہو ہم بھانگے کسی قریش کے ہاتھ سے تیر لگانا بہتر ہے کہ مجھے ہوازان کے کسی آدمی سے تیر لگیں۔ ابن سعد، ابن عساکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبدالمالک بن عبید سے اور الطبری، ابن عساکر اور ابو نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمر مہر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ شیبہ بن عثمان نے بتایا کہ جب مکہ فتح ہوا اور رسول اللہ ﷺ نئی کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گئے اور حنین کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو میں نے دل میں سوچا کہ میں بھی قریش کی معیت میں ہوازان کی طرف چلوں گا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے دھوکے سے محمد (ﷺ) پر حملہ کر سکیں۔ مجھے اپنا باپ یاد آیا مجھے نصرت مزہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا تھا اور اپنا چچا یاد آیا جسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نقل کیا تھا۔ بنی نے سوچا کہ آن میں محمد (ﷺ) سے اپنا اور قریش کا بدلہ لوں گا۔ میں نے کہا اگر سارے عرب و ہجر بھی محمد (ﷺ) کی اتباع کرتے لگیں تو میں پھر بھی اتباع نہیں کروں گا۔ میں اس تاک میں تھا جب میں لگا تو میرے جذبات میں اضافہ ہو گیا، پھر جب میدان جنگ میں آپ (ﷺ) کے اصحاب میں سے کچھ بھاگ گئے تو میں پہلے آپ کی دائیں جانب سے برار اور لیکر آیا وہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کھڑے تھے اور انہوں نے سفید زرد پہنی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا یہ ان کے چچا ہیں یہ ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ پھر میں بائیں طرف سے آیا تو وہاں سفیان بن الحارث کھڑے تھے، میں نے کہا یہ ان کے چچا زاد بھائی ہیں، یہ بھی ان کا دفاع ضرور کریں گے۔ میں پیچھے سے آپ میں تلوار سے حملہ کرنے لگا جو نبی تلوار اٹھائی تو میرے اور آپ (ﷺ) کے درمیان آگ کا شعلہ بلند ہوا۔ ایسا محسوس ہوا جیسا کہ بجلی کی چمک ہے مجھے ڈر لگا کہ کتنی میری آنکھیں ہی ضائع نہ ہو جائیں۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں اگلے پاؤں پیچھے ہٹا۔ مجھے نصیب ہو گیا کہ ان کی حفاظت کوئی نبی ہاتھ کر رہا ہے۔ آپ (ﷺ) نے میری طرف نظر اٹھاتے فرمایا اور فرمایا اے شیبہ میرے قریب آ جا۔ میں قریب ہوا تو اپنا دست اقدس میرے سینہ پر رکھا اور دعا فرمائی اے اللہ اس سے شیطان کو دور فرما دے۔ اسی اثنا میں میں نے اپنے سر اوپر اٹھایا تو آپ (ﷺ) مجھے اپنے کانوں، آنکھوں اور دل سے بھی زیادہ محبوب و عزیز تھے، پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا اے شیبہ کفار سے لڑو۔ میں آگے بڑھا اور یہ پسند کر رہا تھا کہ اپنی جان پر تیر برداشت کر کے آپ (ﷺ) کی حفاظت کروں۔ جب ہوازان کو شکست ہوئی اور آپ اپنے خیمہ میں واپس تشریف لائے۔ میں آپ (ﷺ) کے پاس حاضر ہوا تو آپ (ﷺ) نے فرمایا سب تعریفیں اللہ کے لئے جس نے تجھے خیر اور بھلائی پہنچانے کا ارادہ فرمایا۔ پھر آپ (ﷺ) نے میرے تمام قلبی ارادے بیان فرمادیے جو میں اس سے پہلے دل میں چھپائے ہوئے تھا۔ (۶۱)

محمد بن عمر بن عمر بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ وہ یہ کہتے تھے کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں دین اسلام چھپے پائیکر ہندہ سے نوازا اور محمد (ﷺ) جیسا نبی عطا فرما کر ہم پر احسان عظیم فرمایا اور ہم اس برے عقیدہ پر نہ رہے جس پر ہمارے آباؤ اجداد مرے تھے۔ راوی نے طویل حدیث بیان کی ہے۔ نظر کیجئے ہیں میں قریش کے ساتھ تھا اور ابھی تک ان کے عقائد پر تھا۔

ابوسفیان بن حرب، سفیان بن امیہ اور کھیل بن عمر یہ سب ابھی تک مکمل اسلام پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر محمد ﷺ شکست سے دوچار ہوں گے تو ہم محمد (ﷺ) پر حملہ کر دیں گے۔ جب دونوں گروہ آمنے سامنے ہوئے تو ہوازن نے کیماری حملہ کر دیا۔ ہم اس وقت مشرکوں کی بھلائی چاہتے تھے۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ مسلمان اس زبردست حملہ کو برداشت نہیں کر سکیں گے اور ہم ان کے ساتھ تھے اور میرا ارادہ تھا میں آپ (ﷺ) کا قصد کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ آپ ﷺ مشرکوں کے باہل سامنے دراز گوش پر سوار تھے اور آپ ﷺ کے ارد گرد رشید چہروں والے مرد کھڑے تھے۔ میں آپ ﷺ کی طرف بڑھا تو انہوں نے بلند آواز سے کہا: دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ۔ میرا دل رعب سے بھر گیا اور میرے اعضاء پر کچلی طاری ہو گئی۔ میں نے کہا یہ تو بدروالے دن کا معاملہ ہوا ہے۔ یہ شخص یقیناً جنت میں ہے اور اس کی غیب سے حفاظت ہوتی ہے۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈالی اور جو کچھ میں بد ارادے رکھتا تھا اللہ تعالیٰ نے سب کو کسیر بدل دیا۔ محمد بن عمر ابو قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ شکست خوردہ لوگ ایک دن اور ایک رات چل کر مکہ پہنچے تو انہوں نے اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کی شکست کی خبر سنائی۔ عتاب بن اسیدان دنوں مکہ کے امیر تھے اور معاذ بن جبل آپ ﷺ کے ساتھ صلح تھے۔ اس خبر سے انہیں بہت دکھ ہوا لیکن اہل مکہ کے کچھ لوگ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور مظلیم بنانے لگے۔ کسی نے کہا اب کرب اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹ آئیں گے کیونکہ محمد (ﷺ) قتل ہو گئے ہیں اور ان کے اصحاب بکھر گئے ہیں۔ عتاب ابن اسید نے کہا اگر محمد (ﷺ) شہید ہو گئے ہیں تو اللہ کا دین باقی ہے، محمد ﷺ جس ذات کی عبادت کرتے تھے وہ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہ آئے گی۔ اسی دن شام کے وقت خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کو شکست دے دی ہے۔ حضرت عتاب بن اسید اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو سوا اور ڈیڑھ لکھ جو مسلمانوں کی شکست پر خوش ہوئے تھے۔ پس شکست خوردہ لوگ بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ آئے اور مقام اوطاس پر آپ ﷺ کے ساتھ مل گئے پھر آپ ﷺ نے یہاں سے طائف کا سفر شروع فرمایا تھا۔

فائدہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس جنگ میں اٹکے رہ گئے تھے۔ مسلم، ابن اسحاق اور عبد الرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں جنین کے معرکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا میں اور ابوسفیان بن حارث رسول اللہ ﷺ سے جدا نہیں ہوئے تھے آپ ﷺ سفید دراز گوش پر سوار تھے۔ جب مسلمان اور کفار کے درمیان غمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے لیکن رسول اللہ ﷺ اپنی سواری کو کفار کی طرف دوڑا رہے تھے۔ میں آپ ﷺ کے ٹھوکری لگام پکڑ کر اسے جلدی چلنے سے روک رہا تھا۔ آپ ﷺ کو کفار کی کوئی پرداہ نہ تھی آپ ﷺ مشرکین کی طرف جانے میں جلدی کر رہے تھے۔ ابوسفیان بن حارث رسول اللہ ﷺ کی رکاب تھا سے ہوئے تھے (1)۔ دوسری احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جماعت تھی۔ محمد بن یوسف صالحی نے ان احادیث اور اقوال کو تفتیح دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ تمہارا جاننے سے مراد یہ ہے کہ دشمن کی طرف صرف آپ ﷺ ہی پیش قدمی کر رہے تھے اور جو ثابت قدم رہے تھے وہ آپ ﷺ کے پیچھے تھے۔ جنگ کرنے کے اعتبار سے آپ ﷺ تنہا تھے۔ ابوسفیان بن الحارث اور عباس ٹھوکروہ کئے کی خدمت بجا لارہے تھے۔ جنین کے روز ثابت قدم رہنے والوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد

تین سو افراد تھے اور باقی تمام بھاگ گئے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حارث بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باقی رہنے والوں کو شہر کیا تھا جب کہ لوگ پینہ پھیر کر بھاگے تھے وہ ثابت قدم افراد تھے (1)۔ احمد، ابوداؤد، ابی یوسف، اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اللہ افراد کے ذریعے ابن مسعود سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں جنین کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگ بھاگ گئے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ مہاجرین و انصار میں سے اسی آدمی تھے۔ ہم تقریباً باقی تمام پیچھے بنے لیکن ہم نے پینہ نیکس پھیری تھی (2)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کو جس کے قریب ذمہ گئے تھے۔ ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابی عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سو افراد بھی باقی نہ رہے تھے۔ سوئی لٹی اور اسٹی کے اثبات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ محمد بن عمر فرماتے ہیں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حارث سے پوچھا کہ ثابت قدم رہنے والے کتنے تھے جبکہ لوگ بھاگ گئے تھے۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دائیں بائیں دیکھ کر کہا وہ سوتے فرمایا مجھے علم نہ تھا کہ وہ سوتے عمر ایک دن میں نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا جبکہ آپ ﷺ مسجد کے دروازہ پر جبرئیل سے محو گفتگو تھے۔ جبرئیل نے پوچھا حضور ﷺ کیوں ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ حارث بن نعمان ہے۔ جبرئیل نے کہا یہ جنین کے روز ثابت قدم رہنے والے سو افراد میں سے ایک ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو جبرئیل کی بات کی اطلاع دی۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے کہا حضور ﷺ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ دیکھیں گے کفر سے ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ثابت قدم رہنے والے بارہ افراد تھے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے اپنے اشعار میں دس آدمیوں کا ذکر کیا ہے:

ہم نے جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی مدد کی تھی اور ہم نو افراد تھے۔ اور جو بھاگ گئے تھے وہ بکھر گئے تھے اور ہمارے دسویں شخص نے طشی موت کا بیانا نہیں پایا اور جو اسے بھلا لٹی میں تکلیف پہنچی تھی اس کا اس نے اظہار نہیں کیا تھا۔

صالحی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ شاید یہ تعداد درست ہو اور جنہوں نے زیادہ تعداد بیان کی ہے اس نے ان کو بھی شمار کیا ہو اور جو اس آگے تھے۔ نیز چاروں سو تیس ہی اس شعر کے میں ثابت قدم رہی تیس اہل علم بنت مکیان، امام غمازہ، ام سلمہ اور ام المہاجر۔

لَهُمْ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ حُنُودًا لَهُمْ
تَرَوْنَهَا وَعَدَدَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝

”پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی (خاص) تسکین اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکتے تھے اور نصاب دیا کافروں کو اور سبکی سزا ہے کافروں کی ہے“

یہاں تسکین سے مراد وہ خاص رحمت ہے جس کی وجہ بھاگنے والوں کے دلوں کو قرار نصیب ہوا اور وہ محفوظ اور مضبوط دل ہو گئے تھے۔ المؤمنین سے مراد بھاگ جانے والے ہیں۔ یہاں رسول کا ذکر اس لئے فرمایا کیونکہ سکونت و رحمت کا نزول شکست خوردہ

لوگوں پر رسول اللہ ﷺ کے وجود مسعودی برکت سے ہوا تھا اور آپ ﷺ کے واسطہ جلیلہ سے دوسراں پر یہ رحمت نازل ہوئی تھی۔
 علی دسولہ وعلی المؤمنین میں حرف جر علی کا اعادہ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ اور مومنین کی
 حالت مختلف تھی۔ بعض علماء فرماتے ہیں المؤمنین سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے اور بھاگے
 نہیں تھے۔ طبرانی، حاکم، ابویہیم اور ترمذی جہم اللہ تعالیٰ نے اللہ ناکل میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ رضی اللہ عنہ
 فرماتے ہیں جنین کے معرکہ میں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگ بھاگ گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ مہاجرین و انصار میں
 سے اسی افراد باقی تھے، ہم تقریباً سبی قدموں پر پیچھے بنے لیکن ہم نے پیٹھ نہیں پھیری تھی۔ ان لوگوں پر سکینت نازل ہوئی تھی (۱)۔
 ابن مقفر فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ فجر کے اوپر رکابوں پر سہارا ٹکڑ کرکڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی اسے
 اللہ میں تجھے اسی صلہ کا واسطہ بنا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا تھا یہ لوگ ہم پر غالب نہ آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عباس بلند
 آواز سے پکارو اے انصار! اے درخت کے نیچے بیٹ کر نے والو! اے سورۃ بقرہ والو! حضرت عباس رضی اللہ عنہ بلند آواز سے
 فرماتے ہیں میں نے بلند آواز سے کہا انصار کہاں ہیں، درخت کے نیچے بیٹ کر نے والے کہاں ہیں سورۃ بقرہ والے کہاں ہیں۔
 حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری آواز پر یہ لوگ اس طرح لوٹے جیسے گائے اپنے بچھڑے کی طرف لوتی ہے (۲)۔ عثمان بن
 ابی شیبہ کی حدیث میں ہے جو بغوی اور ترمذی نے کہا اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے اے عباس ان مہاجرین کو بلاؤ جنہوں نے درخت کے نیچے
 بیٹ کر تھی ان انصار کو بلاؤ جنہوں نے غریب لڑکھن مہاجرین کو پناہ دی تھی اور ان کی معاونت کی تھی۔ انصار رسول اللہ ﷺ کی
 طرف یوں پلٹے جیسے اونٹنی اپنے بچے کی طرف لوتی ہے یعنی کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے اترے۔ انصاری کے نیز سے میرے
 نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنے میں کفار کے نیزوں سے زیادہ خوفناک تھے۔ صحابہ کرام پر واند اور دوڑتے ہوئے لیسک
 لیسک کی آوازیں بلند کرتے ہوئے واپس آئے (۳)۔ ابویعلیٰ اور طبرانی نے کہا اللہ تعالیٰ نے اللہ جہاں کے ذریعے حضرت انس رضی اللہ
 عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے روز ایک مٹھی سفید ٹکڑوں کی چھینکی اور کہا ہر کعبہ کی حرم کو فرنگت خور وہ ہو
 گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سامنے اپنی جو انوردی و شجاعت کے خوب جوہر دکھائے تھے (۴)۔ ابن مسعود، ابن ابی
 شیبہ، احمد، ابوداؤد اور بغوی جہم اللہ تعالیٰ وغیرہم نے ابو عبد الرحمن بن ابی المرثی جس کا نام کہہ رکھا تھا ان سے روایت کیا ہے کہ مسلمان
 بھاگے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس دن فرما رہے تھے کہ لوگو میں اللہ کا بندہ اور اس کا
 رسول ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خچر کو دشمن کی طرف دھکیلا اور مجھے آپ ﷺ کے قریبی افراد میں سے کسی نے بتایا کہ آپ
 ﷺ نے ایک مٹھی مٹی کی لیکر کفار کی طرف چھینکی اور فرمایا شاہب المؤمنونہ، چہرے بدل گئے۔ یعنی بن عطاء کہتے ہیں کہ میں کفار کے
 بیٹوں نے اپنے آباء سے روایت کر کے یہ بتایا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو مٹھی چھینکی تھی وہ ہر ایک کی آنکھوں اور
 منہ میں داخل ہوئی تھی اور ہم نے ان سے آتی ہوئی ایک آواز سنی جو اس طرح کی تھی جسے لوہا کسی شلت کے اوپر سے گزر رہا ہو پس
 اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست دی۔ (۵)

ع ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے صدی الکیبیر سے روایت کیا ہے کہ وہ بھنگر جو اللہ تعالیٰ نے اتارا تھا وہ ملائکہ کا تھا (۶)۔ اسی طرح سعید بن

- 1۔ الدر باسقر جلد 3 صفحہ 405 (اصطیٰ)
- 2۔ تخریر بغوی جلد 3 صفحہ 60 (اتھاریہ)
- 3۔ تخریر بغوی جلد 3 صفحہ 60 (اتھاریہ)
- 4۔ تخریر بغوی جلد 3 صفحہ 60 (اتھاریہ)
- 5۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد 7 صفحہ 419 (ازمان)
- 6۔ تخریر ابی ہریرۃ جلد 5 صفحہ 28 (اصطیٰ)

جبریل کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنین کے روز اپنے رسول اکرم ﷺ کی پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کے ذریعے امداد فرمائی تھی (1)۔ ابن اسحاق، ابن المنذر، ابن مردودہ، ابو نعیم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے جبریل بن مطعم سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے کفار کی کشت سے پہلے دیکھا جب لوگ قتال کر رہے تھے ایک سیاہ چادر آسمان سے آرسی سے جتنی کہ دو قوم کے سامنے آتی۔ میں نے دیکھا کہ سیاہ چوٹیوں نے اوادی کو گھبرا دیا ہے۔ پھر میں نے اسے مانگ کر خیال کیا۔ پھر فوراً کفار کو کشت ہو گئی (2)۔ محمد بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ بن عبداللہ نے اپنے شیوخ انصار سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے اس دن ہم نے سیاہ چادریں آسمان سے کیے بعد چڑھے کرتی ہوئی دیکھی تھیں۔ پھر ہم نے دیکھا کہ چھوٹیاں ٹھکری پڑی ہیں۔ ہم انہیں اپنے کپڑوں سے جھار رہے تھے۔ پس اچانک ہمارے سامنے جنگ کا نقشہ چل گیا اور نصرت الہی ہمارے سامنے آگئی (3)۔ مسدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں بتائی اور ابن عساکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبدالرحمن مونی ام برہن سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں مجھے جنین کی جنگ کے متعلق ایک مشرک نے بتایا کہ جب مسلمانوں کے ساتھ ہماری جنگ ہوئی تو مسلمان ہمارے سامنے بکری کا دودھ دوہنے کی دیر بھی نہ ٹھہرے۔ ہم ان کا پیچھا کر رہے تھے، اچانک ہم ایک ٹھنڈے سردی کے مقابلہ میں آئے اور دو رسول اللہ ﷺ تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اور ہمارے درمیان سفید خوبصورت چروں والے مرد تھے۔ انہوں نے ہمیں کہا پھر سے بدل گئے واپس لوٹ جاؤ ہم لوٹ گئے اور وہ ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ (4)

ابن مردودہ، بیہقی اور ابن عساکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے شبیب بن عثمان انجلی سے روایت کیا ہے کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنین کی جنگ میں اسلام کی خاطر نہیں بلکہ اس وجہ سے نکلا تھا کہ ہوازن قریش پر غالب ثابت آجائیں۔ قسم بخدا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے چنتکبرے گھوڑے نظر آ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اے شبیب یہ صرف کافروں کا ہے آپ پھر آپ ﷺ نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ رکھا اور یہ دعا کی اے اللہ شبیب کو عبادت عطا فرما تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ عمل فرمایا قسم بخدا جب آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ میرے سینے سے ہاتھ اٹھایا تو ساری مخلوق سے حضور ﷺ مجھے زیادہ محبوب تھے۔ مسلمان لڑے شہید ہوئے جنہوں نے شہید ہونا پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی سواری لگام پکڑے ہوئے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نمازی مہاجرین کہاں ہیں سورۃ بقرہ والے کہاں ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ موجود ہیں۔ مسلمان وہاں چلے جبکہ رسول اللہ ﷺ یہ کہہ رہے تھے میں بلا شک اللہ کا نبی ہوں۔ میں ابن عبدالمطلب ہوں۔ پھر کھڑوں کے ساتھ مسلمانوں نے ملک کا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب تمہارا نبی لڑائی شروع ہوئی ہے (5)۔ محمد بن عمر مالک بن اوس بن الحدادی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ہمراہی قوم کے کئی افراد نے بتایا جو اس دن جنگ میں موجود تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ننگریوں کی ایک ٹھنی چسکی تو ہر شخص کی آنکھ میں وہ مٹی پڑ گئی اور ہم اپنے سینوں میں ایسا اضطراب و خفقان محسوس کر رہے تھے جیسے قتال میں ننگریوں کے گرنے کے وقت پیدا ہوتا ہے۔ یہ دلوں کی دھڑکن رکھتی تھی نہیں تھی اور اس دن ہم نے ایسے سفید مرد دیکھے جو چنتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے اور سروں پر سرخ نما ماسے تھے جن کے پلو کندھوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے۔ وہ زمین آسمان کے درمیان علیحدہ علیحدہ دستوں کی صورت میں تھے۔ ہم رعب و خوف کی وجہ

1- تفسیر بنوری جلد 3 صفحہ 60 (اتحادیہ) 2- تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 129 (زادع) 3- المنہج الجلی جلد 5 صفحہ 25 (المعلیہ)
4- تفسیر خازن جلد 3 صفحہ 61 (اتحادیہ) 5- الدر المنثور جلد 3 صفحہ 407-08 (المعلیہ)

سے ان کو غور سے دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ (1)

حضرت ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے المدی الکبریٰ سے روایت کیا ہے کہ کفار کو غدا ب دینے سے مراد انہیں نکوار سے قتل کرنا ہے۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے آئندہ جہاں کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عین کے معرکہ میں رسول اللہ ﷺ نے حلق کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا ان کو کٹ دو۔ یہی کلمہ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن حارث بن ابیہ کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ اہل طائف میں سے جنگ عین میں آئے آدمی قتل ہوئے جتنے بدر کے دن قتل ہوئے تھے (یعنی سزا فرماؤ قتل ہوئے) اور عین میں امین، امراقہ بن حارث، یحییٰ بن اشبلہ اور یزید بن زید اور ابو عامر اواس کے مقام پر شہید ہوئے جیسا کہ تفصیل آگے آ رہی ہے۔ محمد بن عمر، محمد بن عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے خزرج کو تین مرتبہ بلند آواز سے پکارا اور اسید بن حنیر نے اس کو تین مرتبہ پکارا پس وہ ہر طرف سے اس طرح پلٹے جیسے شہد کی کھیاں اپنے سردار یسوب کی طرف پلٹی ہیں (2) مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے مشرکین پر کئے عزم و ولولہ سے حملہ کیا اور انہیں قتل کیا حتیٰ کہ مشرکین کی اولاد تک پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو یسوب نے پتھر پھینچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس قوم کا کیا حال ہوگا جو مشرکین کے بچوں کو قتل کرنے تک پہنچ گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بچوں کو قتل نہ کرو۔ اسید بن حنیر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو مشرکوں کی اولاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں کئی اچھے لوگ مشرکوں کی اولاد نہیں ہو۔ ہر بچہ اپنی فطرت (سیرت) پر چکا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ زبان کھولے پھر اس کے والدین اسے یہودی اور نصرانی بناتے ہیں (3)۔ محمد بن عمر کہتے ہیں، تائیف کے شیوخ نے بتایا کہ ہمارے خیال میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارا چچا کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم میں سے جو طائف کے قلعہ میں داخل ہو جاتا تو وہ ہر میت کے رعب اور خوف کی وجہ سے یہ گمان کرتا کہ آپ ﷺ اس کے پیچھے آ رہے ہیں۔ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کو شکست فاش دی اور مسلمانوں نے پیچھے سے ان کو قتل کیا، اللہ نے ان کی صورتوں اور بچوں کو مسلمانوں کے مال قیمت میں کر دیا۔ مالک بن عوف بھاگ گیا حتیٰ کہ طائف کے قلعہ میں داخل ہو گیا اور دوسرے قوم کے سردار بھی قلعہ میں داخل ہو گئے۔

ابن اسحاق اور محمد بن عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہما کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہولان کو شکست دی تو وہ طائف بھاگ آئے۔ مالک بن عوف بھی ان کے ساتھ تھا۔ بعض نے اواس میں لشکر گاہ بنائی۔ بعض وادی نخل کی طرف بھاگ گئے جو گھاٹیوں میں چسپ گئے تھے۔ ان کا پیچھا کیا گیا۔ ربیعہ بن ربیع جن کا تعلق بنی سلم سے تھا اس نے درید بن الصم کو قتل کر دیا۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب اللہ نے مشرکین کو شکست دی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اور اواس پہنچ گئے جہاں ان کے اہل و عیال اور مال موسیٰ موجود تھے، رسول اللہ ﷺ نے ابو عامر اشعری کو اواس پر نظر کشی کے لئے اسے امیر بنا کر بھیجا۔ وہ ان کی طرف گیا اور ان سے جنگ شروع کی۔ درید بن الصم وہاں قتل ہوا۔ اللہ نے مشرکین کو شکست دی اور مسلمانوں نے ان کے اہل و عیال کو قیدی بنا لیا، مالک بن عوف اشعری بھاگ کر طائف پہنچ گیا اور محضو قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اس کے مال و عیال کو قبضہ میں لے لیا گیا۔ مسلمانوں کے امیر حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ جب اہل مکہ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کی مدد فرمائی ہے اور اپنے دین کو عزت بخشی ہے تو بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ جو مال قیمت جمع ہوا اسے حضور ﷺ نے ہرانہ کی طرف لے جانے کا حکم فرمایا۔ مال

1- تعبیر ابن کثیر، جلد 4 صفحہ 41-1640 (ابن حزم)

2- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 407 (احمدیہ)

3- سنن کبریٰ، جلد 9 صفحہ 77 (الکبریٰ)

تفسیر نہ کیا گیا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ طائف کے محاصرہ سے فارغ ہو کر تشریف لائے (1)۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اتباع میں امین بن میں لکھا ہے کہ جو مال قیمت مسلمانوں کو ملا وہ چھ ہزار قیدی تھے، چوبیس ہزار اونٹ تھے اور کمریاں چالیس ہزار سے بھی زیادہ تھیں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ اس دن چھ ہزار غور تھیں اور سچے گرفتار کئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوہریرہؓ کو (2) اور بقول بلادری بدل بن ورقاء الخزامی اور بقول ابن اسحاق مسعود بن عمر الغفاری کو مال قیمت پر مقرر کیا (3)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ مہل پڑے حتیٰ کہ طائف کے قریب لشکر کو ٹھہرایا۔ تعینت کے سردار قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ عربوں کے قلعوں میں یہ مضبوط ترین قلعہ تھا۔ اس کے اوپر انہوں نے سوتیر انداز بٹھادئے۔ وہ اوپر سے مسلمانوں پر تیر اندازی کر رہے تھے اور جو نیچے تھے وہ آگ سے گرم کی ہوئی برہمیاں پھینک رہے تھے جن سے آگ کے شعلے نکلے تھے۔ انہوں نے اوپر سے سخت تیر اندازی کی، گھوڑا وہ ڈٹی دل لنگر ہے۔ بہت سے مسلمان ڈٹی ہوئے اور بارہ شہید بھی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اس جگہ جگڑ جگڑ گئے جہاں تھنپ نے اسلام قبول کرنے کے بعد مجدہ بنادی تھی، عمرو بن امیہ جو بعد میں مشرف باطلام ہوئے تھے، اس نے کہا کوئی شخص محمد ﷺ کی طرف نہ نکلے، جب کوئی صحابی مبارزت دے تو تم میدان میں نہ نکلتا ان کو یہاں ٹھہرا رہنے دو۔ خالد بن ولید مبارزت دیتے ہوئے میدان میں آئے لیکن کسی نے جھانک کر بھی نہ دیکھا، پھر دوبارہ جانا لیکن کوئی بھی باہر نہ نکلا۔ عبدالمطلب نے کدواؤں کی طرف کوئی بھی نہیں آئے گا، ہم اپنے قلعے میں بیٹھے ہیں گے۔ اس قلعہ میں ہمارے لئے کئی سالوں کا خرچ موجود ہے۔ جب یہ ختم ہو جائے گا تو ہم اپنی تلواریں لیکر مرنے دم تک لڑیں گے۔ رسول اللہ ﷺ ان سے تیر اندازی کا دالہ کرتے رہے، کئی مسلمان زخمی ہوئے اور کچھ شہید بھی ہوئے، ابن اسحاق اور محمد بن عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ شیوخ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان کر دیا کہ جو جہاد کی طرف آجائے گا وہ آزاد ہوگا۔ تقریباً بارہ آدمی قلعہ سے باہر آئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سب کو آزاد کر دیا تھا۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تو مسلمان فارسی نے کہا ہم ایک جنتیق نصب کریں۔ یہ پہلی جنتیق تھی جو اسلام میں پہلی مرتبہ نصب کی گئی اور پہلی مرتبہ اس سے تیر پھینکے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم مہمہ جاری فرمایا کہ ان کے انگوروں کی پٹلیں اور گھجور کے درخت کاٹ دو (4)۔ عمرو کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر شخص پانچ گھجور کے درخت اور پانچ پٹلیں کاٹ دے۔ تعینت نے یہ کہانی دیکھ کر کہا تم ہمارے باغات کیوں کاٹ رہے ہو، اگر تم ہم پر غالب آ گئے تو تمہارے کام آئیں گے۔ خدا کے واسطے اور قرابت کے واسطے ان کو نہ کاٹو۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ اور قرابت کے واسطے کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے پھر جنتیق کی رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا مجھے خواب میں ایک کھن سے لالباہ بھرا پایا لیا گیا ہے۔ اس کو ایک مرغ نے دیکھا اور جو کچھ اس میں تھا اسے اٹھ لیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا آج جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ آپ کو نہیں ملے گا آپ ﷺ نے فرمایا مجھے بھی ایسا ہوا دکھائی تو نہیں دیتا (5)۔ محمد بن عمر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا جب طائف کے محاصرہ کو چند روزوں گزر گئے تو آپ ﷺ نے نوفل بن معاویہ الدبلی سے مشورہ طلب کیا کہ محاصرہ کے رکھنے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ نوفل نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ لومڑی اپنی غار میں ہے اگر آپ محاصرہ کئے رکھیں گے تو بالآخر اسے پکڑ لیں گے اور اگر اسے چھوڑ دیں گے تو آپ

1- تفسیر بخاری، جلد 3 صفحہ 61-60 (تاریخ) 2- مصنف عبدالرزاق، جلد 5 صفحہ 381 (المجلس العظمیٰ)

3- الحدیث وہ ابھی، جلد 4 صفحہ 337 (احادیث) 4- الکامل فی التاریخ، جلد 2 صفحہ 266 (سار) 5- تاریخ طبری، جلد 2 صفحہ 333-334 (تاریخ)

کے لئے کچھ نقصان دہ نہیں (1)۔ خیال نے ابن عمر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا اور کچھ حاصل نہ ہوا تو آپ ﷺ نے کہا ان شاء اللہ کل ہم لوٹ جائیں گے۔ صحابہ کرام پر یہ واپسی کا ارشاد شاق گزار عرض کی حضور ﷺ ہم فتح کے بغیر کل چلے جائیں گے آپ ﷺ نے فرمایا کل صبح نکلتا جب صبح ہوئی تو صحابہ کرام میدان میں نکلے اور سخت جنگ شروع کی۔ کئی صحابہ کرام زخمی ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کل صبح لوٹ جائیں گے۔ صحابہ کرام کو اب یہ بات بہت پسند آئی۔ حضور ﷺ صحابہ کرام کی پسند یہی دیکھ کر مسکرائے (2)۔ الصالحی نے لکھا ہے کہ طائف میں بارہ مسلمان شہید ہوئے تھے۔

تیسری رمتہ اللہ علیہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عہد دیا کہ کل اپنی سواریاں نہ چھوڑنا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے رخت سفر باندھا۔ جب آپ ﷺ سوار ہوئے تو آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی یا اللہ ان کو ہدایت عطا فرما اور میں ان پر دوبارہ حملہ کرنے کی شقت سے بچالے (3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور صحیح بھی کہا ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ تعقیف کے تیزوں نے ہی جلاذ الاء آپ ان کے لئے بدو عافرا مائیں۔ آپ ﷺ نے یہ بدو عافرائی یا اللہ تعقیف کو ہدایت عطا فرما اور ان کو ہمارے پاس لے آ (4)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت لکھی ہے کہ انہی طائف کا محاصرہ تیس راتیں یا اس کے قریب قریب رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ تیس دنوں سے کچھ زائد وقت محاصرہ رہا۔ بعض نے پورے تیس دن اور بعض نے دس سے کچھ زائد دن ذکر کئے ہیں۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ قول صحیح ہے۔ امام احمد اور مسلم جہا اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ محاصرہ چالیس روز رہا۔ بدایہ میں اس قول کو غریب لکھا ہے (5)۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں محاصرہ کثوال کے بقیہ ایام تک رہا تھا۔ جب ذی القعدہ شروع ہوا تو آپ واپسی تشریف لے گئے کیونکہ یہ شہر تمام اس میں جنگ منع تھی (6)۔ میں کہتا ہوں یہ ابن حزم کے قول کے موافق ہے۔ اس صورت میں شہر حرام میں قتل ہو کر وہی دلائی نہ ہوگی جیسا کہ بعض نے اس آیت سے انہی میں حرمت قتل کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ پھر ان تشریف لے آئے اور یہاں سے عمرہ کا احرام باندھا۔

ثُمَّ يَسْتَوِبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ كُلِّ مَنْ يَسَاءَلُ وَاللَّهُ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ﴿٥٠﴾

”پھر رحمت سے تو جہر مانے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ بخیر رحیم ہے۔“

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یونس بن یکرک کی روایت میں ابن عمر سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہم جن کے معرکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہوازن کے اموال اور اہل و عیال گرفتار ہو گئے تو ہوازن کے مقام پر ہوازن کے چودہ آدمیوں کا وفد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا اس گروہ کا سردار زبیر بن مرد تھا اور اس گروہ میں رسول اللہ ﷺ کا رضاعی چچا بوبرقان بھی تھا اور یہ سب مسلمان ہو چکے تھے۔ ابو بوبرقان نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کی اصل اور خاندان ہیں ہمیں جو تکلیف پہنچی وہ آپ سے نفی تھی آپ ہم پر احسان فرمائیے اللہ آپ پر احسان فرمائے۔ زبیر بن مرد نکڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ان قید خانوں میں قیدی عورتیں آپ کی رضاعی چچو بھیاں اور خالائیں ہیں اور وہ عورتیں ہیں جنہوں نے آپ کی پرورش کی تھی۔ اگر ہماری جنگ شام

2۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 1572 (ابن کثیر)

1۔ تاریخ طبری، جلد 2 صفحہ 133 (زواع)

4۔ جامع ترمذی، جلد 5 صفحہ 685 (العلینی)

3۔ البدایہ والنہایہ، جلد 4 صفحہ 350 (اسحاق)

6۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 61 (اتھارچہ)

5۔ صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 137 (العلینی)

کے بادشاہ حارث بن ابی شمر سے ہوتی یا عراق کے بادشاہ نعمان بن منذر سے ہوتی اور پھر ہمیں ایسی تکلیف پہنچتی تھی آپ سے پہنچی ہے تو بھی تو قلع کرتے کہ وہ ہم پر شفقت اور مہربانی کرتے یا رسول اللہ آپ سب سے بھرتکلیل ہیں پھر اس نے آپ ﷺ کو چند شعر سنائے۔ (1)

الصالحی نے زبیر بن مردہاشمی سے روایت کیا ہے وہ کہتا ہے جب ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حسین اور ہوازن کے دن قیدی بنا لیا اور آپ ﷺ قیدیوں اور چاندروں کو تقسیم کرنے لگے تو میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کرم فرمائیے، آپ سے ہمیں بڑی امیدیں ہیں۔ پھر میں نے اشعار پڑھے جب رسول اللہ ﷺ نے اشعار سنے تو فرمایا جو میرے اور نبی عبدالمطلب کے حصہ کے قیدی اور مال ہے وہ تمہارا ہے۔ قریش نے کہا جو ہمارا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ انصار نے کہا جو ہمارا ہے وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کے پر دے کے صالحی کہتے ہیں اس حدیث کی سند جید ہے اور بہت بلند ہے۔ مقدی نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسے حسن کہا ہے۔ بخاری نے اپنی صحیح میں مروان اور دود بن خزیمہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوازن کے مسلمانوں کا ایک گروہ آیا اور عرض کی حضور ہمیں اپنے قیدی اور مال واپس فرمادیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ جو ہیں انہیں تم دیکھو ہے جو اور میرے نزدیک جو تمہارے ہوتے ہیں۔ جو تم دیکھو وہ تمہارے ہیں اور جو میں سے ایک لے لو یا غلام (قیدی) واپس لے لو یا مال۔ انہوں نے کہا حضور تم قیدی واپس نہیں لے سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لاحق اس کی حمد و ثنا فرمائی پھر فرمایا ما بعد تمہارے بھائی تا تب ہو کر تمہارے ساتھ آئے ہیں۔ میں تو انہیں اپنے قیدی واپس کرنا چاہتا تھا تب تمہیں ہم سے بھی جو خوشی سے ایسا کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی ایسا کرے اور جو منّت واپس کرنا نہیں چاہتا وہ قیدی آزاد کر دے، ہم اسے اس مال نہیں سے قیدی کا بدلہ عطا کریں گے جو اللہ تعالیٰ ہمیں سب سے پہلے عطا فرمائے گا۔ تمام لوگوں نے بیک زبان کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم خوشی واپس کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں ہوا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے اجازت نہیں دی۔ یہ تم واپس جاؤ۔ پھر تمہارے سردار مجھے آ کر بتائیں کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ لوگ واپس گئے اور اپنے نمائندے بھیجے جنہوں نے قیدیوں کے بارے لوگوں کی رائے بتائی کہ حضور تمام لوگوں نے تہدول سے اجازت دی ہے اور اہل مدینہ خوشی و مسرت دی ہے۔ (2)

ابوداؤد، ترمذی اور ابو یعلیٰ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوالطفیل سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہرانہ میں گوشت تقسیم کرتے ہوئے دیکھا ایک بدویہ عورت آئی۔ جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچی تو آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ وہ اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ صحابہ کرام نے بتایا یہ وہ عورت ہے جس کے آپ ﷺ کو دودھ پلایا ہے۔ (3) ابوداؤد، ترمذی، رحمہم اللہ علیہ نے اپنی مراسیل میں عمر و بن العاصب سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ایک دن تخریف فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والدہ گئے۔ آپ نے اپنے کپڑے کو بچھایا اور وہ اس کے اوپر بیٹھے۔ پھر آپ ﷺ کی رضاعی ماں آئی تو آپ ﷺ نے اسی کپڑے کا تکیہ حصہ والدہ کے لئے بچھایا۔ پھر آپ ﷺ کا رضاعی بھائی آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں کھڑے ہوئے اور بھائی کو اپنے سامنے بٹھایا (4)۔ محمد بن عمر فرماتے ہیں حسین کے روز جب مشرکین کو شکست ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے دشمنوں کی تلاش کا حکم دیا اور اپنے گھوڑوں کو فرمایا نبی سعد کے عبادت نامی شخص پر قدرت پاؤ تو وہ تم سے بھاگ نہ جائے۔ اس نے ایک

2۔ صحیح بخاری، جلد 4، صفحہ 1569 (ابن کثیر)

1۔ تاریخ مظہری، جلد 2، صفحہ 134 (ذوالحجہ)

4۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 700 (نورمہ)

3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 700 (نورمہ)

بہت گھناؤنا جرم کیا تھا وہ کہ اس نے ایک مسلمان کو پکڑ کر اس کے نکلنے کے لئے کھڑے کئے تھے اور پھر اسے آگ میں جلا دیا تھا۔ اسے اپنا گناہ یاد تھا اس لئے وہ بھاگ گیا تھا لیکن گھوڑوں سے اسے پکڑ لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی رضائی میں شیشا کے ساتھ تیر کر دیا تھا۔ شیشا نے کھمبہ میں تھما رہے ساتھی کی، بہن ہوں لیکن صحابہ کرام نے اس کی تصدیق نہ کی اور اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ شیشا نے کہا ہے مجھ ﷺ میں تمہاری رضائی بہن ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا ملامت ہے۔ اس نے اپنا گناہ انکھنڈا دکھایا اور کہا یہ تمہارے کانٹے کا نشان ہے جبکہ تمہیں وادی سرب میں اپنے کھولے پر اٹھانے ہوئے تھی اور ہم مل کر بکریاں چرایا کرتے تھے۔ تیرا باپ اور میرا باپ، تیری ماں اور میری ماں ایک ہے، میں تیرے ساتھ ماں کے پستان سے دودھ پینے میں جھڑتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ملامت کو بچان گئے۔ آپ ﷺ فوراً کھڑے ہوئے، اپنی چادر پھیلائی پھر فرمایا تم اس پر بیٹھو۔ انہیں آپ ﷺ نے خوش آمدید کہا اور ان کی آنکھوں میں حسرت کی وجہ سے آنسو آگئے۔ آپ ﷺ نے اپنی رضائی ماں اور اپنے باپ کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ تو فوت ہو گئے تین۔ آپ ﷺ نے شیشا کو فرمایا کہ تو چاہے تو عزت و اکرام کے ساتھ ہمارے پاس ٹھہری رہے اور اگر چاہے تو اپنی قوم کے پاس لوٹ جا میں تمہیں اپنی قوم میں لوٹا دیتا ہوں، شیشا نے کہا میں اپنی قوم کی طرف جاؤں گی۔ بس وہ مسلمان ہو گئی تھی اور آپ ﷺ نے تین غلام اور لوٹھریاں عطا فرمائیں اور ایک یاد اونٹ عطا کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا پھر ان لوٹھریاں اپنی قوم کے ساتھ مل جاؤ گی، میں مٹانے جا رہا ہوں، بس وہ پھر اہل ملی گئی۔ آپ ﷺ نے اسے جانور، بکریاں عطا فرمائیں اور اس کے جو قبیلہ خاندان والے تھے انہیں بھی ایسے کچھ عطا فرمائے۔ اس نے بجا کے بارے میں کہا کہ یہ انہیں ہیہ کر دیا جائے اور اسے معاف کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے شیشا کی درخواست پر اسے معاف کر دیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یونس بن عمران کی روایت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہوازن کے قیدیوں کے لوٹانے سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور لوگ آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان مال فشی تقسیم کرو جب کہ آپ ﷺ مجبور ہو کر ایک درخت کی طرف تشریف لگے جس کے ساتھ آپ کی چادر انکھ گئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا اسے لوگو! میری چادر مجھے لوٹا دو، جسم سے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میرے پاس تمہارے درختوں کی مقدار جانور ہوتے تو تم پر تقسیم کر دیتا، تم لوگ مجھے نہ بخشن پاتے اور نہ جبرہ (1)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤلف لفظوں کو بھی مال عطا فرمایا تھا۔ یہ عرب کے اعراف تھے جن کے دل مال کے ذریعے اسلام کی طرف مائل کئے گئے (2)۔ محمد بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے مال مؤلف لفظوں کو عطا فرمایا۔ سانگی کہتے ہیں ان میں سے بعض کو آپ ﷺ نے سوانٹ بعض کو چپاس اونٹ عطا کئے۔ یہ مؤلف لفظوں کو چپاس سے زاد کئے۔ سانگی نے ان کے نام بھی ذکر کئے ہیں اور ستاون مرد شہر کئے ہیں۔ شیخان نے صحیحین میں حکیم بن حزام سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے حسنین کے مال غنیمت کے سوا اونٹوں کا سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا فرمادئے۔ پھر میں نے سوانٹ طلب کئے تو وہ بھی آپ ﷺ نے مجھے عطا فرمادئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے حکیم یہ مال بڑا میٹھا ہے جو اسے نفس کی سخاوت سے لیتا ہے تو اس میں برکت ڈالی جاتی ہے اور جو اسراف نفس کے ساتھ لیتا ہے تو اس میں سے برکت اٹھالی جاتی ہے اور یہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جو کھاتا ہے لیکن نہیں نیک ہوتا ہے۔ فرمایا اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اپنے اہل و عیال سے عطا

کرنا۔ شروع کرنا حکیم نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں اس کے بعد کسی سے کوئی چیز نہیں مانگوں گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے دو خلاف میں مال عطا کرنے کے لئے حکیم کو بلا تھے لیکن وہ لینے سے انکار کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے آئے تو گواہوں میں تمہیں حکم بن حزام پر گواہ بنا تا ہوں کہ میں اسے عطا کرنے کے لئے جاتا ہوں لیکن یہ لینے سے انکار کرتے ہیں (1)۔ ابن ابی الزبیر کہتے ہیں حکیم نے حضور ﷺ سے پہلے سواونت لے کر اور باقی چھوڑ دیے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو سواونت عطا فرمائے۔ ایوسیان بن حرب، ان کے بیٹے معاویہ اور یزید بن ابی سفیان میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ اور چالیس چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صفوان سے روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جنین کے مال خیریت سے مجھے عطا فرماتے رہے حالانکہ آپ مجھے ساری مخلوق سے زیادہ مغفوس اور ناپسند تھے۔ لیکن اس عطاؤں بخشش کے سبب مجھے تمام مخلوق سے محبوب ہو گئے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے صفوان کو سواونت عطا فرمائے پھر سواونت عطا فرمائے اور پھر تیسری مرتبہ بھی سواونت عطا فرمائے (2)۔ محمد بن عمر فرماتے ہیں صفوان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مال خیریت کے ارادہ کر دیا چکر لگا رہا تھا کہ اس کا نذر اس وادی سے ہوا جس میں بکریاں، اونٹ اور چرواہے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو بطور عطا فرمایا تھی۔ صفوان کو وہ وادی بڑی اچھی لگی اور اس کی طرف نکلنے کا ارادہ کر دیکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو وہب تجھے یہ وادی پسند آئی ہے۔ عرض کی جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ وادی اور جو چاہے اس میں سے جس تیری ملکیت ہے۔ صفوان نے بحر خلافت کی تھا میں ماری تو جوں کو دیکھا تو کہنے لگے اھنھذا انک زسؤل اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ایسی سخاوت تو فقط نبی سے ہی ہو سکتی ہے۔ امام احمد، مسلم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤلفۃ القلوب افراد میں سے ہر ایک کو جنین کے مال خیریت میں سے سو سواونت عطا کئے۔ اسی حدیث میں ہے کہ عباس بن مرداس کو سو سے کم اونٹ عطا فرمائے تو عباس نے یہ کہا کیا آپ میرا حصہ اور عینہ و اقرع کا حصہ برابر کرتے ہو حالانکہ حسین (عینہ کا باپ) اور حابس (اقرع کا باپ) مجمع و محفل میں مرداس کے ہمسر نہیں ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سواونت عباس کے لئے بھی مکمل فرمادے (3)۔ عثمان بن وہب، سعدی بن قیس، عمیر بن وہب، عطاء بن حارث، عمر بن نوفل وغیرہم میں سے ہر ایک کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے۔ پھر آپ ﷺ نے زید بن ثابت کو فرمایا کہ لوگوں اور مال خیریت کو شمار کرو۔ پھر آپ ﷺ نے مال لوگوں میں تقسیم فرمایا، ہر شخص کو آپ ﷺ نے چار اونٹ یا چار بکریاں عطا فرمائیں۔ اگر کوئی گھوڑا سوار تھا تو اسے بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بکریاں عطا فرمائیں اور اگر کسی کے پاس ایک سے زائد گھوڑے تھے تو اس کو اضافی حصہ دیا گیا۔

میں کہتا ہوں مؤلفۃ القلوب کو جو رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا وہ چار ہزار اونٹ تھے یا اس سے بھی زائد تھے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ مال خیریت کے اونٹ چھ بیس ہزار تھے اور بکریاں چالیس ہزار سے زائد تھیں یہ چار ہزار اونٹوں کے مساوی تھیں تو کل اٹھائیس ہزار اونٹ ہو گئے۔ پس جس پانچ ہزار اونٹوں سے کم بنتا ہے۔ پس مؤلفۃ القلوب کو جو آپ نے عطا فرمایا تو وہ کل مال خیریت سے تھا یا تمام شمس سے تھا۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ شمس کا شمس رسول اللہ ﷺ کا حصہ ہو۔ پس یہ یا تو کل مال جمع کرنے کے بعد بخشیں (انعام) تھا

جس کی پیلہ شراب نہیں لگائی تھی یا پس ایک صنف کو عطا کیا گیا اور مؤلفۃ القلوب کو فقراء کی صنف میں شمار کیا گیا۔ جب لشکر کے افراد کی تعداد بارہ ہزار یا سولہ ہزار ہو اور ان میں کچھ شہسوار بھی ہوں تو پیدل کا حصہ چار اونٹ اور گھوڑوں کے بارہ اونٹ ہوں گے۔ یہ تعداد اتنا کم کرتی ہے کہ مال قیمت ساتھ ہزار اونٹ ہوں یا پکھڑا کم یا کچھ کم۔ شاید یہ مال کی قیمت اور نقد کو موشیوں کے ساتھ ملانے کی بنا پر ہو اور کل ساتھ ہزار مقدار بنائی گئی ہو۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے محمد بن الحارث التیمی نے بیان کیا کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا بقل محمد بن عمروہ سعد بن ابی وقاص تھے۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے عیینہ بن حصین اور قرع بن حابس کو سواونٹ دیئے اور عیلم بن سراقہ اشجری کو آپ نے چھوڑ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم سے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے عیلم بن سراقہ سلم زین پر عیینہ بن حصین اور قرع بن حابس جیسے تمام لوگوں سے بہتر ہے۔ ان کو میں نے اس لئے عطا کیا ہے تاکہ یہ اسلام کے دامن سے وابستہ رہیں اور عیلم بن سراقہ کو میں نے اس کے اسلام کے پیر دیا ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے عمرو بن شلب سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو مال عطا فرمایا اور پتھرو کو عطا فرمایا۔ جنہیں عطا نہ فرمایا تو تہمتا خانے بشرت میں نہیں سمجھیں ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا میں جس قوم کو عطا فرمایا ہوں مجھے ان کے حرص اور بھوک کا اندیشہ ہوتا ہے کہ میں اس وجہ سے وہ اسلام ہی نہ چھوڑ دیں اور دوسرے لوگوں کو جن کے دلوں میں عقیدہ اسلام کو اللہ نے راجح فرمادیا ہے ان پر میں پورا اکتفا کرتا ہوں۔ ان میں سے عمرو بن شلب بھی ہیں۔ حضرت عمرو نے فرمایا مجھے حضور علیہ السلام والصلوٰۃ کا یہ ارشاد سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے (1)۔ اسی مقام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کسی شخص کو اس لئے عطا کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل آگ میں نہ کرادے۔ حالانکہ دوسرا شخص مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جسے میں عطا نہیں کرتا۔ اس حدیث کو بخاری نے محمد بن اسحاق نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے (2)۔ ابن اسحاق اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابوسعید خدری سے اور احمد، بخاری اور مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ نے انس بن مالک سے نیز شیخان نے عبد اللہ بن یزید بن عامر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب حنین کا مال تقسیم ملا تو مؤلفۃ القلوب قریش اور دوسرے عربوں میں تقسیم فرمادیا۔ ایک روایت میں ہے کہ مردوں کو سواونٹ دے دیئے اور انصار کے لئے کچھ نہ پچا تو انصار کے کچھ نہ پختہ ذہنوں نے تہمتا خانے بشریت دکھ محسوس کیا حتیٰ کہ آپس میں رنج آیز باتیں کرنے لگے۔ ایک نے یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو معاف فرمائے، بڑی توبہ کی بات ہے کہ آپ قریش کو عطا فرماتے ہیں اور میں نظر انداز کرتے ہیں حالانکہ ہماری تمواروں سے ان کے خون کے قطرے بھی ٹر رہے ہیں۔ جب مشکل وقت ہوتا ہے تو ہم بلائے جاتے ہیں اور جب مال قیمت کی تقسیم کا وقت ہوتا ہے تو ہمیں چھوڑ کر دوسروں کو دیا جاتا ہے۔ اُترے اللہ کی طرف سے ہے تو ہم صبر کرتے ہیں اور اگر رسول اللہ ﷺ کی اپنی طرف سے یہ تقسیم ہے تو ہم آپ کی ہمارا منگی کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایک انصار نے کہا میں نہیں کہتا تھا کہ جب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے تو تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔ صحت پر کرام نے اس کی اس بات کو سختی سے رد کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور سرور عالم ﷺ کو صحابہ کی ان باتوں کی خبر پہنچی تھی۔ ابوسعید فرماتے ہیں سعد بن عبادہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ انصار کا قبیلہ آپ پر ناراضگی کا اظہار کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ نے اپنی قوم اور تمام عربوں میں مال قیمت

تقسیم کیا ہے لیکن انصار کو کچھ عطا نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا تیرا کیا خیال ہے، تو کس جانب ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میں اسی قوم کا ایک فرد ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے سعد فلاں بازہ میں اپنی قوم کو اکٹھا کر دو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تمام کو بلا یا حتیٰ کہ وہ سب جمع ہو گئے۔ مہاجرین میں سے ایک شخص بھی آ گیا تو آپ نے اسے اجازت دے دی۔ پھر دوسرے مہاجرین بھی آنے لگے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انہیں واپس کر دیا۔ جب تمام انصار جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ شرف الیٰ۔ اللہ تعالیٰ کی پہلے حمد و ثنا فرمائی جس کے وہ اہل ہے۔ پھر فرمایا اے انصار کے گروہ کو کیا تم گمراہ نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی تم عیالدار و تنگ دست تھے اللہ نے تمہیں فنی کر دیا تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت کے چین آد کر دیئے۔ انصار نے کہا حضور کیوں نہیں یہ تو روشن حقائق ہیں اللہ اور اس کے رسول کا بڑا احسان اور فضل و کرم ہے۔ حضور ﷺ جو بات بھی پوچھے تو انصاری یہی کہتے ہم پر اللہ اور رسول کا بڑا کرم ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے انصاری جماعت تم جو اب کیوں نہیں کہتے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا جواب دیں اور کیا کہیں، اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا کرم ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم بخدا اگر تم جانتے تو یہ کہہ سکتے تھے اور تمہاری بات سنی بھی ہوتی کہ تم ہمارے پاس آئے جبکہ آپ کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا، ہم سے آپ کو بعد از احرام رہائش بخش کی۔ آپ پریشان تھے، ہم نے آپ سے انہماج تمکری کیا۔ آپ پر خوف تھا ہم نے آپ کو امن دیا۔ آپ گمراہ تھے ہم نے آپ کی ہدائی کر لی، لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ انصار نے کہا ہم پر اللہ اور اس کے رسول کا بڑا کرم و احسان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری طرف سے مجھے کس باتیں سنائی دے رہی ہیں۔ انصار خاموش رہے۔ پھر آپ نے یہی سوال دہرایا تو انصار کے فقہاء نے کہا حضور ہمارے بزرگوں اور مشائخ نے ایسی باتیں نہیں کہیں۔ کچھ تو عمر جو انوں نے ہنسا ضاعے بشریت ایسی باتیں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مغفرت فرمائے۔ آپ نے قریش کو عطا کیا، ہم کو نظر انداز کر دیا حالانکہ انہی ہماری تلواروں سے ان کا خون لپکے رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ان لوگوں کو عطا کرتا ہوں جن کو کفر چھوڑے تو وہ امر و مکر راہوں۔ ان کی تالیف قلب کے لئے ایسا کرتا ہوں۔ ایک روایت ہے کہ قریش کا زمانہ جاہلیت اور مصیبت کا زمانہ قریب ہے، میں ان کے ذمہوں پر پنی رکھنے کے لئے ان پر احسان کرتا ہوں۔ جبر، کسر کی ضد ہے یعنی توڑنے کی ضد جبر (جوڑنا) ہے (۱)۔ بعض روایات میں اجیزہ ہم زاد کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ جانو وہ ہے مشتق ہوگا یعنی میں نے ان پر انعام کیا۔ فرمایا تم نے اپنے دلوں میں دنیا کے گھٹیا اور خسیس مال کی خاطر رنج محسوس کیا جو میں نے تالیف قلب کے لئے مسلمان قوم کو عطا کیا ہے اور تمہیں جو اسلام کی حقیقی دولت اللہ تعالیٰ عطا کی ہے۔ اسی کی بنا پر میں نے ہجر سے کیا کہ تمہیں نہ دیا جائے تو تم اسلام پر مضبوطی سے قائم رہو گے۔ اے انصار یو! کیا تم اس بات پر شاداں نہیں کہ لوگ اپنے گھر میں بکریاں اور اونٹ لے جائیں۔ ایک روایت میں ہے: دنیا لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھروں میں لے جاؤ اور اس سے یمن و برکت کو اپنے گھر و دندوں میں جمع کر لو۔ ہم بخدا اگر لوگ ایک وادی میں چلتے اور انصار دوسری وادی میں چلتے تو میں انصاری وادی میں چلتا۔ تم میرا سترو اور لوگ میری چادر ہیں۔ انصار میرے اسرار کے کنز ہیں اور علوم کا صندوق ہیں۔ اگر ہجرت کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو میں انصار سے ہوتا ہے اللہ انصار پر ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد پر رحم فرما۔ انصار روانے لگے حتیٰ کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور عرض کرنے لگے ہم اللہ اور اس

کے رسول کی عطا اور تقسیم پر تبہ دل سے خوش ہیں۔ محمد بن عمر نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت بحرین کا علاقہ خاص انصار کے لئے وقف کرنے کا ارادہ فرمایا۔ یہ علاقہ قنوجات میں سے بہتر علاقہ تھا۔ لیکن انصار نے اسے قبول نہ کیا اور عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کی اس محبت و پیار کے بعد ہمیں دنیا کے مال و متاع کی چنداں ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میرے بعد تریجات دیکھو گے، اس پر مہر کرنا حتیٰ کہ مجھ سے میرے حوض (کوثر) پر آٹھ (۱) اہل مغازی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے وفد سے پوچھا ملک بن عوف کا کیا ہوا انہوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ اوہ بھاگ گیا اور ثقیف کے ساتھ طائف میں محصور ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے تادو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر آ جائے تو اسے اس کے اہل اور مال واپس کر دینے جائیں گے اور سوا اونٹوں کا علیہ بھی دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے اہل اور مال کو اس کی پھوپھی ام عبد اللہ بنت امیہ کے گھر مکہ میں محبوس کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ جب مالک کو حضور ﷺ کی اس بند و نوازی کا علم ہوا کہ مال و اہل سب واپس کر دینے جائیں گے تو اسے خدشہ ہوا کہ ثقیف مجھے کیسے اسلام قبول کرنے پر قائل نہ کر دیں اور اسے یہ بھی اندیشہ تھا کہ لوگوں کو میرے متعلق آپ ﷺ کے ان ارشادات کا پتہ چلا تو وہ مجھے قید کر لیں گے۔ پس رات کے وقت وہ گھوڑے پر سوار ہو کر وحناء کے مقام پر پہنچا وہ اس کے لئے اونٹ تیار کھڑا تھا اس پر بیٹھا اور جان رحمت سے میرے عرب و غم غم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ گیا۔ وہ دھواڑ میں آپ کو ملتا تھا یا مکہ مکرمہ میں۔ آپ ﷺ نے اپنے وعدہ کے مطابق اسے مال و اہل سب واپس کر دیئے اور سوا اونٹ بھی عطا فرمائے۔ وہ دست نبوت پر مسلمان ہوا اور پھر قلبی ایمان پر اپنے اعمال جو ارح کے ذریعے اپنی پیش کی اور خوب پیش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام لانے والے تہا قبل ہوازن، ادوس، ثقیف، شمال اور دوسرے مسلمانوں کا سردار بنا دیا (2) اور انہیں جہند اعطا فرمایا۔ وہ ان قبائل کو لیکر مشرک کے خلاف ہر سر پیکار ہو گیا اور ثقیف کے مشرک لوگوں سے جہاد کیا۔ ثقیف کے جالو باہر نکلے تو وہ انہیں پکڑ لیتا تھا اور جو کوئی ان کا فرد ہاتھ چڑھتا تو اسے قتل کر دیتا۔ وہ جو مال نصیب آتھی کرتا تھا اس میں سے بطور خیر ایک سوا اونٹ اور ایک مرتبہ ہزار اونٹ بھیجے تھے۔ اہل طائف کے مال پر حملہ کیا تو ایک صبح میں ان کی ہزار بکریاں باہر تک کر لے آیا۔ ابن اسحاق یونس کی روایت میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نو رمضان المبارک کو ثقیف کا وفد پہنچا اور اسلام قبول کیا۔ یہ غزوہ تبوک کے بعد کا واقعہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَادِهِمْ هَذَا

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٣١﴾

”اے ایمان والو! مشرکین تو نرسے پاک ہیں۔ سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام سے۔ اس سال کے بعد سے اور اگر تم اندیشہ کرو کہ تنگدستی کا تو غمی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اگر چاہے گا۔ و لکن اللہ تعالیٰ خوب جانتے والا بڑا دانے ہے۔“

۱۔ نجس مصدر ہے نجس بر وزن سمع سمع یا کوم یا کوم۔ اسی وجہ سے اس کا شنیہ اور جمع نہیں بنتا اور اس میں تہ کیرو تانیث برابر ہوتی ہے اور مشرکوں پر اس کا صل مبالغہ کے لئے ذونجس کی تقدیر کے ساتھ ہے، قاسوس میں سے النجس (بالفتح و بالکسر و بالتحریک) کا معنی پاکیزگی کی ضد ہے، میں کہتا ہوں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے فطرت سلیمہ مکروہ اور ناپسند سمجھے اور

اس کا اطلاق نجاستِ حقیقہ پر ہوتا ہے جیسے گندگی اور خون وغیرہ لیکن شارع علیہ اصطلاحاً و السلام نے نجاستِ حکمیہ کو بھی اس میں شامل کیا ہے جیسے حدیث، جنابت، حیض اور نفاس کا انتطاع وغیرہ۔ یعنی بروہ چیز جسے شریعت محمدیہ نے ناپسند کرتی ہے۔ کافر شرعاً نجس ہے کیونکہ یہ اپنے باطن کے نبیث کی وجہ سے نجیث ہے اور شرعاً اسے ناپسند کرتی ہے۔ اس سے اسی طرح اعتنا پر ضروری ہے جس طرح نمازی نجاستِ حکمیہ سے اجتناب اور پرہیز کرتا ہے، اس لئے کفار سے اظہارِ رحمت اور شدت و تعقل رکھنا جائز نہیں ہے۔ ضحاک اور ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نجس سے مراد گندگی ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں کفار کی نجاست سے مراد نجاستِ حکمیہ سے نجاستِ مینہ اور حیثیہ نہیں ہے کفار کی مذمت اور اظہارِ نفرت کے لئے انہیں نجس نہیں کہا گیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کفار کو نجس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ناپاک ہوتے تو غسل نہیں کرتے تھے اور بے وضو ہوتے تو وضو نہیں کرتے تھے (1) اور نجاست سے اجتناب نہیں کرتے تھے۔ مظہر تکذیب ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان کی ذوات بھی کتوں کی طرح نجس ہیں۔ ابوالشیخ اور ابن مردود یہ دہمما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شرک سے مصافحہ کرے اسے چاہئے کہ وہ وضو کرے یا اپنے ہاتھ دھو لے (2) لیکن یہ قول بالا جماع حراک ہے۔

یہ امر احناف کا مسلک یہ ہے کہ مسجد حرام میں کفار کا داخلہ مطلقاً منع نہیں بلکہ حج اور طواف سے منع کرنا مقصود ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حج کے موقع پر یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ پس معلوم ہوا کہ اس حجی سے مراد حجِ عمرہ سے منع کرنا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسجد حرام میں کافر کا داخل ہونا جائز ہے اور دوسری مساجد میں بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ مفہوم میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اگر شوافع فرماتے ہیں یہ نجی کفار حرام میں داخل ہونے سے متعلق ہے کیونکہ جب وہ حرم کے علاوہ داخل ہو جائیں گے تو وہ مسجد حرام کے قریب پہنچ جائیں گے۔ اس لئے کفار حرام میں داخل ہونے سے منع کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: **لَسْبِغْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوا بِمَقُودٍ لِّمَن لَّا یُؤْمِنُ بِالْحَرَامِ** اور اس آیت کریمہ میں مسجد حرام سے مراد حرم ہے کیونکہ آبِ حیات کو سیرام بانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے کرائی گئی تھی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کفار کے حق میں اسلامی شہروں کی تین چیزیں ہیں: 1۔ حرم۔ اس میں کسی کافر کے لئے داخل ہونا جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذمی ہو یا مسلمان ہو۔ جیسا کہ آیت کریمہ کا ظاہر متعنی ہے۔ جب کوئی سفیر کفار کی طرف سے امام وقت سے ملاقات کرنا چاہے اور امام مسلمین حرم میں ہو تو امام کو چاہئے کہ اپنا سفیر کفار کے سفیر کی طرف بھیجے جو حرم کے احاطہ سے باہر اس کی بات سنے اور اس سے مذاکرات کرے، 2۔ حجاز مقدس:۔ اس میں کفار کا داخل ہونا تو جائز ہے لیکن انہیں تین دن سے زیادہ یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا حتیٰ کہ یہاں صرف اور صرف مسلمان زندہ رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ اس ارادہ سے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دوسرے اہم امور مملکت کی وجہ سے اس کام کا موقع نہ ملا لیکن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں جلا وطن کیا تھا لیکن تاجر کی حیثیت سے کوئی تین دن کے لئے آسکتا ہے۔ جزیرہ عرب کی طولاً حد اقصیٰ عدن سے ریف

عراق تک ہے اور عرضاً چھ ماہہ اور اس کے ارد گرد کے علاقہ سے ساحلِ ہند کے ساتھ ساتھ شام تک ہے۔ 3:۔ عقیدہ اسلامیہ شہران میں کافر بطور ذی ایمان ٹھہر سکتا ہے لیکن مساجد میں مسلمانوں کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے (1)۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد حرام اور دوسری مساجد کے درمیان فرق مروی ہے۔ ان کے نزدیک مسجد حرام میں کافر مطلقاً داخل نہیں ہو سکتا لیکن دوسری مساجد میں اس کا داخلہ جائز ہے۔ امام مالک اور مزنی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسری مساجد میں بھی کافر داخل نہیں ہو سکتا جیسا کہ مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا (2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب باندھا ہے دخول المشرك المسجد۔ (یعنی مشرک کے مسجد میں داخل ہونے کا جواز)۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک گھوڑا سواروں کا دستہ بھیجا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص ثمامہ بن اثال پکڑ کر لائے اور اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا (3)۔ ہم نے ثمامہ بن اثال کا واقعہ اور اس کا اسلام قبول کرنا سورۃ انفال میں ذکر کر دیا ہے۔ اس حدیث سے مشرک کے مسجد میں داخل ہونے کے جواز پر استدلال ضعیف ہے لیکن ثمامہ کا واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے جبکہ کفار کو مسجد حرام سے حج اور عمرہ نبالانے سے 9ھ میں منع کیا گیا ہے۔ یعنی جس سال سورۃ توبہ نازل ہوئی تھی۔ اس سال حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حج کے امیر تھے اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ لہم اجمعین نے رات کا اعلان کیا تھا۔ یہ 9ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی کو خصوصی طور پر مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ حافظ ابن حجر شرح بخاری میں باب دخول المشرك المسجد کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ حدیث جو اس باب میں درج ہے سلام کے اس قول کی تردید کرتی ہے کیونکہ ثمامہ بن اثال اہل کتاب میں سے نہیں تھے (4) واللہ اعلم۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ میں یہ دلیل ہے کہ فروعات اسلام کے کفار بھی مخاطب ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مسجد کے قریب آنے سے منع فرمایا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ استدلال درست نہیں کیونکہ آیت میں خطاب مومنین کو ہو رہا ہے فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (الاحزاب)۔ مسلمانوں کو یہ حکم ہو رہا ہے کہ وہ کفار کو مسجد حرام سے منع کریں۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہاں بھی کفار کو ہی ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ اگر کفار فروعات اسلام کے مخاطب ہوں تو پھر حج و عمرہ کا بھی انہیں حکم ہوگا کیونکہ حج بھی فروعات اسلام میں سے ہے حالانکہ خود قرآن نے انہیں حج و عمرہ کرنے اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کیا ہے۔ اگر امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تسلیم کیا جائے تو تناقض لازم آتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس آیت میں مخاطب کفار ہوں اور انہیں حج و عمرہ اور دخول حرم سے منع کیا جا رہا ہو تو پھر حج کو ترک کر کے حکم اہل بی بی کرنے والے ہوں گے اور اس پر انہیں اجر و ثواب ملنا چاہئے تھا اور یہ بات بھلا ہے، واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن جریر اور ابو اشیح رحمہما اللہ تعالیٰ نے سعید بن جبیر، بکرہ، عطیہ العوفی، الضحاک اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ مشرک بیت اللہ شریف میں آتے تو کھانا بھی ساتھ لاتے تھے۔ جب انہیں بیت اللہ شریف میں آنے سے منع کیا گیا اور یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ تَلَافِيحًا لِمَا أَلْمَسُوا النَّبِيَّ مُحَمَّدًا كَارِشًا نازل ہوا تو مسلمانوں کو کچھ پریشانی ہوئی اور کہنے لگے اب ہمارے لئے کھانا اور دوسرا مال و متاع گونا گونا لائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا۔ (5)

1۔ تفسیر مظہری، جلد 3 صفحہ 63 (الانصار)۔
 2۔ فتح الباری، شرح بخاری، جلد 3 صفحہ 134 (الازہری)۔
 3۔ فتح بخاری، جلد 1 صفحہ 179 (ابن کثیر)۔
 4۔ فتح الباری، جلد 3 صفحہ 134 (الازہری)۔
 5۔ الدر المنکر، جلد 3 صفحہ 408 (العابدی)۔

سے کہے کہ مسلمانو! اگر تمہیں فقر و غنجدستی کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تمہیں فقی فرما دے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فقی کرنے کو اپنی مشیت کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ انسان ہر طرف سے کٹ کر اس کی بارگاہ ہے کس پناہ کی طرف متوجہ ہو اور یہ تنبیہ ہو جائے کہ وہ خود اپنی مشیت و مہربانی سے فضل فرمائے والا ہے۔ نیز یہ غنا کبھی ہوگا اور کبھی نہیں ہوگا، کسی سال ہوگا اور کسی سال نہیں ہوگا (اس کی حکمت جیسا تھا خدا کرتی ہے وہ ایسا ہی وہ کرتا ہے)۔

سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کو خوب جانتا ہے اور اپنی حکمت کے مطابق کسی کو عطا کرتا ہے اور کسی کو محروم کرتا ہے۔ حضرت حکمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی غنا کے اسباب پیدا فرمائے، موملادھار بارش برساتی اور ان میں مال و دولت کی فراوانی فرمادی۔ محافل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل جہد، صنفا اور یمن کا قبیلہ جرش مسلمان ہو گئے اور وہ مکہ مکرمہ کی طرف بہت رسد لائے۔ پس جن کے دلوں میں تنگ دہی کا نشہ تھا اسے دور فرما دیا (۱)۔ شحاک اور قوادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں مشرکوں کے متاع اور حکمانے کے عوض جزیرہ (گیس) کی مد میں مال عطا فرما کر فقی کر دیا۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ يَدِينُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْبَالِغِ وَالْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ
وَسَأَسْأَلُكَ وَلَا يَدِينُونَ وَبَيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا
الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ ذَاكِرُونَ ⑤

”جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر لے اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے لے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے کو کھلے ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے سچ یہاں تک کہ دیں یہ وہ جزیرہ اپنے ہاتھ سے لے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں گے“

۱۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جنگ کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد غزوہ تبوک ہوا تھا (۲)۔ اگر یہ کہا جائے کہ لعل کتاب اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے تھے اور آخرت پر ایمان بھی رکھتے تھے۔ پھر یہ کیاں کہا گیا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس طرح ایمان نہیں رکھتے تھے جس طرح ایمان لانے کا لائق تھا کیونکہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام اور جہنی علیہ السلام کو اللہ کا بیٹے کہتے تھے، اپنے عقیدہ کے ہوتے ہوئے ان کا اللہ پر ایمان کیسے ہو سکتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو احد، الصمد، لم یلد، ولم یولد ولم یکن له کلوا احد نہیں مانتے تھے۔ اسی طرح آخرت پر بھی حقیقتہً ان کا ایمان نہیں تھا کیونکہ وہ اپنی طرف سے یہ کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہود و نصاریٰ داخل ہوں گے اور دوزخ کا عذاب انہیں چند دن ہوگا۔ جنت کی نعمتوں کے متعلق بھی ان کا عقیدہ خالص نہیں تھا کہ کیا یہ دنیا کی نعمتوں کی بخش ہے جس میں یا اس کے علاوہ کچھ ہیں۔ وہ داغی ہیں یا ختم ہونے والی ہیں۔ ان کے بعض کا یہ عقیدہ تھا کہ جنت میں کھانا، پیغام نہیں ہے۔ ایسی نظریات کے ہوتے ہوئے گویا آخرت پر بھی حقیقتہً ان کا ایمان نہیں ہے۔

۲۔ یعنی جو چیزیں قرآن و سنت نے حرام کی ہیں انہیں وہ حرام نہیں سمجھتے۔ بعض عطا فرماتے ہیں رسول سے مراد وہ رسول ہے جس کی وہ بزرگمندی و شایستگی کے ہوتے ہیں اور عقداوی اور محلی طور پر وہ اپنے منسوختہ دین کی بھی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ موسیٰ

اور یعنی علیہا السلام نے بھی نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا تھا۔

یعنی وہ دین حق کو قبول نہیں کرتے۔ یہاں موصوف کو صفت کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ قائد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول نہیں کرتے کیونکہ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں جن سے مراد اسلام ہے اور معنی دین الاسلام (اسلام کا دین) ہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اہل حق کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے۔

تو یہ المذنب لا یؤمنون کا بیان ہے اور مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

یہ جزیہ کا لغوی معنی جزاء ہے۔ نفل کے وزن پر ویت پر دلالت کرنے کے لئے بنایا گیا ہے اور یہ ادا جنگی کے وقت ذلت کی بیعت ہے، جیسا کہ کے بیان ہوگا اور اس سے مراد وہ نکس ہے جو غیر مسلموں پر لگایا جاتا ہے، بعض علماء فرماتے ہیں یہ جزیہ دیدے سے مشتق ہے جس کا معنی ہے من لے کر بنا قرض ادا کر دیا۔

یہ ضمیر سے حال ہے معنی پر تم کہتے ہوئے اور حکم تسلیم کرتے ہوئے نکس ادا کریں یا یہ معنی کہ وہ اپنے ہاتھ سے مسلمانوں کو اپنا نکس خود ادا کریں کسی دوسرے کے واسطے نہ ادا کریں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے جزیہ کی ادا جنگی میں وکیل بنا مانع ہے، یا یہ معنی کہ وہ ذلت اور جبری وجہ سے ادا کریں۔ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص کوئی چیز کسی کو نہ چاہتے ہوئے اور مجبوراً عطا کرے تو عرب اعطاء عن ید کا جملہ بولتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی ہے وہ نکس نقد ادا کریں، اداوار کا سلسلہ نہ ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں جو مسلمانوں کا ان پر احسان ہے کہ وہ انہیں قتل نہیں کرتے اس کے عوض وہ جزیہ کو قبول کرتے ہوئے اور اس احسان کا اقرار کرتے ہوئے نکس ادا کریں۔

یعنی وہ اس حال میں جزیہ ادا کریں کہ وہ ذلیل اور مغلوب ہوں۔ اگر نہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ کھڑے ہو کر جزیہ دیں اور لینے والا بیضا ہو اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں ان سے نکس لیا جائے گا اور اس کی گردن کو روندنا جائے گا۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب وہ نکس ادا کرے تو اس کی گدی پر طمانچہ مارا جائے، بعض فرماتے اس کی داڑھی سے پکڑ کر اسے تھپڑ رسید کیا جائے۔ بعض فرماتے ہیں اسے تختی سے ٹھیس کر ادا جنگی کی جگہ پر لایا جائے۔ بعض فرماتے ہیں وہ ذلیل ہو کر نکس ادا کریں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صفار سے مراد ان پر اسلام کے احکام جاری کرنا ہے (1)۔ اس آیت کا ظاہر یہ نکلا کرتا ہے جب وہ نکس ادا کرے تو ان سے جنگ ختم کر دی جائے لیکن یہ حکم صرف اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیوں سے اس وقت تک جزیہ قبول نہ کیا جب تک کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گواہی نہ دی کہ رسول اللہ ﷺ نے جزیہ سے نبیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔ اس حدیث کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں بھالہ بن عبدہ سے روایت کیا ہے (2)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھالہ کے بارے میں مختلف ہے، فرماتے ہیں حدود کے متعلق یہ بھول ہیں اور جزیہ ان کی حدیث قبول ہے۔ اسی حدیث کی وجہ سے نبیوں سے نکس وصول کرنے پر اجماع ہے۔

مسئلہ:۔ جزیہ کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل کتاب سے علیٰ اہم جزیہ وصول کیا جائے گا خواہ

وہ عربی ہوں یا عجمی اور عجم کے مشرکوں سے علی الاعوم وصول کیا جائے گا، خواہ مجوسی یا بت پرست ہوں لیکن مرتدوں سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جزیہ اہل عجم سے قبول کیا جائے خواہ کاتبی ہوں یا مشرک ہوں۔ اہل عرب سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے۔ امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہر کافر سے جزیہ لیا جائے گا، خواہ عربی ہو یا عجمی مگر قریش کے مشرکین اور مرتدوں سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جزیہ ایدان پر ہوتا ہے انسان پر نہیں ہوتا۔ پس اہل کتاب سے قبول کیا جائے خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی ہوں اور بت پرستوں سے کسی صورت قبول نہیں کیا جائے گا اور مجوسی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل کتاب ہیں کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خود الام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ مجوس کے بارے کیا کروں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کرو (۱۶۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ فروہ بن نوفل نے کہا مجوسیوں سے جزیہ کیوں لیا جاتا ہے جبکہ یہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ یہ بات صحیح کہ مستور داخلے اور اس کی داڑھی کو پکڑ کر فرمایا ہے اللہ کے دشمن تو ابوبکر، عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم پر ظن کر رہا ہے۔ انہوں نے بھی تو مجوسیوں سے جزیہ قبول کیا تھا۔ فروہ اپنے محل میں چلا گیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا میں مجوسیوں کے متعلق سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ ان کے پاس علم ہے جسے وہ جانتے ہیں اور ان کی ایک کتاب ہے جسے وہ پڑھتے ہیں۔ ان کے بادشاہ نے ایک دفعہ شراب لٹی تھی اور سوت ہو کر اپنی بیٹی یا ماں سے برائی کا ارتکاب کیا تھا۔ بعض لوگ اس کی اس بے حیائی پر مطلع ہو گئے۔ جب وہ ٹھیک ہوا تو لوگوں نے اس پر حد قائم کرنا چاہی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے اپنی بھلتک کے شہریوں کو بلا کر خطاب کیا اور کہا تم آدم علیہ السلام کے دین سے بہتر وہن جانتے ہو حالانکہ آدم علیہ السلام اپنے بیٹوں کا نکاح اپنی بیٹیوں سے کرتے تھے۔ میں آدم علیہ السلام کے دین پر کار بند ہوں تمہیں ان کے دین کے کسی چیز نے برکت نہ کر دیا ہے۔ پس تم ان سے اس کی یہ تقریر سن کر اس کی بیعت کر لی اور جنہوں نے ان کی مخالفت کی تھی ان سے انہوں نے جنگ کی پھر جب صبح ہوئی تو ان کے علماء قید ہو چکے تھے۔ جب معاملہ ان پر پیش کیا گیا تو ان کا علم ان کے سینوں سے نکل چکا تھا۔ حالانکہ وہ اہل کتاب تھے۔ رسول اللہ ﷺ و سیدنا ابوبکر الصديق، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے ان سے جزیہ وصول کیا تھا۔ یہ حدیث ابن الجوزی نے تصحیح میں نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ سعید بن مرزبان جو اہل حدیث کا راوی ہے وہ مجروح ہے۔ عجمی بن سعید فرماتے ہیں میں سعید بن مرزبان سے حدیث روایت کرتا حلال نہیں سمجھتا یعنی فرماتے ہیں وہ کوئی شی نہیں ہے اور اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔ فلاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ مشرک اللہ ریٹ ہے۔

ابو اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ ثقہ تھا۔ ابو ذر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ صلوق مدلس ہے۔

میں کہتا ہوں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں ذکر کیا ہے۔ ہمیں سفیان بن عیینہ نے نصر بن عاصم اللیشی کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما مجوسیوں سے جزیہ وصول کرتے تھے، فرمایا میں مجوسیوں کے متعلق تمام لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں وہ اہل کتاب تھے، وہ کتاب پڑھتے تھے، وہ اہل علم تھے جس کو وہ جانتے تھے لیکن ان کے سینوں سے پھر علم اٹھا لیا گیا تھا (۲)۔ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نصر بن ظیفہ نے ہمیں بتایا کہ فروہ بن

نقل الاثمی نے کہا تھا یہ بڑا عجیب معاملہ ہے کہ جو بیبوس سے خراج وصول کیا جاتا ہے حالانکہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں فرماتے ہیں، مستورد بن الانصاف اٹھے اور فرمایا تو نے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا ہے۔ تو یہ کہہ دو کہ میں تجھے قتل کر دوں گا پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اہل حجر کے جو بیبوس سے خراج وصول کیا تھا فرماتے ہیں یہ دونوں اپنا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے حضرت علی نے رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تم دونوں کو ایسی بات بتاتا ہوں جس سے تم دونوں خوش ہو جاؤ گے۔ وہ یہ کہ مجھوں ایک امت تھے جن کی ایک کتاب تھی جسے یہ پڑھتے تھے۔ ان کے بادشاہ نے شراب پی تھی جس کی وجہ سے وہ مدہوش گیا تھا۔ اس نے اسی بدستی کی حالت میں اپنی بہن کا ہاتھ پکڑا اور اسے شہر سے باہر لے گیا۔ اس کے پیچھے چار افراد بھی نکل پڑے تھے۔ اس بادشاہ نے اپنی بہن سے برائی کا ارتکاب کیا، جبکہ وہ چاروں افراد کچھ رہے تھے۔ جب اس کا نشانہ اتر تو اس کی بہن نے کہا جب تو یہ فعل شیخ کر رہا تھا تو فلاں فلاں نہیں تجھے دیکھ رہے تھے، اہل نے کہا مجھے تو اس کا علم ہی نہیں ہے، بہن نے کہا تجھے قتل کیا جائے گا لیکن اگر تو میری بات پر عمل کرے گا تو بیچ جائے گا۔ اس نے کہا میں تیری بات مانتا ہوں، بہن نے کہا اس فعل شیخ کو دین کا درجہ دے دے اور تو لوگوں کو کہہ کہ یہ آدم علیہ السلام کا دین ہے اور یہ بھی کہہ کہ عواء آسم سے بیڑا ہوا تھی۔ لوگوں کو اپنے پاس بلا اور ان پر کھوار سونت لے جو تیری اتباع کرے اور تیری اس بات کو مان لے اس چھوڑ دے اور جو انکار کرے اسے قتل کر دے۔ اس نے بہن کے اس مشورہ پر عمل کیا لیکن کسی نے بھی اس کی بات نہ مانی۔ وہ اس دن لوگوں کو قتل کرتا رہا یہاں تک کہ شام ہو گئی، بہن نے پھر مشورہ دیا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ لوگ کھوار کو برداشت کر گئے ہیں، ان کو آگ پر پیش کرو، لوگوں کے لئے آگ جلاؤ، پھر انہیں آگ میں ڈالنے کی دھمکی دو تو اس نے اس مشورہ پر عمل کیا بلوگ آگ سے ڈر گئے اور اس کی بیعت کرنی شروع کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو بیبوس کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے ان سے خراج وصول کیا، لیکن ان کے شرک کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح کرنے اور ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا (۱۹)۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق میں روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اہل فارس کا نبی وصال فرمایا تو انہیں نے ان کے لئے جو بیبوس لکھ دی۔ شوافع کا یہ استدلال کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھوں کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مجھوں کتابی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے اس فرمان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مجھوں اہل کتاب سے ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے تمام معاملات میں ان سے جو بیبوس جیسا سلوک کیا جائے گا۔ حدیث شریف سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ان سے جزیہ لینا جائز ہے کیونکہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنے اور ان کے ذبیحہ کو نہ کھانے پر اجماع ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہماری حجت ہے نہ کہ ہمارے خلاف حجت ہے کیونکہ اگر چنانچہ ان کے اسلاف اہل کتاب تھے۔ وہ اپنی کتاب کی مخالفت بھی کرتے تھے لیکن جب انہوں نے اپنے دین کو ترک کر دیا اور کتاب پر عمل چھوڑ دیا اور ان کے سینوں سے علم بھی اٹھایا گیا اور انہیں سے ان کے لئے جو بیبوس لکھ دیا تو اب وہ اہل کتاب نہ رہے۔ اسی وجہ سے علماء کا اتفاق ہے کہ مجھوں اہل کتاب نہیں ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول علماء کے ساتھ ہے کہ مجھوں اہل کتاب نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر مجھوں کے اسلاف اہل کتاب تھے ہندوستان کے بت پرست بدرجہ اولیٰ اہل کتاب کہلوانے کے مستحق ہیں کیونکہ وہ کتاب پڑھتے پڑھاتے ہیں جسے وہ بید کہتے ہیں اس کے چار اجزاء ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے، اور ان

کے اکثر اصول بھی اصول شریعت کے موافق ہیں اور ان کے جو کام شرع کے مخالف ہیں وہ شیطان کے اختلاطات کی وجہ سے ہیں جیسا کہ شیطان کی کارستانیوں کی وجہ سے اسلام کے ماننے والے تہتر فریقوں میں بٹ گئے ہیں اور ان کی دعوت کو شریعت کی تائید حاصل ہے کیونکہ ارشاد ہے: **وَإِنْ مِنْكُمْ أَصْحَابٌ إِلَّا يَخْلُفُونَهَا نَبِيُّؤُا**۔ پس اس اعتبار سے تو ہندوستان کے بت پرست اہل کتاب ہونے میں مجھوں سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ مجھوں سے بادشاہ نے جب شراب پی اور اپنی بہن سے بدکاری کی تو اس نے اپنا دین اور کتاب چھوڑ دی اور آدم علیہ السلام کے دین کی دعوت دینی شروع کر دی اور ہندوستان کے کفار نے تو اپنے دین کو چھوڑ کر نیا دین نہیں گھڑا ہے بلکہ یہ نبی کریم ﷺ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کافر قرار پائے ہیں اور مجھے یہ بتایا گیا ہے بید کے چوتھے جز میں خاتم النبیین محمد ﷺ کی بعثت کی بشارت بھی ہے اور بعض لوگ اس چوتھے جز کو پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں، واللہ اعلم۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مقلدین یہ کہتے ہیں کہ بت پرستوں سے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **فَتُؤْتُوهُمْ صَافً مَّا كَلَبْتُمْ عَلَيْهِمْ** (ان سے جنگ کرو تا کہ فتنہ باقی نہ رہے) کی وجہ سے جنگ کرنا واجب ہے۔ لیکن اہل کتاب سے جنگ ان کی کتاب کی وجہ سے نہیں کی جاتی (جب وہ جزیہ ادا کریں) اور مجھوں سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔ پس اہل کتاب اور مجھوں کے علاوہ باقی لوگ اپنی اصل پر باقی ہوں گے یعنی ان سے جنگ کی جائے گی جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔

ہم شوافع کے قول مذکور کے جواب میں کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **فَلَا تُكْفِرُوا بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ** (شرکین سے جنگ کرو) کے عموم سے مجھوں والا جماع خاص ہیں اور ایک عقلی دلیل اور حدیث کے ذریعے تخصیص جائز ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ بت پرست مجھوں جیسے ہیں کیونکہ یہ بھی ان کی طرح مشرک ہیں اور ان کے اسلاف کا اہل کتاب ہونا ان کے لئے کچھ مفید نہیں ہے اور ان کو ظلام بنا نا بھی بالا جماع جائز ہے نیز ان پر ٹیکس لگانا بھی جائز ہے کیونکہ مجھی اور بت پرست ہر ایک کی آزادی مسلوب ہوتی ہے، ہر ایک محنت مزدوری کرتا ہے اور مسلمانوں کو بھی ادا کرتا ہے اور اپنا خرچ بھی پورا کرتا ہے اور جس حدیث سے تخصیص کی گئی ہے وہ حضرت سلیمان بن بردہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی لشکر کا جرنیل بنا کر بھیجتے تو اس کو تقویٰ اور ساتھیوں کے ساتھ نیکی اور بلائی کرنے کی تلقین فرماتے، پھر فرماتے اللہ کے ارشاد میں اللہ کا نام لیکر جہاد شروع کرو اور اللہ کے منکر سے جنگ کرو۔ حوصلہ پست نہ کرنا اور نہ دھوکہ دینا اور نہ شکر کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا اور جب کسی مشرک قوم سے آمتنا سامنا ہو تو انہیں تین باتوں کی طرف دعوت دینا جو بھی وہ قبول کر لیں تم ان کی طرف سے مان لینا اور ان سے لڑنا ہند کر دینا، انہیں سب سے پہلے مذہب اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اگر وہ یہ تمہاری بات مان لیں تو فیہا اور ان سے قتال روک لینا پھر انہیں اپنے وطن کو چھوڑ کر دار ہجرت (مدینہ طیبہ) کی طرف ہجرت کرنے کو کہنا اور انہیں یہ کہنا کہ اگر وہ مدینہ طیبہ چلے جائیں گے تو ان کو وہی سہولیات میسر ہوں گی جو دوسرے مہاجرین کو میسر ہیں اور ان پر بھی اتنی ہی مشقت ہوگی جتنی دوسرے مہاجرین پر ہوگی۔ اگر وہ ہجرت کو قبول نہ کریں تو انہیں کہنا کہ تم مسلمانوں کے بددوں کی طرح ہو گے، ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا وہی حکم نافذ ہوگا جو دوسرے مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے، ان کا مال خیمت اور مال فنی میں کوئی حصہ نہ ہوگا جب تک کہ یہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد میں شریک نہ ہوں۔ اگر وہ اس بات کا بھی انکار کریں تو ان پر جزیہ چڑھیں کرو۔ اگر وہ جزیہ قبول کر لیں تو پھر تم ان سے جنگ کا کوڑا روک لو۔ لیکن اگر آخری بات جزیہ کو بھی تسلیم نہ کریں تو

اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور ان سے جہاد کرو، (مسلم) (1) عربی کتابی سے جزیہ لینے کے جواز پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کی طرف بھیجا تو آپ اسے گرفتار کر کے لے آئے آپ ﷺ نے اسے خون کی حفاظت کی ضمانت دے دی اور جزیہ پر صلح کر لی۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ (2)

ابوداؤد تابعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یزید بن رومان اور عبد اللہ بن ابی بکر کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید کو اکیدر بن عبد الملک کی طرف بھیجا جو کنفہ قبیلہ سے تھا اور دومۃ الجندل کا بادشاہ تھا۔ اس طویل حدیث میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جزیہ پر اس سے صلح کر لی تھی (3)۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اکیدر کنفی تھا اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جزیہ صرف عجمی اہل کتاب کے ساتھ محض نہیں ہے کیونکہ اکیدر عربی تھا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ جزیہ اہل کتاب اور اہل عجم کے ساتھ خاص نہیں ہے تو امام ابو یوسف اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک ثابت ہو گیا۔ لیکن ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل عرب کے بت پرستوں سے جزیہ قبول کرنا اور ان کو نکلام بنانا جائز نہیں ہے، عبدالرزاق نے معمر بن زہری کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب بت پرستوں کے علاوہ دوسرے بت پرستوں سے صلح کی تھی (4)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کا ظہور عربوں کے اندر ہوا اور قرآن ان کی لغت پر نازل ہوا اس لئے ان کا یہ معجزہ بائبل انگریزوں کے لئے اس سے اسلام یا جنگ کے علاوہ اور کچھ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح مرتد کا حکم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی طرف ہدایت عطا فرمائی تھی لیکن پھر اس نے اپنے رب کریم کا انکار کیا اور اسلام کے شہری اصول و فروع سے واقف ہونے کے بعد اس نے اعراض کیا۔ اس لئے اس سے بھی اسلام یا تلوار ہی قبول ہوگی۔ محمد بن حسن نے عن مقسم بن ابی ہاشم کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب سے صرف دو ہاشم ہی قبول کرتے تھے اسلام یافتہ اور جب عرب کے بت پرستوں یا مرتدین پر غلبہ پایا جائے تو ان کی عورتوں کو لونڈیاں اور ان کے بچوں کو غلام بنالیا جائے کیونکہ وہ مشرکین عرب میں سے تھے۔ اسی طرح نبی المصطفیٰ و غیر ہم کی اولاد کو غلام بنایا جائے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی خلیفہ کی اولاد کو غلام بنایا تھا جب وہ مرتد ہو گئے تھے اور پھر انہیں غازیوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ محمد بن علی بن ابی طالب کی والدہ اور زید بن عبد اللہ بن عمر کی والدہ بھی ان میں شامل تھیں۔ مرتدین کے بچوں اور بیویوں کو غلام بنانے کے بعد اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، جبکہ بت پرستوں کے بچوں اور بیویوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عرب کے بت پرستوں کے ہاں بچوں کو غلام بنایا جائے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اکیدر سے جزیہ لینے والی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے کفار سے جزیہ لینا جائز ہے، اگرچہ وہ کتابی ہوں یا مشرک ہوں لیکن یہ حدیث منسوخ ہے ان احادیث کی وجہ سے جن میں ہے کہ یہود و نصاریٰ کو جزیہ پر عرب سے نکال دو اور اس میں صرف مسلمان ہی رہ سکتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ سے جزیہ لینا تو اس بات پر منحصر ہے جبکہ انہیں جزیہ پر عرب میں رہنے کی اجازت ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمین باتوں کی وصیت فرمائی فرمایا مشرکین کو جزیہ پر عرب سے نکال دو اور وہ دو کو آنے کی اسی طرح اجازت دو جیسے میں دیتا

2- سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 74 (زاد تہذیب)

4- مصنف عبدالرزاق، جلد 6 صفحہ 86 (مجلس علمی)

1- صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 82 (تہذیب)

3- دلائل اثبات جزیہ، جلد 5 صفحہ 251 (اعلیٰ)

ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تیسری بات آپ نے خود بیان نہیں فرمائی یا مجھے بھول گئی ہے، (مشفق علیہ)۔
 (1) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں مجھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے سنا ہے کہ میں یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا اور اس میں سوائے مسلمانوں کے کسی کو نہ چھوڑوں گا، (مسلم) (2) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں ابن شہاب سے مرسل روایت کیا ہے کہ جزیرہ عرب میں دو دین منع نہیں ہو سکتے۔ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں صالح بن ابی الاحضر عن الزہری عن سعید بن ابی ہریرہ کی سند سے متصل روایت کی ہے۔
 امام احمد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو سعیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ یہود کو حجاز سے اور اہل نجران کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔
 مسئلہ ۳۔ جو حج کی مقدار کتنی ہے؟

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جزیرہ یا اسی رضامندی اور صلح سے لگایا جائے گا جس مقدار پر اتفاق ہو جائے گا وہی وضع کیا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے دو ہزار کپڑوں کے جوڑوں پر صلح کی تھی۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے دو ہزار کپڑوں کے جوڑوں پر صلح فرمائی تھی۔ نصف وہ صفر میں ادا کریں گے اور نصف۔ جب میں واجب الادا ہوں گے (3)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں اور ابو سعیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاسواق میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو لکھا کہ دو ہزار جوڑے کپڑوں کے تم ادا کرو گے اور جوڑے کی قیمت ایک اوقیہ ہوگی (4)۔ ابنا ہام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الولوی کا یہ کہنا کہ ہر جوڑا پچاس درہم کا ہو ہی سکتا نہیں ہے کیونکہ اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ کپڑوں کے جوڑے سے مراد دو کپڑے یعنی تہبند اور پروانی چادر ہیں۔ یہ کپڑوں کے جوڑے ان کے افراد اور ان کی زمینوں کے مقابلہ میں ہوں گے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نیکس ان کی زمینوں پر ہوگا اور ان کی ذوات پر جزیرہ ہوگا یہ جزیرہ ان لوگوں پر ہوگا جو مسلمان نہ ہوں گے اور نجران کی ہر زمین پر خرچ ہوگا اگرچہ کوئی اپنی زمین کسی مسلمان یا ذمی یا قلعی کو فروخت بھی کر دے۔ غورتوں اور بچوں کی زمینوں پر نیکس ہوگا لیکن ذوات و نفوس پر جو نیکس ہوتا ہے اس میں بیچے اور غورتیں مشتمل ہیں۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ بنی تغلب سے اس بات پر صلح کی تھی کہ ان سے مسلمانوں کی زکوٰۃ کا دوا وصول کیا جائے گا۔ اگر امامان پر تقلب پالے اور انہیں اپنی زمین پر برقرار رکھے تو امیر آدمی سے ہر سال اکل تا اسی درہم وصول کئے جائیں گے، یعنی ہر ماہ چار درہم لئے جائیں گے اور متوسط طبقہ کے لوگوں میں سے ہر شخص سے چوبیس درہم، یعنی ہر ماہ دو درہم وصول کئے جائیں گے اور فقیر جو کمانے پر قدرت رکھتا ہو اس سے سالانہ بارہ درہم، یعنی ہر ماہ ایک درہم وصول کیا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ ہر شخص سے برابر سالانہ چار دینار یا چالیس درہم وصول کئے جائیں گے۔ آپ کے نزدیک غنی اور فقیر کا کوئی تفاوت نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دینار واجب ہوگا اور اس میں غنی اور فقیر کا کوئی فرق نہیں ہے سب برابر ہیں۔ حضرت امام احمد سے چار اقول مروی ہیں: 1۔ ایک قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہے، 2۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ امام کی رائے پر منحصر ہے۔ اس کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔ امام شواری

2۔ صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 78 (اعلیٰ)

1۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 1111 (ابن کثیر)

4۔ کتاب الخراج صفحہ 85 (اسلمیہ)

3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 74-75 (دارت التلمیذ)

رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے، 3:۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کم از کم ایک دینار ہوگا زیادہ کی حد تین تین، 4:۔ یہ کہ اہل یمن کے لئے سالانہ ایک دینار تین تین ہے دوسروں کے لئے نہیں کیونکہ اہل یمن کے حلقہ حدیث علیہ وارد ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا ہر بالغ شخص سے ایک دینار وصول کرنا یا اس کے مقابل معاف پڑے لینا۔ یہ معاملہ صرف یمنیوں کے ساتھ ہوگا۔ اس حدیث شریف کو ابو داؤد، ترمذی، نسائی، دارقطنی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (1)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث پر عمل کیا ہے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے اور فرماتے ہیں مجھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی بات پہنچی ہے کہ آپ بھی اس حدیث کو منکر بتاتے تھے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے حلقہ اختلاف ذکر کیا ہے۔ بعض محدثین نے اسے عن اعمش عن ابی وال عن مسروق عن معاذ کی سند سے روایت کیا ہے اور بعض نے عن اعمش عن ابنی وال عن مسروق ان النبی ﷺ للمابعث معاذاً کی سند اور تین سے روایت کیا ہے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ منقطع ہے کیونکہ مسروق کی معاذ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں خلل ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں بعض محدثین نے اسے اس مرحل روایت کیا ہے اور وہ اسح ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ امرا حنفیہ نے ان اہمات الکتب میں عبد الرحمن بن ابی ملیح عن الحكم کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حدیث بن ییمان اور عثمان بن حنیف کو عراق کی طرف بھیجا تو انہوں نے عراق کی زمین کی پیمائش کرانی پھر اس پر خراج مقرر فرمایا۔ انہوں نے لوگوں کو تین طبقات میں تقسیم کیا جیسا کہ صحیحہ ذکر ہو چکا ہے۔ جب وہ واپس آئے اور انہوں نے اپنا طریقہ کار بتایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی پر عمل فرمایا۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن مسہور الشیبانی عن ابن عون محمد بن عبد اللہ الثقفی کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر ٹیکس لگایا تو فنی پراؤتا لیس، متوسط پر چوبیس اور فقیر پر بارہ درہم مقرر فرمایا۔ یہ روایت مرحل ہے (2)۔ اسی روایت کو ابن نجیم نے کتاب الاموال میں ذیل کی سند سے ذکر کیا ہے: ثنا مندل عن الشیبانی عن ابن عون عن المغیرہ بن شعبہ بن عمرو وضع..... الی اخرہ ایک دوسرے طریق سے ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے الطبقات میں نقل کی ہے کہ عمر بن خطاب نے شہروں کو فتح کیا تو ذمیوں پر جزیہ عائد کیا تو فنی پراؤتا مقرر فرمایا..... الی اخرہ ایک اور طریق سے عبد القاسم بن سلام نے روایت عارض بن معمر بن عمر کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن حنیف کو (عراق) کی طرف امیر بنا کر بھیجا تو آپ نے، حسب حیثیت ہر شخص پراؤتا لیس، چوبیس اور بارہ درہم مقرر فرمائے، یہ سب کچھ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے انکار نہیں فرمایا۔ پس گویا یہ صحابہ کرام کا اجماعی مسئلہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں حضرت عامر الثقفی سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمین کی پیمائش کرانی تو وہ 360 کروڑ جزیہ بنی۔ پھر آپ نے غزوہ دالی زمین کی ایک جزیہ پر ایک درہم اور ایک فقیر اناج اور انگورو دالی زمین کی ایک جزیہ پر بارہ درہم، سمجھوروں دالی زمین کی ایک جزیہ پر پانچ درہم مقرر فرمائے۔ مرویوں پر حسب حیثیت، بارہ، چوبیس اور اڑتالیس درہم مقرر فرمائے (3) اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جاتی سند کے ساتھ ابن مجلو سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو امامت اور جنگی امور سپرد کر کے بھیجا عبد اللہ بن

مسعود کو قاضی اور بیت المال کا حکم عطا فرما کر بھیجا، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو زمین کی پیمائش کا فریضہ سونپ کر بھیجا اور ان تینوں افراد کے لئے روزانہ ایک بکری بطور خوراک متعین فرمائی۔ نصف بکری اور اس کے پیٹ کا گوشت عمار کے لئے، چوتھائی بکری عبداللہ بن مسعود کے لئے اور دوسری چوتھائی عثمان بن حنیف کے لئے مقرر فرمائی۔ اور فرمایا میں اور تم اس مال پر یتیم کے والی کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اگر وہ غنی ہو تو اسے یتیم کے مال سے اجتناب کرنا چاہئے اور اگر فقیر ہو تو معروف طریقہ پر یتیم کے مال سے لے سکتا ہے۔ تم بخدا میرا خیال یہ ہے کہ جس زمین سے ہر روز ایک بکری لی جائے گی وہ جلدی شتم ہو جائے گی۔ راوی فرماتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زمین کی پیمائش کرائی پھر انھوں نے زمین کی ایک جریب پر دس درہم، بھجور کی ایک جریب پر آٹھ درہم اور گنے کی ایک جریب پر چھ درہم اور گندم کی ایک جریب پر چار درہم جو کی ایک جریب پر دو درہم مقرر فرمائے۔ مردوں پر حسب طاقت بارہ، چوتیس اور اڑتالیس درہم متعین فرمائے۔ عورتوں اور بچوں پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے بعض ساتھیوں نے مجھ سے اختلاف کیا انہوں نے فرمایا بھجور کی ایک جریب پر دو درہم اور انھوں نے ایک جریب پر آٹھ درہم مقرر فرمائے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (1) مجھے محمد بن اسحاق نے حارث بن مطرف کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بتایا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے درمیان عراق کی زمین تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا تو پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے عراق کے افراد کو کرنے کا حکم دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک مسلمان کے حصہ میں دو تین عراقی آتے ہیں۔ صحابہ کرام نے مشورہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ لوگ مسلمانوں کے معاون ہو سکتے ہیں (اس لئے انہیں اپنی زمین پر رہنے دیا جائے) پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن حنیف کو ان کے پاس بھیجا اور ان پر حسب حیثیت اڑتالیس، چوتیس اور بارہ درہم سالانہ جزیہ مقرر فرمایا۔ (2)

احناف حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حد کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ صلح پر محمول ہے کیونکہ یمن کو فتح سے نہیں بلکہ صلح سے فتح کیا گیا تھا اس لئے مصالحت جس ٹیکس پر ہوئی وہی مقرر ہوا۔ اہل یمن غریب اور نادار لوگ تھے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان پر ایک غریب کا جزیہ عائد فرمایا۔ اس بات کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابن نجیح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے مجاہد سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ اہل شام پر چار دینار اور اہل یمن پر ایک دینار جزیہ وضع کیا گیا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اہل شام خوشحال تھے اور اہل یمن نادار تھے (3)۔ حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا انھما حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت پر ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک دینار لینے کا حکم فرمایا تھا اور نجران کے نصاریٰ سے دو ہزار کپڑوں کے جوڑوں پر مصالحت فرمائی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ مقرر کرتے وقت یمن بلقعات بنائے تھے۔ جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ بنی تغلب نے مسلمانوں کی زکوٰۃ کا دو گنا دینے پر صلح کی تھی۔ یہ مختلف مقدار ہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ جزیہ کی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ یہ امام کی رائے پر منحصر ہے۔

مسئلہ :- امام ابو یوسف، امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے روزگار فقیر سے جزیہ نہ لیا جائے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک قول تو جمہور کے قول کے مطابق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فقیر بے روزگار پر بھی واجب ہے

1. کتاب الخراج ص 43-42 (اسلفیہ)

2. کتاب الخراج ص 43 (اسلفیہ)

3. صحیح بخاری جلد 3 صفحہ 1151 (ابن کثیر)

لیکن اس سے وصول اس وقت کیا جائے گا جب وہ صاحب استطاعت ہوگا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جب اس پر سال گزر جائے اور وہ پھر بھی خوشحال نہ ہو تو اسے دار الحرب کے ساتھ الحاق کر دیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر بالغ شخص سے جزیہ وصول کرو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے بے روزگار فقیر پر جزیہ عائد نہیں کیا تھا۔ ابن زنجوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاموال میں ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ وہ بھیک مانگ رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بھیک مانگنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا میرے پاس مال نہیں ہے اور مجھ سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا ہم نے تیری جوانی کی کمائی سے کھایا اور پھر ہم تجھ سے اس حالت میں جزیہ بھی لیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنے عمال کی طرف لکھا کہ بوڑھے افراد سے جزیہ نہ لیا جائے اور بعض طرق میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ روزگار والے فقیر سے بارہ درہم وصول کئے جائیں۔ اس روایت کو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے عمرو بن نافع نے ابی بکر سے روایت کر کے بتایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک قوم کے دروازے سے گزرے تو ایک بوڑھا شخص جوانی بھیک مانگ رہا تھا (آگے اسی طرح واقعہ نقل کیا ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے اور اس جیسے دوسرے افراد سے جزیہ ساقط کر دیا تھا۔ ابو بکر کہتے ہیں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان حکم کے جاری کرنے کے وقت موجود تھا اور میں نے اس بوڑھے کو بھی دیکھا تھا (1)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کر کے ہمیں بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام سے واپس آتے ہوئے ایک قوم کے پاس سے گزرے جنہیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر تیل اٹھایا جا رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ان لوگوں کو کیوں دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے۔ لوگوں نے بتایا ان پر جزیہ واجب ہے اور انہوں نے جزیہ ادا نہیں کیا، انہیں جزیہ کی ادا لگنی کے لئے سزا دی جا رہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ جزیہ کیوں نہیں ادا کرتے۔ لوگوں نے بتایا اپنی غربت اور ناداری کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہیں پھونڈو اڑھاؤ انہیں ایسی تکلیف نہ دو جس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ لوگوں کو عذاب اور تکلیف نہ دو کیونکہ جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انہیں عذاب دے گا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں رہا کرنے کا حکم فرمایا (2)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے بعض مشائخ نے نبی کریم ﷺ تک سند پہنچا کر بتایا کہ عبد اللہ بن ارقم کو چھ مہینے عیبوں سے جزیہ وصول کرنے کا کام پر دیا گیا تھا۔ جب وہ ہدایت نبوی ﷺ لیکر واپس پلٹے تو آپ ﷺ نے پھر بلایا اور فرمایا جو کسی معاہدہ پر ظلم کرے گا یا اسے طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا یا اس کا حصہ کم کرے گا یا ان کی رضا مندی کے بغیر ان سے کوئی چیز لے گا تو میں قیامت کے روز مظلوم کا وکیل ہوں گا (یعنی اس کی طرف سے میں جھگڑا کروں گا) (3)۔ یہ حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تائید کرتی ہے کہ جزیہ امام کی رائے پر موقوف ہے۔ وہ ذمی کے حالات کو دیکھ کر اس پر جزیہ عائد کرے اور طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ ڈالے۔

مسئلہ: اگر کسی کافر پر عقدہ ذمہ کے بعد سال کا جزیہ عائد کر دیا گیا اور پھر اس نے سال مکمل ہونے کے بعد بھی ادا نہ کیا حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسے شخص سے گزشتہ سال کا جزیہ وصول کیا جائے گا کیونکہ جزیہ دارالاسلام میں رہنے

کی اجرت ہے اور وہ دار کی سکونت کا نفع اٹھا چکا ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے۔ دوسرا قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ ان پر ٹیکس اس مصمت اور حفاظت کا بدل ہے جو عقد ذمہ کے ساتھ ذمی کے لئے ثابت ہوتا ہے اور وہ معوض یعنی خون کی حفاظت اور رہائش کا نفع حاصل کر چکے ہیں۔ پس معوض کا بدل بھی ان پر لازم ہوگا اور دوسرے قرضوں کی طرح یہ بھی ایک قرض ہے اور بغیر ادائیگی کے ساقط نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام قبول کرنے کے ساتھ ذمی سے ٹیکس (جزیہ) ساقط ہو جائے گا کیونکہ جزیہ کفر پر ایک عقوبت اور سزا ہے اور توبہ کے بعد سزا نہیں دی جاتی اور اسلامی جنگ کی غایت بھی یہ ہے کہ وہ کفر سے توبہ کر کے اسلام کے قلعہ میں داخل ہو جائیں۔ اور اسلام قبول کرنے کے ساتھ جنگ ختم ہو جاتی ہے اور جزیہ کا دارالاسلام میں رہائش کی اجرت ہونا یہ درست نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی ملکیت میں رہتا ہے، ہماری دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی ہے، خبرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام احمد، امام ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے (۱)۔ ابوداؤد فرماتے ہیں سفیان ثوری سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جب مسلمان ہو جائے تو پھر جزیہ نہیں ہے، حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے جن الفاظ کے ساتھ جواب دیا ہے وہ حقیقت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے **فَمَنْ أَسْلَمَ فَلَا جِزْيَةَ عَلَيْهِ** (۲)۔ (جو مسلمان ہو جائے اس پر جزیہ نہیں ہے)۔ جسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے **عَنْ الْأَوْسِطِ بْنِ أَبِي نَجْمٍ** اور ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ ابن القطن رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے راویوں میں سے قابوس بن القطن کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں قابوس راوی نہیں ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث اپنے عموم کی بناء پر اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جو کچھ اسلام قبول کرنے پر کفر پر واجب تھا وہ ساقط ہو جائے گا۔ لیکن یہ مراد نہیں بلکہ خصوصیت کے ساتھ جزیہ کا سقوط مراد ہے کیونکہ یہ فائدہ کا مقام ہے کیونکہ مسلمان پر جزیہ کا عائد نہ ہونا ابتداءً معذوریات دین میں سے ہے، پس اس کے متعلق اخبار اس فائدہ کے لئے ذکر کی گئی ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد اس پر جزیہ نہ ہوگا اور مسلمان باقی رہنے کی حالت میں ٹیکس کے سقوط کے متعلق اخبار کی طرح یہ اخبار نہیں ہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے کوفہ کے علماء میں سے ایک شخص نے بتایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے عبدالحمید بن عبدالرحمن کو یہ لکھا کہ تو نے مجھ سے حیرہ کے ان یہود و نصاریٰ کے متعلق پوچھا ہے جو مسلمان ہو گئے ہیں اور انہوں نے جزیہ کی بڑی مقدار ادا کرتی ہے تم مجھ سے ان کے ساتھ جزیہ کو وصول کرنے کی اجازت طلب کرتے ہو۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو دعوت اسلام کے لئے سبوت فرمایا تھا۔ ٹیکس وصول کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ پس جو یہود و نصاریٰ میں سے اسلام قبول کرے اس کے مال سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی لیکن اس پر جزیہ نہ ہوگا (۳)۔ اگر کوئی یہ کہے کہ خراج اور جزیہ اور استرقاق (غلام بنانا) میں فرق کیا ہے حالانکہ یہ تمام چیزیں کفر پر عقوبت ہیں۔ پھر کیوں کہا جاتا ہے کہ جزیہ ساقط ہو جائے گا لیکن خراج اور غلامی ساقط نہ ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جزیہ ظاہری ذلت ہے اور اس کی بنیاد کفر کو ذلیل کرنا ہے اور خراج اس میں محنت و مشقت کا مفہوم ہے۔ چونکہ بادشاہ اور فوج کی حمایت اور حفاظت کے بغیر کوئی کسان کھیتی باڑی نہیں کر سکتا اس لئے اس سے فوجیوں کی حفاظت کا معاوضہ وصول کیا جاتا ہے اور غلام کا تعلق ایک شخص واحد کی ملکیت سے ہوتا ہے، جبکہ جزیہ اس کا تعلق محض زمین سے نہیں بلکہ یہ مفاد عامہ کے لئے ہوتا ہے۔ پس

اس کا حکم ملک خاص کی طرح نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جزیہ سال کی ابتدا میں ہی واجب ہو جاتا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے۔ اس لئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جزیہ سال کی ابتدا میں ہی واجب ہو جاتا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جزیہ سال گزرنے سے پہلے مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی کافر سال کے دوران یا سال مکمل کرنے کے بعد مر جائے اور ابھی تک اس نے جزیہ ادا نہ کیا ہو تو امام صاحب اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے مرنے کے ساتھ جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کی موت سے جزیہ ساقط نہ ہوگا۔ امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی دلیل وہی ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ یہ جزیہ دار الاسلام میں سکونت اور حفاظت جان کا بدل ہے اور وہ یہ دونوں چیزیں حاصل کر چکا ہے اس لئے ان کا بدل اس کے ذمہ قرض ہوگا جو اس کے ترک سے وصول کیا جائے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ ایک دنیوی سزا ہے اور دنیوی سزائیں مرنے کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں جیسا کہ حدود وغیرہ مجرم کے مرنے کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ:۔ جب کوئی ذمی دینار یا زائد سالوں کا جزیہ ادا نہ کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے صرف ایک جزیہ وصول کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گزشتہ ہر سال کا جزیہ وصول کیا جائے گا۔ ان کی دلیل وہی ہے کہ وہ گزشتہ سالوں کا مفاد حفاظت جان اور دار الاسلام کی سکونت حاصل کر چکا ہے اس لئے اس کا بدل اس پر قرض ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ جزیہ محض ایک سزا ہے۔ اس سے مال لینا مقصود نہیں ہے بلکہ لنگڑ کو ذلیل کرنا مقصود ہے اسی وجہ سے کسی کے نائب سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ایک کو اپنے ہاتھ سے ادا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ روزہ توڑنے کا کفارہ اس کے باوجود کہ یہ عبادت بھی ہیں لیکن ان میں عقوبت کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ ایک دوسرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پس جزیہ جو عتوبت محض ہے کہ کیونکر متداخل نہ ہوگی ایک مرتبہ جزیہ وصول کرنے سے بھی توین و ذلت ہو جاتی ہے۔

مسئلہ:۔ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ بچوں اور دیوانوں پر جزیہ نہیں ہے کیونکہ وہ عتوبت و سزا کے اہل نہیں ہیں اور عورتوں پر بھی جزیہ نہ ہونے پر اتفاق ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ عورت، بچے سے جزیہ نہ لو اور صرف چار دینار پر چالیس درہم جزیہ (1) اس سے زیادہ وصول نہ کرو۔ امام تہمتی رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن اسلم بن ابیہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کے امر کو لکھا کہ صرف بالغ مردوں سے جزیہ وصول کرو اور عمر رضی اللہ عنہ عورتوں اور بچوں پر ٹیکس نہیں لگاتے تھے۔ ایک دوسرے طریق سے اس مفہوم میں مروی ہے کہ عورتوں اور بچوں پر جزیہ عائد نہ کرو۔ (2)

مسئلہ:۔ غلام پر بھی جزیہ نہیں ہے خواہ وہ کتاب ہو یا دہرہ ہو یا مالک کا بیٹا ہو، کیونکہ ان کا مال نہیں ہوتا۔ ان کے سرداروں سے بھی ان کا حصہ وصول نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کی وجہ سے پہلے مالکوں سے زیادہ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے لیکن ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاسوال میں عروہ سے جو روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو لکھا کہ جو یہود یا یہ نصرا نیت کا کافر ہوگا وہ اس کو اپنے مذہب سے زبردستی ٹیکس ہٹایا جائے گا اور ہر بالغ شخص پر جزیہ ہوگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، غلام ہو یا لونڈی ہو۔ ہر ایک پر ایک دینار یا

اس کی قیمت لازم ہوگی۔ ابن زنجبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ دونوں روایات مرسل ہیں اور ضعیف ہیں ایک دوسری کی تائید تو کرتی ہے لیکن امت نے ان پر عمل ایما کا ترک کر دیا ہے اس لئے ان دونوں کا اعتبار نہ ہوگا۔ اسی طرح ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا اہل ذمہ کا غلام خریدو کیونکہ یہ اہل خراج ہیں ایک دوسرے کی طرف سے ادا کرتا ہے۔ یہ بھی متروک العمل ہے۔

مسئلہ:- جب کوئی ذمی جزیہ کی ادائیگی کا انکار کر دے یا احکام اسلام کے اجراء کا انکار کر دے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر لوگوں کو جمع کرے یا نکاح کے نام پر کسی مسلمان عورت سے وہلی کرے یا مسلمان عورت سے زنا کرے یا کسی مسلمان کو اسلام سے برگشتہ کرے یا مسلمانوں پر ڈاکو ڈالے یا مشرکوں کا جاسوس بن جائے یا مسلمانوں کے خلاف کفار کی اعانت کرے یا مشرکین پر مسلمانوں کے راز افشاء کرے یا مسلمانوں کی خفیہ تدبیروں پر کفار کو مطلع کرے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا عہد ٹوٹ جائے گا کیونکہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے ابو عبیدہ بن جراح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے دو کتابی قصوں کو نقل کر دیا تھا جنہوں نے مسلمان عورت سے بد معاشی کا ارادہ کیا تھا (۱)۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے سوید بن غفلہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک مہلی گھنٹا آیا جسے مارا چھینا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فضا دیا اور صہیب کو فرمایا دیکھو یہ کیوں گھنٹا ہے؟ صہیب رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو وہ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے اسے مارا تھا۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب مارنے کی وجہ پوچھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ یہ ایک مسلمان عورت کے پیچھے چار ہاتھ اور اس نے اسے گدھے سے گرانے کے لئے اس کے گدھے کو لات ماری، لیکن جب وہ نہ گری تو اس نے دھکا دے کر اسے گدھے سے گرایا اور پھر اس کے ساتھ بد معاشی کرنے لگا، اس وجہ سے میں نے اس کا یہ مشرک کیا ہے جو آپ رضی اللہ عنہ دیکھ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم بخدا ہم نے تمہارے ساتھ اس بات پر تو معاہدہ نہیں کیا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سولی پر لٹکانے کا حکم دیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! محمد ﷺ کے ذمہ کو پورا کرو۔ جس نے اسی مہلی جیسا مسئلہ کیا اس کے ساتھ ہمارا کوئی معاہدہ نہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ اس شخص کا عہد ٹوٹنے کا جو جزیہ دینے سے انکار کرے گا اور ہمارے اسلامی احکام کے نفاذ کا منکر ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا عہد ٹوٹنے کا جو جزیہ نہیں دے گا اور اسلام کے احکام کے اجراء کا انکار کرے گا اور مسلمانوں کے خلاف جہاد جمع کرے گا ان کے علاوہ کسی صورت میں عقدہ نہ ٹھیک ٹوٹنے کا لیکن اگر ان شرطوں کا ذکر وہ عقدہ ذمہ کے وقت مقرر کیا گیا ہو اور پھر وہ ان کا ارتکاب کرے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کسی مسلمان عورت سے زنا کرنے اور نکاح کے نام سے وہلی کرنے اور ڈیکھتی سے عقدہ نہ ٹھیک ٹوٹنے گا۔ اس کے علاوہ امور سے عقدہ ذمیت ٹوٹ جائے گا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے حضرت القاسم رحمۃ اللہ علیہ ڈیکھتی کی صورت میں بھی عقدہ ذمہ کے ٹوٹنے کا فتویٰ دیتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں معاہدہ ذمیت صرف اس صورت میں ٹوٹے گا جب وہ ذمی دار الحرب میں چلا جائے یا کسی جگہ پر غلبہ کر کے ہمارے خلاف لڑنے کے لئے قوت حاصل کر لے، اس صورت میں وہ ہمارے خلاف جنگ کرنے

والے ہوں گے اور عقد ذمیت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ کسی صورت میں عقد ذمیت نہیں ٹوٹتا کیونکہ جنگ روکنے کی غایت جزیہ کا عائد کرنا ہے، اس کی ادائیگی نہیں ہے اور وہ جزیہ کا التزام کسی جرم کے باوجود بھی باقی ہے اور جس کے پاس لڑنے کی طاقت نہیں ہے اس کا جزیہ کی ادائیگی سے انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ امام اس کو قید کرنے اور مارنے وغیرہ پر قادر ہوتا ہے۔

مسئلہ: حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو کافر اللہ تعالیٰ کا یا کتاب حکیم کا یا دین تویم کا یا رسول کریم ﷺ کا ایسا الفاظ سے ذکر کرے جو شان الہی اور شان رسالت کے لائق نہ ہو یا جس میں کتاب مجید (قرآن) اور دین حلیف کی توہین ہو تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا، خواہ معاہدہ میں یہ شرط ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر ذی شان الہی اور شان رسالت میں ایسی گستاخی کرتا ہے جو ان کے کفر کے علاوہ ہے تو پھر بھی ان کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ اکثر اصحاب اہل سنت فرماتے ہیں اگر یہ شرط معاہدہ میں نہیں ہے تو عقد ذمیت نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن اگر یہ شرط رکھی گئی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی شان میں گستاخی نہیں کریں گے اور پھر اس کا ارتکاب کریں تو معاہدہ ٹوٹ جائے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ شان سبوحیت اور شان رسالت میں گستاخی سے عہد ٹوٹ جائے گا کیونکہ مسلمان اگر ایسی گستاخی کرے تو اس کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ پس ذمی کا عہد امان بھی ٹوٹ جائے گا کیونکہ عقد ذمہ تو ایمان سے بہت کمزور ہے۔ صاحب جہاد نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے سے عہد امان نہیں ٹوٹتا کیونکہ حضور علیہ السلام کی شان اقدس میں گستاخی کرنا کفر ہے اور کفر جو پہلے متصل ہے وہ معاہدہ کرنے سے نہیں روکتا اور کفار طاری اس معاہدہ کو ختم نہیں کر سکتے گا۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام صاحب کے قول کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہوتی ہے کہ یہودی کا ایک لولہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو کہا اللسلام علیکم (تم پر سوت آئے) آپ ﷺ نے جو اب فرمایا ابوعلیہم (اور تم بھی موت آئے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب مجھے ان کی بات سمجھ آئی تو میں نے کہا تم پر سوت اور لعنت برے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ رک خاک۔ اللہ تعالیٰ مہربان ہے اور ہر معاملہ میں مہربانی اور نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے سنا نہیں یہ کیا کہہ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے بھی ابوعلیہم کہہ دیا ہے (یعنی جواب تو میں نے ان کو ان کی زبان میں دے دیا ہے) ایک روایت میں صرف علیہم ہے واداسا تھ نہیں ہے۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے (۱)۔ ایک روایت میں ذذذذ علیہم یعنی میں نے ان پر لولہ دیا ہے، میری ان کے حق میں بدعا قبول ہوگی اور ان کی میرے حق میں قبول نہ ہوگی۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہودیوں نے آپ ﷺ کی گستاخی کی تھی اگر گستاخی رسالت سے عہد ٹوٹتا تو آپ ﷺ انہیں قتل کر دیتے۔ الفتاویٰ میں ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کی گستاخی کرے گا اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توجہ قبول نہ ہوگی خواہ وہ گستاخی کرنے والا مسومن ہو یا کافر ہو۔ اس عہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی گستاخی کرنے سے ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے ایک راہب کو نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے سنا

ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ علیہا نے فرمایا اگر میں ایسی بات سنتا تو میں اسے قتل کر دیتا ہم ان سے اس بات پر معاہدہ نہیں کرتے۔
 ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف
 ایسی بات منسوب کرتا ہے جو شانِ سبحیت کے منافی ہے۔ لیکن وہ ایسی بات ہو جو ان کے اعتقادات میں شامل نہ ہو جیسا کہ یہود و
 نصاریٰ اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور پھر اس گستاخی کو برملا کرتے ہوں تو انہیں قتل کیا جائے گا اور ان کا عہد بھی ٹوٹ جائے گا۔ لیکن اگر وہ علی
 الاعلان گستاخی نہیں کرتے لیکن اس کا پتہ چل جاتا ہے اور وہ بزمِ غمِ خویشی سے چھپائے ہوئے ہیں تو پھر ان کا معاہدہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ
 ان سے جنگ اور قتل کو روکنا جزیہ کے عطا کرنے پر ہے۔ لیکن وہ عطا کرنا اس بات سے متعین ہے کہ وہ ذلیل و رسوا ہو کر عطا کریں اور
 جزیہ کی ادائیگی پر جنگ کو روکنا ان سے ثابت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ذلت کے ساتھ جزیہ کو قبول کرنا استہراری ہو مگر ادا
 ہے صرف جزیہ قبول کرنے کے وقت ذلت کا اظہار نہیں۔ لیکن جو برملا گستاخی کرتا ہے تو یہ اس جزیہ کی قبولیت کے منافی ہے جس کی وجہ
 سے اس کا قتل روکا گیا تھا کیونکہ علی علیہ السلام نے اس کا فری کرشمی کی انتہا پر دلالت کرتی ہے (حالانکہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا
 کرنے پر اس سے جنگ کو روکا گیا تھا)۔ وہ معاہدہ یہ تھا کہ وہ ذلیل و حقیر ہو کر جزیہ ادا کرتے رہیں۔ لیکن اگر وہ گستاخیاں کرتے ہیں تو
 پھر ان کے معاہدہ کا کوئی پاس نہ ہو گا اور یہود و نصاریٰ کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزرا ہے وہ ذمی نہ تھے بلکہ ان کے شر
 سے بچنے کے لئے بغیر مال کے ان سے صلح کی گئی تھی اور یہ صلح اس وقت تک تھی جبکہ اللہ تعالیٰ ان پر ناپہ عطا فرمادے کیونکہ قرظ اور نصیر
 جو قریب رہنے والے یہودی تھے ان پر بھی جزیہ مانگنا نہیں لیا گیا۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ
 جب کوئی ذمی مسلمانوں پر اس طرح غالب آجائے کہ وہ ہمیشہ ان کو مغلوب رکھے گا تو امام کے لئے حلال ہے کہ اس ذمی کو قتل کر دے یا
 وہ بارہ اسے ذلت و رسوائی کی طرف لوٹا دے، واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر سے اور مکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں بارگاہ
 رسالت مآب ﷺ میں سلام بن عثمان، نعمان بن ابی، ابوانس، محمد بن وحید، شماس بن نھس اور مالک بن اصفیہ آئے اور کہنے لگے ہم
 آپ کی اتباع کیسے کر سکتے ہیں، جبکہ آپ نے ہمارا قبلہ چھوڑ دیا ہے۔ نیز آپ یہ بھی عقیدہ نہیں رکھتے کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا
 ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرِيُّ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ
 بِأَقْوَامِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ لَمَّا كَانُوا فِي أَيْمُونَةٍ ۖ

”اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور کہا نصیریوں نے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، لیکن ان کی (بے سرو پا) بات ہے ان
 کے مومنوں سے نقلی ہوئی۔ نقل اتار رہے ہیں ان لوگوں کے قول کی جنہوں نے کفر کیا، پہلے ہلاک کرے انہیں اللہ
 تعالیٰ کدھر چکھے چلے جا رہے ہیں“

ابن ہمام، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے عزیر کو توہین کے ساتھ پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ عربی مصغر اسم ہے، بعض علماء فرماتے ہیں
 یہ عجیب ہے لیکن یہ اسم خفیف ہے، عربی اسم مصغر کے مشابہ ہے۔ اسی وجہ سے نوح، ہود اور لوط کی طرح اسے بھی مصغر بتایا گیا۔ عزیر
 ترکیب نحوی کے اعتبار سے مبتدا ہے اور اس کا بائند خبر ہے، اس کی صفت نہیں ہے۔ یا تو قرآن نے عزیر کو بغیر توہین کے پڑھا ہے اس بناء

پر کہ یہ غیر منصرف ہے اور اس میں دو سبب عجب اور تعریف پائے جاتے ہیں۔ یا اس لئے تو میں نہیں پڑھی کہ نون کو حرف لہن کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے اہتمام سائکین لازم آتا ہے یا ترکیب نحوی کے اعتبار سے ابن صفت ہے اور خبر منصرف ہے مثلاً مغلِبُوْ ذُنُفَا یا صَاحِبِنَا۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول غلط ہے کیونکہ یہ سب کے تسلیم کرنے اور خبر منصرف کے انکار کو لازم کرتا ہے۔ (امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اللہ عزیز کی صفت بنانے کو اس لئے غلط قرار دیا ہے کیونکہ علماء معانی کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب کسی اسم کی صفت بیان کی جائے اور پھر اس کی خبر ذکر کی جائے تو حکم خبر کی طرف لوٹتا ہے، پس جو اس کا انکار کرے گا تو اس کا انکار خبر کی طرف لوٹے گا اور وہ وصف تسلیم شدہ ہوگا۔ پس اگر ان کے قول عزیز بن اللہ عبود کے ساتھ انکار متعلق ہوگا تو عزیز کے عبود ہونے کا انکار ہوگا اور آپ کا ابن اللہ ہونا تسلیم کرنا پڑے گا اور یہ عقیدہ کفر ہے۔)

عبد بن عبد مبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عزیر علیہ السلام کو بیٹا کہنے والا عبود میں صرف ایک شخص تھا جس کا نام نبی ص بن عازر اور اتھامی شخص نے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم فقی ہیں (1)۔ امام ہنفوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علیہ العونی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عبود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اس لئے کہا تھا کہ جب آپ ان کے درمیان موجود تھے تو رات اور تابوت بھی ان کے پاس موجود تھا۔ انہوں نے تو رات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا تھا اور اپنی خواہشات پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کی پاداش میں تابوت کو اٹھایا اور تو رات ان کے دلوں سے ٹھوکر دی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اور پورے ششوع و حضور سے دعا مانگی کہ تو رات ان کو واپس فرما دے۔ آپ علیہ السلام پورے اخلاص سے نماز ادا فرما رہے تھے کہ آسمان کی طرف سے ایک نور نازل ہوا جس اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تو رات عطا فرمادی۔ آپ نے اپنی قوم میں اعلان فرمایا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ نے مجھے تو رات عطا فرمادی ہے۔ لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور آپ علیہ السلام انہیں تو رات کی تعلیم دینے لگے۔ کچھ مدت بعد اللہ تعالیٰ نے تابوت بھی واپس فرمادیا۔ جب انہوں نے تابوت دیکھا جس میں تو رات رکھی ہوئی تھی تو انہوں نے اس تو رات اور جو حضرت عزیر علیہ السلام نے سکھائی تھی اس کا موازنہ کیا انہوں نے حرف بحرف برابر پایا۔ کہنے لگے عزیر پر یہ نوازش صرف اس لئے ہوئی ہے کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں (2)۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب نصر نے جب بنی اسرائیل پر ظہر پایا تو اس نے تو رات پڑھنے والوں کو لٹس کر دیا۔ لیکن عزیر علیہ السلام اس وقت چھوٹے تھے اس لئے انہیں لٹس نہ کیا جب بنی اسرائیل کچھ مدت بعد بیت المقدس پہنچے تو ان میں سے کسی کو تو رات یاد نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کو میوٹ فرمایا تاکہ انہیں تو رات سکھائیں اور سو سال مردہ رہنے کے بعد تو رات کا یاد ہونا آپ کی صداقت کی نشانی تھی۔ ہم نے حضرت عزیر علیہ السلام کا مفصل واقعہ سورۃ بقرہ میں اذکالٰہیٰ عَزَّوَجَلَّ عَلٰی قَوْلِہُمْ لَقَدْ نُوذِرْنَا عَلٰی عَزْرِہُمْ ذٰلِہَا کے تحت بیان کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عزیر علیہ السلام کے پاس ایک فرشتہ پانی سے پھر ابرتن لایا اور آپ کو پلایا، جو نبی آپ نے وہ پلایا۔ پلایا تو رات آپ کے سینے میں متعش ہو گئی۔ جب عزیر علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور فرمایا میں عزیر ہوں تو انہوں نے آپ کو تسلیم نہ کیا۔ انہوں نے کہا اگر آپ عزیر ہیں تو ہمیں تو رات سکھوائیں۔ آپ نے انہیں تو رات سکھوادی۔ پھر ایک آدمی نے کہا میرے باپ نے مجھے اپنے باپ سے روایت کر کے بتایا تھا کہ تو رات ایک سنگے میں رکھ کر گھوڑی کی تھل کے نیچے دفن کیا گیا تھا۔ لوگ اس مخصوص مقام پر پہنچے اس تو رات کو نکال کر عزیر علیہ السلام کی کھوادی ہوئی کتاب

سے سوا نہ کیا تو وہ حرف، بحرف مساوی تھی۔ کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو تورات اس لئے عطا فرمائی ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے۔ اس وقت یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔

ع. علسہ بنوئی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھانے جانے کے بعد ایک ایسی سال دین اسلام کی تعلیمات پر کار بند رہے، قبلہ شریف کی طرف منکر کے نماز پڑھتے تھے، رمضان کے روزے رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ نصرانیوں اور یہودیوں کے درمیان جھگڑا شروع ہو گیا۔ یہودیوں میں یونس نامی شخص بہت بہادر تھا۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے تمام پیروکاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر یہود سے کہنے لگا اگر عیسیٰ علیہ السلام حق پر تھے تو ہم نے ان کا لگا کر کیا کیا اور ہمارا ٹھکانا دوزخ بن گیا اور ہم بہت خسارہ اٹھانے والے ہیں اگر وہ جنت میں داخل ہو گئے اور ہم دوزخ میں داخل ہوئے۔ میں عیسائیوں کو راہ راست سے بھگانے کی ایک تدبیر اور حیلہ نکالوں تاکہ وہ بھی دوزخ کا عید من بن جائیں۔ اس کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام عقاب تھا اس پر سوار ہو کر وہ جنگ کرتا تھا۔ اس نے پیچھے اپنے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے اور پھر اٹھارہ تھکامت کرنے لگا اور اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ نصرانیوں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں تمہارا دشمن یونس ہوں۔ آسمان کی طرف سے مجھے ندا آئی ہے کہ تیری توبہ قطعاً قبول نہیں ہے بشرطیکہ تو نصرانی ہو جا۔ میں نے اب توبہ کی ہے وہ وہ اپنے عبادت خانہ میں لے گئے۔ وہ شخص ایک سال تک اس کمرے کے اندر باہر نہ نکلا، رات میں کسی وقت بھی باہر نہ نکلا حتیٰ کہ اس نے ایک سال میں اٹھیل سیکھ لی پھر سال کے بعد باہر آ کر کہا مجھے ندا آئی ہے کہ تیری توبہ قبول ہو گئی ہے۔ عیسائیوں نے اس کی تصدیق کر لی اور اس سے اٹھارہ تھکامت و عبادت کرنے لگے۔ پھر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور نطوہ کو عیسائیوں پر اپنا ظنا پھریا اور اسے سکھایا کہ عیسیٰ، مریم اور اللہ یہ تینوں خدا ہیں۔ پھر روم کی طرف چلا اور انیس لاکھ توبہ ناسوت کا تصور دیا اور کہا عیسیٰ علیہ السلام نہ انسان تھے اور نہ جسم تھے۔ وہ اللہ کے بیٹے تھے اور ایک یحیٰی نامی شخص کو یہ عقیدہ تقسیم دیا۔ پھر ایک مکانا نامی شخص کو بلا کر بتایا کہ اللہ بھی ہمیشہ رہنے والا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جب اس نے یہ جان لیا کہ تمام اپنے اپنے عقیدہ کو راسخ کر چکے ہیں تو اس نے تینوں کو علیحدہ علیحدہ اپنے پاس بلا کر کہا تو میرا عقیدہ خاص ہے میں نے رات کو خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے وہ مجھ سے بہت خوش ہیں اور ہر ایک کو یہ بتایا کہ کل میں اپنے آپ کو قتل کر دوں گا۔ تم لوگوں کو اپنے مسلک و عقیدہ کی دعوت دینا پھر وہ خود کشی کی جگہ چلا گیا اور کہا میں عیسیٰ علیہ السلام کی رضا کے لئے اپنا کر رہا ہوں۔ جب اس کے مرنے کے بعد تین دن گزر گئے تو ان تینوں خلفاء میں سے ہر ایک اپنے عقیدہ کی طرف دعوت دینے لگا، ہر ایک کے چند پیروکار بن گئے اور پھر وہ آپس میں لڑنے اور جھگڑنے لگے۔ (۱)

سے ہر بات منہ سے کی جاتی ہے لیکن الوہیہم کے الفاظ کی زیادتی اس قول کے ان کی طرف منسوب ہونے کی تاکید اور مجازی لفظی کے لئے کی گئی ہے، یا یہ شعور دلانے کے لئے کہ دلیل اور تحقیق سے عاری بات ہے، ایک مہمل بات ہے جو ان کے منہوں سے نکلے ہے۔ ایمان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو ان کی اس لائینی بات کی تصدیق کرے۔

ع. بیضاہنوں کو عاصم نے ہاء کے کسرہ کے ساتھ مہموز پڑھا ہے اور باقی قراء نے ہاء کے ضمہ کے ساتھ بغیر مزہ کے پڑھا ہے، یہ دونوں نلتیں ہیں۔ اس کا معنی ہے مثلاً ہونا۔ یہاں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے، یعنی ان کا یہ قول

مشابہ ہے۔ من قبل اصل میں من قبلہم ہے، بخلاف اور سدی زہرا اللہ تعالیٰ کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نصاریٰ کا قول پہلے یہود کے قول کے مشابہ تھا۔ انہوں نے کہا المسیح ابن اللہ جیسا کہ یہود نے کہا قاعز بن ابن اللہ۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کا قول مشرکوں کے قول کے مشابہ ہے جنہوں نے لات، منات اور عزیٰ کو خدا کی بیٹیاں کہا تھا۔ الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جیسا کہ کفر کو سابقہ اتوں کے کفر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ مشرکین عرب کے متعلق فرمایا کَذَّبَكَ قَالَ آلَنَزْرِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَفِئَل قَوْلِهِمْ تَنكِهَتُنَّ فُؤُؤُهُمْ قَتْلِي رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيَّ كَيْتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد ہمایوں کے یہود نصاریٰ وہی کچھ کہتے ہیں جو ان کے اسلاف نے کہا تھا یعنی نگران میں زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ (1)

یہ ان کی بلاغت کی بدعا ہے کیونکہ جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے گا وہ یقیناً ہلاک ہوگا۔ یہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی لعنہم اللہ (اللہ ان پر لعنت کرے) کیا ہے (2)۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی ان کے قول قتل پر توجہ کرنا ہے۔

یہ اتنے روشن دلائل اور واضح براہین کے بعد یہ حق کو چھوڑ کر کیسے باطل کی طرف جا رہے ہیں۔

اِتَّخَذُوا اٰحْبَابًا لَهُمْ وَرُحَمَاءًا لَهُمْ اَشْرَبًا يَا بَنِي دَاوُدَ وَاللّٰهُ وَالْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَ مَا اَمْرًا وَاِلٰهًا لَيْسَ بِعَدُوٍّ وَاِلٰهًا وَاٰحَدًا اِلَّا اِلٰهٌ وَاِلٰهٌ لَا هُوَ سُبْحٰنَ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰﴾

”انہوں نے بنا لیا اپنے پادریوں، اور اپنے راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر جسے اور مسیح فرزند مریم کو بھی جس حالانکہ نہیں محمّد یا گیا تھا انہیں بجز اس کے کہ وہ عبادت کریں (صرف) ایک خدا کی ہے نہیں کوئی خدا بغیر اس کے وہ پاک ہے۔ اس سے جسے وہ اس کا شریک بناتے ہیں کے“

۱۔ احباب سے مراد علماء اور قراء ہیں۔ یہ (حبر بفتحہ الحاء و کسرہا) کی تہ ہے۔

۲۔ نصاریٰ (جیسا تئوں) کے وہ لوگ جو اپنے گروں میں عبادت کرتے رہتے ہیں۔

۳۔ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان پادریوں اور راہبوں کی بات مانتے تھے اس لئے انہیں رب کہا گیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جیسا کہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں نقل کی ہے فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا جبکہ میرے گلے میں سوئے کی صلیب تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عدی اس بت کو اپنے گلے سے اتار کر پھینک دو۔ عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے وہ اتار دی۔ پھر میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے اِتَّخَذُوا اٰحْبَابًا لَهُمْ وَرُحَمَاءًا لَهُمْ اَشْرَبًا يَا بَنِي دَاوُدَ وَاللّٰهُ سُبْحٰنَ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ سے فارغ ہونے تو میں نے عرض کی حضور ﷺ ہم اپنے علماء و صوفیاء کی عبادت تو نہیں کرتے آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ علماء اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام نہیں کرتے اور تم بھی انہیں حرام سمجھتے ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کہتے ہیں اور تم ان کو حلال سمجھتے ہو۔ عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی واقعی یہ بات تو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی ان کی عبادت ہے (3)۔ عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں دین کو

2- تفسیر بخاری، جلد 3، صفحہ 68 (انجاریہ)

1- تفسیر بخاری، جلد 3، صفحہ 68 (انجاریہ)

3- تفسیر بخاری، جلد 3، صفحہ 68 (انجاریہ)، جامع ترمذی، جلد 5، صفحہ 259 (اعلیہ)

بادشاہوں، علماء و سوادہ بے علم و فہم نے تبدیل کیا ہے۔

ع اور انہوں نے سچ بن کر بھی خدا بنا لیا۔

یہ انہیں حکم تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کرو جو اللہ ہے اس کی نافرمانی میں کسی دوسرے کی اطاعت نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جن کی اطاعت کا حکم دیا ہے، جیسے رسول کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء و راشدین۔ ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

یہ الہا کی دوسری صفت ہے یا تو حید کی تقریر و اثبات کے لئے جملہ مستاتھ ہے۔

یہ اور جسے تم عبادت اور طاعت میں اس رب کریم کا شریک بناتے ہو وہ اس سے پاک ہے۔

يُرِيدُونَ اَنْ يُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَقْوَابِهِمْ وَاِيْنَ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُتِمَّ نُوْرًا وَّ كَوْنُوْ
كَوْرًا لِّلظٰلِمِيْنَ ۝۷

” (یہ لوگ) چاہتے ہیں کہ بھادریں اللہ کے نور کو لاپنی پھونکیوں سے بجھادیں اور انکا فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے کمال تک پہنچا

دے اپنے نور کو جسے اگر چہنا پست کریں (اس کو) کافرت۔“

ع نور اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اولاد سے پاک ہونے پر دلالت کرنے والی حجت ہے یا قرآن ہے یا نبوت محمد ﷺ ہے۔

ع یعنی وہ جمہوری افواہوں اور غلط پروپیگنڈا کے ذریعے یہ مضموم کوشش کرتے ہیں، اس جملہ میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن کے روشن معجزہ کو باطل قرار دینے اور محمد ﷺ کی نبوت کے آثار و جہاں تا جہاں تک سب کے ذریعے جھٹلانے میں ان کی حالت اس شخص کی مانند ہے جو سورج اور چاند کے نور کو پھونکیوں سے بجھانا چاہتا ہے۔

ع اللہ تعالیٰ تو صرف اپنے دین کو بلند اور اپنے ظلم کو غالب کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور جس حق کے ساتھ محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا اس کی تکمیل و ترویج چاہتا ہے۔

ع یہ شرط ہے اور اس کا جواب باہل کلام کی دلالت کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ لَكَ الْاَسْمٰءَ سَرَّاسُوْلًا يَّانْهٰدُكَ وَاِيْنَ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ لَكَ عَلَيِ التَّوْبِيْنَ كَلِمًا
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۸

” وہی (قادر مطلق) ہے جس نے مجھ اپنے رسول کو ل (کتاب) ہدایت ع اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے

اسے تمام دینوں پر اگر چہ ناگوار گزرے (یہ قلب) مشرکوں کو جسے“

ع رسولہ سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

ع یعنی آپ ﷺ کو کتاب ہدایت ع سے کہ مبعوث فرمایا جس نے ہمارے لئے حلال حرام، فرائض و احکام سب بیان فرمادیے اور انہی تعلیمات سے آگاہ کیا جو دارالاسلام تک پہنچانے کی باعث ہیں۔

ع دین الحق سے مراد اسلام ہے۔ لیظہرہ میں ضمیر کا مرجع بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ ہیں، یعنی یہ ہے کہ وہ

اپنے رسول کریم ﷺ کو غالب کر دے دین کی تمام شاہراہوں پر تاکہ آپ پر دین کا کوئی گوشہ مخفی نہ رہ جائے۔ اللہ پر الف لام عینی ہے۔ بعض دوسرے مسخرین فرماتے ہیں بلظہرہ کی وہ ضمیر کا مرجع دین الحق ہے، یعنی دین اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر غالب کر دے اور انہیں اس کے ساتھ منسوخ کر دے یا یہ معنی کہ دوسرے ادیان کے پیروکاروں پر اسے غالب کرے تاکہ تمام لوگ اس دین کی اطاعت کریں اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں نے علیہ السلام کا نزول دیکھا تو سب لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اس وقت اس غلبہ کا اظہار ہوگا (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام ملل و ادیان ختم ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں ظہور سے مراد دین اسلام کا بقیہ تمام ادیان پر اکثر اوقات میں غلبہ ہے جیسا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ سب زمین پر کوئی مٹی کا گھر و ندیاں اون کا خیر ایسا نہیں ہوگا جہاں اللہ تعالیٰ عزت والے کو عزت دینے اور ذلت والے کو ذلیل کرنے کے ساتھ کلمہ اسلام کو داخل نہیں فرمائے گا۔ پس جنہیں اللہ تعالیٰ عزت دے گا انہیں ملک پر سے کاٹ دینا چاہئے اور ذلت والے کو ذلیل کرے گا حتیٰ کہ وہ ملک پر سے پر مجبور ہوں گے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی پھر تو دین سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے گا۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمادیا ہے حتیٰ کہ اکثر ممالک میں اور اغلب زمانوں میں تمام دوسرے دینوں والے اہل اسلام کے مطیع رہے ہیں اور یہ آیت کریمہ ہمیشہ ہمیشہ غلبہ کی حالت کا تقاضا نہیں کرتی۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ رات اور دن کا سلسلہ ختم نہ ہوگا کہ (ایک وقت ایسا آئے گا) کہ رات و عزیزی کی پوجا کی جائے گی میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرا خیال تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب نحو الٰہی آئرسک رسوئلہ بانہدی دین الحق لہظہرہ علی الذین علیہم وکونہم کا مشرکون اور شادان نازل فرمادیا ہے تو معاملہ مکمل ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہوگا (یعنی غلبہ اسلام رہے گا) جتنا وقت اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہو چلائے گا۔ پس جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا وہ فوت ہو جائے اور صرف ایسے لوگ بچ جائیں جن میں کوئی خیر کا عنصر نہ ہوگا اور پھر لوگ اپنے آباء کے دین (شرک و کفر) کی طرف لوٹ جائیں گے (3)۔ یحییٰ بن الفضل فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ براہین قاطعہ اور حجج کا ہر وہ ذرے تمام پر دین اسلام کو غلبہ دے گا۔ بعض علماء فرماتے ہیں ان تمام ادیان پر غالب کرے گا جو نبی کریم ﷺ کے ارد گرد کے علاقہ میں تھے پس دین اسلام ان پر غالب آ جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تمام ادیان پر اس طرح غالب کر دیا ہے کہ ہر شخص پر عیاں ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ کا دین ہی حق ہے اور جو کچھ اس کے مخالف ہے وہ باطل ہے اور فرماتے اس طرح بھی غلبہ دیا کہ دو دین یعنی اہل کتاب اور امیوں کا دین کفر میں جمع تھے پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں کو غلبہ دیا حتیٰ کہ انہوں نے اسلام کو بخوشی قبول کر لیا اور اہل کتاب کو قتل کر دیا اور قیدی بنا لیا حتیٰ کہ بعض ان میں سے بھی اسلام

اے اور بعض نے ذلت کے ساتھ جزیہ قبول کر لیا اور ان پر آپ ﷺ نے اپنا حکم جاری فرمایا۔ یہ تمام ادیان پر غلبہ کی ایک صورت ہے۔ یہ آیت کریمہ سابقہ آیت کے الفاظ یاہی اللہ الا ان یم نورہ کا بیان ہے، اسی وجہ سے لو کوہ المشرکون دو بار وہ ذکر فرمایا (۱۱) یہاں الکفارون کی بجائے المشرکون ذکر فرمایا تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی رسالت کے انکار کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے کے برے عمل میں بھی ملوث ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَيْفِيرًا مِنَ الْآخِبَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَاكْفُرُوا آمَوَالِ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ وَ
الْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبِئْسَ لَهُم مَّعَادٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱﴾

”اے ایمان والو! ایک اکثر باوری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کے مال تا جا نگر طریقہ سے اور روکتے ہیں (لوگوں کو) راہ خدا سے۔ اور جو لوگ جو زر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں تو نہیں خوشخبری سنا دیتے، روٹا ک غذاں کی ہے“

۱۔ یعنی اہل کتاب کے علماء اور ضرانیوں کے راہب لوگوں سے مال بنورتے ہیں اور پھر اس سے متعین ہوتے ہیں۔ یہاں ذکر کھانے کا ہے لیکن مراد نفع حاصل کرنا اور وصول کرنا ہے کیونکہ کھانا اسواں کا بہت بڑا نفع ہے۔ نیز اسواں کے حصول کی بڑی غایت بھی اکل و شرب ہوتی ہے، یعنی وہ فیصلہ کرتے وقت رشوت لیتے ہیں اور کلام الہی میں مذا رانوں کے حصول کی خاطر تحریف کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے تحریریں کھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی صفات و کمالات پر بھی آیات کو تبدیل کرتے ہیں۔ انہیں یہ کھانگا کہ رہتا ہے کہ اگر وہ نبی کریم ﷺ کی تصدیق کریں گے تو ان کے یہ مذا رانے ختم ہو جائیں گے جو وہ مختلف طریقوں سے امراء و وزراء کو خوش کر کے اور خراج اور عداوہ لوگوں کو دھوکہ دیکر بنورتے ہیں۔ نیز ان علماء اور راہبوں کی دوسری برائی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو دین حق کی راہ سے منع کرتے ہیں۔

۲۔ ظاہر تو یہی ہے کہ اس موصول الذہین سے مراد اسارا اور رہبان ہے اور یہ مقدر الذہین پر مطلق ہے جو کلام سابق سے مترشح ہو رہا ہے۔ مقدر کلام یوں ہوگی اللہین یا کفون انموال الناس وینفقون بہا والذہین یکنزونہا اور لا ینفقونہا کی ہا ضمیر کا مرجع مفہوم اور معنی ہے کیونکہ سونے اور چاندی میں سے ہر ایک درامہ دو تائیر کی شکل میں ہوتا ہے۔ یا اس سے مراد اترانے یا اسواں ہیں۔ یا ضمیر کا مرجع الفضة ہے کیونکہ اکثر خرچ اسی کا ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے ان الفاظ میں یا اشارہ ہے کہ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے وقت نصاب کے اعتبار سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا اور ایک سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک کو دوسرے کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا۔ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں اجزاء کے اعتبار سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا۔ جس شخص کے پاس دس مثقال سونا اور سو درہم (چاندی) ہوں اس پر تمام کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے اور اگر کسی کے پاس پانچ مثقال سونا ہو جس کی قیمت سو درہم یا اس سے زائد ہو تو چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا اس شخص پر امام صاحب کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی، صاحبین کے نزدیک واجب نہ ہوگی۔ نیز اس ابرشاہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سارا مال

خرچ کرنا اور خدا میں واجب نہیں بلکہ بعض مال خرچ کرنا واجب ہے جیسے سونے اور چاندی میں سے چاندی کو خرچ کرنا۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ نے تمام اسوا میں سے صرف سونے اور چاندی کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہ دونوں بقیہ اشیاء کی جنس بنتے ہیں اور بقیہ تمام اشیاء کا اندازہ ان کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ لیکن اس کا برعکس نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اسوا تجارت پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جب وہ سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے۔ کسی دوسرے مال کے نصاب کے ساتھ اس کا اندازہ نہیں کیا جاتا۔ پس ان کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے دوسرے اسوا کا ذکر نہیں فرمایا یا اس لئے کہ اکثر دو جنسوں کو ہی خزانہ کیا جاتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہ کرنا بالکل خرچ نہ کرنے اور شیطان اور نفس کی پیروی میں خرچ کرنے کو شامل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَتَّبِعُوا أَمْوَالَكُمْ بِغَيْرِ مَعْرِفَةٍ إِنَّهَا آتَاكُمْ مِنْ يَدِ اللَّهِ لِيُحْكُمَ لَكُمْ فِيهَا لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَوْامِلَ اللَّهِ وَأَطِيعُوا أَمْرَ اللَّهِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ** (ان کلمبر من الاحبار فی المعربان الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بالکل خرچ نہ کرنا مراد ہے جیسا کہ یکنون کے الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں۔ انصافی لمی سبیل اللہ سے مراد فرض زکوٰۃ، نفل صدقہ اور نفقات واجبہ اور مستحبہ ہیں۔ جب کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ادا کئے جائیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی مسلمان ثواب کی نیت سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کا یہ خرچ کرنا اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے، متفق علیہ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دینار جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے ایک وہ دینار جو تو کسی غلام کو آزاد کرانے کے لئے خرچ کرے ایک وہ دینار جو تو مسکین پر صدقہ کرے اور ایک وہ دینار جو تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے ان تمام میں سے زیادہ اجر و ثواب اس کا ہے جسے تو نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل دینار (از روئے اجر و ثواب) وہ ہے جو انسان خود خرچ کرتا ہے، جسے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے (3) اور جسے اللہ کی رضا کے لئے جہاد کی سواری پر خرچ کرتا ہے اور جسے راہ خدا میں اپنے دوستوں پر خرچ کرتا ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا میرے لئے اجر ہوگا اگر میں اہل و عیال کے بچوں پر خرچ کروں جو میرے بھی بچے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ان پر خرچ کرو جو تم ان پر خرچ کرو گی اس کا تمہیں اجر ملے گا۔ (بخاری و مسلم) (4)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور ایک دوسری عورت نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا اپنے خاندانوں پر خرچ کرنے سے انہیں صدقہ کا ثواب ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہیں دو اجر ملیں گے ایک قربت کا اجر اور دوسرا صدقہ کا اجر (بخاری و مسلم) (5)۔

یعنی ناجائزہ رائج سے لوگوں کا مال بنونے والوں اور مال کو خزانہ کرنے والوں اور بالکل خرچ نہ کرنے والوں کو عذاب الیم کی بشارت دے دو۔ اس مفہوم کے اعتبار سے جو میں نے بیان کیا ہے آیت کا حکم اہل کتاب کے ساتھ مختص ہوگا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ سے اور دوسرے ان کے سے دلالت النص کے ذریعے حکم کے اہل کتاب کے ساتھ مختص ہونے کو روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ واللذین یکنون مستقل کام ہو اور اہل کتاب کے ساتھ مختص نہ ہو۔ ابو ذر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے۔ اس

1. صحیح بخاری، جلد 5 صفحہ 2047 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 77 (احمدیہ)

2. صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 72 (احمدیہ)

3. صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 71 (احمدیہ)

4. صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 533 (ابن کثیر)

5. صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 533 (ابن کثیر)

علماء یہ فرماتے ہیں کہ حاجات ضروریہ سے زائد مال کتزہ ہے وہ بطور دلیل حضرت ابی امام رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ اہل صفہ سے ایک شخص فوت ہوا تو اس کے تہبند سے ایک دینار نکلا تو فرمایا ایک داغ ہے، پھر دوسرے کا وصال ہوا تو اس کی تہبند سے دو دینار نکلے آپ ﷺ نے فرمایا دو داغ ہیں۔ اس حدیث کو علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (۱)

ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ایک شخص کا وصال ہوا تو اس کی مچڑی کے پلے سے دو دینار نکلے۔ ان کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا دو داغ ہیں۔ مسعود بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص کی میت جنازہ کے لئے لائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس نے کتنا مال بطور ورثہ چھوڑا ہے لوگوں نے کہا دو یا تین دینار آپ ﷺ نے فرمایا دو یا تین داغ۔ میں عبد اللہ بن ابی القاسم سے سنا تو انہوں نے فرمایا یہ مال جمع کرنے کے لئے سوال کرتا تھا۔ اس حدیث کو تہبندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن عبد اللہ بن عثمانی سے روایت کیا ہے (۲)۔ میں کہتا ہوں جو ابوالقاسم نے ارشاد فرمایا ہے ابی امام اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث کا عمل بھی وہی ہوگا۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ جو صوفی بن گیا اور اس نے ہر چیز کو چھوڑ دیا اور اس نے اللہ پر توکل کر لیا ہو اور اس کے اہل و عیال بھی نہ ہوں اس پر لوگوں کے حقوق بھی نہ ہوں تو اس کے لئے اپنی حاجت سے زائد مال رکھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اِنَّ الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اَوْکُفُوْا بِالْعُقُوْبِ اِنَّ الْعُقُوْبَ کَانَ تَنْقِیْلاً** (اپنے معاهدوں کو پورا کرو محمد کے متعلق پوچھا جائے گا)۔ اصحاب صفہ اس شان کے مالک افراد تھے (وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور انہوں نے سب کچھ رب کی رضا کے لئے کر دیا تھا)۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اس شخص پر محمول ہوگا جو صوفی ہو اور مالدار ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صوفیاء کے سرخیل تھے۔

**یَوْمَ یُحْضٰی عَلَیْہَا فِیْ نَارٍ جَہَنَّمَ فَاَتٰوٰی بِہَا جَہَنَّمَ وَجَسُوْا بِہُمْ وَطُھُوْا مَہْمًۢا
ہٰذَا مَا کُنْتُمْ لَآ تَفْسَکُمْ قَدْ وُقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ** ۳۰

”جس دن تپایا جائے گا (یہ سونا چاندی) لہ جہنم کی آگ میں پھر دافی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیان اور ان کے پہلو اور ان کی پشتیں (اور انہیں بتایا جائے گا) کہ یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا اپنے لئے تو جس (اب چکھو سراسر اس کی) جو تم جمع کیا کرتے تھے“۔

یہ ہا ضمیر کا مرجع خزانہ یاد رکھ دو تاہم یہیں، یعنی ان خزانوں اور سونے چاندی کو آگ میں داخل کیا جائے گا اور ان پر آگ جلائی جائے گی۔ یاہا ضمیر کا مرجع فضیلت (چاندی) ہے اور اس کا تھفیس کے ساتھ ذکر اس کے قرب کی وجہ سے ہے اور اس کا حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سونا اس حکم میں بدرجہ اولیٰ داخل ہے فعل کو مذکر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ فعل جا مجرور کی طرف منسوب ہے۔ اصل میں یوم یحییٰ علیہا النار ہے۔ قاسمیں میں ہے الشمس والنار حمیا وحمیا۔ یعنی ان کی گرمی شدید ہے، امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اصل میں یحییٰ بالنار ہے لیکن یہاں لفظ کے لئے احصاء کو النار کے لئے ذکر کیا گیا ہے پھر جب النار کو حذف کیا گیا اور استاد النار سے علیہا کی طرف منتقل ہو گئی تو فعل کو مذکر ذکر کیا گیا۔ جیسا کہ کہا جا تا ہے **وَهَفَعَتِ الْقِصَّةُ اِلٰی الْاَبْنِیُو۔** لیکن جب القصة کا لفظ ذکر نہیں کیا جا تا تو رفع الی الابیہو کہا جا تا ہے۔

یہ یعنی اس سونے اور چاندی کو جہنم کی بڑھتی ہوئی آگ میں گرم کیا جائے گا اور پھر ان کے بدنوں کے سامنے والے اعضاء کو، پہلوؤں کو

اور پچھلے اعضاء کو داغ لگائے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے بدن کے انگ انگ کو داغ لگائے جائیں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ان مخصوص اعضاء (چہرے، پہلو اور پیٹہ) کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جب فقراء اور رویش لوگوں کو دیکھتے تو ناک بھون چڑھاتے تھے اور جب کوئی فقیر ان کی مجلس میں آتا تو مذہم پھیر لیتے اور پشت کر کے پلٹ جاتے تھے یا اس لئے ان مخصوص اعضاء کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ تمام اعضاء ظاہری میں سے بلند مرتبہ ہیں اور ان میں اعضاء نیر داغ، دل اور نگر ہوتے ہیں۔ ان کی چیزوں اور ان کے اعضاء کو قیامت کے روز بڑا کر دیا جائے گا تا کہ سارا مال ان کے اوپر آجائے۔

یہ جملہ حال ہے اور اس سے پہلے قول مقدر ہے۔ ان کو کہا جائے گا یہ وہی مال ہے جسے تم نفع اٹھانے کے لئے جمع کرتے تھے اور تم اس لئے جمع کرتے تھے کہ مشکل حالات میں اس سے مدد لو گے۔ یہ کلام بطور توحیح ہے (یعنی جسے تم اپنی منفعت کے لئے جمع کرتے تھے یہ تو تمہارے لئے عین نقصان اور عذاب کا سبب تھا)۔

یعنی اس لئے اپنے حقانے کا وبال چکھو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس سونا اور چاندی ہو جس کو وہ اس کا حق ادا نہیں کرتا تو قیامت کے روز اس کی تنقیاس بنائی جائیگی اور پھر انہیں جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس شخص کے پہلو، پیٹھ یا دوزخ پر داغ لگائے جائیں گے۔ جب وہ تنقیاس خنثی ہو جائیگی تو انہیں پھر گرم کیا جائے گا۔ یہ سب کچھ اس کے ساتھ اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی حتیٰ کہ بندوں کا فیصلہ ہو جائے گا وہ شخص اپنی راہ دیکھ لے گا یا جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اونٹوں والا اگر ان کا حق ادا نہیں کرے گا، (اور پانی پلانے کے دن ان کا دوہ دوہنا اور سنا کہیں کو عطا کرنا) اونٹوں کے حقوق میں سے ہے) تو قیامت کے روز اسے ایک کھلے میدان میں اونٹوں کے روندنے کے لئے لٹایا جائے گا۔ تمام اونٹ موجود ہوں گے ان میں سے ایک بچہ بھی منظور نہ ہو گا۔ وہ اونٹ اپنے مالک کو پاؤں کے روندیں گے اور مونہوں کے ساتھ کاٹیں گے۔ جب ان کا ایک گھروندہ کر چلا جائے گا تو دوسرا گھروندہ نے کے لئے لٹایا جائے گا اور یہ سزا اس کو اس دن ملتی رہے گی جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ حتیٰ کہ بندوں کا فیصلہ کر دیا جائے گا پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! گائے اور بکری کا کیا حکم ہے۔ فرمایا جو گاؤں اور بکریوں کا حق ادا نہیں کرے گا قیامت کے روز اسے ہموار میدان میں لٹایا جائے گا اور بکریوں اور گایوں میں سے ایک بھی غائب نہ ہوگی۔ ان میں کوئی اٹلے سینگوں والی، کوئی منڈی اور کوئی ٹوٹے ہوئے سینگوں والی نہ ہوگی۔ وہ اسے اپنے سینگوں کے ساتھ ماریں گی اور بیوں کھروں کے ساتھ روندیں گی۔ جب اٹھا گھروندہ کر گزار جائے گا تو پچھلے حصہ کو اس پر لٹایا جائے گا (یعنی روندنے کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا) اور یہ اس پر اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا پھر اسے جنت یا دوزخ کا راستہ دکھایا جائے گا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے (۱۶) اور یہ حدیث آیت کریمہ کی گویا تفسیر ہے اور اس حدیث میں وضاحت ہے کہ کز وہ مال ہے جس کا حق ادا نہ کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کے لئے اس مال کو قیامت کے روز دو چھیاں والے ساپ کی شکل میں کر دیا جائے گا۔ قیامت کے دن وہ

سابق اس کے اور گرد پھرنے لگا۔ پھر وہ اس کی ہاتھوں کو پکڑ لے گا اور کہے گا میں تیرا مال اور میں تیرا خزانہ ہوں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وَلَا يَخْشَى اللَّهَ الَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْآيَةَ سَلَاةً فَرَمَانِي (رواہ البخاری 11)۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس اونٹ، گائیں اور بکریاں ہوں گی اور وہ ان کے حقوق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے روز ان جانوروں کو بڑا اور موٹا کر کے لایا جائے گا۔ وہ اس شخص کو اپنے کھروں کے ساتھ روٹھیں گے، سینگوں کے ساتھ ماریں گے۔ جب دوسرا گلہ گزر جائے گا تو پہلے کو بچر موزو دیا جائے گا حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا، (بخاری و مسلم 12)۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الَّتِي كَانَتْ فِيهَا آيَاتُنَا
فِيهَا نَفْسُكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ مَعَ الشَّاقِينَ ﴿٥١﴾

”بچک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے کتاب الہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، ان میں سے چار عرس والے ہیں جن میں دین قیم ہے جن میں نہ حکم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر بھروسہ اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پر بیزار گاروں کے ساتھ ہے“

یعنی سال کے مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے، عید اللہ، عیدۃ کے متعلق ہے کیونکہ وہ مصدر ہے، کتاب اللہ سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا اللہ کا حکم ہے اور وہی کتاب اللہ ترکیبِ حوی کی اعتبار سے الٹا عشر کی صفت ہے، ابو جعفر نے عشر کو شہین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ عام قرآنین کے فقرے کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

جس پر ظریف سابق میں جو حیثیت کا مفہوم دینی ہے اس کے متعلق ہے یا کتاب کے متعلق ہے اگر اس کو مصدر مانا جائے۔ یعنی روزہ رکھنے، حج کرنے اور زکوٰۃ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قمری مہینوں کا اعتبار ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد بارہ بتائی ہے اس سے زائد نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روزوں کے لئے ایک مہینہ مقرر فرمایا اور حج کے لئے چند ماہ مقرر فرمائے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے وجہ کو پورے بارہ مہینوں کے ساتھ متعلق فرمایا۔

جس ان مہینوں میں جنگ کی ابتداء کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، ایک مہینہ رجب ہے جو طیبہ ہے۔ ذی القعدہ، ذی الحج اور حرم مہینوں متصل ہیں۔

جس قمری مہینوں کا اعتبار کرنا اور بارہ مہینے ہی شمار کرنا خواہش نفس اور دنیوی مصلحتوں کی خاطر کی بیشی نہ کرنا محکم دین ہے اور یہی دین ابراہیمی ہے اس اعتبار کو ترک کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ رمضان کے روزے چھوڑ دیتے تھے اور پھر موسم بہار میں پچاس دن کے روزے رکھتے تھے۔

بعض علماء فرماتے ہیں بیہن میں ضمیر سال کے تمام مہینوں کی طرف راجع ہے۔ یعنی کسی مہینہ میں بھی اللہ کی نافرمانی نہ کرو اور ظاہر یہ

ہے کہ تیسری کا مرتب چارہاہ ہیں کیونکہ عمارت میں وہی قریب ہیں اور فلا پر فہاء تفریحیہ بھی اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ ظلم سے نبی ان ماہ کی حرمت پر متضرع ہے اور ظلم سے مراد حرمت کو تار تار کرنا ہے اور ان مقدس مہینوں میں جنگ کرنا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حرمت والے مہینوں میں نیک اعمال کا اجر بہت زیادہ ہوتا ہے اور ان مہینوں میں ظلم کی سزا بھی دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اگرچہ ظلم ہر حال میں جرم عظیم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لا تظلموا فیہن سے مراد ان مہینوں میں حرام کو حلال سمجھنا اور عمارت کرنا ہے (یعنی ان مہینوں عمارت گری اور جنگ و جدل نہ کرو)۔ محمد بن اسحاق بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حلال کو حرام نہ کرو اور حرام کو حلال نہ کرو جیسا کہ مشرک کرتے ہیں کہ وہ حرمت والے مہینوں کو ہٹا دیتے ہیں اور نفس کی تیرہویں میں اوقات شریفہ میں تیسرے تبدل کرتے ہیں۔

یعنی کافہ مصدر ہے کففت عن الشیء کا یعنی اس نے اسے کام سے روک دیا چونکہ مجموعہ صیغہ اضافہ روکتا ہے۔

یعنی اس جملہ میں ہر لمحہ شیشیت الہی سے کاٹنے والوں کو قرب الہی اور معیت خاصہ کی بشارت دی جا رہی ہے اور ان کے تقویٰ کے سبب ان کو نصرت و تائید کی ضمانت دی جا رہی ہے۔

علامہ بنو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حرمت والے مہینوں میں جنگ کی حرمت کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں پہلے یہ گناہ کبیرہ تھا لیکن قاتلوا المشرکین کے ارشاد کے ساتھ ان مہینوں میں جنگ حرمت منسوخ ہوگئی۔ گویا مشرکین سے لڑنے کا حکم عام ہے۔ خواہ حرمت والے مہینے ہوں یا نہ ہوں۔ یہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ عطاء الخراسانی، زہری اور سفیان الثوری رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے شبلی میں ہوازن سے اور طائف میں تیفف سے شوال اور ذی القعدہ میں جنگ لڑی تھی اور ان کا محاصرہ کیا تھا (1)۔ لیکن تو اس قاعدہ سے خوب آگاہ ہے کہ ناخ اور منسوخ احکام متصل نہیں ہوتے اور یہ ارشاد متصل ہیں اس لئے قاتلوا المشرکین کافہ کارشاد اربعۃ حرم ذالک العین القیمہ کا ناخ نہیں بن سکتا اور دوسری بات یہ ہے کہ قاتلوا المشرکین میں زمانہ کے اعتبار سے عموم نہیں ہے تاکہ یہ حرمت زمانہ کے لئے ناخ بن جائے اور مقتضی میں بھی عموم نہیں ہے اور یہ کہنا کہ حرمت والے مہینوں میں اور غیر حرمت والے مہینوں میں جنگ کرواں مقبول کوئی دلیل نہیں ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے طائف کا محاصرہ چھوڑ دیا تھا جب ذی القعدہ کا مہینہ شروع ہوا تھا، اگر وہی القعدہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے محاصرہ اور جنگ کی حدیث صحیح بھی ہو تو بھی حج کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اخبار آمادہ کتاب کی ناخ نہیں بن سکتیں۔ چوتھی بات یہ کہ یہ آیت کریمہ غزوہ طائف کے بعد 9ھ میں نازل ہوئی تھی جبکہ غزوہ طائف آٹھ ہجری میں ہوا تھا تو پھر یہ واقعہ ناخ کیسے ہو سکتا ہے۔ یا نہجوں یہ کہ نبی کریم ﷺ ان مہینوں کی حرمت جیزہ الوداع کے موقع پر وصال سے اسی دن پہلے بیان فرمائی تھی۔ پس دوسرے مفسرین کا قول صحیح ہے کہ یہ غیر منسوخ ہے، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عطاء بن ابی ریحم تھا کہ فرماتے تھے کہ لوگوں کے لئے حرام میں اور حرمت والے مہینوں میں جنگ حلال نہیں ہے مگر یہ کہ ان اوقات میں یا حرم میں ان سے قتال کیا جائے تو ان کے لئے بھی لڑنا حلال ہے اور یہ آیت کریمہ منسوخ نہیں ہے (2) آئندہ ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَ

يُحَرِّمُونَهُ عَمَّا يَمِؤُا طَوَاعِدًا مَّا حَرَّمَ اللهُ فَيَجْتَوُوا مَا حَرَّمَ اللهُ لِيُزَيِّنَ
لَهُمْ سُوءَ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾

” (حرمت والے مہینوں کو) بنا دینا۔ تو اور اضافہ کرنا ہے کفر میں۔ گمراہ کے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں
میں حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں اسی کو دوسرے سال میں تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں
کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس حیلہ سے حلال کر لیں جسے حرام کیا ہے اللہ نے۔ آراء سے کہے گئے ہیں ان
کے لئے ان کے برے اعمال۔ اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کرتے ہیں۔“

۱۔ نسبیہ، بروز فعلی مصدر ہے جیسے السعیر اور الحریق مصدر ہیں۔ یا فعلی یعنی منقول ہے جیسے جرح یعنی مجروح اور قتل یعنی
مقتول استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی مؤخر کرنا ہے، یا مؤخر کیا گیا ہے۔ اسی سے النسبۃ فی البیع کے معنی بیع میں ادھار کرنا۔ عرب کہتے
ہیں النساء اللہ اجلہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے سہلت دی۔ اسی طرح نسافی اجلہ استعمال ہوتا ہے۔ جمہور قرآن نے اسے جمہور الامام اور
اہل بیت کے ساتھ پڑھا ہے۔ ورنہ نے یا شہیدہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور درود کی ایک قرأت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ یہ نسیان سے
مشفق ہے۔ اس صورت میں النسبیہ کا معنی مؤخر ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کی اصل ہمزہ کے ساتھ ہے لیکن تخفیف کی وجہ سے
ہمزہ حذف کیا گیا ہے اور النسبیہ سے مراد ماہانہ جاہلیت کے لوگوں کا وہ معمول ہے کہ وہ حرمت والے مہینوں کو دوسرے مہینوں سے
تبدیل کر دیتے تھے۔ ابن جریر، ابی مالک رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ وہ لوگ سال کے تیرہ مہینے بنا دیتے تھے، عرم کو صفر بنا
دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (۱)۔ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دور جاہلیت کے لوگ حرمت والے مہینوں
کی تقسیم کا اعتقاد رکھتے تھے اور انہوں نے یہ عقیدہ تکمیل ان کے اعتبار پر قائم کیا کہ ان کی معیشت کا دار و مدار فکار اور چوری ڈکیتی پر تھا جب
انہوں نے تین ماہ متواتر پابندی کا حکم سنا تو ان پر یہ بہت گراں گزرا۔ بعض اوقات حرمت والے مہینوں میں جنگ کا تقارہ بیج جاتا تھا تو وہ
جنگ کو مؤخر کرنا پسند کرتے تھے۔ پس وہ اس مہینے کی حرمت کو دوسرے مہینے کی طرف منتقل کر دیتے تھے، عرم کی حرمت کو صفر تک مؤخر کر
دیتے تھے۔ اس طرح وہ صفر میں جنگ و جدل حرام قرار دے دیتے تھے اور عرم میں حلال سمجھتے تھے۔ اسی طرح اگر صفر کی حرمت مؤخر
کرنے کی ضرورت محسوس کرتے تو اسے ربیع الاول کی طرف مؤخر کر دیتے۔ اسی طرح وہ جرجہ کو اپریل سے سال میں اپنی خواہش کے مطابق
تبدیل کرتے رہتے تھے۔ جب اسلام کا آفتاب جہاں تاب ظاہر ہوا تو عرم اپنے وقت پر واپس آ گیا جس وقت کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے
لئے متعین فرمایا تھا۔ یہ کام بہت طویل عرصہ بعد ہوا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خطبہ (خطبہ فرمایا ۱۲) حضرت ابی بکر
رضی اللہ عنہ راوی ہیں فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ ذی الحجہ کو میں خطاب فرمایا اور فرمایا مانا پانی بیت پر گھوم آیا ہے جو اللہ تعالیٰ
نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن اس کی بیت متعین فرمائی تھی۔ سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے ہیں ذوالقعدہ،
ذوالحجہ اور عرم متواتر ہیں اور جب، جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کیا کونسا مہینہ ہے ہم نے عرض کی
اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ کچھ دیر خاموش ہو گئے تھی کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس مہینہ کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے
پھر آپ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کی کیوں نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کیا کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کی اللہ اور

اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ ہم نے سوچا شاید آپ اس کا کوئی اور نام بتائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ البلدہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کی کیوں نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا یہ دن کونسا ہے؟ ہم نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے، ہم نے سوچا آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام بتائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ دوسری ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کی کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے خون تمہارے مال تمہاری عزتیں تم پر ہی طرح حرام ہیں جیسے آج کا دن اس شہر میں (اور اس مہینہ میں۔ تم یقیناً اپنے پروردگار سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال پر باز پرس کرے گا) خبردار میرے بعد گمراہی کی طرف نہ لوٹ جانا کہ بعض بعض کی گردنیں کاٹنے لگو۔ خبردار سنو، کیا میں نے احکام الہیہ کو پہنچا دیا ہے؟ تمام صحابہ کرام نے کہا ہئی ہاں، پھر آپ نے کہا اے اللہ تو بھی گواہ بن جا۔ جو موجود ہے غائب کو میرا پیغام پہنچا دے؟ کبھی سننے والے سے وہ زیادہ یاد کرنے والا ہے (۱۳۷۹) جسے پیغام پہنچایا جاتا ہے (۱) علماء فرماتے ہیں مشرکوں میں یہ حرمت کی تبدیلی کا سلسلہ جاری رہا وہ ایک سال ایک مہینہ میں حج کرتے اور دوسرے سال دوسرے مہینہ میں حج کرتے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ ہر مہینہ میں دو سال حج کرتے وہ ذی الحجہ میں دو سال حج کرتے، مجرم میں دو سال حج کرتے پھر وہ سفر میں دو سال حج کرتے، اس طرح وہ تمام مہینوں میں حج کرتے رہے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر کا حج بیخود (اور حج سے پہلے دوسرے سال ذی قعدہ میں واقع ہوا تھا۔ پھر اسدہ کھانہ میں کریم ﷺ نے حج الوداع فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کا حج اکبر مکہ میں ہوا تھا جو حج کے لئے شروع تھا یعنی ذی الحجہ۔ آپ ﷺ نے نو ذی الحجہ کو وقف عرفات فرمایا تھا اور دوسویں کے دن میں خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو بتایا کہ مہینوں کا اپنی جگہ سے جتنا زامانے کی گردش سے متسوخ ہو چکا ہے اور اب حج انہیں تاریخوں پر لوٹ آیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے وقت تعیین فرماتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ان مہینوں کی مخالفت کا حکم فرمایا تاکہ زمانہ اسدہ تبدیل نہ ہو۔ ان کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے مہینوں میں تبدیلی کس نے کی تھی؟ ابن عباس، عطاء بن یسار اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تبدیلی کرنے والے پہلے افراد بنو مالک بن کنانہ تھے۔ یہ تین افراد تھے ابو شامہ، جناد بن عوف اور ابن اسیر۔ کبھی ریحۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب سے پہلے یہ جرم کرنے والا شخص بنی کنانہ سے تھا اور اس کا نام نعم بن شبلہ تھا، یہ موسم حج میں لوگوں کا امیر ہوتا تھا جب لوگ لوٹنے کا ارادہ کرتے تو یہ خطاب کرتا اور کہتا جو میں فیصلہ کروں گا اسے کوئی روک کرنے والا نہیں ہے اور میرا وہ فیصلہ نہ معیوب ہے اور نہ گناہ ہے۔ مشرک اسے جو جانتے تھے آپ نے بالکل درست کہا پھر اس سے مہینہ کی تبدیلی کا سوال کرتے۔ پس وہ کہتا اس سال سفر کا مہینہ حرام ہے، اس کا یہ جملہ سننے ہی مشرک اپنی کانیں اتار دیتے، نیز سے کھول دیتے اور بھالے رکھ چھوڑتے۔ اور اگر وہ کہتا کہ صرف طہال ہے تو وہ اپنی کانیں، نیز سے اور بھالے ہاتھ لیتے اور عارت گری کرتے۔ نعم بن شبلہ کے بعد جناد بن عوف اس منصب پر فائز ہوا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا تھا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں یہ بنی کنانہ سے تھا اور اسے الغلس کہا جاتا تھا۔ بنی کنانہ کا شاعر کہتا ہے ہم میں مہینہ کی تبدیلی الغلس کرتا تھا اور مشرک یہ تبدیلی ذی الحجہ میں اس وقت کرتے تھے جب عرب حج کے لئے جمع ہوتے تھے۔ جریر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عطاء بن رضی اللہ عنہ اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے مہینوں میں تبدیلی کی ابتدا کی تھی وہ عمرو بن لُحی بن قعدہ بن خندف تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے عمرو بن لُحی بن قعدہ بن خندف کو دیکھا جو نبی کعب کا چچا تھا یعنی وہ دو درجہ میں اپنی استریاں سمجھ رہا ہے۔ اسی تبدیلی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ (۲)

یعنی کفر میں زیادتی ہے کیونکہ اس تبدیلی میں حلال چیز کو حرام کرنا اور حرام کو حلال کرنا ہے، یہ کفر ہے اور پہلے ان کے کفر سے زائد ہے۔
 اس جزوہ کسائی اور شخص رحمہم اللہ تعالیٰ نے بطل کو باہ کے ضرر اور ضار کے فتنے کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یہ حضرت الحسن اور
 مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ کی قرأت ہے یعنی یصل بہ الذین یخفون الناس۔ اس کے ذریعے کافر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور باقی قراء نے
 باہ کے فتنے اور ضار کے ضرر کے ساتھ مجرد سے معروف کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ وہ خود گمراہ تھے۔

یہ مصلحتوں میں وہ ضمیر کا مرجع الشہر ہے جو النسیء سے مہموم ہے، یعنی وہ ایک سال ایک مہینہ کو حلال کرتے اور دوسرے سال اسی
 مہینہ کو حرام قرار دیتے۔ یہ دونوں نسلے یا تو الضلال کی تفسیر ہیں یا حال واقع ہو رہے ہیں۔

یہ لیوا طنوا، یہ معوموں کے متعلق ہے یا اس فعل کے متعلق ہے جو ان دونوں مذکورہ فعلوں کے مجموعہ پر دلالت کرتا ہے، یعنی وہ
 موافقت کی خاطر ایسا کرتے ہیں۔ موافقہ کا معنی موافقت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ چار چیزوں کی تعداد میں
 موافقت پیدا کرنے کے لئے ایسا کرتے تھے۔ پس جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہوتا ہے حلال کرتے تاکہ حرمت والے چار مہینوں کی
 تعداد میں زیادتی نہ ہو جائے۔ وہ صرف تعداد کی رعایت رکھتے تھے۔ وقت کی رعایت نہیں کرتے تھے۔

یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے ان کے برے اعمال کو اس طرح مزین کر کے پیش کیا ہے کہ
 وہ انہیں نیکیاں اور اچھائیاں تصور کرنے لگے ہیں، یا یہ معنی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے برے اعمال کو مزین کر دیا ہے۔ یعنی ان کو رسوا کیا ہے
 اور انہیں گمراہ کیا ہے، جیسا کہ واللہ لا یھدی القوم الکافرین کا قول مناسبت رکھتا ہے۔

یہ یہاں ہدایت سے مراد ہدایۃ موصلة الی الحق ہے۔ محمد بن یوسف صائغی لکھتے ہیں کہ محمد بن عمرو رحمہ بن سعید نے کہا ہے کہ
 صحابیوں کی ایک جماعت جو شام سے مدین طیبہ تہل سہلان کرتی تھی انہوں نے مسلمانوں کو بتایا کہ روٹی تمہارے خلاف ایک جمعیت بنا
 رہے ہیں اور ہر قیل نے اپنے ساتھیوں کو ایک سال کا مشاہرہ دے دیا ہے اور ان کے ساتھ قبیلہ نعم، جزام، عاملہ، حسان اور دوسرے
 عرب قبائل بھی مل گئے ہیں اور ان کا ہر اول دست بلقاء تک پہنچ گیا ہے، جبکہ یہ سارا جماعت تھا اس واقعہ کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ جب رسول
 اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے شام کی طرف خروج کا حکم دیا۔ طہرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ عمران بن حصین سے
 روایت کیا ہے کہ عرب کے نصرانیوں نے ہر قیل کو لکھا کہ یہ شخص جو نبوت کا مدعی ہے ہلاک ہو گیا ہے اور وہ قیامت میں مبتلا ہو گئے ہیں
 اور مال مویشی چاہا ہو چکے ہیں، اگر تو اپنے دین کی تقسیم چاہتا ہے تو موقع بڑا نسیب ہے۔ اس لئے اپنے عقلماء میں سے ایک شخص کو
 چالیس ہزار کا لشکر دے کر بھیجا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے جہاد کا حکم فرمایا۔

ابن ابی حاتم اور ابوسعید خدری رحمہما اللہ تعالیٰ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ کو کہا کہ اسے
 ابو القاسم اگر آپ واقعی نبی ہیں تو شام کو چلے جائیے کیونکہ وہ انبیاء کرام کی رہائش گاہ ہے۔ آپ شام جانے کے ارادہ سے چل
 پڑے جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت نازل ہوئی: وَرَن کَاذِبًا یَسْتَفْهِرُ لِنَفْسِہِ مِنَ الْاٰثْمِیْنَ الْعِیْب۔ ابن مردویہ
 رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن شیبہ اور ابن المنذر رحمہما اللہ تعالیٰ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے، ابن جریر نے سعید بن جبیر
 رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مشرکوں کو مسجد حرام کے قریب آنے سے روکنے کا حکم دیا تو قریش نے کہا اگر
 مشرک ادھر نہ آئے تو ہماری منڈیاں اور بازار سونے ہو جائیں گے اور جو کچھ ہم مال کما تے تھے اس سے محروم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ

سے کیا دنیا کی تلبیل پونجی پر آخرت کی عظیم نعمتوں کے بدلے راضی ہو گئے ہو۔ یہ دنیا کا ساز و سامان تو آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں انتہائی حقیر ہے۔ یہ تو بہت جلد فنا ہونے والا ہے اور پھر جہاد کو ترک کرنے پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا کرنے کی دھمکی دی۔

ابن ابی حاتم نے نجدہ بن ثعلب سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب کے قبائل کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی تو یہ چیز ان کو گراں گزری، اس وقت اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

إِلَّا تَتَّبِعُوا أَمْرًا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَيَسْتَبَدِلُ قَوْمًا عَيْرَكُمْ وَلَا تَصْرُوهَا
شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

”اگر تم نہیں گھومے تو اللہ عذاب دے گا تمہیں دردناک عذاب لے اور بدل کر لے آئے گا کوئی دوسری قوم تمہارے علاوہ ہے اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

یعنی اگر جذبہ جہاد سے سرشار نہ ہو کر میدان کارزار میں نہیں نکلے تو دنیا و آخرت میں تمہیں دردناک عذاب میں گرفتار کیا جائے گا۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ تم سے رحمت کی بارش روک کر عذاب دے گا اگر تم جہاد کو ترک کر دو گے۔

یہ اور تمہارا نام و نشان مٹا کر کوئی دوسری قوم کو اپنے کانِ حسین کی خدمت کی سعادت عطا فرمادے گا جو قوم اطاعت شکاری اور تابعداری کی خواہر ہوگی۔ دوسری قوم سے مراد بعض علماء کے نزدیک اہل یمن ہیں اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں وہ اہل فارس ہیں۔

یہ اور دین کی نصرت و تائید میں تمہارا بوجھل پن کچھ حرج کا باعث نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ مہنی ہے اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ہا نصیر کا مروج رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ مہنی ہوگا کہ تم اس کا بلی اور سستی روی کی بنا پر رسول کریم ﷺ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ سے خود نصرت اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کے وعدہ کا خلف محال ہے۔

یہ وہ تمہاری جگہ کسی اطاعت گزار قوم کی تبدیلی پر قادر ہے اور اسباب کو بدلے اور بغیر تمہاری مدد کے اپنے رسول کریم کی مدد کرنے پر بھی قدرت کا ملکہ رکھتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں جہاد میں کاہلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے لئے سخت ناراضگی کا اظہار ہے کیونکہ مطلق عذاب کی وعید سنائی جو دنیا و آخرت دونوں کے عذاب کو شامل ہے۔ نیز کسی دوسری قوم کو یہ سعادت عطا کرنے کی دھمکی دی جو اطاعت و تابعداری کا بیکر ہوگی اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ دینِ حسین کی مدد و نصرت تم پر منحصر نہیں وہ مہنی اور بے نیاز ہے، جو چاہے گا تو یہ ابدی سعادت کسی اور کو بخش دے گا اور تمہیں مردیوں کا شکار کر دے گا۔

إِلَّا تَتَّبِعُوا أَمْرًا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَيَسْتَبَدِلُ قَوْمًا عَيْرَكُمْ وَلَا تَصْرُوهَا
شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

”اگر تم مدونہ کرو گے رسول کریم کی تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تو دوسے لے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے ج جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت تمسکین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ج پھر ملاز کی اللہ نے اپنی تسکین ان پر ہے اور مدد فرمائی ان کے ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا ہے اور کر دیا کافروں کی بات کو سرگوں اور اللہ کی بات ہمیشہ سربلند ہے کی اور اللہ تعالیٰ غالب ہے نہکت والا ہے۔“

یعنی اگر تم رسول اکرم ﷺ کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان کی تائید فرمائے گا، جیسا کہ اس نے اس وقت مدد فرمائی تھی جب کفار نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکالا تھا اور آں حالیکہ آپ ﷺ دو میں سے دوسرے تھے۔ ثانی، انہیں، نصروہ کی ضمیر منسوب سے حال ہونے کی وجہ سے منسوب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی در آں حالیکہ آپ ﷺ کے ساتھ صرف ایک شخص تھا اور وہ ابوبکر تھے اور یہی دوسرے تھے۔ جزا کو نصف کیا گیا ہے اور اس کے قائم مقام اس چیز کو رکھا گیا جو بیس کی مانند تھی، یا یہ معنی کہ اگر تم اس کی مدد نہیں کروں گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی مدد و نصرت کو اپنے ذمہ واجب کر لیا ہے حتیٰ کہ اس نے اس وقت بھی اس کی مدد فرمائی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ کسی وقت بھی اس کو تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کی نصرت ہمیشہ سے شامل حال رہے گی۔ آیت میں نکالنے کی نسبت کفار کی طرف کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے دارالودھ میں اکٹھے ہو کر آپ ﷺ کو قتل کرنے، یا گرفتار کرنے یا مکہ سے نکالنے کی سازش کی تھی۔ (یہ قصہ سورہ انفال میں بالتفصیل گزر چکا ہے)۔ ہجرت کے اذن و اجازت کا سبب یہی سازش تھی کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت فرمائی تھی۔

ج۔ مکہ کی جنگی سطح میں پہاڑ کے اندر جو سوراخ تھا، غار سے وہی مراد ہے۔ اذھما، اذھو جہ کا بدل اول ہے اور اذ بقول بدل ثانی ہے۔ بقول کا قائل نبی کریم ﷺ ہیں اور صاحب سے مراد سیدنا ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام ترمذی اور بخاری جہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق کو کہا تو میرا غار میں ساتھی تھا اور عرض کوثر پر بھی میرا ساتھی ہوگا (1)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایات کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی کو قتل بنا تا تو ابوبکر کو قتل بنا تا۔ لیکن وہ میرے بھائی اور میرے ساتھی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) کو اپنا قتل بنایا ہے (2)۔ حسن بن الفضل فرماتے ہیں جس نے یہ کہا کہ ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے صحابی نہ تھے وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص قرآنی کا انکار کیا ہے اور دوسرے صحابہ کا انکار کوئی انکار کرے گا تو وہ جہنی ہوگا کا فریب ہوگا۔ (3)

ج۔ اللہ تعالیٰ کی یہ معیت غیر تکلیف ہے۔ شیخ اجل الشیخ مظہر فیوض الرحمن مرزا مظہر جان جانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے یہی فضیلت کافی ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے بغیر کسی نقادت کے اللہ تعالیٰ کی اس معیت کو ثابت کیا جو اپنے لئے ثابت فرمائی تھی جس نے سیدنا ابوبکر کی فضیلت کا انکار کیا اس سے اس آیت کریمہ کا انکار کیا اور کفر کا ارتکاب کیا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ حزن و غم بزدلی کی وجہ سے نہ تھا جیسا کہ انہی (لعمہم اللہ) کہتے ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچنے کے شبہ سے آپ کو غم اور اندیشہ لاحق ہوا تھا اور آپ نے کہا تھا کہ اگر میں قتل ہوں گا تو میں ایک شخص قتل

1۔ جامع ترمذی، جلد 5 صفحہ 572 (احمدیہ)، اللہ ہم ہمہ خیر کے ساتھ

2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 273 (قدیمی)

3۔ تفسیر بخاری، جلد 3 صفحہ 77 (اتحادیہ)

ہوں گا لیکن اگر آپ ﷺ شہید ہو گئے تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی۔ ہم احادیث عام میں ایسے دلائل ذکر کریں گے جو دلالت کرتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو زنان اپنی ذات کی وجہ سے نہ تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی خاطر تھا۔

مکہ سے ہجرت کرنے کا واقعہ

موسیٰ بن عقبہ، امین اسحاق، امام احمد، بخاری اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ابن اسحاق اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسما بنت ابی بکر سے روایت کیا ہے۔ بروایت بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سمجھا لیا ہے میں نے اپنے والد بن کو ایک دین پر پایا ہے اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں صبح وشام رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں۔ جب کفار نے مسلمانوں پر اذیتوں کی حد کر دی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے، وہ دو چترے نیلوں کے درمیان سمجوروں والی جگہ ہے۔ پس لوگ مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے اور جو شہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے وہ بھی مدینہ طیبہ لوٹ آئے، ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا ٹھہر جاؤ، مجھے امید ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائے گی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور ﷺ کیا آپ بھی امید رکھتے ہیں (میرے ماں باپ آپ پر زبان ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خاطر رک گئے تاکہ آپ ﷺ کے ساتھ سفر ہجرت کریں۔ آپ کے پاس دو اونٹیاں تھیں جنہیں آپ نے چار ماہ بیکر کے درخت کی ٹہنیاں کھائیں پھر ہم ایک دفعہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کمر زوال کے وقت بیٹھے تھے کہ اسما نے کہا اے ابا جان وہ دیکھو رسول اللہ ﷺ سر ڈھانپے ایسے وقت میں تشریف لا رہے ہیں کہ پہلے کبھی ایسی وقت نہیں آئے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر استقبال کرتے ہوئے کہا حضور ﷺ میرے ماں باپ آپ پر زبان ہو جائیں آپ ﷺ کسی خاص معاملہ میں اس گھڑی تشریف لائے ہیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے اجازت طلب کی جب اجازت ہوئی تو اندر تشریف لے گئے اور فرمایا اے ابو بکر جو لوگ تمہارے پاس ہیں انہیں کمرے سے نکال دے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور ﷺ یہاں کوئی تاڑنے والا جاسوس نہیں ہے۔ صرف یہ دو میری بیٹیاں موجود ہیں۔ بعض روایات میں ہے آپ نے عرض کی یہ آپ کے اہل ہیں یا رسول اللہ ﷺ (فداک امی و امی) آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ہجرت کا حکم نامہ مل گیا ہے۔ حضرت ابو بکر نے ساتھ چلنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں ابو بکر کو روٹے ہوئے دیکھا اور میں نے کبھی تصور ہی نہیں کیا تھا کہ کوئی شخص خوشی کی وجہ سے روتا ہے حتیٰ کہ میں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خوشی کی وجہ سے روتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ان دو اونٹیوں میں سے ایک آپ ﷺ قبول فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں قیمت کے بدلے لوں گا، میں اس اونٹ پر سواری نہیں ہو گا جو میرا نہیں ہے صدق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا حضور یہ اونٹ آپ کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس شمن کے ساتھ لوں گا جس سے تو نے خریدا ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں نے اسٹن میں خریدا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اسٹن میں خریدا۔ بخاری نے غزوہ ارضیح میں لکھا ہے کہ وہ اونٹنی ہدعا (ناکب کی ہوئی تھی)۔ واقعہ نے اس کی قیمت آٹھ سو (درہم) بتائی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم نے دونوں حضرات کے لئے عمدہ زادہ اور اتیار کیا اور ان دونوں

جان کو تلی دینے کے لئے ایسا کہا تھا (1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ جب صدیق اکبر اور رسول اللہ ﷺ غار کی طرف چلے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تو جی کریم ﷺ کے آگے چلے اور بھی پیچھے چلے، کبھی دائیں چلے اور کبھی بائیں چلے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس انداز کی وجہ پوچھی تو عرض کی یا رسول اللہ! جب میں سوچتا ہوں کہ کوئی آگے گھات میں نہ بیٹھا ہو تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں، جب یہ خیال کرتا ہوں کہ کوئی پیچھے سے طلب کرتا ہو انا نہ آجائے تو پیچھے چلنے لگتا ہوں۔ کبھی آپ کے دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتا ہوں۔ مجھے آپ ﷺ کی حفاظت کی وجہ سے سکون نہیں آ رہا جب غار کے دہانے پر پہنچے تو ابو بکر نے عرض کی حضور ﷺ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آپ ﷺ سے پہلے غار میں میں داخل ہوں گا اگر اس میں کوئی چیز ہو تو پہلے مجھ پر وارد ہو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اور اپنے ہاتھ سے صفائی کرنے لگے جب کوئی سوراخ دیکھتے تو اپنا کپڑا اچھا کر اس سوراخ میں داخل کر دیتے اور اس کا منہ بند کر دیتے، پورا کپڑا اچھا کر سراسرے سوراخوں میں دے دیا۔ صرف ایک سوراخ ہی گیا آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنی اڑی رکھ کر اسے بھی بند کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ غار کے اندر تشریف لائے ساتھ انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ذرا شروع کر دیا اور دو کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ (2)

ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر رحمہما اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب دونوں غار کے دہانے پر پہنچے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاؤں ایک سوراخ میں داخل کر دیے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی چیز کانٹے کی یا ڈس کے (3) تو مجھے ڈسے گی۔ ابن مردودہ رحمہ اللہ علیہ نے جناب بن مسقین سے روایت کیا ہے کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غار ثور میں کی طرف چلے تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ غار میں داخل نہ ہوں حتیٰ کہ میں اسے اچھی طرح صاف کر لوں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر کوئی زخم آ گیا۔ آپ اپنے ہاتھ سے خون صاف کرتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے تو ایک انگلی ہے جو اللہ کے راستہ میں زخمی ہوئی ہے اور اللہ کے راستہ میں مجھے تکلیف پہنچی ہے (4)۔ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب صبح کے وقت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کی چادر کہاں ہے تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ میں نے ان سوراخوں میں کھڑے کھڑے کر کے ڈبا دی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے عشق بے مثال کی یہ ادا دیکھ کر ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کی اسے اللہ ابو بکر میرے ساتھ درج عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے وہی فرمائی اسے محبوب تیری دعا قبول ہوئی ہے (5)۔ زرین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر کے پاس جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو آپ رونے لگے اور فرمایا مجھے یہ پتہ ہے کہ میرے تمام اعمال صدیق اکبر کے اس ایک دن اور ایک رات کے برابر ہو جائیں، کیونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رات وہ ہے جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں تھا غار کی طرف چلے تھے پھر جب غار پر پہنچے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کاسم بخدا آپ داخل نہ ہوں حتیٰ کہ میں پہلے داخل ہو جاؤں تاکہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچے آپ ﷺ اس میں مبتلا نہ ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اسے صاف کیا پھر اس غار میں کچھ سوراخ تھے اپنا ازباز اچھا کر ان سوراخوں کو بند کیا لیکن دو سوراخ پھر بھی بچ گئے تو ان پر اپنے پاؤں رکھ لئے پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی۔ حضور ﷺ! تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ غار میں داخل ہوئے تو انہیں سراسر مبارک ابو بکر رضی اللہ

2۔ دلائل السنۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 210 (اعلیٰ)

1۔ البدیۃ والنبیۃ، جلد 3 صفحہ 179 (اسعادہ)

4۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 434 (اعلیٰ)

3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 434 (اعلیٰ)

عنہ کی گود میں رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کسی چیز نے پاؤں پر ڈسا لیکن آپ نے حرکت نہ کی کہ کہیں آپ ﷺ کے آرام میں مغلل نہ آجائے۔ پس تکلیف کی وجہ سے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس پر گرے تو آپ ﷺ بیدار ہو گئے اور پوچھا اے ابوبکر کیا ہوا؟ عرض کی حضور ﷺ: (میرے ماں باپ قربان ہوں) کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔ حضور ﷺ نے فوراً تکلیف کی جگہ پر اپنا لعاب دہن مبارک لگایا تو تکلیف رفع ہوئی لیکن سبکی زہر آپ رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب بنا تھا اور ابوبکر کا وہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو عرب کے قبائل مرتد ہو گئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم مجھے ایک رسی بھی نہ دو گے تو میں تم سے اس پر جہاد کروں گا۔ میں نے کہا اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ لوگوں سے الفت اور رزی کا مظاہرہ کیجئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا جاہلیت میں تو بڑے جاہل تھے اسلام میں بزدل ہو گئے ہو۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اور دین مکمل ہو گیا ہے، کیا اولین میں کی کی جائے گی اور میں بھی زندہ ہوں گا۔ (1)

ابن سعد، ابونعیم، بیہقی اور ابن عساکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابی مصعب انکی سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے انس بن مالک، زید بن ارقم اور مغیرہ بن شعبہ سے ملاقات کی ہے اور میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غار میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے "ارام" کا درخت اس کے اوپر اگا دیا جس نے غار کا منہ ڈھانپ لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مکرزی کو بھیجا جس نے غار کے منہ پر جالاتن دیا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اندر سے نظر نہ آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دو جنگلی کبوتروں کو حکم دیا کہ وہ غار کے منہ پر اپنا گھونٹہ بنا دیں۔ قریش کے کوفہ جو ان جب اپنی لاشیوں، ڈنڈوں اور ٹوکروں کے ساتھ وہاں پہنچے جبکہ ان کا رسول اللہ ﷺ سے صرف چالیس ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ ان میں سے کسی نے غار میں دیکھا تو اسے دو وحی کبوتر نظر آئے۔ اس نے کہا اس میں کوئی شخص موجود نہیں ہے۔ آپ ﷺ اس کی یہ بات سن رہے تھے۔ پس آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور فرمادیا ہے، آپ ﷺ نے ان دونوں کبوتروں کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور ان کی جزا مقرر فرمائی۔ وہ دونوں کبوتر حرم میں پہنچے اور وہاں انہ سے دیئے اور بیٹے نکالے کہ حرم کے سب کبوتر ان کے بیٹے اور ان کی نسل سے ہیں (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین جب رسول اللہ ﷺ کے پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے پہاڑ تک پہنچتے تو ان سے نشانات گم ہو گئے۔ وہ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے اور غار کے اوپر سے گزرے انہوں نے غار کے اوپر پکڑی کا جالا دیکھا اور کہنے لگے اگر وہ اس میں داخل ہوئے ہوتے تو اس کے دروازہ پر پکڑی کا جالا نہ ہوتا۔ آپ ﷺ اس غار میں تین دن ٹھہرے رہے۔ حافظ احمد ابوبکر بن سعید القاضی رحمۃ اللہ علیہ جو نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں، انہوں نے مسند الصدیقین میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ قریش رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے آئے اور غار کے منہ پر پکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے اس میں تو کوئی داخل نہیں ہوا اور اس وقت رسول اللہ ﷺ اندر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تنگ بانی کر رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کی قوم آپ کو تلاش کر رہی ہے۔ قسم بخدا مجھے اپنے ناکس کا کوئی غم نہیں ہے لیکن مجھے یہ غم کھائے کے جا رہا ہے کہ کہیں آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر خوف مت کیجئے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ (3)

2۔ دلائل النبوة، از تہذیبی، جلد 2، صفحہ 214 (احمدیہ)

1۔ الدر المنثور جلد 3، صفحہ 433 (احمدیہ)

3۔ البدایہ والنہایہ، بحوالہ مسند الصدیقین، جلد 3، صفحہ 181 (احمدیہ)

صحیحین میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی حضور ﷺ! ہم غار میں ہیں اگر کسی نے ان میں سے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا تو وہ اپنے پاؤں کے نیچے سب کچھ دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر اس دو کے متعلق حیران کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیر اللہ سے (۱)۔ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اٹلیہ میں عطاء بن مسمرہ سے روایت کیا ہے کہ مکتزی نے دوسرے جالاتا تھا، ایک مرتبہ وہ ادا عبد السلام پر جبکہ طاووت انہیں تلاش کر رہا تھا اور دوسری مرتبہ نبی کریم ﷺ پر جب آپ غار میں تھے (2)۔ البلاذری نے اپنی تاریخ میں اور ابو سعید نے ذکر کیا ہے کہ مشرکین نے ایک شخص مزدوری پر لیا جس کا نام علقمہ بن کرز بن ہلال الخزاعی تھا۔ یہ فتح مکہ کے سال مسلمان ہوا تھا۔ وہ انہیں قدموں کے نشانات پر لنگر غار ٹور تک پہنچا جو مکہ کے تیشیب میں ہے تو کہنے لگا یہاں قدموں کے نشانات ختم ہو گئے ہیں، اب پتہ نہیں وہ دہائیں گئے ہیں یا نہیں۔ پھر وہ پہاڑ کے اوپر چڑھا۔ جب غار کے منہ پر پہنچے تو امیہ بن خلف نے کہا اس غار پر جالاتا ہوا ہے جو محمد (ﷺ) کی پیدائش کے پہلے کا ہے۔ پھر اس نے وہاں پیشاب کر دیا۔ یہی رمۃ اللہ علیہ نے عروم سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے جب رسول اللہ ﷺ کو مفتوق دیا تو باہر طرف سوار ہو کر آپ ﷺ کی تلاش میں نکل پڑے اور کونو کوں پر بسنے والوں کی طرف بھی پیغام بھیج دیا اور بہت بڑے انعام کو بھی مقرر کیا۔ وہ اس پہاڑ پر چڑھ گئے جس کی غار میں نبی کریم ﷺ موجود تھے سخی، کہ وہ غار کے اوپر پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی آواز سنی لیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا اور رونے لگے، ثم واندوہ اور خوف طاری ہو گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو فرمایا لا تحزون ان اللہ معنا۔ (3)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر سکنت اور اطمینان کو نازل فرمایا وہی وجہ سے آپ ﷺ نے لا تحزون ان اللہ معنا۔ فرمایا تھا۔ البلاذری نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، ابن مردودہ، ابوالفتحی اور ابن عساکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد لا تحزون ان اللہ معنا کے ساتھ اطمینان اور سکون نازل فرمایا تھا (4) کیونکہ حضور علیہ السلام پر تو پہلے سکون اور اطمینان کی کیفیت تھی۔ یہ قول بہتر ہے کیونکہ فہانزل کی ہا اس کی دلیل ہے۔ اس قول کے بہتر ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ضمیر کا اقرب کی طرف لوٹنا بہتر ہے۔

یہ یہ ملائکہ کا ایسا لشکر تھا جنہوں نے کفار کے پیروں کو مارا اور آنکھوں کو دیکھنے سے محروم کر دیا۔ ابو یوسف اسما بنت ابی بکر رحمۃ اللہ علیہا سے روایت فرماتے ہیں کہ سید ابو بکر رضی اللہ عنہ نے غار کے دربانے پر ایک شخص کو دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، فرشتے اب اپنے پیروں کے ساتھ پرہہ رکھے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ بیٹھا اور ان کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر اگر یہ تجھے دیکھ رہا ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں فرشتوں نے کفار کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈال دی تھی کہ وہ لوٹ گئے۔ مجاہد اور یحییٰ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ملائکہ نے بدر کے روز آپ ﷺ کی اعانت کی تھی۔ جس یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے غار میں دشمنوں کے کمر کو آپ ﷺ سے پھیر دیا تھا۔ پھر یوم بدر کو ملائکہ کے ذریعے نصرت کا اظہار فرمایا۔

ابن عدی اور ابن عساکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان

2۔ الدر المنثور جلد 3 صفحہ 432 (احمدی)

1۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 1713 (ابن کثیر)

4۔ دلائل النبوة از تہذیبی، جلد 2 صفحہ 214 (احمدی)

3۔ دلائل النبوة از تہذیبی، جلد 2 صفحہ 211 (احمدی)

رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تو نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ کہا ہے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہاں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم وہ اشعار سناؤ میں سنتا ہوں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سنائے، وہ دعا رثو میں دو میں سے دوسرا تھا جبکہ رثو میں ان غار کے ارد گرد گھوم رہے تھے اور پہاڑ کے اوپر چڑھے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں اور یہ بات ساری دنیا جانتی ہے اور کسی فرد بشر کو آپ ﷺ نے آپ کے برابر مرتبہ نہیں دیا۔ حضور ﷺ یہ تعریف آمیز اشعار سن کر خوب مسکرائے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی اڑھیس مبارک ظاہر ہو گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا حسان اصدقین اکبر و اقرب ایسا ہے جیسا تو نے کہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ دونوں حضرات تین راتیں اس غار میں رہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ رات ان دو حضرات کے پاس گزارتے تھے۔ آپ ایک زبیر کو جو ان تھے، رات کے اندھیرے میں ان کے پاس پہنچ جاتے اور صبح پھر قریش کے ساتھ ہوتے اور یوں ظاہر کرتے کہ رات انہوں نے قریش کے ساتھ گزارا ہے۔ دن بھر قریش کی باتیں، مشورے اور مذموم سازشیں سننے رہتے اور شام کو یہ سب باتیں بارگاہ رسالت میں عرض کرتے اور حالات و واقعات سے آگاہ کرتے (۱)۔ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا مشاہم کے وقت حضور ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مزاج کے مطابق کھانا تیار کر کے لے جاتیں۔ عاصم بن نعیر ہ جو صحیحہ نام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے چرواہے تھے، دن بھر مکہ کے چرواہوں کے ساتھ کبیراں چراتے، پھر شام کو سارا یونہی غار کے پاس لے جاتا اور بارگاہ رسالت ﷺ میں تازہ دودھ پیش کرتا۔ وہ برات ایسا ہی کرتا رہا جب تین راتیں گزار گئیں اور لوگ پرسکون ہو گئے تو وہ مرد و جوان جو سواریاں پہنچانے کے لئے آپ ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اجرت پر لیا تھا وہ بھی پہنچ گیا۔ دونوں حضرات سوار یوں پر سوار ہو گئے۔ عاصم بن نعیر ہ جو عبداللہ بن طفیل رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، وہ بھی ساتھ ہی چل پڑا۔ حضرت عبداللہ بن طفیل رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ یہ غلام خدمت گزار کی کے لئے ساتھ چلا تھا۔ راستہ کو جانے والا شخص ان دونوں حضرات کو ضحاکان کے چھٹی علاقہ سے ساحل کے راستے سے نیکر چل پڑا حتیٰ کہ وہ صبح پر پہنچا اور راستہ تبدیل کر لیا (2)۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شافعیین نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم جب رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے تھے تو کیا واقعات پیش آئے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ساری رات چلتے رہے حتیٰ کہ دو پہر تک چلتے رہے۔ راستہ میں ہمیں ایک طویل چٹان نظر آئی جس کا سایہ موجود تھا اور اس کے نیچے دو چھوٹے ٹھکانے تھے ہم اس کے نیچے ٹھہر گئے۔ پہلے میں چٹان کے پاس آیا چاہے ہاتھ سے اس جگہ کو درست کیا جہاں رسول اللہ ﷺ نے آرام فرمایا تھا، پھر میں نے اپنی پوشین چھپے بچھا دی جو میرے پاس تھی۔ اس کے بعد میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ یہاں آرام فرمائیں، میں ارد گرد چوکیداری کرتا ہوں۔ آپ ﷺ کو خواب ہو گئے اور میں گمرانی کرنے لگا۔ اچانک ایک چرواہا اپنی کبیراں لیکر اسی چٹان کی طرف آیا جس کو ہم نے آرام کے لئے منتخب کیا تھا۔ میں اس چرواہے سے ملا اور اس سے اس کا پتہ پوچھا۔ اس چرواہے نے بتایا کہ میں مکہ کے ایک شخص کا غلام ہوں۔ اس نے اپنے مالک کا نام لیا تو میں بیجان گیا۔ میں نے پوچھا تیری بکریوں کے تھنوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا میرے لئے کچھ دودھ کر لے آؤ۔ اس نے کہا ٹھیک ہے، میں نے آتا ہوں۔ اس نے ایک بکری بکری تو آپ نے کہا اس کی کھیری سے پہلے سٹی اور ٹھکے دھیرہ بھجھا لو۔ اس نے بمشکل ایک بیکیل دودھ نکالا۔ میرے پاس ایک لونگا تھا جس میں میں نبی کریم ﷺ کے لئے پانی رکھتا تھا۔ اسی سے آپ ﷺ پانی نوش بھی فرماتے اور وضو

بھی فرماتے اور اسکے منہ پر کپڑا باندھا ہوا تھا، میں نبی کریم ﷺ کے قریب آیا تو میں نے آپ ﷺ کو نیند سے بیدار کرنا اچھا نہ سمجھا۔ میں ٹھہر گیا حتیٰ کہ آپ ﷺ بیدار ہو گئے۔ میں نے دودھ میں پانی ملا یا تاکا وہ ٹھنڈا ہو جائے۔ پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ایہ دودھ نوش فرمائیے۔ آپ ﷺ نے وہ نوش فرمایا اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا ابھی پلٹنے کا وقت نہیں ہوا۔ میں نے عرض کی وقت تو ہو گیا ہے، پھر ہم سورج کے ڈھلنے کے بعد چل پڑے (1)۔

طبرانی، حاکم، ابویوسف، ابوبکر الشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے سلیط بن عمرو الانصاری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا رہے تھے تو آپ ﷺ ابوبکر، عامر بن فہیرہ اور راستہ بتانے والا شخص، ام معبد خزاعیہ کے خیمہ کے پاس سے گزرے۔ یہ ام معبد اہل جزیرہ کی تھی اور جوان عورتوں کی طرح پردہ نہیں کرتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک زریک اور پاکدامن عورت تھی۔ لوگوں کی خاطر جب کے کنایہ میں بنتی تھی، لوگوں کو کھانا کھلاتی اور شرابات پیش کرتی تھی۔ ان چاروں حضرات نے اس سے گوشت اور کھجوروں کے خریدنے کی عرض سے سوال کیا۔ لیکن اس کے پاس سے کچھ بھی نہ ملا کیونکہ وہ قحط کا زمانہ تھا۔ ام معبد نے کہا اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم تمہیں پریشان نہ کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کو خیمہ کے اندر ایک بکری دکھائی دی، آپ ﷺ نے پوچھا ام معبد یہ بکری کیوں کھڑی ہے؟ عرض کی یہ بکری کی وجہ سے ربوڑ کے ساتھ نہیں جا سکی آپ ﷺ نے پھر پوچھا کیا اس کا دودھ ہے؟ ام معبد نے عرض کی یہ تو بہت کمزور اور نحیف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا اجازت ہے کہ میں اس کا دودھ دو لوں، ام معبد نے عرض کی (میرے ماں باپ آپ پر قربان) اگر آپ ﷺ دودھ نکال سکتے ہیں تو نکال لیں۔ قسم بخدا، یہ تو حائل بھی نہیں ہوئی۔ آپ اس کا دودھ نکال سکتے ہیں تو اجازت ہے، آپ ﷺ نے بکری کو اپنے پاس منگوا لیا، پھر اس کی کھیری اور پیٹھ پر اپنا دست بھین و برکت پھیرا۔ بسم اللہ شریف پڑھی اور ام معبد کے لئے بکری کے متعلق دعا فرمائی تاکہ سارے کھیری پر لگا تو دودھ اتنا کثرت سے اترے کہ بکری نے اپنی ناک میں پھیلا دیں۔ آپ ﷺ نے دو برتن منگوا جس سے ایک گروہ سیر ہو کر چلی نکلتا تھا۔ آپ نے اس برتن میں دودھ نکالا تو وہ لہا لہا بھر گیا۔ حتیٰ کہ اس کی جھاگ برتن کے منہ پر آئی۔ آپ ﷺ نے پہلے ام معبد کو دودھ پلایا، پھر اپنے اصحاب کو پلایا حتیٰ کہ سب سیر ہو گئے، پھر خود رسول اللہ ﷺ نے نوش فرمایا اور فرمایا ساقی القوم ابعزہم شرباً۔ قوم کا ساقی آخر میں پیتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دو بار دودھ نکالا حتیٰ کہ برتن بھر گیا۔ وہ دودھ سے پھر برتن اس کے پاس چھوڑا اور خود رازا نہ دیکھے۔ (2)

ابن سعد، ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ ام معبد سے روایت کرتے ہیں فرمائی ہیں وہ بکری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک ہمارے پاس رہی جسے رسول اللہ ﷺ نے مس فرمایا تھا۔ یہ 18ھ کا زمانہ تھا اور سخت قحط اور خشک سالی تھی۔ لیکن ہمیں شام اس بکری کا دودھ نکالتے تھے جبکہ زین پر کچھ بھی نہ آتا تھا۔

امام تہذیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے ام معبد کا واقعہ کچھ زیادتی اور کمی کے ساتھ نقل فرمایا ہے اس میں ہے کہ شام کے وقت ام معبد کا بیٹا اپنی بکریاں لے کر آیا تو ام معبد نے اسے کہا یہ بکری اور چھری ہیں وہ مہمانوں کے پاس لے جاؤ اور انہیں بتا کہ میرے اونے کہا ہے کہ اس کو ذبح کر کے کھاؤ اور ساتھیوں کو کھاؤ۔ نبی کریم ﷺ نے اس لڑکے کو فرمایا چھری لے جاؤ اور پیالہ لے آؤ۔ لڑکے نے عرض کی حضور اس کا دودھ نہیں ہے یہ تو ابھی دودھ دینے کی عمر کو پہنچی ہی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور پیالہ لے

1- صحیح بخاری، جلد 3، صفحہ 24-1323- جلد 2، صفحہ 860 (ابن کثیر)

2- مستدرک حاکم، جلد 3، صفحہ 9 (الصحیح)، درالمنہج، جلد 2، صفحہ 436 (العمریہ)

آؤ۔ آپ ﷺ نے اس کی بکھری پر ہاتھ بھیرا اور پھر دودھ نکالنا شروع کر دیا حتیٰ کہ پیالہ بھر گیا، اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم دورانِ تمسّی بکھری تھے اور پھر چلے گئے تھے۔ ام معبد نے آپ ﷺ کا نام مبارک رکھا۔ اس کی بکھریاں کثیر ہو گئیں حتیٰ کہ وہ بکھریاں لے کر مدینہ پہنچ گئی۔ ایک دفعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کے رویڑے کے پاس سے گزرے تو اس کے بیٹے نے آپ رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا، اور اپنی ماں سے کہا یہ تو وہی شخص ہے جو "المبارک" کے ساتھ تھا۔ ام معبد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور پوچھا اے عبداللہ وہ شخص کون تھا جو تیرے ساتھ تھا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ ام معبد نے کہا مجھے ان کے پاس لے جاؤ۔ حضور ﷺ نے اسے کھانا کھلایا اور کپڑے عطا فرمائے۔ اس نذوہ نوازی اور حسنِ اخلاق کو دیکھ کر وہ مسلمان ہو گئی (1)۔ ہشام بن عیسیٰ کہتے ہیں حتیٰ کہ ام معبد کا خاندان ام معبد حاملہ، مکہ و بکھریاں نیکر پہنچا۔ جب اس نے گھر میں دودھ کی فراوانی دیکھی تو حیران ہو گیا اور پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا ہے۔ بکھریاں تو جنگل میں تھیں اور گھر میں کوئی دودھ دینے والی بکری نہیں تھی۔ ام معبد نے کہا تمہارا ایک مبارک شخص کی برکت سے یہ سب کچھ ہے۔ ابو معبد نے کہا اس کی صفات بیان کرو۔ ام معبد نے کہا میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حسنِ ظاہر تھا، چہرہ چمکدار اور روشن تھا، حسنِ اخلاق کا پیکر تھا۔ نذوہ بڑا عاقل و پختہ اس کو میوہ کر رہا تھا اور نہ تیلی گردن اور چھوٹا سراں میں اس کی نقیب پیدا کر رہا تھا۔ بڑا حسین بہت خوب رو، آنکھیں سیاہ اور موٹی موٹی، پلٹکیں لمبی لمبی، اس کی آواز گونج دار اور گرج دار تھی۔ گردن چمکدار اور پیش مبارک تھی۔ اس کے دونوں ابرو پارک اور لمبے ہوتے تھے۔ جب وہ خاموش ہوتے تو پوقار ہوتے۔ جب مٹھو ٹٹکتو ہوتے تو چہرہ پر نور اور بارہق ہوتا، دور سے دیکھنے والے کو سب سے خوش شکل اور با عجب نظر آتے، قریب سے دیکھنے والے کو سب سے حسین و جمیل نظر آتے، زبان کا کلام بڑا واضح تھا، نہ بے فائدہ کلام کرتے اور نہ بیہودہ باتیں کرتے۔ گفتگو ہوں محسوس ہوتی جیسے موتیوں کی لڑی سے سوئی بجز رے کے۔ قدر میاں نہ تھا، نہ اتنا پاک کہ آنکھوں کو برا لگے نہ اتنا ٹھکانا کہ لگا ہیں حقیر سمجھیں۔ یوں لگتا دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ جس کو سب سے زیادہ سبز اور شاداب ہے۔ قدر و منزلت کے اعتبار سے بھی سب سے حسین تھے۔ ان کے ساتھی ان کے ارد گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے، اگر وہ بولنے تو سب پورے دھیان سے سنتے اور بالکل خاموش ہو جاتے۔ اور جب کسی بات کا حکم فرماتے تو فوراً تعمیل حکم کرتے، سب کے لئے ہمراہ سب کے لئے قابلِ احترام تھے۔ نہ تو ترس رہتے اور نہ ان کی بات کی مخالفت کی جاتی تھی۔ ابو معبد نے جب یہ دیکھ کر اور رباب علیہ السلام سے تو کہنے کا قسم بخدا یہ تو وہی شخص ہے جس کا تذکرہ قریش نے ہمارے سامنے مکہ میں کیا ہے۔ اگر مجھے ان کی زیارت و ملاقات کا شرف ہوگا تو میں ضرور ان کی معیت کا شرف حاصل کروں گا (2)۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا سفر شروع فرمایا تو ہمارے پاس قریش کے کچھ مرد لوگ آئے جن میں ابو جہل بھی تھا۔ وہ سب ابوبکر کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ میں باہر نکلی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے، میں نے کہا تم بخدا مجھے معلوم نہیں کہ ابو کہاں تشریف لے گئے ہیں۔ ابو جہل جو ایک بد زبان اور کینہ فطرت انسان تھا اس نے ہاتھ اٹھایا اور میرے منہ پر تھپڑا تنے زور سے مارا کہ میری کان کی بالی ٹوٹ کر دو جاگری (3)۔ فرماتی ہیں پھر وہ چلے گئے میں دن تک ہمیں پتہ نہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں حتیٰ کہ مکہ کے نشیبی علاقے سے جنوں میں ایک مرد شعر سناتا ہے ہوئے آیا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے آواز سنتے آ رہے تھے لیکن وہ انہیں نظر نہیں آ رہا تھا حتیٰ کہ وہ مکہ کے بالائی علاقے سے

باہر نکل گیا۔ وہ جن یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔ ”اللہ رب العرش دونوں ساتھیوں کو بہتر جزاء عطا فرمائے جنہوں نے ام مہدی کے خیمہ میں قیلولہ کیا۔ دونوں ہدایت کے ساتھ اس کے خیمہ میں اترے جس کی وجہ سے مجھے بھی ہدایت مل گئی۔ وہ شخص دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہے جس نے محمد ﷺ کی رفاقت و سنت اختیار کر لی۔“ یہی کعب کو اپنی بڑیوں کا مقام مبارک ہو اور ان کی رہائش مومنین کے راستہ میں ہے تم اپنی بہن سے اس کی بکری اور اس کے برتنوں کے دودھ سے بھرنے کے متعلق پوچھو۔ تم اگر اس بکری کے متعلق پوچھو گے تو وہ گواہی دے گی کہ آپ ﷺ نے ایک حاملہ بکری کو منگوا یا اور اس نے دوسری بکریوں سے کئی گنا زیادہ دودھ دیا، پھر وہ بکری آپ ﷺ اس عورت (ام مہدی) کے پاس چھوڑ گئے تھے تاکہ دودھ دوہے والا پانی پراتارنے اور پانی سے لگاتے وقت دوہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سند کے ساتھ ام مہدی کے قصہ میں روایت کیا ہے کہ قریش رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے ام مہدی کے خیمہ میں پہنچ گئے۔ اس سے انہوں نے آپ ﷺ کے متعلق پوچھا۔ اور کہا کیا تو نے محمد (ﷺ) کو دیکھا ہے اس کی شکل و صورت ایسی تھی جیسی ام مہدی نے کہا تمہاری مراد تمہارا وہ مہمان ہے جس نے گا بھن (حاملہ) بکری کا دودھ نکالا تھا، قریش نے کہا ہماری مراد بالکل وہی ہے (۱)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے ہوسکتا ہے بکری کو خیمہ کے ایک کونہ میں دیکھا ہو پھر اس کا بیٹا بکریاں لے کر آیا ہو۔ بعد میں اس کا خاندان آیا ہو اور ام مہدی نے اس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کئے ہوں (2)۔ میں کہتا ہوں یہی وجہ ہے کہ قریش آپ کی تلاش میں یہاں تک پہنچ گئے تھے۔

سراقہ بن مالک کا واقعہ

امام احمد اور شیخین رحمہم اللہ تعالیٰ نے سراقہ بن مالک سے احمد اور یقوب بن سفیان رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ روایت کیا ہے۔ حضرت خرقہ خود بیان فرماتے ہیں۔ ہمارے پاس قریش کے قاصد یہ پیغام لیکر آئے کہ جو شخص محمد ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا پانچویں زندہ گرفتار کر کے لائے گا اسے کسی ایک سواونٹیاں بطور انعام دی جائیں گی۔ میں اپنی قوم بنو مدینہ کی مجلس میں بیٹھا تھا جہاں یہ اعلان سنایا گیا۔ اسی اثناء میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا اسے سراقہ میں نے تین اشخاص ساحل سمندر کی طرف جاتے ہوئے دیکھے ہیں، دوسری روایت میں ہے تین شتر سوار دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی تھے۔ سراقہ کہتے ہیں میں جان گیا یہ وہی لوگ ہیں۔ میں نے اس شخص کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ میں آہستہ سے وہاں سے اٹھا اپنے گھرا آیا اور اپنی کنیز کو حکم دیا کہ میرا گھوڑا وادی کے بطن میں لے جا۔ میں خود اپنا تیزہ و شمشیر لیکر بھی دروازہ سے باہر نکلا۔ میں نے اپنے نیزے سے کوزہ میں پر گھینا اور نیزے سے اوپر والا حصہ نیچے کر دیا۔ ایسی کیفیت میں اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا، اس پر سوار ہوا اور اسے تیزی سے دوڑاتا ہوا اس سمت کو روانہ ہو گیا۔ میں نے حضور کی پرچھائیں دیکھیں یعنی کچھ تھیں نظر آنے لگیں۔ جب میں بالکل قریب پہنچا تو میرے گھوڑے کو کھوکھلی تھیں پکڑا کر زمین پر گر گیا، میں فوراً اٹھا اور اپنے ترس سے فال کے تیر نکالنے لگا کہ میں انہیں نقصان پہنچا سکتا ہوں یا نہیں۔ تیر نکالا تو اس پر لکھا تھا کہ میں انہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا یا میں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ میں امید رکھتا تھا کہ میں اس فال کے تیر کی بات کو رد کروں گا اور سواونٹیاں ضرور حاصل کروں گا۔ میں دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور فال کے تیر کی پرواہ کئے بغیر گھوڑے کو پھر دوڑانے لگا۔ میں جب حضور کے اتنا قریب پہنچا کہ میں حضور کی تلاوت کی آواز بھی سن رہا تھا۔

حضور علیہ السلام میری طرف بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ صدیق اکبر ابو بکر مجھے بار بار تک رہے تھے۔ میرا گھوڑا اچانک گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا اور میں گر گیا۔ میں نے گھوڑے کو جھڑکا تو وہ فوراً اٹھا، مشکل اس نے زمین سے اپنے پاؤں نکالے جب اس نے پاؤں نکالے تو آسمان کی طرف دھوکے کی مانند غبار بلند ہوا۔ پھر میں نے تیر نکالے تو وہ تیر نکلا، مجھ سے ہنسنا تھا۔ اس پر لکھا تھا کہ میں ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ انہیں مجھ سے بھالایا گیا ہے اور یہ معاملہ بالکل عیاں ہے۔ میں نے ان کی درخواست کی اور میں نے کہا میری طرف دیکھو تم بخدا انہیں تمہیں کوئی اذیت نہیں پہنچاؤ گا اور تم میری طرف سے کوئی ایسی بات نہ سونے جو تمہیں ناگوار ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو فرمایا اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے۔ میں نے کہا آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری یا نکل پر انعام مقرر کیا ہے۔ پھر میں نے وہ سب باتیں بتائیں جو ان کے متعلق کر رہے تھے۔ پھر میں نے تو مال و ستاع کی پیش کش کی لیکن آپ ﷺ نے قبول نہ فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور ہمارا راز فاش نہ کرنا۔ پھر میں نے عرض کی حضور میرے لئے ایک پروردگار نکھڑیں۔ آپ نے ابو بکر کو پروردگار امن لکھنے کا حکم فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عامر بن نفیر کو حکم فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چڑھے کے ٹکڑے پر وہ پروردگار نکھڑا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے گئے (۱)۔ جب کہ فتح ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل حنین کے معاملات سے فارغ ہوئے تو انہیں ہاتھ میں وہ امن کا پروردگار لکھنے کے لئے نکلا۔ میں انصار کے دستہ کے درمیان داخل ہوا تو انہوں نے مجھے نیرودی انہاں چھوٹا شروع کر دیں وہ کہہ رہے تھے دو دو ہو، دو دو ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے میرے قریب آنے دو میں قریب پہنچا تو آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ میں نے آپ کی پنڈلی کو دیکھا جو رکاب کے اندر تھی اور اس سے چادر رہتی ہوئی تھی۔ میں نے اسے نوازش نامہ کے ساتھ ہاتھ بندھا دیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کا نوازش نامہ اور پروردگار امن ہے اور میں سراقہ بن مالک ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہاں اور بھلائی کا دان ہے اسے میرے قریب آنے دو۔ میں قریب پہنچا تو میں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر میں نے سوچا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ سوالات کر لوں، لیکن مجھے کچھ یاد نہ آیا، صرف اتنا ہی پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ گمشدہ اونٹ میرے اس حوض سے پانی پیتے ہیں جو میں اپنے اونٹوں کے لئے بھرتا ہوں، کیا ان گمشدہ اونٹوں کے پینے سے مجھے کوئی اجر و ثواب ملے گا؟ فرمایا ہاں، ہر زندہ جانور کو جس کا بھرتہ ہو پانی پانا باعث اجر ہے۔ سراقہ فرماتے ہیں میں اپنی قوم کے پاس واپس آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں کچھ تعارف بھیجے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو اس واقعہ کے متعلق بیان دیا ہے وہ اس طرح ہے، فرماتے ہیں سراقہ تمہارے تعاقب میں تھا اور ہم پتھر ملی زمین میں سفر کر رہے تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارا تعاقب کرنے والا بالکل ہمارے قریب پہنچ چکا ہے میں روئے لگا آپ ﷺ نے پوچھا ابو بکر روئے کیوں ہو؟ میں نے عرض کی خدا کی قسم میں اپنے ٹپس کی خاطر نہیں رو رہا بلکہ حضور ﷺ کی خاطر گر یہ طاری ہے کہ کہیں آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت یہ دعا فرمائی اللھم اکفناہ بعاشقنا (اے اللہ! جس طرح تیری مشیت ہو اسی طرح اس دشمن کے شر سے ہمیں بچا)۔ حضور ﷺ نے ادھر دعا فرمائی اور ادھر اس کا گھوڑا ایسٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ چلا گیا لگا کہ مجھے آگیا اور کہا اسے محمد یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا ہے، اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا فرمائیں کہ وہ میری اس مشکل کو دور فرمادے قسم بخدا آپ کی تلاش میں آنے والے ہر شخص کو واپس لوٹا دوں گا۔ یہ میرا ترس ہے اس سے کچھ تیر لے لیں

آپ جب میرے انٹوں اور بکریوں والے علاقہ سے گزریں تو میرے کارندوں کو یہ تیر دکھا کر آپ جو کچھ لپٹا لپٹا ہیں لے لیں اس بیکر استغناء نے فرمایا مجھے تمہارے انٹوں کی ضرورت ہے نہ تمہاری بکریوں کی۔ پھر آپ ﷺ نے اسے دعائیں دیکر واپس بھیج دیا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا تو جس سے ملتا ہے یہی کہتا تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو بھی راستہ میں ملتا ہے وہاں لوٹا دینا اور اس نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا (1)۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ سراقہ جب واپس چلتا تو قریش سے کہا کہ تم میری نظر کو تو جانتے ہو میں نے سارا علاقہ دیکھا ہے مجھے کچھ نظر نہیں آیا پس وہ اس کی بات سن کر واپس لوٹ گئے۔ ابن سعد اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ سراقہ قدیدہ کے مقام پر منگل کے روز حضور علیہ السلام کے قافلہ سے ملا تھا۔ عروہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے اس قافلہ میں لے جو شام سے تجارت کر کے واپس آ رہا تھا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سفید کپڑے پیش کئے (2)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ جب مدینہ یثیبہ کے قریب پہنچے تو طلحہ بن عبید اللہ شام سے مکہ کی طرف آرہے تھے، جب ان کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ کو کپڑے پیش کئے۔ تو وہ کپڑے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہما نے پہن لئے (3)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ یثیبہ کے علاقہ میں داخل ہوئے گئے تو ابو بکر سے فرمایا لوگوں کو کسی حسن تدبیر سے نال دینا کیونکہ نبی کے لئے نفل بیانی کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ پس جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا جاتا تو کون ہے تو فرماتے ایک حاجت مند اور جب پوچھا جاتا تمہارے ساتھ کون ہے تو فرماتے راہبر ہے جو میری راہبری کرتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ یثیبہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو ابو ہریرہ سلمیٰ اپنی قوم کے ستر افراد کی معیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تو کون ہے بریدہ نے کہا میرا نام بریدہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ہماری قوم کی گرمی ٹھنڈی ہو گئی ہے اور حالات ٹھیک ہو گئے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے کہا اسلم قبیلہ سے تعلق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابو بکر ہم محفوظ ہو گئے۔ پھر پوچھا نبی اکرم کی کس شاخ سے تعلق ہے؟ بریدہ نے کہا نبی اکرم سے۔ حضور ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے ابو بکر تیرا میرا نکل آیا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ صلی علیہ وسلم! آپ ﷺ پر چم لہرائے ہوئے مدینہ یثیبہ میں قدم رنجہ فرمائیے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ کھولا اور اسے نیزہ کی آبی پر ہاتھ کر رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے چلنے لگے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ اخبار مستورہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوموار کو مکہ سے نکلے تھے اور سوموار کو نبی مدینہ یثیبہ میں داخل ہوئے تھے لیکن محمد بن موسیٰ خوارزمی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جمعرات کو مکہ سے نکلے تھے۔

الماخذ رحمۃ اللہ علیہ ان روایات میں اس طرح تصحیح کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جمعرات کو مکہ سے نکلے تھے پھر غار سے آپ ﷺ کا خروج سوموار کو ہوا تھا کیونکہ آپ ﷺ نے تین دن غار میں قیام فرمایا تھا، یعنی جمعہ، ہفتہ اور اتوار غار میں رہے تھے اور سوموار کی رات یہاں سے پھر عازم سفر ہوئے تھے۔ میں کہتا ہوں شاید جمعرات کی رات وہ ہے جس میں قریش نے دارالندوہ میں آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا تھا اور آپ ﷺ (بازن اٹمی) اپنے گھر سے نکل کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے

گئے تھے پھر ان کو ساتھ لے کر گھر کے عقبی دروازہ سے باہر تشریف لے گئے تھے۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے شریک بات یا مشرکوں کی کفر کی طرف دعوت کو پست کر دیا۔ وہ اس طرح کہ اس نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو کفار کی ایذا اور مانتوں سے مدینہ طیبہ پہنچے اور عافیت پہنچا کر خلاصی عطا فرمائی اور ان کی ساری سازشوں اور حیلہ طرازیوں کو خاک میں ملادیا یا اس نے فرشتوں کے ذریعے کئی مقامات پر اپنے محبوب ﷺ کی تائید فرما کر کفر کا منہ کالا کر دیا یا اس طرح ان کی بات کو بچھا کر دکھایا کہ یہ بزمِ نبوتِ حضور ﷺ کا محاصرہ ہے، ہونے لگے لیکن اللہ تعالیٰ خصوصی تائید و حفاظت سے آپ ﷺ کو ان کے نرے سے نکال کر لے گئے اور یہ بدل کے اندھے وہیں کھڑے رہ گئے۔

۱۲۔ کلمۃ اللہ سے مراد کلمہ تو حید اور دعوتِ اسلام ہے۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے کلمۃ الذین کفروا پر عطف کی بناء پر منسوب پڑھا ہے جبکہ دوسرے علماء نے مبتدائی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اور اس کی خبر ہی العلیا کو بتایا ہے۔ ہی (ضمیر) فعل ذکر فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ کی بات بذات خود بلند مرتبہ ہے اگر کوئی دوسری بات بلند ہوگی تو اس کی فوقیت کو ثابت اور دوام نہ ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کلمۃ الذین کفروا سے مراد کفار کی وہ سازش ہے جس میں انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کا پروگرام لے لیا تھا اور کلمۃ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ ہے جو اس نے اپنے محبوب کریم ﷺ سے کیا تھا کہ وہ ضرور اس کی مدد فرمائے گا۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو نافذ کرنے میں غالب ہے اور اسی کے ہر فعل میں حکمت ہے۔

إِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾

” (جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھلے اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جو یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم اپنا نفع نقصان جانتے ہو۔“

۱۴۔ یعنی جب جہاد کا اعلان عام ہو جائے تو خواہ تمہارے پاس میدانِ جہاد کی طرف نکلنے کی ساری سہولیات اور ضروریات جنگ موجود ہوں جیسے تندرست ہونا، جوان ہونا، قوت و شگلاط کا ہونا، زرادہ اور سواری کا ہونا اور اموان و اسلحہ کا ہونا وغیرہ، خواہ کوئی ایسی بندھن اور عذر ہو جو جہاد کی طرف نکلنے سے ظاہر مانع ہو جیسے تم سر بیض ہو، یا یوز ہے، کمزور ہو یا کم ہمت ہو اپنے اہل و عیال یا مال و جاگیر میں مصروف ہو۔ زرادہ اور اسلحہ کم ہو۔ اعلان عام ہو جائے تو رزم حق و باطل میں ہر صورت میں شریک ہو جاؤ، اعلان عام کی صورت میں تمہارا کوئی عذر اور بہانہ قابل قبول نہ ہوگا۔ حضرت حسن، شہاک، قتادہ اور کرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کا مقصود بھی یہی ہے کہ خواہ تم جوان ہو یا یوز ہے ہر صورت میں جہاد کی طرف نکلو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی صحفاً نقلاً کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ خواہ تم میں ہمت ہو یا نہ ہو، اہل ثروت ہو یا تنگدست، ہتھیاروں کی کمی ہے یا فراوانی ہر صورت میں نکلو۔ علیہ عوفی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں جہاد کے لئے نکلنا خواہ سوار ہو کر نکلنا ممکن ہو یا پیدل۔ ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نکلنے سے مراد وہ شخص ہے جس کی زمین اور جاگیر ہو اور وہ اس کو چھوڑنا پسند کرتا ہو۔ حکیم ابن عتبہ لکھتے ہیں خواہ تم کسی دنیوی و آخری امر میں مشغول ہو یا بالکل فارغ ہو ہر صورت میں نکلو۔ اہمہدائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خواہ تم تندرست ہو یا بیمار ہو۔ ایمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمہارے پیچھے کیوں اولاد ہو یا نہ ہو، تمہارے

تھی۔ پس دس ہزار لشکریوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سامان دے کر تیار فرمایا۔ ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے الدرد میں اور اس کی اتباع میں الاشارہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نو سو اونٹ اور سو گھوڑے پیش کئے تھے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر اتنا مال پیش کیا کہ کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکا۔ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہادوث قرابوں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار درہم پیش کئے تھے۔ محمد بن یوسف الصائلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ دس ہزار درہم، اونٹوں، گھوڑوں اور زوراہ کے علاوہ تھے۔ الصائلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جہاد کی خاطر اتنا بڑا مال پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا۔ امام احمد ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبد الرحمن بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ایک ہزار دینار لیکر آئے تو وہ آپ ﷺ کی جمولی میں ڈال دیجئے آپ ﷺ ان دیناروں کو ہاتھ سے الٹ پلٹ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی عمل آج کی اس کی خدمت کے بعد نقصان نہیں پہنچائے گا (1) آپ بار بار ان دیناروں کو جمولی میں ڈال کر اچھال رہے تھے۔ ابن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں منافق غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس غزوہ کے بعد بھی واپس نہ آئیں گے۔ پس وہ جہاد میں حاضر نہ ہونے کے بہانے بنائے گئے۔ محمد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں منافقین میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور جہاد میں بغیر کسی عذر کے حاضر نہ ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی وہ تقریباً اسی افراد تھے۔ ان کی نقلی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

لَوْ كَانُ عَرَصًا مُّقْرِبِيًّا وَ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَ لَكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ لِيُكُونَ انْفُسُهُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٥٠﴾

”اگر ہوتا وہ مال نزدیک یا سفر کا مسافر آپ کے لئے لیکن دور معلوم ہوتی ہے انہیں مسافت سے اور ابھی قسم کھائیں گے اللہ کی (اور کہیں گے) کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور نکلے تمہارے ساتھ سے جلاک کر رہے ہیں اپنے آپ کو۔ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں۔“

لے کان کا ام مضر ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے لَوْ كَانُ مَا دَعَاؤُا اِلَيْهِ عَرَصًا مُّقْرِبِيًّا، یعنی جس چیز کی طرف انہیں بلایا گیا وہ مال و متاع قریب ہوتا۔ یا یعنی کہ اگر مال قیمت کا حصول قریب ہوتا یا سفر متوسط اور آسان ہوتا تو قیمت کے لالچ میں یہ ضرور اس جہاد میں تمہاری موافقت کرتے۔

لیکن دور معلوم ہوتی ہے انہیں مسافت۔ مسافت کو شق سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسافت مشقت سے ہی طے کی جاتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں شق سے مراد وہ قصور اور عیارت ہے جس کا وہ ارادہ کرتے تھے۔

مع آپ ﷺ نے ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی کیوں اجازت فرمادی۔ آپ ﷺ نے توڑا تو قف کیوں نہیں فرمایا تاکہ مکمل کر سامنے آجاتے اور جہاد پیش کرنے میں سچے تھے اور ان کی خیانت تھی کہ آپ کو یہ چل جاتا جو بغیر کسی وجہ کے عند رترش رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس وقت تک رسول اللہ ﷺ منافقین کو نہیں پہچانتے تھے (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن عبیدون سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے رسول اللہ ﷺ نے دو ایسے کام کئے ہیں جن کے حقائق ابھی کوئی نہیں پہنچا تھا۔ ایک منافقین کو پیچھے جانے کی اجازت اور دوسرا بدر کے قیدیوں کا فدیہ لینا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کاموں پر متاب فرمایا۔ جیسا کہ تم سن رہے ہو (2)۔ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ يَا آذِنًا فَتَمِّمْ۔

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمُ بِالْإِسْتِخْفَانِ ۝

”نہ اجازت مانگیں گے آپ سے جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر کہ (نہ) جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی

جانوں سے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے پر ہیزگاروں کو۔“

۱۔ یعنی جن کا دل اور ایمان سے سنور ہے وہ جہاد سے پیچھے رہ جانے کی اجازت طلب نہیں کرتے بلکہ وہ تو میدان جہاد کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں بلکہ وہ تو اجازت کا بھی انتظار نہیں کرتے، چہ جائیکہ وہ پیچھے رہ جانے کی اجازت طلب کریں۔
۲۔ اس جملہ میں ان کے تقویٰ کی شہادت ہے اور تو اب کا وعدہ ہے۔

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَاسْتَأْذِنُوا قُلُوبُهُمْ
فَمَنْ فِي سَائِبِهِمْ يَسِرُّوْنَ ۝

”صرف وہی اجازت مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور روز قیامت پر۔ اور شک میں مبتلا ہیں ان کے

دل تو وہ اپنے شک میں ڈالنا ڈال رہے ہیں۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں مقامات پر اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ ایمان تو اب کی امید کی وجہ سے جہاد سے محبت کا تقاضا کرتا ہے جس کے دل میں ایمان کی شمع فروزاں ہووے کبھی جہاد سے کئی نہیں چراتا اور جہاں ایمان کی روشنی نہ ہو تو اسے تو اب کی امید نہ ہونے کی وجہ سے جہاد سے کتراتا ہے اور عند رترش کرتا ہے۔

۲۔ ان کے دل عجب مخمضے اور کھٹش میں مبتلا ہیں نہ تو دین کی حقانیت پر یقین اور نہ دین کو کھٹے الفاظ میں رد کرنے کی جرأت۔ حیران و پریشان ہیں، کبھی تو مجاہدین کی صفوں میں شامل ہونے کا ارادہ کرتے ہیں کہ کہیں مسلمان کا مایاب و کامران ہو کر لوٹ آئے تو ہماری اس

2۔ الدر المنکر، جلد 3 صفحہ 441 (اعلیٰ)

1۔ تفسیر ربوئی، جلد 3 صفحہ 84 (اچاریہ)

(گزشتہ سے بیعت) نبی کریم ﷺ کو اجازت نہ دینے کی نبی اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچی ہی نہیں تھی تاکہ آپ کے اس فعل کو نبی کی مخالفت کی بنا پر معصیت شمار کیا جائے بلکہ اہل علم نے تو اسے عتاب سے ہی شمار نہیں کیا۔ جنہوں نے اس کو متاب لکھا ہے انہوں نے غلطی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو متاب سے محفوظ رکھا اور آپ ﷺ کو اجازت دینے نہ دینے میں اختیار تھا۔

کو تابی پر مسلمان ہمیں اذیت نہ پہنچائیں۔ کبھی بزمِ غزنی اس سوچ میں رہتے ہیں کہ جہاد میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں، یہ رسول اکرم ﷺ کوٹ کر اچھا نہیں آئے گا، جنگ میں ہی ان کا کام تمام ہو جائے گا، یعنی منافقت کی بری خصلت کی وجہ سے بے چارے شادھر شامل ہو سکتے ہیں اور شاہر۔

وَلَوْ آتَمَدُوا إِلَىٰ آسَاءِ مَا عَدَدُوا بِآلِهِ عُدَدًا وَّ لٰكِن كَرِهَ اللَّهُ لِيَوْمَئِذٍ لِّمَنِ كَثَبَةٌ وَّ قَيْلٌ أَقْعَدُوا وَاَمَعَ الْقُعُوبِيُّنَ ۝

”اور اگر انہوں نے ارادہ کیا ہوتا (جہاد پر) لگنے کا تو انہوں نے تیار کیا ہوتا اس کے لئے کچھ سامان لیکن آپسند کیا اللہ تعالیٰ

نے ان کے کھڑے ہونے کو اس لئے پست ہمت کر دیا انہیں اور کہہ دیا گیا تم بیٹھے رہو، بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ل۔“

۱۔ اے پیارے اہل ایمان! وہ فطنی یا لیبی رکھنے والے منافقین کا آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کا پروگرام ہوتا تو یہ سفر یا جہاد کے لئے کچھ سامان سفر تیار کرتے، جہاد کے لئے کچھ نیزہ و نیام، شمشیر و خان کو تیز اور صحتل کرتے لیکن ان کی ہمیشہ کی روش کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کے جہاد میں شریک ہونے اور مجاہدین کی صفوں میں کھڑے ہونے کو پسند ہی نہیں فرمایا، ان کو بزدلی اور ان کی سب سے بڑی علامت سستی اور کاہلی کے ذریعے انہیں روکا۔ ولکن حکوہ اللہ ابعالہم استدراک اور پیدا شدہ وہم کے ازالہ کے لئے ہے جو وہم اور شبہ و لو اداوا الخوروج کے منہدم سے پیدا ہو رہا تھا۔ گویا یوں ارشاد ہے وہ نہ لگنے لیکن وہ پست ہم ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کا لگانا پسند تھا اور اس نے ان کے اٹھنے کو پسند ہی نہیں فرمایا تھا۔

۲۔ فرمایا تم اپنے گھروں میں رہنا اور اپنا جہاد کے ساتھ بیٹھے رہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ مطلب ہے کہ تم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اللہ نے ان کے دلوں میں جہاد میں شریک نہ ہونے کی بھر کیفیت پیدا کر دی تھی یا شیطان نے جو ان کے دلوں میں دوسرے پیدا کیا اس کو قعود کے امر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ یا آپس میں کفار نے جو ایک دوسرے کو بیٹھے کا حکم دیا تھا اس کی حکایت ہے یا رسول اللہ ﷺ نے انہیں جو اجازت دی تھی اس کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔

غزوہ تبوک کی طرف رسول اللہ ﷺ کا خروج اور اکثر منافقین کا انکار

رسول اللہ ﷺ 9ھ کو جب کے مہینہ میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ صحیحہ الوداع میں فرجی کی پ نصیب کیا اور اس وقت آپ کے ساتھ تین ہزار افراد تھے۔ محمد بن اسحاق، محمد بن عمرو اور ابن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی لکھا ہے، اسی طرح الحاکم رحمۃ اللہ علیہ نے الاکلیل میں معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے، حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے الاکلیل میں ابو ذر عمار ازہری سے روایت کیا ہے کہ تبوک کے لشکر میں ستر ہزار افراد تھے۔ دونوں روایتوں میں تطبیق اسی طرح کی گئی ہے کہ آگے جانے والے اور پیچھے سے پہنچنے والوں کی کل تعداد ستر ہزار تھی اور ستر ہزار شہسوار تھے۔ عبد الرزاق اور ابن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ تیس کے روز تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ تیس کو سفر کرنا آپ ﷺ پسند فرمایا کرتے تھے۔ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ الانصاری کو مدینہ طیبہ میں اپنانا بنا دیا تھا۔ در اور ذی نے ذکر کیا ہے کہ سہاب بن عرفہ کو ظیفہ بنا دیا تھا، محمد بن عمر نے مذکورہ حکایت کو ذکر

کرنے کے بعد لکھا ہے کہ کیا جاتا ہے کہ ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنایا تھا اور فرماتے ہیں ہمارے نزدیک محمد بن مسلمہ کے خلیفہ بنانے کا قول مسلم ہے کیونکہ غزوہ تبوک کے علاوہ کسی غزوہ میں محمد بن مسلمہ غیر حاضر نہ تھے۔ بعض مؤرخین نے بطور خلیفہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے، مثلاً ابو عمر اور ان کی تبع میں ابن وحید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا ہے اور یہی زیادہ ثابت ہے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے المصنف میں صحیح سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا خلیفہ بنایا تھا (1)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اہل کی دیکھ بھال اور ان کے امور کی انجام دہی کے لئے مقرر فرمایا تو منافقین نے پردہ پیگنڈا شروع کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے لئے بوجھ سمجھتے تھے اور آپ ان سے ناراض تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ برسرو پاتا میں سنیں تو آپ نے تمھارا جانے اور تبوک کے راست پر روانہ ہو گئے۔ جب آپ ﷺ جوف کے مقام پر تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے جو کچھ منافقین نے بک بک کی تھی وہ سب کچھ آپ ﷺ کو بتایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جموں نے ہیں ان میں نے تو اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے افراد کی نگرانی کے لئے تجھے نائب مقرر کیا ہے۔ آپ وہاں پلٹ جائیں اور میرے اہل اور اپنے اہل میں آپ میرے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ کیا تجھے یہ پسند نہیں آتی۔ علی۔ کہ تو میرے نزدیک اس طرح ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام تھے لیکن میرے بعد کوئی نہیں آئے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی کے حکم کی تعمیل میں وہاں تشریف لے گئے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے (2)۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی رسول اللہ ﷺ سے علیہ کو وہاب کے قریب فضیعی علاقہ میں اپنا کھنپ لگا کے ہوئے تھا۔ جب تک آپ ﷺ ظہر سے رہے وہ بھی ظہر اراہا لیکن جب آپ ﷺ نے تبوک کی طرف سفر شروع کیا تو اپنے منافقین چیلوں کے ساتھ وہاں مدینہ طیبہ چلا گیا اور یہ شوشے اڑانے لگا کہ محمد (ﷺ) بنی الاصر سے جنگ کرنے جا رہے ہیں حالانکہ گرمی شدید ہے، حالات بھی بڑے سخت ہیں، مسافت بھی بہت زیادہ ہے، قیصر روم کی فوجوں سے انہیں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے محمد (ﷺ) بنی الاصر سے پنجہ آزمائی کیلئے جتھے ہیں تم بخدا میں تو محمد (ﷺ) کے اصحاب کو پہاڑوں میں گرفتار دیکھ رہا ہوں۔ یہ ساری باتیں اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دو قاصد عمار غلاموں کے خلاف پردہ پیگنڈا کرنے کے لئے کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے بد فطرت ساتھیوں کے متعلق ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

تَوَخَّرَ جُوفًا فَيُنَمُّ مَا رَأَىٰ ذُو كُمْرٍ اِلَّا حِيَالًا وَّلَا اَوْضَعُوا اِخْلَاصًا لِّكُمْ يَبْغُوا نَفْسَهُمْ
وَفِيكُمْ سَعُونَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِيْنَ ۝

”اگر نکلتے تمہارے (لشکر) میں تو نہ زیادہ کرتے تم میں بجز فساد کے، اور دوڑو جو پ کر کے میں تمہارے درمیان قتلہ پرداز کی کرتے سچ اور تم میں ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے حالوں کو سچ“

یعنی ان کا تمہارے ساتھ لگانا بجز اور فساد کے کچھ فائدہ مند نہیں ہے کیونکہ یہ لشکر میں خوف و ہراس پھیلائیں گے، عین حالت جہاد میں کفاری مدد کریں گے اور موثقیں کو دھوکہ دیں گے۔ اس آیت کریمہ سے اب فساد کا وجود اور ان کے جہاد میں نکلنے کے وقت فساد کی زیادتی لازم نہیں ہے کیونکہ زیادتی اس اہم العام کی وجہ سے ہے جس سے استثناء واقع ہوا ہے، اس شبہ کی بناء پر بعض علماء نے اسے مستثنیٰ

منقطع بنا یا ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اس وقت یہ مستحلی مغرغ بن جائے گا۔

یعنی چٹلی، بزیت یا یاروئی کو پھیلانے اور عام کرنے کے لئے اپنی سواریوں کو دوڑاتے۔ یہ وضع العیور وضعاً سے مشتق ہے جس کا معنی تیز دوڑنا ہے۔ خلال کا معنی وسط اور درمیان ہے۔ بعض علماء نے اس جملہ کا یہ مفہوم لکھا ہے کہ وہ تمہارے درمیان ایسے امور اور باتیں پھیلانے کی کوشش کرتے جو تمہارے اتحاد اور تقرب ذوق میں دراڑیں ڈالتے۔

مع ان بدینت اور کبیرہ صفت لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ تمہارے درمیان اختلاف کی آگ بھڑکا کر پاتہار سے دلوں میں دشمنی کا رعب ڈال کر فتنہ ساز برپا کریں۔ یہ جملہ او ضحو اسکے قائل سے حال ہے۔

یعنی تم میں ایسے کمزور لوگ موجود ہیں جو ان کی باتیں سنتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ معنی قنادرہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے یا اس کا معنی جا سوئی کرنے والے ہیں جو بہاری باتیں منافقین و مشرکین تک منتقل کرنے کے لئے سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے نہاں خانہ دل میں چھپے ہوئے عقیدوں کو جانتا ہے۔ وہ ان سب کو قیامت کے روز جمع فرمائے گا اور ان کے کروتوتوں کی انہیں جزا دے گا۔

لَقَدْ ابْتِغُوا الْقِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَ ظَلَمُوا أَمْرَ
اللَّهِ وَ هُمْ كُرْهُونَ ③

” (اے حبیب) وہ کوشاں رہے فتنہ انگیزانہ میں پہلے بھی۔ اور اٹ پلٹ کرتے تھے آپ کے لئے تجویزیں یہاں تک

کہ آسمانی حق اور غالب ہو اللہ کا حکم اور وہ نادموں تھے۔“

یہ تمہارے اندر پھوٹ ڈالنے اور مسلمانوں کو رسوا کرنے کی سازش جنگ احد کے موقع پر بھی کر چکے ہیں کیونکہ راستہ میں عبد اللہ بن ابی تمین سو افرادیکر واپس پلٹ آیا تھا۔

یعنی یہ بد بخت آپ کی دعوت کو ناکام کرنے اور پریم اسلام کو سرنگوں کرنے کے لئے مختلف طیلے اور کارستانیاں کرتے رہے ہیں لیکن اب حق کا نور فروزاں ہو چکا ہے، دین حق کی تائید اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچ چکی ہے اور دین کی سرفرازی اور اسلام کی سر بلندی ان کے نہ جانے کے باوجود بھی ظاہر ہو چکی ہے۔

وَ مِنْهُمْ مَن يَقُولُ اِنَّا نَدْعُوكَ لِيُؤْتِيَ الْاٰلَافِي الْفِتْنَةِ سَقَطًا ۗ وَاِنْ جَهَنَّمُ
لَمُحِيطَةٌ بِالْكَفْرِ ۙ ④

” اور ان میں سے بعض کہتے ہیں اجازت دیجئے مجھے (کہ گھر ٹھہرا ہوں) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے۔ خیردار فتنہ میں تو وہ

گر چکے اور پھٹک جہنم ٹھہرے ہوئے ہے کفاروں کو۔“

1- بعض منافقین نے آپ ﷺ سے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کرتے ہوئے یہ کہا مجھے خودی شریک نہ ہونے کی اجازت دے دیجئے تاکہ میں آپ کے حکم کی تافرمانی کر کے فتنہ میں جھلا نہ ہو جاؤں۔ آپ مجھے آزمائش میں نہ ڈالیں خودی اجازت فرما دیں۔ یہ اجازت طلب کرنے والا جہنم میں قیس تھا۔ ابن ابی اسد، الطبرانی، ابن مردودہ اور ابو نعیم جہم اللہ تعالیٰ نے مغفرت میں ابن عباس اور ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبد اللہ سے، محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو بن عقبہ نے اپنے مشائخ سے روایت کیا ہے کہ جہنم

قیس اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے جہاد میں شامل نہ ہونے کی رخصت و مطلقہ فرمادیں کیونکہ میں جاگیردار ہوں، جاگیر کی دیکھ بھال میرے لئے ضروری ہے اور میں اس کی نگرانی کی وجہ سے معذور ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیار کر دو تو پہلے ہی خوشحال ہے شاید تجھے بنی امیہ کی عورتوں میں کوئی عورت مالِ نعمت میں مل جائے۔ جد بن قیس نے کہا حضور مجھے اجازت دے دیں اور مجھے آزمائش و فتنہ میں نہ ڈالیں قسم بخدا میری قوم خوب واقف ہے کہ میں عورتوں کے حسن و جمال کے بارے میں بہت کمزور ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے بنی امیہ کی عورتوں کو دیکھ لیا تو میں ضبطِ نفس نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے چہرہ اقدس موز لیا اور فرمایا تم نے تجھے اجازت دے دی (1)۔ محمد بن عمرو نے یہ زائد لکھا ہے کہ جد بن قیس کا بیٹا عبداللہ بن جد اپنے باپ کے پاس آیا۔ یہ عبداللہ بدری صحابی تھے اور معاذ بن جبل کے اخیافی بھائی تھے۔ اس نے اپنے باپ سے کہا تو نے رسول اللہ ﷺ کا حکم کیوں تسلیم نہیں کیا، بخدا تو بنی سلمہ میں سب سے زیادہ مالدار ہے، نہ تو آپ خود جہاد میں شریک ہو رہے ہیں اور نہ کوئی اپنی سواری پیش کی ہے۔ جد نے کہا بیٹا میں اس گری کی شدت اور بادِ سوم کے جھبکوں اور ٹنگ دتی اور کم سامانی کے عالم میں رومیوں کی فوج کے مقابلہ میں کیسے جاسکتا ہوں، قسم بخدا مجھے گھر میں رہنے ہوئے بھی رومیوں سے ڈر لگ رہا ہے۔ میں پھر ان سے جنگ کیسے کر سکتا ہوں۔ بیٹا میں گردشِ زمانہ کو جانتا ہوں، حالات مجھے بدلے بدلے دکھائی دے رہے ہیں۔ بیٹا یہ سن کر کہنے لگا قسم بخدا کچھ معقول عذر نہیں ہے، یہ سب منافقت ہے، قسم بخدا اللہ تعالیٰ ضرور اپنے رسولِ اکرم ﷺ پر قرآن نازل کر دے گا اور آپ اسے پڑھیں گے، جد نے جھنڈا اٹھا کر اپنے بیٹے کو منہ پر مارا۔ بیٹا وہیں آ گیا اور باپ سے کوئی بات نہ کی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ العلم انی ابن مردویہ اور ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جد بن قیس کو فرمایا بنی امیہ (رومی) کے مقابلہ میں تیرا کیا موقف ہے؟ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میں عورتوں کا بہت شیدائی ہوں جب میں بنی امیہ کی عورتوں کو دیکھوں گا تو میں ان کی محبت میں گرفتار ہو جاؤں گا آپ مجھے اجازت فرمادیں اور مجھے ساتھ لے کر فتنہ میں نہ ڈالیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (2)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو وہب (جد بن قیس) تیرا بنی امیہ (رومیوں) سے جنگ کا کیا پروگرام ہے جو سکتا ہے تجھے ان کے کچھ قیدی اور ہامیوں ل جاسیں جد نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میری قوم خوب واقف ہے کہ میں عورتوں پر بہت حریفانہ ہو جاتا ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ میں بنی امیہ کی عورتوں کو دیکھ کر ان کے ہاتھوں مجبور نہ ہو جاؤں گا آپ مجھے یہاں رہنے کی اجازت دے دیں اور رومیوں کی عورتوں کے بارے میں آزمائش میں نہ ڈالیں۔ میں مالی طور پر تمہاری مدد کروں گا (3)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جہاد کرو تمہیں مالِ نعمت میں رومیوں کی عورتیں ملیں گی۔ کچھ منافق کہنے لگے یہ تمہیں عورتوں کے لالچ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی (4)۔

مذکورہ روایات کے مطابق آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ مجھے رومیوں کی عورتوں کے فتنہ میں نہ ڈالیں میں ان کی محبت اور ضبطِ نفس کی کمی کی وجہ سے فتنہ اور گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مال و متاع اور جاگیر کے سبب مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں کیونکہ میرے بعد ان کا کوئی نگران نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ مجھے جہاد میں شریک نہ ہونے کی

1- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 444 (اصحیہ) 2- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 443 (اصحیہ)
3- تفسیر مجلی، جلد 3 صفحہ 86 (اصحیہ) 4- الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 443 (اصحیہ)

اجازت دے دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ حکم دیں اور میں آپ کے حکم کی مخالفت کروں، اس لئے اجازت نہ دے کر مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں۔ یہ فتنہ میں نہ ڈالنے کی آپ سے درخواست کر رہے ہیں حالانکہ یہ شرک اور نافرمانی کے فتنہ میں پہلے ہی گر چکے ہیں اور یہ فتنہ جہاد میں نہ جانا اور نفاق کا اظہار ہے۔ قیامت کے روز جنہم میں گھرے ہوئے ہوں گے یا اب بھی جنہم کے اسباب ان کو گھرے میں لے ہوئے ہیں۔

إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَجَدْنَا أَمْرًا
مِنْ قَبْلُ وَيَسْتَوَلُونَ أَوْهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾

”اگر پہنچے آپ کو کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں اور اگر پہنچے آپ کو کوئی مصیبت تو کہیں کہ ہم نے درست کر لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور لائے ہیں خوشیاں مناتے ہوئے ل۔“

ل۔ اے جان عالم اگر کسی غم میں جنہم کا مایاںی اور نصیبت لاتی ہے تو ان منافقین کو بہت گراں گزرتی ہے اور اگر کسی معرکہ میں شکست یا تکلیف سے واسطہ پڑتا ہے (جیسا کہ جنگ احد میں ہوا تھا) تو اپنی عدم شرکت پر خوش ہوتے ہیں اور دانشمندی اور دور اندیشی کی خوب تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تو اس مصیبت میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی ایسی تدبیر اختیار کر چکے تھے جو ہمارے لئے مناسب اور بہتر تھی اور اپنے مجمع سے یارسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر جبہ واپس آئے ہیں تو مسلمانوں کی مصیبت پر بغلیں بھارے ہوئے ہیں۔

قُلْ لَنْ يُصِيبِنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾

”آپ فرمائیے ہرگز نہیں پہنچے گی ہمیں کوئی تکلیف۔ بجز اس کے جو لکھ دی ہے اللہ نے ہمارے لئے ل۔ وہی ہمارا حامی و ناصر ہے۔ اور اللہ برحق توکل کرنا چاہئے مومنوں کو۔“

ل۔ اے پیارے محمد ﷺ انہیں فرمادینے کہ ہمیں تو صرف وہی کچھ ملے گا جو ہمارے پروردگار نے لوح محفوظ پر نصرت و فتح یا شہادت میں سے لکھ دیا ہے۔ کلام کا اسلوب یہ شعور دیتا ہے کہ ہمارے لئے تو دونوں حالتیں باعث خیر و برکت ہے۔ فتح و کامیابی ملے جب بھی ہم اپنے رب کی اس عطا پر شادان و فرحان اور مرتبہ شہادت ملے تو اس پر بھی ہم نازان اور خوش ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ما کتب اللہ لنا کے الفاظ ذکر نہیں فرمائے بلکہ اعداء تکلم بدل دیا۔

ج۔ وہ اللہ ہی ہمارے ہر کام کا ستواں اور وہی ہمارا درگاہ ہے۔ اس لئے کوئی بھی تقدیر ہو ہمارے لئے بہتر ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ادا مومن کی ہر حالت خیر ہے اور ہر حالت میں خیر ہونے کی سعادت صرف مومن کو میسر ہے۔ اگر مومن کو کوئی سختی ملے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے۔ پس یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے (۱) اس حدیث کو امام احمد اور مسلم جہما اللہ تعالیٰ نے مصیبت سے اور تنہا رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ج۔ علی اللہ مخدوف کام کے متعلق ہے۔ تقدیر عمارت اس طرح ہوگی لیتو تکل علی المؤمنون علی اللہ فلینتو تکلوا علیہ۔ اس کلام میں تاکید ہے۔ فہاء کا ذکر اس بات کا شعور دیتا ہے کہ مومنوں کو صرف اور صرف اپنے مالک و خالق پر بھروسہ کرنا چاہئے کیونکہ وہی ان کا کارساز ہے اور وہی سب کچھ کرنے پر قادر بھی ہے۔ مومنین کی شان کو زیادہ نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھیں۔

قُلْ هَلْ تَرَبُّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسَيْنَيْنِ ۗ وَنَحْنُ نَكْرَهِيصُ بِكُمْ أَنْ
يُصِيبَكُمْ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عُنْدِهِ أَوْ يَأْتِيَنَا قَسْرٌ مُصَوِّبًا لَكُمْ عَلَيْنَا أَنْ تَبْلُغُوا مَا تَصُونَ ﴿٥٦﴾

”فرمائیے کیا تم منتظر ہو ہمارے متعلق (کہ ہم مارے جائیں، یہ مرنا نہیں) مگر ایک بھلائی ان دو بھلائیوں سے (جن کے ہم خواہاں ہیں)۔ اور تم انتظار کرتے ہیں تمہارے لئے کہ پہنچائے تمہیں اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے۔ پس تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔“

اے پیارے محمد (ﷺ) ان کافروں یا منافقین سے پوچھو تو سہی کہ کیا تم منتظر ہو کہ ہمیں کوئی ایک بھلائی مل جائے۔ نا انا تو! ہمارے لئے تو جنگ کی دونوں (فتح اور شہادت) حالتوں کا انجام بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہونا تمہارے خیال میں اگرچہ برا ہے لیکن ہمارے لئے تو یہ بہت سے حصول اور اپنی دوسری زندگی کا موجب ہے اور جنگ کی دوسری حالت فتح و کامرانی تو یہی بھی ہمارے لئے بہتر ہے کیونکہ اس میں ہماری نصرت کا پھر برا بلند ہوگا اور مال قیمت بھی ملے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جو شخص اس کے راستہ میں نکلا ہو اور اس کے جہاد کے لئے لکھا مجھ پر ایمان لانے اور میرے رسولوں کی تصدیق کی وجہ سے ہو تو میں اسے اجر اور مال قیمت کے ساتھ بخیر و عافیت واپس لوٹاؤں گا یا مرتبہ شہادت پر قاتل فرما کر جنت میں داخل کروں گا۔ لفظ تردید، ہمیشہ ایک ہی حالت کو مانع ہے جمع کو مانع نہیں ہے۔ تو بصون اصل تتر بصون کا ایک صفا کو حذف کیا گیا ہے۔

جہاں اگر تم نے توبہ نہ کی تو ہم بھی تمہارے متعلق دوسراؤں کے منتظر ہیں یا تو اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن عذاب میں گرفتار کرے گا اگر خدا خواستہ تم دنیا میں کامیاب ہو سکتے۔ یا وہ ہمارے ہاتھوں تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا۔ یعنی ہمارے ہاتھوں تم کفر یا عقاب پر قتل ہو جاؤ گے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار ہو گے۔ اس لفظ پر یہ خطاب مطلق کفار کو ہوگا اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ خطاب صرف منافقین کو ہے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے گا جیسا کہ ان کے تم جیسی منافقین کو شہ قسوموں کو ہلاک کیا تھا۔ پس اگر تم اس نفاق پر مرتبے تو وہ تمہیں دوزخ کا عذاب دے گا اور دوسری صورت یہ ہوگی کہ تم نے اگر کفر کا اظہار کر دیا تو کفر پر تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔

اس پس تم ہمارے انجام کا انتظار کرو اور ہم تمہاری عاقبت کے منتظر ہیں۔ حضرت الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تم شیطان کے بھولنے و عدول کا انتظار کرو اور ہم تمہیں کے سچے وعدہ کے منتظر ہیں کہ وہ اپنے دین کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا۔

قُلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ إِلَّا أَنْتُمْ لَنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِقِينَ ﴿٥٧﴾

”فرمائیے فریق کر خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا تم سے۔ لیکن تم ایک نا فرمان قوم تھے۔“

لنا طوعا و کھوفا پر نصب حال ہونے کی وجہ سے۔ یعنی اللہ اور رسول کی طرف سے لازم کے بغیر خوشی سے خرچ کر دیا مجبور ہو کر خرچ کر دیا، الزام کو اراہہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ منافق تھے اور ان پر خرچ کا الزام اجبار و اراہہ کی طرح شاق تھا۔ الفقوا مینہا سے لیکن یعنی خبر ہے کیوں مینہا ہے یہ کہ خواہ تم خوشی سے یا ناخوشی سے خرچ کر دیا مجبور ہو کر تمہارے صدقات اور مالی امداد قبول نہ کی جائے گی۔ اس انداز

اور اسلوب میں حکم میں مبالغہ پیدا کرنے کا مفاد ہے۔ یعنی دونوں طرح سے خرچ کر وہم قبولیت میں دونوں طریقے برابر ہیں۔ گویا انہیں حکم دیا گیا ہے کہ تم آزماؤ اور ایک مرتبہ خوشی سے خرچ کرو اور ایک مرتبہ مجبوراً خرچ کرو اور پھر دیکھو ان سے کوئی چیز قبول ہوتی ہے۔ یہ حد بن گئیں گا جو اب ہے جس نے کہا تھا کہ آپ مجھے اجازت دے دیں اور مجھے ختم میں نہ ڈالیں، میں تمہاری مالی اعانت کروں گا۔ دونوں طریقوں سے خرچ کرنے کی قبولیت کی نفی فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مالی اعانت قبول نہ فرمائی۔ اسی طرح اللہ بھی آپ کے بعد اس شخص سے مالی امداد نہیں گے جس کے متعلق معلوم ہو جائے گا کہ یہ منافق ہے۔ دوسری عدم قبولیت کی صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے مال قبول نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں اس خرچ کا ثواب عطا فرمائے گا۔

جہ تم مسلمانوں کے گروہ سے خارج ہو۔ یہ جملہ مستقل کلام کی حیثیت سے عدم قبولیت کی علت ہے اور اس کا مابعد اسی عدم قبولیت کا بیان اور ثبوت ہے۔

وَمَا مَسَّحُهُمْ أَنْ تَقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا آتَاهُمْ كَفْرًا وَاللَّهُ وَبِرَّ سُوْلِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسْبَانٌ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَوْهُونٌ ۝

”اور انہیں مسخ کیا ہے انہیں کہ قبول گئے جائیں ان سے ان کے اخراجات سوائے اس کے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور انہیں آتے نماز ادا کرنے کے لئے کمر بستہ ست۔ اور انہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہیں۔“

۱۔ حزرہ اور کسائی جہما اللہ تعالیٰ نے یسقل کو یا، کے ساتھ اور ہائی کفرانے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس کا فاعل نفقات مونث غیر حقیقی ہے، ان یسقل معنی کا فاعل ہے اور إِلَّا آتَاهُمْ كَفْرًا فاعل ہے یعنی ان کے اخراجات کی قبولیت سے مانع ان کا اللہ اور اس کے رسول کا نکلا ہے اور سستی کے ساتھ اور دکھاوے کی نراز پڑھنا ہے۔ لا یاتون کا مطلق کھروا پر ہے۔

جہ وہ اللہ کے راست میں خرچ بھی کرتے ہیں تو بے دلی سے اور مجبور ہو کر کیونکہ انہیں تو اب اور اجر کی توقع نہیں ہوتی اور زکوٰۃ کو ترک کرنے پر انہیں سزا کا اندیشہ نہیں ہے وہ زکوٰۃ کو اپنے ذمہ ایک چٹی اور نگیل سمجھتے ہیں اور اس کی ادائیگی نہ کرنا قسمت سمجھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ پہلی آیت میں انفقا طوعاً او کھوفا فرمایا، یعنی وہ خوشی سے یا مجبوراً خرچ کریں۔ لیکن یہاں وَلَا یُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَوْهُونٌ فرما کر لکھیے ان کے خرچ کی نفی فرمادی کہ وہ خوشی سے بھی خرچ کرتے ہی نہیں۔ ان دونوں آیتوں میں تلبیق کیے ہوگی۔ ہم اس کا جواب یہ ہیں کہ طوعاً سے وہاں مراد رسول کی طرف سے الزام کے بغیر ان کا خرچ کرنا ہے اور وہ خرچ کرنا بھی ان کا یا رکاری اور نمودنمائش پر مبنی تھا۔ ان کا وہ خرچ کرنا بھی کہ اہت اور اضطراب کی بناء پر تھا وہ رغبت اور اختیار سے خرچ نہیں کر رہے تھے۔ یا یہ کہا جائے گا کہ وہاں طوعاً کا وصف علی سبیل الفرض ہے اور یہ سلب علی سبیل التحقیق ہے، یعنی بالفرض وہ خوشی سے بھی خرچ کریں تو ان کی وہ اعانت قبول نہ کی جائے گی اور اس آیت میں معنی یہ ہے کہ وہ یقیناً اگر اوہ اجبار کی حالت میں خرچ کرتے ہیں۔

فَلَا تُحِبُّكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ

الدُّنْيَا وَتَرَهَقَ أَنْفُسَهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٢٥﴾

”سوئے تعجب میں ڈال دیں تمہیں ان کے مال اور نشان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں ان چیزوں سے دنیوی زندگی میں لے اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں گے۔“

۱۔ العجب اس خوشی اور سرور کو کہتے ہیں جو کسی اچھی اور پسندیدہ چیز پر ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے جو انہیں مال و دولت، اور اہل و عیال کی فراوانی اور کثرت عطا کی ہے یہ کوئی ہمارا انعام نہیں ہے بلکہ یہ ظاہری ٹائڈ ہائڈ، فوٹوں کی جھنکار اور اولاد کی کثرت عذاب الہی کے قریب کرنے کے لئے ہیں اور ان کے لئے باعث تباہی اور بربادی ہیں۔ جیسا کہ آگے خود ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں مال دولت کی فراوانی کے ذریعے اس دنیا میں عذاب کے اندر گرفتار رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس مال کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کے لئے حیلے اور مکاریاں کریں گے پھر اس کی حفاظت میں طرح طرح کی مشکلات و مصائب برداشت کریں گے اور خرچ کرنے میں انہیں تکلیف محسوس ہوگی اور ایسے فعل کے لئے اس دولت کو چھوڑ جانا جو اس کی تعریف نہیں کرتا اس پر انہیں حسرت و پریشانی ہوگی۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آیت میں التَّدْمِمْ وَتَانِیرَ ہے، التَّدْمِمْ پر مہارت اس طرح ہے: فَلَا تَعْجَبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا نَوْلَانَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْآخِرَةِ عَلَى كَسْبِهَا وَجَمْعِهَا وَحِفْظِهَا وَالْفَاقِهَا عَلَى وَجْهِ غَيْرِ مُشْرُوعٍ۔ یعنی ان کے پاس دولت کی چٹیل چٹیل، لالہ لالہ کی کثرت دنیا میں آپ کو تعجب میں نہ ڈالے، حقیقت میں انہیں اللہ تعالیٰ آخرت میں اس دولت کے جمع کرنے، حفاظت کرنے اور غیر مشروع طریقہ پر خرچ کرنے پر عذاب دینا چاہتا ہے۔

۲۔ ذوق کا معنی مشکل سے لگتا ہے، یعنی ان کی روح میں ان کے بلائوں سے جدا ہوتی ہیں تو دولت کے ترک پر مستحسب اور تمکین ہوتی ہیں، کیوں وہ لذت آمیز چیزوں میں مشغول رہے اور مبداء و معاد میں غور و غور نہیں کیا۔ پس یہ انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ آیت کریمہ منزلہ کے اس قول کے بظان پر دلالت کرتی ہے کہ جو چیز بندے کے لئے باعث اصلاح ہے اس کا کہنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے ان کفار کو اسواں اور اولاد اس لئے عطا فرمائی تاکہ انہیں عذاب دے اور کفر پر مہم دے۔

وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَإِثْمِهِمْ لِيُحِقَّ حَقُّكَ عَلَيْهِمْ وَيَسْفِطَ مَا كَانُوا يَفْرُقُونَ ﴿٢٦﴾

”اور تمہیں اٹھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔“

۱۔ وہ زبان سے اللہ کی قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے زمرہ سے ہیں حالانکہ ان کے دل کفر کی غلاقت سے متعفن ہیں۔ انہوں نے اسلام کا لبادہ اس لئے اوڑھا ہوا ہے کہ ان کے ساتھ بھی وہ سلوک نہ ہو جو مشرکین کے ساتھ ہوتا ہے۔

لَوْ يَرَوْنَ مَلَائِكًا أَوْ مَغْرِبًا أَوْ مَدًّا خَلَّالًا لَوَلَّوْا الْآلِيَاءَ وَهُمْ يَصِحُّونَ ﴿٢٧﴾

”اگر مل جائے انہیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو (دیکھنے کا) وہ منہ پھیر لیں گے اس طرف منہ زوری کرتے ہوئے۔“

یعنی اگر کوئی مضبوط لنگہ میں انہیں پناہ ملے یا کوئی ایسی قوم پائیں جو انہیں امن دے یا کسی پہاڑ میں چھپنے کے لئے فارسیرا جائے یا کوئی ایسی جگہ پائیں جس میں بمشکل داخل ہوا جاسکتا ہے تو یہ جگہ کہ اس میں داخل ہو جائیں اور مدت دو گھنٹہ کے طور پر کسی چیز کی پردہ کئے بغیر بھاگتے چلے جائیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ دولت ایمان و یقین سے محروم تہاہری سنگت کو مجبور سے یہ اختیار کئے ہوئے ہیں، یہ تمہارے ساتھ رہنا انتہائی ناپسند کرتے ہیں۔ اگر انہیں خلاصی کا کوئی ذریعہ نظر آجائے تو تمہیں فوراً چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ معافات، معافہ کی جمع ہے جس کا معنی وہ جگہ ہے جہاں چھپ کر پناہ جاتا ہے۔ عطاء نے اس کا معنی تہہ خانہ لکھا ہے۔ معدخلہ اس میں معدخلہ تھا۔ ایسی جگہ جہاں آسانی داخل نہیں ہوا جاسکتا جیسے کوہ کا سوراخ۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَأْتِيكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَوْحًا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا
مِنْهَا إِذْ أَنفَمُ يَسْتَحْطُونَ ﴿٥٩﴾

”اور بعض ان میں سے طعن کرتے ہیں آپ پر صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں۔ سو اگر انہیں دیا جائے ان سے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں حصہ دیا جائے ان سے تو اس وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔“

لے لہو اور ہمزہ کا معنی کسی پر کھینچنے کی آواز ہے۔ لگتا ہے۔ یعقوب نے بلسوک کو نکیم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ آپ صدقات کی تقسیم میں عدل نہیں فرماتے۔ شیخین اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حسین کے روز ہوا ان کا مال قیمت تقسیم فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے بعض عرب کے رئیسوں کو زیادہ حصہ عطا فرمایا تو ایک انصاری نے اٹھ کر کہا یہ تقسیم عادلانہ نہیں، اس میں رضا الہی کو نظر نہیں رکھا گیا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نبیؐ میں یہ بات حضور ﷺ کو ضرور عرض کروں گا۔ جب میں نے بتایا تو آپ ﷺ کا چہرہ بخیر ہو گیا حتیٰ کہ چہرہ گھنے والی گوند کی طرح ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کرتا تو پھر کون عدل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر مقرر فرمائے ان کو اس سے زیادہ تکلیف پہنچائی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا (۶)۔ محمد بن مرفعاتے ہیں یہ طعن کرنے والا شخص محاسب بن خثیر منافق تھا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر سے، شیخین اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہوازن کا مال قیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ اسی اثنا میں ایک شخص اٹھا، ابن عمر اور ابو سعید رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت کے مطابق یہ ذوالنورہ تھا جو نیم سے تھا۔ آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور اس سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے؟ کہنے لگا میرے خیال میں آپ ﷺ عدل سے تقسیم نہیں کر رہے۔ عدل کرو (اور برابر تقسیم کرو)۔ ایک روایت میں ہے کہ اس منافق نے کہا یا رسول اللہ انصاف کرو تو آپ ﷺ کو فخر آ گیا اور فرمایا میرے لئے بلا تک ہو، اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟ اگر میں عدل نہیں کروں گا تو میں یقیناً غائب و خاسر ہوں گا۔ ایک اور روایت میں ہے اگر میرے ہاں عدل نہ ہو گا تو کسی کے پاس عدل نہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اجازت فرمائیں، میں اس منافق کا سر قلم کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی پناہ لوگ یہ کہیں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں، اے چھوڑ دو، جنگ اس کے بچھ ساتھی ایسے ہوں گے جو تم میں سے اپنی نماز کا ان کی نماز کے ساتھ اور اپنے روزہ کا ان کے روزہ کے ساتھ موازنہ کرے گا تو

وہ اپنی نماز کو ان کی نماز اور اپنے روزے کو ان کے روزہ کے مقابلہ میں حقیر سمجھے گا۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے سینوں سے تجاوز نہیں کرے گا۔ دو دن سے وہ اس طرح نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکلتا ہے، اس کے بھالے کو دیکھا جاتا ہے تو اس پر کچھ نظر نہیں آتا، پھر اس کے دست کو دیکھا جاتا ہے تو اس پر بھی کچھ نہیں ہوتا، پھر اس کے سر اور بھالے کے درمیان کی جگہ کو دیکھا جاتا ہے تو اس پر بھی کچھ نشان نہیں ہوتا۔ پھر اس کے کسی بھی ٹکڑے کو دیکھا جاتا ہے تو اس میں کچھ نظر نہیں آتا حالانکہ وہ گوہر اور خون سے گزر چکا ہوگا اور ان کی علامت یہ ہے کہ ان کا ایک شخص کالا سیاہ ہوگا جس کے بازو عورت کے پستان یا اس کے گوشت کے ٹوٹنے کی مانند ہوں گے۔ وہ لوگ دو دن سے پھر جائیں گے اور تمام لوگوں سے بہتر گروہ کے خلاف خروج کریں گے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی بن ابی طالب نے ان سے جہاد کیا تھا اور میں آپ کے لشکر میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو تلاش کر دیا تو میں نے اس شخص کو بھینس نہیں علامت کے ساتھ پایا جو حضور ﷺ نے بیان فرمائی تھی (۱)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صاحب اسباب النزول نے لکھا ہے کہ یہ آیت ذی القومینہ اسمعی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کا نام فرخ قوس بن زبیر تھا اور یہ خار جوں کا لیڈر تھا (۲)۔ آیت کا ظاہر اس قول کی تائید نہیں کرتا کیوں کہ آیت صدقات کی تقسیم پر مبنی ہے، جبکہ ذی القومینہ اسمعی اور صاحب بن قیس جن کا ذکر مذکورہ صحاح احادیث میں ہوا ہے۔ ان کا واقعہ جن کے موقع پر مال قیمت کی تقسیم پر پیش آیا اور یہ آیت کریمہ فرودہ حنین کے بعد فرودہ تبوک میں نازل ہوئی۔ میرے نزدیک اس آیت کریمہ کا نزول اس صدقات کے متعلق ہے جو مسلمان فرودہ تبوک کی تیاری کے لئے پیش کر رہے تھے، واللہ اعلم۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ آیت منافقوں کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی جس کا نام ابوالحواص تھا۔ اس نے کہا تھا تقسیم بدل کے ساتھ نہیں ہوئی۔ (۳)

۱۔ اذا مفا جاتیہ ہے اور فاء جزایہ کے قائم مقام ہے۔ بعض علماء نے یہ سنی لکھا ہے کہ اگر انہیں زیادہ دیا جائے تو خوش ہوتے ہیں اور کم ملنے تو ہمیں ہمیں ہوتے ہیں۔ اس قول کے حامیوں کی دلیل وَلَوْ اَنْتُمْ زَحْنُوْا اِنَّا نَالَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ ہے۔

وَلَوْ اَنْتُمْ سَخْنُوْا اِنَّا نَالَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَقَالُوا احْسِبْنَا اللّٰهُ سَخِيْبًا لِّمَنْ اِنَّ اللّٰهُ مِنْ قَضٰیہُمْ وَرَسُوْلُهُ اِنَّا اِلٰی اللّٰهِ رٰجِعُوْنَ ۝۵

”اور (کیا سمجھا ہوتا) اگر وہ خوش ہو جاتے اس سے جو دیا تھا انہیں اللہ اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے میں اللہ

تعالیٰ! عطا فرمائے گا ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم تو اللہ کی طرف ہی رجعت کرنے والے ہیں۔“

یعنی کتنا اچھا ہوتا کہ اللہ کا محبوب جو صدقہ و قیمت عطا فرماتا اس پر یہ خوش ہوتے اللہ کا ذکر تقسیم کے لئے ہے اور اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے اور اس بات کا بھی اس آیت سے شعور رہتا ہے کہ جس طرح اللہ کی تشابہ و قدر سے راضی ہونا واجب ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے ہر فعل سے بھی خوش اور مطمئن ہونا واجب ہے۔ عطا الہی اور بخشش نبوی پر خوش و مسرور ہوتے اور یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ہماری کفایت فرمائے گا اور دوسرے

1- صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 1582 (ابن کثیر) صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 341 (قدیری)

2- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 88 (انصاری)

3- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 88 (انصاری)

ساتھ قرآن زیادتی جائز نہیں ہے تو پھر خیراء میں ایمان کی شرط کا اضافہ اس خبر واحد سے کیے جائز ہو سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے حرابی بالا جماع خاص کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَإِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ عَنِ الْغَيْبِ لَنْ تَسْتَأْذِنُ فِيهِ النَّبِيُّ** (اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں.....) جب آیت میں مخصوص بعض ہو گئی تو مزید تخصیص خبر واحد کے ساتھ بھی جائز ہے اور نقلی صدقات کا فرد یا جائز ہیں اور اس پر اجماع ہے اور اجماع کی دلیل یہ ارشاد ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَنِ الْغَيْبِ لَنْ تَسْتَأْذِنُ فِيهِ النَّبِيُّ** حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث زکوٰۃ مفروضہ کے متعلق ہے، نقلی صدقات کے بارے نہیں ہے، حرابی (مسلمانوں سے جنگ کرنے والا) کو نقلی صدقات دینے بھی جائز نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَإِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ عَنِ الْغَيْبِ لَنْ تَسْتَأْذِنُ فِيهِ النَّبِيُّ** اور صدقات واجبہ مثلاً فطرانہ، کفارات، نذریں ان کا حکم امر بلا شاکہ کے نزدیک فرضی زکوٰۃ والا ہے کیونکہ ان کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجبہ صدقات کا فرد دینے جائز ہیں کیونکہ واجب کا درجہ ان کے نزدیک فرض سے کم ہے اور حدیث معاذ رضی اللہ عنہ ان کو شامل نہیں ہے کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے ستر رکئے گئے تھے۔ پس اس میں واجبہ صدقات کا شامل نہیں ہیں۔ جب فقیر، مسکین اور دوسری اصناف سے اہم ہے تو اس لئے دوسری اصناف کا اس پر حلف کیا گیا ہے اور یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے جیسا کہ **حُطِّفُوا عَنِ النَّبِيِّ وَكَوْنُوا نَسْلًا فِيهِمْ** میں ہے اور یہ اسلوب اہمیت کی زیادتی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ہم مساکین وغیرہ الفاظ کے معانی بیان کریں گے تاکہ ان کے ذکر کے ساتھ وجہ اہتمام ظاہر ہو جائے۔ مسکین سے مراد وہ فقیر ہے جو اصرار کے ساتھ لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور یہ سکون اور سکینہ سے مشتق ہے یعنی وہ سوال کے لئے حرکت نہیں کرتا۔ اس معنی کی دلیل بخاری اور مسلم کی حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو لوگوں سے کہے اور گرد گھومتا رہے ایک یا دو لقمے، ایک یا دو گھجور سے پھرانی رہے بلکہ مسکین وہ ہے جو اسکی شناخت پائے جو اسے مستغنی کر دے اور اس کے ظاہر سے بھی غربت محسوس نہ ہو کہ اس پر لوگ صدقہ کریں اور خود بھی لوگوں سے بھیک نہ مانگتا (1)۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ مسکین فقیر کی ایک قسم ہے اس کو زکوٰۃ دینا دوسری اصناف کی نسبت زیادہ بہتر اور اہم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يُلْفِظُوا آهًا وَالنَّبِيُّ أَحْسَنُ ذَاتِي سَبِيلٍ** اللہ تعالیٰ نے انہیں سب سے بہتر بنا دیا اور انہیں سب سے اچھا بنا دیا۔ جیسا کہ بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ کی حدیث میں ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں بنی اسرائیل کے تین اشخاص برص والے، مجھے اور انہ سے ذکر ہے۔ اس قول حدیث میں ہے کہ ایک مسکین آدمی نے کہا ”میرے سفر کے ذرائع مفقود ہو چکے ہیں آج میرے لئے اپنے مقصد تک پہنچنا اللہ اور تیری مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ میں تجھ سے اس ذات کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے یہ خوبصورت شکل اور خوبصورت جلد عطا فرمائی ہے، ایک اونٹ دے دے تو میرا سفر باسانی طے ہو سکتا ہے“ (2)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سابقہ حدیث میں آیت کا مراد بیان کیا گیا ہے، معنی کا لغوی مفہوم بیان نہیں کیا گیا اور دوسری حدیث میں مسکین کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے۔ مسکین کے مفہوم میں یہ ضروری نہیں کہ اس کے پاس کچھ مال بھی ہو جیسا کہ بعض شوافع کا قول ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس مال باکلی نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ مال ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارات میں جہاں دس مسکینوں اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم فرمایا ہے وہاں بالا جماع مطلقاً

تفسیر مراد ہے، خواہ اس کے پاس کچھ مال ہو یا بالکل نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَأَوْسَرَٰ كَيْفَ مَا دَامَتْ زَكٰوٰتُہُمْ** وہ شخص جو فقر کی وجہ سے زمین سے چننا پڑا ہو، یہ ارشاد تو ان علماء کے اقوال کا رد کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ مال ہو اور اسی طرح مسکین کے مفہوم میں یہ بھی مترشح نہیں ہوتا کہ اس کے پاس بالکل مال نہ ہو جیسا کہ بعض احناف کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد **وَمَا السُّوْفِيَّةُ فَيَكْفِيكَ** یعنی **يَتَمَلَّوْنَ فِي الْبَيْتِ** دلالت کرتا ہے کہ کشتی ان کی ملک میں تھی لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں مساکین کہا ہے اور یہ کہا کہ کشتی انہوں نے اجرت پر لی تھی یا عاریضی تھی یا حرم کرتے ہوئے ان پر لفظ مساکین کا اطلاق کیا گیا، یہ تمام توضیحیں بلا دلیل نص کو ظاہر سے پھیرنے کے مترادف ہیں۔ یہ ایک استدلال کیا جاتا ہے کہ مسکین، فقیر سے بہتر حال ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فقر سے پناہ مانگی ہے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور مشفق علیہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابو داؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے حاکم اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابو یوسف اور احمد اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ دعا مانگی اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مجھے مسکینی کی حالت میں موت عطا کرنا، اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ رحمہ اللہ علیہ نے ابوسعید سے روایت کیا ہے۔ (1)

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہ فقیر جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پناہ مانگی ہے وہ نفس کا فقیر ہے اور صحیح میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ غنی تو صرف نفس کا غنی ہے (2) یا جس چیز سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پناہ مانگی وہ فقر کا قدر ہے، نہ کہ فقر کی حالت۔ اسی طرح جس مسکینی کا آپ ﷺ نے سوال کیا وہ نفس مسکت نہیں بلکہ اس کی بعض صفات مراد ہیں مثلاً صبر، توکل، اور رضا وغیرہ۔ یا یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت انس اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم کی احادیث کی اسناد ضعیف ہیں جیسا کہ حافظہ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے اور ابن الجوزی رحمہ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جس حالت پر وصال ہوا وہ اس دعا کی حالت سے مختلف تھی۔ کیونکہ وصال کے وقت آپ کفایت کرنے والے تھے۔ تو اس نے اس حدیث کو موضوعات احادیث میں شمار کیا (کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اگر دعا کی ہوتی تو آپ کی دعا رد نہ ہوتی)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَوَصَّٰتُكَ سَاءَ مَا كَانَتْ لُغْلُ** اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنگ دست پایا تو غمی کر دیا۔ یہ بھی دلیل ہے کہ آپ نبی تھے۔

بل جو لوگ صدقات کی وصولی پر مقرر رکھے جاتے ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے فقراء کی اصناف شمار فرمایا لیکن یہ مجازاً ہے خواہ یہ وصول کرنے والے فقی ہوں یا فقیر ہوں ان کو زکوٰۃ کے مال سے مشاہرہ دینا جائز ہے کیونکہ یہ صدقات کے وصول کرنے اور انہیں تقسیم کرنے میں فقراء کے وکیل ہوتے ہیں اور ان فقراء کے امور میں مشغول ہوتے ہیں۔ پس فقراء پر ان کی نکالت واجب تھی پس یہ نکال فقراء ہیں۔ زکوٰۃ اکٹھی کرنے والوں کو دی جانے والے مشاہرہ کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں زکوٰۃ کے افسر اور اس کے معاونین کو صدقات کا انھوں حصہ دیا جائے گا، خواہ اس کا عمل زیادہ ہو یا کم ہو اور اس قول کی بنا ماں ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک تمام مصارف زکوٰۃ کو برابر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ ہم اس قول کا رد فقیرانہ ان شاء اللہ عرض کریں گے۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ علیہ اور اکثر ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ حال کو اس کے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے گا۔ اگر ایک دن کام کرے

گا تو اسے ایک دن کا معاوضہ دیا جائے گا اور اگر ایک سال کام کرے گا تو اسے ایک سال کا معاوضہ بقدر کفایت دیا جائے گا کیونکہ غنی کے لئے زکوٰۃ میں کوئی حق نہیں ہے اور عامل کو صرف اتنا حصہ ملے گا جو اس کے عمل کی وجہ سے فقراء پر واجب تھا۔ پس اس کی اجرت مال زکوٰۃ سے ادا کی جائے گی جو مال ان فقراء کا حق ہے۔ سارا مال زکوٰۃ عامل کو دینا ہلا جاع جائز نہیں ہے۔ اگر اس کی نحواً اتنی ہو کہ کل مال زکوٰۃ پر حامی ہوتو اس کو کل وصول ہونے والے مال کا نصف دیا جائے گا، نصف سے زائد نہ دیا جائے گا کیونکہ اگر نصف سے زیادہ لے گا تو وہ اپنی ذلت کا عامل ہوگا فقراء کا عامل نہ ہوگا کیونکہ اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اگر سارا مال عامل لے جائے تو زکوٰۃ وصول کرنے کا مقصود فوت ہو جائے گا اور اس کی کفایت فقراء پر واجب بھی نہ ہوگی۔

اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جن لوگوں کو تالیف قلب کے طور پر زکوٰۃ دی جاتی ہے ان کی دو قسمیں ہیں: 1۔ مسلمان، 2۔ کفار۔ پھر مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں، 1۔ ایک وہ جو اسلام میں داخل تو ہو چکے ہوں لیکن ان کی نیتیں ابھی ضعیف اور کمزور ہوں۔ حضور ﷺ ان کی خاطر داری کے لئے زکوٰۃ کے مال سے انہیں حصہ عطا فرماتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے عیینہ بن بدر اقرع بن حابس اور العباس بن مرداس کو زکوٰۃ سے مال عطا فرمایا تھا۔ زیادہ لوگ جو اسلام قبول کر چکے ہوں اور ان کی نیتیں بھی اسلام کے حقیقی قوی ہوں، جیسے نو مسلم قوم کے سرداروں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مال دیا شانہ عدی بن حاتم، زبیر بن جہل بدر وغیرہ ان کو اس لئے عطا فرمایا تاکہ ان کی قوم بھی اسلام کی طرف مائل ہو اور ان جیسے دوسرے سردار بھی حلقہ اسلام میں داخل ہوں، تو امام کے لئے جائز ہے کہ وہ ان لوگوں کو مال نیت کے شمس کے شمس کے حصہ دے اور مال غنی میں سے نبی کریم ﷺ کا جو حصہ تھا وہ انہیں عطا کرے۔ نبی کریم ﷺ اس طبقہ کے لوگوں کو مال نیت سے عطا فرماتے تھے زکوٰۃ سے نہیں دیتے تھے، 2۔ دوسری قسم مسلمانوں کی وہ ہے جن کو تالیف قلب کے طور پر مال دیا ہے وہ تو مگر کفار کے مقابلہ میں ایسی جگہ ہوں جہاں مسلمان لشکر اس مقامی آبادی کی مدد کے بغیر بڑی مشکل سے کفار کی چوکیوں تک پہنچتے ہوں اور وہ قوم ایمانی کمزوری اور حالات کی کمزوری کی وجہ سے خود جہاد نہ کرتی ہو، تو ایسے لوگوں کو غازیوں کے مال سے امام کے لئے حصہ دینا جائز ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں امام ان کو زکوٰۃ میں مؤلفہ القلوب کے حصہ سے مال دے (1)۔ روایت ہے کہ عدی بن حاتم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی قوم سے تین سو اونٹ زکوٰۃ کے لیکر آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں تیس اونٹ عطا فرمائے۔ کفار میں سے ان لوگوں کو خاطر داری کے لئے مال دیا جاتا ہے جن کے شر اور اذیت کا اندیشہ ہو یا جن کے اسلام قبول کرنے کی توقع ہو، تو ایسے لوگوں کو امام ان کے شر سے بچنے کے لئے عطا کرے یا اسلام کی طرف ترغیب دلانے کے لئے عطا کرے۔ حضور نبی کریم ﷺ ایسے لوگوں کو فوس کے شمس سے عطا فرماتے تھے۔ جیسے آپ ﷺ نے صفوان بن امیہ کی اسلام کی طرف رغبت دیکھی تو آپ ﷺ نے اسے مال عطا فرمایا۔ موجودہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و شوکت عطا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے فنی فرمایا ہے۔ اس لئے اب تالیف قلب کے لئے کسی مشرک کو مال عطا نہیں کیا جائے گا۔ اکثر علماء فرماتے ہیں اب مؤلفہ القلوب ختم ہو چکے ہیں اور ان کا حصہ ساقط ہو چکا ہے۔ مگر مدعا امام مہمی رجما اللہ تعالیٰ سے یہی قول مروی ہے۔ امام مالک، الشوری، اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور اصحاب رائے کا بھی یہی نظریہ ہے اور علماء کی ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ ان کا حصہ ثابت ہے۔ امام حسن بصری، زہری، ابو جعفر محمد بن علی بن اسمین علیہم السلام اور ابو ثور کا یہی قول مروی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر ایسا کرنے کی مسلمانوں کو ضرورت ہو تو دے سکتے ہیں (2)۔ اکثر

کتاب میں ہے کہ مؤلفہ القلوب کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کا حصہ ساقط ہو گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و عطا فرمادی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی ایک روایت مروی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر کسی شہر یا بازار پر ایسی ضرورت ہو تو امام ان کو حصہ دے سکتا ہے کیونکہ علت پائی جائے گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی مروی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اصح مسلک یہی ہے۔ اکثر شيوخ کا مسلک وہ جو ہے اہل سنت میں ہے کہ مؤلفہ القلوب وہ ہیں جو اسلام قبول کریں لیکن ان کا بھی تک اعتقاد پختہ نہ ہو یا وہ ایسا عظیم آدمی ہو کہ اس کو مال دینے سے دوسرے لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کی توقع ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافر کو تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے جیسا کہ کافر فقراء و مساکین کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے۔ ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین مسلمان فقیر کو خاطر داری اور تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اصل مسئلہ مالدار مسلمان کو بطور تالیف قلب مال دینے کا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فنی مسلمان کو تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ دینی جائز ہے کیونکہ ان کے نظریے کے مطابق تمام مصارف زکوٰۃ میں فقرا کا اعتبار نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مالدار مسلمان کو تالیف قلب کے طور پر مال دینے کے حق میں نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تمام مصارف زکوٰۃ میں فقرو انفاص کا اعتبار ہے۔ اس بحث سے مسئلہ اظہر من الشمس ہو گیا کہ علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ کے مال دینے کا حکم اجماعی باقی ہے اور منسوخ نہیں ہے۔ منسوخ ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ ناخ موجود نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس پر بحمول ہے کہ کافر کو تالیف قلب کے لئے عطا کرنا منسوخ ہے تو اس کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی کسی کافر کو تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسلم اور زندہ زہرا اللہ تعالیٰ نے حضرت صفوان بن اخیسر رضی اللہ عنہ سے واقفہ کو سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ صفوان خود کہتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے مال عطا فرمایا اور آپ ﷺ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ منغوض تھے آپ ﷺ مجھے عطا فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے (۱)۔ یہ بالکل مرتع ہے کہ آپ ﷺ نے اسے حالت کفر میں مال عطا فرمایا تھا۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے الصحاح میں وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے قبول اسلام سے پہلے عطا فرمایا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صفوان بن امیہ کو تین کے مال سے قبل عطا فرمایا تھا اور اس وقت صفوان کافر تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ کہ صفوان بن امیہ کو آپ ﷺ نے زکوٰۃ سے مال دیا تھا۔ وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ صفوان کو آپ ﷺ نے مال کے قیمت کے فیس میں سے وہ فیس دیا تھا جو آپ ﷺ کا اپنا حصہ تھا۔ امام بیہقی، ابن سید الناس اور ابن کثیر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی قول پر اکتفا کیا ہے۔ ابن ابیہام رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کے بیان میں طبرانی کی سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول روایت کیا ہے کہ جب عیینہ بن حصین آپ کے پاس آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد فرمایا: **مَنْ شَاكَ فَلْيُؤْمِرْهُ وَفَرَّغْ شَاكَ لَكَ**۔ (یعنی آج تالیف قلب والا دونوں ہے)۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام رضی اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ مؤلفہ القلوب حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے

سے رجوع کر لیا تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر سے حجت پکڑی ہے۔ ابو سعیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاسوال میں ابی الاثرس کے طریق سے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص اپنا مال زکوٰۃ حج کرنے کے لئے کسی کو دے دے، یا اس مال سے غلام خرید کر آزاد کر دے۔ اس اثر کو ابو معاویہ عن ابن عباس کی سند سے (۶) اور ابو بکر بن ابی عیاش عن عائشہ عن ابی بکر عن مجاہد بن ابن عباس کی سند سے بھی نقل کیا ہے۔ فرمایا تم اپنے مال زکوٰۃ سے غلام آزاد کرو۔ ابو معاویہ عہدہ بن سلمان کی متابع ہم نے یحییٰ بن یحییٰ عن یحییٰ بن یحییٰ عن یحییٰ بن یحییٰ عن ابی بکر بن علی المرزوقی عن عبدہ عن الأعمش عن ابی الاثرس کی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما زکوٰۃ کا مال نکالتے اور پھر فرماتے اس سے حج کے لئے ہمارا سامان تیار کرو۔ اسی کوئی کہتے ہیں میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا کیا آدی اپنے زکوٰۃ کے مال سے غلام خرید کر آزاد کر سکتا ہے یا پھر اسے مسافروں پر خرچ کر سکتا ہے تو ابو عبد اللہ نے فرمایا ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما ای طرح فرماتے تھے اور مجھے کوئی ایسا دلیل معلوم نہیں جو اس سے منع کرے۔ الجلالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں احمد بن ہاشم نے ہمیں بتایا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ پہلے پھر ایسی ہی نظر یہ تھا کہ زکوٰۃ کے مال سے غلام آزاد کئے جاسکتے ہیں لیکن پھر میں نے اس قول سے رجوع کر لیا پھر آپ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے حجت چوٹی کی گئی تو فرمایا وہ قول مضطرب ہے۔ پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قول و مسلمانوں کے لئے ہے اور ایک روایت آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ حق و لا آء آزاد کرنے والے کے لئے ہے (ولاء سے مراد وہ مال ہے جو غلام چھوڑ کر مرے اور اس کا کوئی وارث بھی موجود نہ ہو) الحافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کو عائشہ سے سند میں اختلاف کی وجہ سے مضطرب کہا ہے۔ الحافظ ابن حجر نے ارقاب کی تفسیر میں ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے کہ رقاب کے حصہ کے دو حصے کے جاہل کے ایک حصہ سے اس مکاتب کو دیا جائے گا جو مسلمان ہو اور دوسرے حصہ سے وہ غلام خرید کر آزاد کئے جائیں گے جو نماز اور روزہ کے پابند ہوں۔ ابن ابی حاتم اور ابو سعیدہ رحمۃ اللہ عنہما نے کتاب الاسوال میں صحیح سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ زہری نے عمر بن عبد العزیز کو ای طرح لکھ کر بھیجا تھا، واللہ اعلم۔ (2)

میں کہتا ہوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ فرمانا کہ صدقات ان کے مالداروں سے لئے جائیں گے اور ان کے فقراء پر لواتے جائیں گے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید نہیں کرتا کیونکہ غلام خرید کر آزاد کرنے میں فقراء پر لونا نہ پایا جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی مضطرب ہے، جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اگر یہ قول صحیح بھی ہو تو حجت نہیں بن سکتا کیونکہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے میں آپ کی روایت نہیں ہے۔ ہم نے رقاب کی تفسیر جو مکاتب غلام سے کی ہے اس تفسیر پر وہ روایت دلیل ہے جو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں محمد بن اسحاق من الحسن البصری کی طریق سے بیان کی ہے کہ ایک مکاتب غلام نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا، جبکہ آپ جہاد کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اسے امیر المؤمنین لوگوں کو میری اعانت کی ترغیب دیں۔ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس کی اعانت کی ترغیب دی، لوگوں نے غلام کی خدمت شروع کر دی کسی نے غلام دیا کسی نے ہار دیا، کسی نے اٹھوئی دی حتیٰ کہ بہت سا مال جمع ہو گیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس مال کو جمع کرو اور حج دو۔ پھر آپ نے اس مکاتب کا زرمکاتب عطا کیا اور جو مال بیچا گیا وہ غلاموں کی آزادی کے

لئے دیا، لوگوں کو وہ ایسے نہ کیا (۶) اور فرمایا لوگوں نے یہ مال غلاموں کی گردنیں آزاد کرنے کے لئے دیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ امام احمد رحمۃ اللہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کوئی ایسا عمل فرمائیے جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور دوزخ سے دور کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ عمل تو جان آزاد کرنا اور گردن چھڑانا ہے۔ اس شخص نے عرض کی کیا یہ دونوں عمل برابر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ گردن آزاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تو آکر ایسا لوگوں کو آزاد کرے اور گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ تو اس کی قیمت میں معاف کرے (2)۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث کوئی دلیل نہیں ہے کہ آیت میں رقاب سے مراد ہی ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، واللہ اعلم۔

۱۔ دو موقوفہ عمارتیں سے مراد موقوفہ لوگ ہیں، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر ائمہ نے مدعیوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے: 1۔ وہ موقوفہ جنہوں نے کسی گناہ اور برائی کے لئے قرضہ نہیں لیا تھا یعنی کسی جائز ضرورت کے لئے لیا تھا، لیکن اب اس قرضہ کو ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے جبکہ ان کے پاس اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے مال نہ ہو۔ اگر ان کے پاس اتنا مال موجود ہو کہ وہ قرض ادا کر سکتے ہوں تو پھر انہیں زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جائے گا (2)۔ دوسرے وہ موقوفہ جنہوں نے نیک اور مجتہد میں صلح کرنے کے لئے قرض لیا ہے۔ انہیں زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے، اگرچہ وہ مال مذہبی ہوں (3)۔ تیسرے وہ موقوفہ جنہوں نے جو کسی معصیت کے لئے یا سراف کے لئے قرض لیا ہے، ان کو زکوٰۃ کے مال سے نہیں دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر اس موقوفہ کو زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے جس کے پاس قرض ادا کرنے کے بعد نصاب کی مقدار مال نہ چتا ہو کیونکہ آیت کے الفاظ عام ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ موقوفہ فقیر ہوتا ہے کیونکہ اس کا مال قرضہ میں مشغول ہوتا ہے۔ اس میں بھی وہ اختلاف ہے جو سفر و خدمت کے بارے میں ہے۔ ہر وہ موقوفہ جس کے پاس قرضہ ادا کرنے کے بعد بھی نصاب کی مقدار مال ہو تو امام ابوحنیفہ، مالک اور احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس موقوفہ کو زکوٰۃ دی جائے گی جس نے اطاعت و نیک کی خاطر قرض لیا ہو۔

۲۔ یہی کے کلہ کا حکم راقب اور غار میں سے متصل قسموں کی تزیح کے اظہار کے لئے ہے۔ امام شافعی، ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ اور جمہور علماء کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں لیکن ان کے پاس سامان جہاد نہیں ہے، امام احمد اور محمد بن الحسن رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اسی سے مراد وہ حاملی ہیں جو حج کرنا چاہتے ہیں لیکن زاد سفر یا نہیں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی حجت وہ روایت ہے جو خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ام مفضل سے روایت کی ہے، فرماتی ہیں ابو مفضل رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، جب گھر آئے تو ام مفضل فرماتی ہیں میں نے اسے کہا مجھے معلوم ہے کہ مجھ پر حج لازم ہے، (مجھے بھی ساتھ لے جائیے) وہ دونوں چل کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پہنچے۔ ام مفضل نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر حج لازم ہے اور ابی مفضل کے پاس ایک اونٹ ہے (انہیں فرمائیں کہ یہ مجھے دے دیں) ابو مفضل نے کہا حضور ﷺ! یہ تو میں نے اللہ کے راستہ میں دے دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ انہیں عطا کر دو کہ یہ اس پر سوار ہو کر حج کریں کیونکہ حج بھی فی سبیل اللہ ہے (3) اس روایت کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن مہاجر ہے جس پر جرح کی گئی ہے۔ بعض

روایات میں ہے کہ حضرت ام مفضل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ مسئلہ ابو مفضل کی وفات کے بعد پوچھا تھا۔ اسی حدیث کو ابو داؤد اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری سند سے ام مفضل سے اس طرح روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کا پروگرام بنا رہے تھے۔ تو ہمارا ایک اونٹ تھا۔ جسے ابو مفضل نے راہ خدا میں صدقہ کر دیا تھا۔ ہمیں تکلیف پہنچی اور ابو مفضل وصال کر گئے تھے۔ نبی کریم ﷺ حج پر تشریف لے گئے۔ پھر جب آپ ﷺ حج سے فارغ ہو گئے تو میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے ام مفضل تو حج کے لئے کیوں نہیں آئی تھی۔ عرض کی حضور ﷺ! ہم نے تیاری عمل کر لی تھی لیکن ابو مفضل کا وصال ہو گیا تھا اور وہ اونٹ جس پر نہیں حج کرنا تھا اسے ابو مفضل نے اللہ کے راستہ میں دینے کی وصیت فرمادی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اس پر سوار ہو کر حج کیوں نہ کیا۔ حج بھی تو فی سبیل اللہ کی مد میں آتا ہے (1)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول کی تائید میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی متعلق علیہ حدیث پیش کی ہے جس میں ہے کہ تم خالد پر عزم کر رہے ہو انہوں نے تو اپنے ہتھیار اور اسلحہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے (2)۔ میں کہتا ہوں جب فقہ تمام مصارفِ زکوٰۃ میں لازم ہے تو بہتر یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا جیوں اور نمازیوں میں خاص نہ کیا جائے بلکہ اس کو عام رکھا جائے اور اس سے نیکی اور بھلائی کے تمام راستے ہو سکتے ہیں۔ پس جس نے طالب علم پر زکوٰۃ کا مال خرچ کیا ہے اس نے فی سبیل اللہ کی مد میں خرچ کیا ہے۔

یے ابن السبیل سے مراد مسافر ہے۔ مسافر کی وہ حیثیتیں ہیں، یا تو وہ اس نصاب کا مالک ہوگا جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہوتا ہے یا وہ اس نصاب کا مالک نہ ہوگا۔ اس دوسری صورت میں مسافر کو زکوٰۃ دینی بالاتفاق جائز ہے، خواہ وہ سفر میں ہو یا سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔ جیسے کسی کا سفر کا ارادہ ہو لیکن فقیر ہونے کی وجہ سے سفر نہ کر سکا، ہوا درجہ کی صورت یعنی جبکہ وہ مالک نصاب ہو اور اتنی مقدار مال موجود ہو کہ جس شہر میں جانا چاہتا ہے پہنچ سکتا ہو، ایسے شخص کو حالت سفر میں یا سفر کا ارادہ کئے ہو دونوں صورتوں میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اگر مسافر کے وطن میں مال کثیر ہو لیکن حالت سفر میں مال موجود نہیں ہے، یعنی اس کے پاس اتنا مال نہیں جو نصاب کو پہنچاتا ہو اور نہ ہی اتنا مال ہے کہ جس کے ذریعے وہ اس شہر تک پہنچ سکے جہاں اس کا مال موجود ہے تو ایسے شخص کو بالاتفاق زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیت کریمہ میں ابن السبیل سے یہی مسافر مراد ہے۔ پس وہ فقیر جو زکوٰۃ لینے کی اہلیت کے لئے معتبر ہے، وہ موقع پر فقیر ہونا ہے، مال کا مالک ہونا زکوٰۃ لینے کے معافی نہیں ہے اگر پاس مال موجود نہ ہو۔ اگر کوئی شخص کسی جگہ مقیم ہو اور اس کا مال اپنے وطن میں ہو تو وہ بھی مسافر کے حکم میں ہے اور وہ قرض دینے والا جس کا مقروض اقرباوی ہو لیکن مطلق ہو تو قرض دینے والا بھی مسافر کے حکم میں ہے۔ عیال میں ہی طرح لکھا ہے اگر کسی کا اپنے وطن میں کثیر مال موجود ہو اور حالت سفر میں اس کے پاس اتنا مال ہے کہ جو نصاب کو نہیں پہنچاتا لیکن قبضہ میں موجود مال کے ساتھ اپنے اس شہر تک پہنچ سکتا ہے جس میں اس کا مال موجود ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دینی بالاتفاق جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے مال تک پہنچنے پر قادر ہے۔ پس گویا وہ اس کے قبضہ میں ہے اور اگر کسی کے قبضہ میں اتنا مال ہو جو نصاب کو پہنچاتا ہو لیکن اتنی مقدار میں نہ ہو جس کے ساتھ وہ منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہو۔ خواہ وہ حالت سفر میں ہو یا سفر کا ارادہ رکھتا ہو خواہ اس کا مال اس سے دور ہو یا دور نہ ہو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ کو مباح کرنے والی چیز فقر ہے اور یہ صاحب نصاب فقیر نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اس

شخص کے پاس سفر کے ارادہ کے وقت اتنا مال موجود نہ ہو جس کے ساتھ وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکے تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا مباح ہے کیونکہ ابن السبیل، فقیر کے علاوہ ایک مصرف زکوٰۃ ہے جس میں فقرا کا اعتبار نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں یہ ساتوں مصارف زکوٰۃ فقرا کی اقسام ہیں اور مصرف فقراء ہی ہیں۔ ان تمام قسموں کو فقرا کی شرط کے بغیر زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے، مگر عاقلین زکوٰۃ کے لئے فقیر ہونا شرط نہیں ہے ان کو زکوٰۃ کے مال سے تنخواہ دینی جائز ہے، اگرچہ غنی بھی ہوں کیونکہ عاقلین کو حقیقت میں دینے والے فقراء ہیں اور وہ فقراء کے مال سے لینے والے ہوتے ہیں جن فقراء پر ان کی محنت کی اجرت دینی لازم تھی (محققین زکوٰۃ کے مال سے وہ نہیں لینے) فقراء مصرف ان مذکورہ اصناف میں منحصر نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اصناف کا ذکر ان کی اہمیت کی خاطر فرمایا ہے کیونکہ ان اصناف کو دوسرے فقراء پر فضیلت ہے، پس آیت سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں لیکن زکوٰۃ ادا کرتے وقت کوئی ایسا سبب دیکھنا چاہئے جو زکوٰۃ لینے والوں کی دوسرے فقراء پر ترجیح کا باعث ہو۔ پس مسکین جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا وہ مسکین (سوال کرنے والوں) سے اولیٰ اور افضل ہے کیونکہ وہ زیادہ ضرورت مند ہے۔ مسافر، یتیم سے زیادہ حاجت مند ہوتا ہے، غازی، حاجاتی، مکتب اور مؤلفہ القلوب دوسرے فقراء کی نسبت زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں کیونکہ ان کو زکوٰۃ دینے میں حج پر اعانت ہوگی جو اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے اور ماجاہد کو دینے سے جہاد پر معاونت ہوگی جو اسلام کے کوہان کی چوٹی ہے اور غلام کو اگر دینا چھڑانے کے لئے دینا کثیر نیکیوں کی ترویج کا باعث ہے۔ آیت کریمہ میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ فضیلت کے اسباب ان امور میں منحصر ہیں بلکہ فضیلت کے اسباب اور بھی ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھو تم قبل لکھے ہیں۔ جیسے قرابت و فیروہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر صدقہ وہ ہے جو غنا کی صورت میں دیا جائے اور صدقہ کر دینے کی ابتداء، اسے عیال سے کر۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نسیم بن حزام سے روایت کی ہے (1)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ دینار جو تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور وہ دینار جو تو ظالم آزاد کرانے پر صدقہ کرے اور وہ دینار جو تو مسکین پر صدقہ کرے اور وہ دینار جو تو اپنے اہل پر خرچ کرے، ان سب میں سے زیادہ اجراں دینار کا ہے جو تو نے اپنے اہل پر خرچ کیا ہے۔ اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (2) کیونکہ بنت الحارث سے مروی ہے فرماتی ہیں میں نے حضور نبی کریم ﷺ کے عہد ہمایوں میں ایک لوٹری آزادی۔ پھر میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو یہ اپنے خاوندوں کو دینی تو تیرا اجر بہت زیادہ ہوتا، (بخاری و مسلم 3)

سلیمان بن عامر سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسکین پر صدقہ کرنا صدقہ ہے اور ذی رحم محرم پر دوہرا صدقہ ہے، ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔ اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں معرفت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے مال میں سے بیزار ہا کا باغ بہت پسند ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ نیکی میرے لئے ذخیرہ ہوگی، یا رسول اللہ ﷺ آپ اسے مشیت الہی کے مطابق استعمال فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا اختیار تو یہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 518 (ابن سنی) صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 332 (ترمذی)

3۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 916 (ابن سنی) صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 323 (ترمذی)

4۔ جامع ترمذی، جلد 3 صفحہ 47 (اصحیٰ)۔ سنن نسائی، جلد 1 صفحہ 361 (نور محمد کارخانہ تجارت)

2۔ صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 322 (ترمذی)

ہے کہ اس باغ کو اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دے، پس ابوطلحہ نے اپنی قریبی رشتہ داروں میں اور اپنے بچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا، (متفق علیہ) (۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رشتہ والا دین اور زوجیت رکھنے والوں کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی املاک کے منافع شرعاً اور عرفاً متصل ہوتے ہیں (اور زکوٰۃ میں جو کمال طور پر کسی کو مالک بنانا شرط ہے) اور بیوی، بچوں کو دینے سے متعلق نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَذَرِكْ مَا لَكَ فِى الْحَيَاةِ حَتَّىٰ تَضَعَ ظَهْرَكَ فِى الرُّحُبِ الْمَمَاتِ۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رشتہ ولادت کے علاوہ بقیہ تمام رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بلکہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا بہتر ہے کیونکہ اس میں صدقہ کے ساتھ صلہ بھی ہے، پس بھائی، بہنیں، بیچے، پھوپھیاں، ماموں، خالائیں سب کو زکوٰۃ کی نیت سے مال دینا جائز ہے اگرچہ وہ اس شخص کی کفالت میں بھی ہوں اور قاضی نے ان کا خرچ اس شخص پر مقرر نہ کیا ہو۔ اگر قاضی نے ان کا خرچ مقرر کیا ہو تو پھر زکوٰۃ کی نیت سے ان کو مال دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح ایک واجب میں دوسرے واجب کی ادائیگی لازم آئے گی جو جائز نہیں ہے لیکن اگر خرچ میں اس رقم کو شرت کرے اور علیحدہ ان کے حوالہ کر دے تو جائز ہے کیونکہ پھر تملیک کا جو کمال ہوگا۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا لفظ (خرچ) انسان پر لازم ہو اس کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے۔ امام غزالی کی دلیل یہ ہے کہ خرچ کرنا پہلے ہی زکوٰۃ دینے والے پر واجب ہے۔ قریبی رشتہ داروں کا مسئلہ سورۃ بقرہ میں وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ مِمَّا رَزَقَتْهُ اُمُّهُ مِمَّا رَزَقَتْهُ بِهَا تَعْتَقُ ذَٰلِكَ تَحْتِ اَمْرٍ عَنِ النَّبِيِّ اِنْ كُنْتُمْ اُولَآئِكَ عَٰلَمِیْنَ سے بیان کر دیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے قول کے مطابق ہے۔ ولادت کے رشتہ داروں اور بیوی کو زکوٰۃ دینے کی علت املاک کا اتصال ہے اور یہ املاک کا اتصال رشتہ ولادت اور زوجت میں پایا جاتا ہے لیکن صاحبین کے نزدیک بیوی کا اپنے خاندان کو زکوٰۃ دینا خلاف قیاس جائز ہے اور اسی قول میں انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی حدیث کی اتباع کی ہے، وہ فرماتی ہیں میں مسجد نبوی میں گئی لیکن نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا جبکہ آپ ﷺ عورتوں سے مخاطب تھے کہ حدیث کرو، اگر چاہئے زیورات سے بھی ہو۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور کچھ بیویوں پر مال خرچ کرتی تھی جو تہیم آپ کی پرورش میں تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھو کہ کیا جو میں تم پر اور ان بتائی پر جو مال خرچ کرتی ہوں جو میری پرورش میں ہیں وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے قائم مقام ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ خود ہی رسول اللہ ﷺ سے دریافت کریں حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو میں نے وہاں ایک انصاری عورت کو پایا جو میری طرح کا مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی۔ ہمارے پاس سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ گزرے تو ہم نے ان سے کہا کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیجئے کہ کیا جو میں اپنے خاندان پر اور اپنے زیر کفالت یتیموں پر خرچ کرتی ہوں وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے قائم مقام ہو جائے گا۔ ہم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہی کہا کہ ہمارا نام ذکر نہ کرنا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور مسئلہ پوچھا آپ ﷺ نے پوچھا وہ عورتیں کون ہیں فرمایا ایک تو زینب ہے، فرمایا کون زینب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضرت عبداللہ بن مسعود

کی بیوی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس کے لئے دو اجر ہیں، ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا (۱)۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم، نسائی اور طحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں کچھ الفاظ مختلف ہیں۔ علیٰ سنی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ وہ یتیم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بچھے اور بھانجے تھے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے اس طرح روایت کی ہے کہ ایک کے پاس اضافی مال ہے جبکہ اس کی کفالت میں یتیم بچھے ہیں اور دوسری کے پاس اضافی مال ہے اور اس کا خاوند غریب و نادار ہے، الخ۔ صاحبین فرماتے ہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قول ایجنونی عسی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ صدقہ واجبہ کے متعلق سوال تھا کیونکہ اجزاء کا فصل صدقہ واجبہ میں استعمال ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ سوال صدقہ فائدہ کے متعلق تھا کیونکہ نقلی صدقہ پر نبی کریم ﷺ براہین فرماتے تھے اور اس کی بہت زیادہ ترغیب دیتے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قول ایجنوی اگرچہ فقہاء کے عرف جدید میں غالباً صدقہ واجبہ کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن فقہاء کے الفاظ میں یہ عام معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کہ کیونکہ اجزاء کا معنی کفالت بھی ہے۔ پس معنی یہ ہوگا کہ کیا صدقہ کے قصود یعنی قرب و اہلی کا تحقق اور صدقہ کے مراد کا تحقق پایا جائے گا اگر میں اپنے خاوند پر صدقہ کر دوں۔ پس نقلی صدقہ مراد لینے سے قیاس، معارضت سے سلامت ہو جائے گا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقلی صدقہ کی تاویل پر دوسری روایات سے حجت پیش کی ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے حضرت رابطہ بنت عبد اللہ جو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی، سے روایت کیا ہے۔ حضرت رابطہ رضی اللہ عنہا دست کاری کیا کرتی تھیں اور عبد اللہ بن مسعود کے پاس کوئی مال و دولت نہ تھا۔ ان کی بیوی رابطہ ان پر ادران کی اولاد پر خرچ کیا کرتی تھیں۔ حضرت رابطہ رضی اللہ عنہا نے عبد اللہ بن مسعود سے کہا قسم بخدا تو نے اور میری اولاد کو مجھے صدقہ کرنے کی نیکی سے محروم کر دیا ہے، میں تمہاری وجہ سے صدقہ نہیں کر سکتی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تیرے لئے یہ پیشہ نہیں کرتا کہ تجھے ہم پر خرچ کرنے سے اجز نہ ملے۔ پس دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت رابطہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ایک دستکار عورت ہوں، اپنی دست کاری میں سے کچھ فروخت کر کے انتظام چلاتی ہوں، جبکہ میرے بچوں اور میرے خاوند کے پاس کچھ نہیں ہے۔ میرا سامان مال ان پر خرچ ہو جاتا ہے۔ میں ان کی وجہ سے صدقہ کرنے کی نیکی سے محروم ہوں، کیا ان پر خرچ کرنے سے مجھے صدقہ کا اجر ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو تو ان پر خرچ کرے گی اس کا اجر ہوگا تو ان پر ضرور خرچ کیا کر (2)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رابطہ سے مراد زینب ہی ہیں جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی کیونکہ حضور ﷺ کے زمانہ میں حضرت زینب کے علاوہ عبد اللہ کی کوئی اور بیوی نہ تھی (3)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو سندوں سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عورتوں کی جماعت! میں نے عقل و دین میں ناقص چیزوں میں سے کوئی چیز تم سے زیادہ دانشمندی کی عقل کو زائل کرنے والی نہیں دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ تمہاری تعداد قیامت کے روز دوڑیں تم زیادہ ہے پس تم جس قدر طاقت رکھتی ہو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ ان عورتوں میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی پیشی تھی۔ وہ جب ابن مسعود کے پاس واپس

1- صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 198 (دزارت تعلیم)

2- شرح معانی الآثار جلد 1 صفحہ 308 (دزارت تعلیم)

3- شرح معانی الآثار جلد 1 صفحہ 308 (دزارت تعلیم)

آئیں تو حضور ﷺ کا ارشاد انہیں سنایا پھر اپنی چادر نیکر چل پڑیں۔ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا یہ زیورات اٹھا کر کہاں جا رہی ہو، عرض کی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کے لئے جا رہی ہوں، بشاہد اللہ تعالیٰ مجھے دوڑتیوں میں سے نہ بنائے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابراہیم آؤ یہ مال دزر مجھ پر اور میرے بچوں پر صدقہ کرو۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا نہیں بخدا میں یہ بارگاہ رسالت میں لے جاؤں گی۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس مال کو عبد اللہ بن مسعود (یعنی اپنے خاندان) اور اس اولاد پر خرچ کرو، وہ بھی اس کے مستحق ہیں (1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت فرمائی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ عقیقہ عید النضر یا عید النضر کے موقع پر عید گاہ میں تشریف لائے، پھر نماز سے فارغ ہو کر وعظ فرمایا اور لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا فرمایا اے لوگو! صدقہ کرو۔ پھر عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا اے عورتوں کے گروہ! صدقہ کرو میں سب سے زیادہ تمہیں دوزخ میں دیکھتا ہوں، عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم دوزخ میں زیادہ کیوں ہیں فرمایا تم لعنت زیادہ کرتی ہوں اور اپنے شوہروں کی نافرمانی کرتی ہو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا میرے پاس زیورات ہیں میں انہیں صدقہ کرنا چاہتی ہوں۔ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا میں اور میری اولاد تیرے اس صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عبد اللہ نے سچ کہا ہے تیرا خاندان میری اولاد تیرے صدقہ کے زیادہ مستحق ہے (2)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قصہ روایات دلیل ہیں کہ یہ صدقہ نافذ تھا، کیونکہ پہلی حدیث میں ہے کہ میں ایک ایسی عورت ہوں جو اپنے ہاتھ سے کام کرتی ہوں۔ صراحتاً دلیل ہے کہ آپ ایسے نصاب کی مالک نہ تھیں جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ دوسری حدیث دلالت کرتی ہے کہ اس نے تمام زیور صدقہ کیا تھا، تو تمام زیور بطور زکوٰۃ نہیں بلکہ بطور نفل دیا جاتا ہے، یہ تینوں احادیث دلالت کرتی ہیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کو صدقہ دیا تھا، حالانکہ علماء کا اجماع ہے کہ عورت کے لئے اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عورت کا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینے کے عدم جواز پر اجماع قائل تسلیم نہیں ہے کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک زکوٰۃ دینے سے مانع زکوٰۃ دینے والے پر زکوٰۃ لینے والے کے خرچ کا وجوب ہے، ورنہ باپ کے ہوتے ہوئے اولاد کا نفع مال پر لازم نہیں ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے پورے زیور کو صدقہ کرنے سے استدلال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ لیکن ہے اس پورے زیور کا بطور زکوٰۃ دینا واجب ہو۔

میں کہتا ہوں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی کی احادیث کو ایک واقعہ پر محمول کرنا تکلف ہے ظاہر ہے کہ یہ دو جگہ تکلیف مختلف واقعات ہیں۔ جیسا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کیونکہ عید النضر یا عید النضر میں عید گاہ کی طرف رسول اللہ ﷺ کا نکلتا اور واقعہ ہے اور مسجد میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ کا وعظ و نصیحت کرنا اور واقعہ ہے اور بتائی پر خرچ کرنا، اپنی اولاد پر خرچ کرنے کے علاوہ واقعہ ہے۔ اور بعض طرق میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھ پر اور میری اولاد پر صدقہ کرو اور بعض میں ہے کہ اگر تو ایسا کرے تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تیرے لئے اس میں اجرت ہو، جب ہم ان کو دو واقعات فرض کریں تو ظاہر یہی ہے کہ ایک واقعہ میں آپ کا سوال صدقہ واجب کے متعلق تھا کیونکہ ایک مرتبہ نفل صدقہ کا حکم جاننے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ سے دوبارہ سوال کرنے کا احتمال نہیں ہو سکتا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے سوال پر آپ

ﷺ کا مطلب یہ فرماتا کہ خاندان پر صدقہ کرنے سے تجھے دو اجر ملیں گے، صدقہ کے اجزاء کے علوم پر دلالت کرتا ہے، واللہ اعلم۔ زکوٰۃ کے تریخی اسباب میں سے ایک پڑوس بھی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرئیل مجھے پڑوسی کے متعلق وصیت کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ وہ ہمسایہ کو وارث بنا دیں گے (1)۔ اس حدیث کو امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام احمد، بخاری، مسلم اور اصحاب سنن رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم شور بہ والا سائن پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال کرو (2)۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (3)۔ اسی طرح مستحکمین زکوٰۃ میں سے زیادہ مستحق میالدار کی وجہ سے زیادہ حاجت مند ہونا بھی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ بھوکے شخص کو بیکر کر کے کھانا کھلانا ہے۔ اس حدیث کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح ایک تریخی سبب سائل کا سوال کرنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اَسْأَلُ النَّاسَ بِمَا كَلَّمْتَهُمْ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سائل کا حق ہے، اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے (4)۔ اس حدیث کو حضرت امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح سند صحیح کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابیہر اس بن زیاد سے روایت کی ہے۔ امجدیہ سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سائل کو بھوکے کر لو تاؤ اگر چہ جلا ہو ابھری کا کھر بھی ہو (5)۔ اس حدیث کو امام مالک اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے مرسل روایت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی تمہیں خبر نہ ہوں کہ سب سے برا آدمی کون ہے، سب سے برا وہ شخص ہے جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ عطا نہ کرے (6)۔ تنبیہ ہونا اور قیدی ہونا بھی اسباب ترجمہ میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيُطْعَمُونَ السَّلَامَةَ عَلَىٰ حَيْثُمْ وَسَكَبَاتُ سَبِيحَاتٍ وَأَيُّهَا۔

مذکورہ بالا اسباب تریخ کے علاوہ بھی آیات و احادیث کے ذریعے اسباب تریخ معلوم ہوتے ہیں اور جو میں نے لکھا ہے کہ تمام مصارف زکوٰۃ فقراء کی اصناف ہیں۔ یہ ہر اقوال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اکثرا ائمہ کی رائے کے موافق ہے کیونکہ انہوں نے تمام اصناف میں فقر کی شرط لگائی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آٹھوں اصناف میں سے ہر ایک مستحق زکوٰۃ کا مستحق ہے تمام میں فقر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ مؤکلفہ القلوب۔ مکاتب، مدیون (مقروض) غازی اور ابن سبیل (مسافر) کو زکوٰۃ دینی جائز ہے، اگرچہ وہ فقی بھی ہوں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کی مرسل حدیث سے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ کسی فقی کے لئے حلال نہیں ہے لیکن پانچ افراد کو فقی ہونے کے باوجود زکوٰۃ لینی جائز ہے: 1۔ اللہ کے راست میں جہاد کرنے والا، 2۔ زکوٰۃ کا مال جمع کرنے والا یا مقروض، 3۔ یا وہ شخص جو صدقہ کے مال کو اپنے مال سے خرید لے، 4۔ یا وہ شخص جس کا پڑوسی مسکین ہو، 5۔ مسکین پر صدقہ کیا جائے اور پھر وہ مسکین فقی کو صدقہ کر دے (7)۔ اس حدیث کو امام مالک اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 329 (قدیمی) 2۔ صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 329 (قدیمی) 3۔ شعب الایمان: 3367 (احمدیہ)

4۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 235 (ذرات تعظیم) 5۔ سنن نسائی، جلد 1 صفحہ 357 (ذرات تعظیم)

6۔ سنن نسائی، جلد 1 صفحہ 358 (ذرات تعظیم) 7۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 231 (ذرات تعظیم)

نے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث سند اور متن دونوں اعتبار سے مضطرب ہے۔ سند میں اضطراب اس طرح ہے کہ زید بن اسلم پر اختلاف ہے۔ بعض صحہ میں فرماتے ہیں انہوں نے عطاء سے مرسل روایت کی ہے، جیسا کہ مؤطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور مؤطا سے ابوداؤد نے نقل کی ہے۔ بعض صحہ میں فرماتے ہیں زید بن اسلم نے لیث سے یہ حدیث بیان کی ہے بعض نے اس کی سند اس طرح لکھی ہے عن زید بن عطاء عن ابی سعید۔ یہ سب روایات ابوداؤد میں ہیں۔ متن میں اضطراب اس طرح ہے کہ روایت مذکورہ کے الفاظ ایک تو وہ ہیں ہم نے ذکر کر دیئے ہیں اور ابوداؤد نے عمران الباقری عن عیث بن ابی سعید کی سند سے اس طرح روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ (زکوٰۃ) کسی غنی کے لئے حلال نہیں ہے لیکن اللہ عزوجل کے راستہ میں یا مسافر یا یتیم پڑوسی جس پر صدقہ کیا گیا ہو اور وہ فقیر تمہیں دے دے یا وہ فقیر مال اس سے تمہاری دعوت کرے (1)۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بعض صحہ میں فرماتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ اگر ثابت ہو تو حضرت معاذ کی حدیث کے برابر نہیں ہے جسے اصحاب کتب سے روایت کیا ہے۔ اگر اس کا قوت مان لیا جائے تو پھر بھی حدیث معاذ راجح ہے کیونکہ حدیث معاذ میں منہج کا حکم ہے جبکہ اس حدیث میں اباحت کا حکم ہے۔ اسی کے علاوہ اس حدیث میں تاویل بھی کی گئی ہے کیونکہ غازی کے لئے زکوٰۃ کا مال لینا شرط ہے کہ اس کو سرکاری دفتر سے کچھ نہ ملے اور نہ ان کے مال فنی سے کچھ لیا ہو، حالانکہ حدیث میں موم ہے یہ قیود نہیں ہیں۔ مؤول حدیث غیر مؤول حدیث کے مقابلہ میں کمزور اور ضعیف ہوتی ہے۔ حضرت زیادہ بن الحارث الصدائی کی حدیث میں ہے، فرماتے ہیں میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہے ایک شخص آیا اور حضور ﷺ سے عرض کی حضور ﷺ مجھے صدقہ کے مال سے عطا فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے صدقات کے متعلق کسی نبی اور کسی غیر نبی کے حکم کو پسند نہیں فرمایا حتیٰ کہ خود ہی ان کے متعلق حکم فرمایا اور ان کی آٹھ اصناف مقرر فرمائیں اگر تو ان آٹھ اصناف سے تعلق رکھتا ہے تو میں تمہیں عطا کروں گا۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے (2)۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ یہ عبداللہ بن عمر بن عامر الافریقی سے مروی ہے جس کو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے مجهول الحال لکھا ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے معصوم کہا ہے۔ عبدالرحمن بن زیاد نے شیخ کہا ہے، ابن معین اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے لیس بالمقبول لکھا ہے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ جب زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں اور بقیہ تمام اصناف اس کی انواع ہیں تو ان میں سے کسی ایک منصف کو زکوٰۃ کا مال دینے کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے یا کسی ایک شخص کو تمام مال زکوٰۃ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ہم ان اصناف کو فقراء سے علیحدہ اصناف تصور کریں تب بھی ایک منصف اور ایک شخص کو کل مال زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام اصناف کی موجودگی میں بعض کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام اصناف مصارف کو دینا واجب ہے، اگر امام تقسیم کرے اور عامل زکوٰۃ بھی ہو تو تمام اصناف کو زکوٰۃ دی جائے گی۔ اگر عامل نہ ہو تو ساتوں قسموں میں تقسیم ہوگی۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ چھ قسموں میں تقسیم کی جائے گی کیونکہ مؤلف انقلوب کا حصہ ساتھ ہو گیا ہے۔ اگر تمام اقسام موجود نہ ہوں تو جو موجود ہیں ان کو زکوٰۃ ملے گی لیکن ہر قسم کو برابر حصہ دیا جائے گا۔ جب امام زکوٰۃ کا مال تقسیم کرے تو حاصل شدہ مال زکوٰۃ سے ہر ہر منصف کے ہر ہر فرد کو زکوٰۃ دے۔ اسی طرح مالک خود اگر زکوٰۃ

تقسیم کرے تو وہ بھی تمام اصناف کو ادا کرے اگر وہ شہر کے مستحقین پر انحصار کرے اور ان پر مال پورا ہو جائے۔ اور اگر یہ تمام اصناف کے ہر فرد پر مال پورا نہ ہو تو ہر صنف کے تین افراد کو دینا واجب ہے بشرطیکہ ان میں سے تین یا زیادہ موجود ہوں۔ اور اگر کسی صنف کا صرف ایک فرد پایا جائے تو اس کی صنف کا سارا مال اسے دے دیا جائے گا بشرطیکہ وہ استحقاق کی حد سے خارج نہ ہو جائے۔ اگر اس کی حاجت پوری ہو جائے اور مال کچھ بچ جائے تو باقی اصناف میں وہ مال لوٹا دیا جائے گا۔ اصناف کے درمیان مال کی برابر تقسیم واجب ہے، کسی صنف کے افراد میں برابری واجب نہیں۔ لیکن اگر تمام تقسیم کرے اور تمام افراد کی حاجت بھی برابر ہوں تو لام کو فرق کرنا حرام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ الام میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد للفقراء میں لام استحقاق کے لئے ہے، پس اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھوں کو مصارفِ زکوٰۃ کا استحقاق ذکر فرمایا ہے۔ اس لئے ہر صنف کو دینا واجب ہے اور ہر صنف کو معرف بلام اور جمع ذکر فرمایا ہے، اس لئے ہر صنف کے ہر فرد کو دینا واجب ہے (کیونکہ لام استقراتی ہے)۔ اگر ممکن ہو اس طرح کہ ہر صنف کے افراد شہر میں منحصر ہوں، اور مال ان پر پورا تقسیم ہوتا ہو، اگر تمام افراد میں تقسیم کرنا ممکن نہ ہو تو تین افراد کو دیا جائے گا تا جمع کا تصور باقی رہے۔

ہم (احناف) کہتے ہیں آیت کریمہ میں لام تعریف استفراف کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ ہر صدقہ کو پورے عالم کے فقراء کو صرف کرنا واجب نہیں ہے اور شہر کے فقراء کے ساتھ استفراف کی تخصیص ایک اختراعی امر ہے۔ اسی طرح جب شہر کے فقراء کا حصہ ممکن نہ ہو تو تین سے زیادہ افراد کی طرف زکوٰۃ کا بکھیرنا بالا جماع واجب نہیں ہے۔ اگر لام استقراتی ہوتا تو ہر فرد کو زکوٰۃ دینا واجب ہوتا، یا جیسے افراد کا استیجاب ممکن ہوتا۔ مثلاً اگر ہر صنف کا حصہ سو درہم ہوں اور شہر کے فقراء کا حصہ ممکن نہ ہو تو سو فقیروں کو دینا واجب ہوتا جس پر اکتفاء جائز نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ لام محض کلمہ ہے اور لام محض حیثیت کے منافی ہے پس معنی یہ ہے کہ محض فقیر زکوٰۃ کی مستحق ہے، خواہ کوئی فرد بھی ہو، اگر ہم تسلیم کر لیں کہ حیثیت باقی ہے تو جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ اس بات کا متضمنی ہے کہ آحاد پر آحاد کو تقسیم کیا جائے۔ لام جم استحقاق کے لئے ہونا ممنوع ہے کیونکہ لام کا حقیقی معنی اختصاص ہے اور انحصار، ملک اور استحقاق سے اہم ہے۔ پس لام یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہی لوگ مصارفِ زکوٰۃ ہیں ان کے علاوہ نہیں، ہمارے مذہب کی تائید بہت سی احادیث اور آثار بھی کرتے ہیں۔ تنبیہی اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس صنف کو زکوٰۃ دے دے گا میری طرف سے ادا ہو جائے گی (1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ رضی صدقہ وصول کرتے اور ایک ہی مصرف زکوٰۃ پر صرف کر دیتے تھے۔ ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ جو چیز اصناف کے قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے کہ آیت کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس ماں آیا تو آپ ﷺ نے ایک ہی صنف مؤکلفہ انقلاب کو عطا فرمایا، یعنی اقرع بن حابس، عیینہ بن حصین، علقمہ بن علاشا اور زید بن ارجیل کو عطا فرمایا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جو سوتہ بھیجا تھا وہ بھی ان لوگوں میں تقسیم فرمایا (2)۔ اہل یمن سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ پھر جب دوسری مرتبہ مال آیا تو دوسری صنف یعنی قرظداروں میں تقسیم فرمایا اور جب قبضہ بن خازم کچھ مانگے کے لئے آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا قبضہ ٹھہرو، جب صدقہ ہمارے پاس آئے گا تو ہم تمہیں دینے کا حکم فرمائیں گے، جبکہ اس سے قبل آپ ﷺ دوسروں کا تاوان اپنے ذمہ لے چکے تھے۔ ابن ہام فرماتے ہیں اس روایت کے خلاف ہمیں کوئی قولی یا فعلی روایت نہیں

ملتی۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت عمر، حضرت حذیفہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ کئی صحابہ کرام اور تابعین سے ایک صنف کو زکوٰۃ کا مال دینے کا جواز مروی ہے۔ امر ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے اور ہمارے بعض شرافع علماء کا بھی جتنا یہی قول ہے، میرے شیخ اور میرے والد صاحب بھی یہی فتویٰ دیتے تھے کہ آیت کریمہ اس بات کا بیان ہے کہ زکوٰۃ کا مال ان اصناف کے علاوہ اور کسی کو نہ دیا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان پر تقسیم کرنا واجب ہے۔ (1)

مسئلہ:۔ منیٰ جو مذکورہ اصناف میں سے نہیں ہے اسے ہالا ہراج زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے لیکن جو منیٰ مذکورہ اصناف میں سے ہے اس کو زکوٰۃ دینے یا نہ دینے میں اختلاف ہے اور منیٰ کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے جس کے لئے زکوٰۃ لینی جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں منیٰ وہ ہے جو کسی بھی مال کے اعتبار سے مالک نصاب ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں جس کے پاس صبح و شام کا کھانا ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینی جائز نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے، جو سوال کرے درآن حالیکہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے لوگوں سے مستثنیٰ کر دے تو وہ اپنے لئے آگ میں اضافہ کر رہا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اوہ غنا کیا ہے جو سوال کرنے سے مانع ہے فرمایا صبح و شام کے کھانے کی مقدار (2)۔ اس حدیث کو حضرت ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابن حنظلہ سے روایت کیا ہے، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں جو شخص چالیس درہم کا مالک ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینی جائز نہیں ہے۔ حضرت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سوال کیا درآن حالیکہ اس کے پاس اوقیہ کی قیمت موجود ہو تو اس امر اور اس کے ساتھ سوال کیا۔ میں نے سوچا کہ میری ان منیٰ یا تو وہ اوقیہ سے زیادہ ہے میں مسئلہ دریافت کرنے کے لئے لوٹا لیکن پھر سوال نہ کر سکا۔ ہشام رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ زائد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں اوقیہ چالیس درہم کا تھا (3)۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ عمرو شعیب سے اور شعیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس چالیس درہم ہوں اور پھر وہ لوگوں سے سوال کرے تو وہ ملحق ہے (4)۔ (یعنی اصرار کے ساتھ سوال کرنے والا ہے جو ممنوع ہے) بعض علماء فرماتے ہیں جو پچاس درہم کا مالک ہو اس کے لئے صدق حلال نہیں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت مروی ہے (5)۔ اسحاق اور ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے لوگوں سے مستثنیٰ کر دے اور پھر وہ سوال کرے تو قیامت کے روز اس حالت آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ سوال سے مانع کوئی غنا ہے فرمایا پچاس درہم یا ان کی قیمت کے برابر سو (6)۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے بعض علماء کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ جو احادیث تم نے ذکر کی ہیں یہ سب اس شخص کے لئے سوال کرنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں جس کے پاس صبح و شام کا کھانا ہو یا چالیس یا پچاس درہم اس کے پاس موجود ہوں۔ بغیر سوال کے زکوٰۃ لینے کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتی ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اتنی مقدار مال پائے کہ ایک وقت کے لئے کفایت کرے تو اس کے لئے مالکنا جائز نہیں ہے لیکن اگر بغیر مانگے اس کوئی زکوٰۃ دے تو اس کے لئے لینا جائز ہے کیونکہ صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی

- 1- تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کارروزی جلد 3 صفحہ 154 (الکر)
- 2- سنن ابی داؤد جلد 1 صفحہ 230 (ذرات نعیم)
- 3- سنن نسائی جلد 1 صفحہ 363 (ذرات نعیم)
- 4- سنن ابی داؤد جلد 1 صفحہ 229 (ذرات نعیم)
- 5- مسند احمد جلد 1 صفحہ 466 (صار)
- 6- سنن ابی داؤد جلد 1 صفحہ 229 (ذرات نعیم)

حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی چیز عطا فرماتے تو میں عرض کرتا یا رسول اللہ ﷺ یہ ان لوگوں کو عطا فرمائیں جو مجھ سے زیادہ حاجت مند اور نادار ہیں، فرمایا جب کوئی مال تجھے ملے جبکہ تو اس کا آرزو مند نہ ہو اور نہ تو اس کا سوالی ہو تو وہ مال لے لیا کہ جس کا تمہارا نفس خواہش مند نہ ہو (1)۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح و شام کا کھانا میسر تھا اور نہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ نادار ہوتے اور رسول اللہ ﷺ سے بغیر سوال کے صدقہ لینے کا انہیں حکم فرمایا۔

امام مالک، الشافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ زکوٰۃ کی حرمت میں کفایت کا اعتبار کرتے ہیں، یعنی اگر ضرورت کو پورا کرنے والا مال موجود نہ ہو تو صدقہ لینا جائز ہے، اگر چہ اس کے پاس قنطار (مال کا ڈھیر) موجود ہو مگر اگر بقدر ضرورت مال موجود ہے تو پھر زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے، اگرچہ بقدر ضرورت مال تھوڑا بھی ہو۔ پس ایک شخص کمائی کر رہا ہو تو ایک درہم کے ہوتے ہوئے بھی فقی ہوگا اور دوسرا شخص کمزوری اور عیالی کی کثرت کی وجہ سے ہزار درہم کے ہوتے ہوئے بھی فقیر ہوگا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب لکھا ہے کہ اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کے لئے اور اس کے عیال کے لئے ایک سال تک کے لئے کافی ہو تو وہ فقی ہے (2) کیونکہ حضرت قتیبہ بن خرقان رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لئے حلال ہے ایک وہ جو کسی فیصلہ میں اپنی قوم کا تانان اپنے ذمہ لے چکا ہو پس وہ اس تانان کی ادائیگی کے لئے اس وقت تک سوال کر سکتا ہے یہاں تک کہ وہ ادا کر دے۔ پھر سوال کرنے سے رک جائے۔ دوسرا وہ شخص جس کی بھتیجی پر کوئی آفت گری ہو اور اس کو بائبل نسبت دنا ہو کر دیا ہو تو وہ سوال کر سکتا ہے یہاں تک کہ اس کی زندگی کا معمول درست ہو جائے پھر سوال کرنے سے رک جائے۔ تیسرا وہ شخص جس کے متعلق قبیلہ کے تین افراد فیصلہ کریں کہ اس کا دیوالیہ ہو گیا ہے اور آفت لاحق ہو چکی ہے، تو اس کے لئے بھی سوال کرنا حلال ہے۔ یہاں تک کہ زندگی معمول پر آجائے۔ ان تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت سوال کرنا جائز نہیں ہے اے قتیبہ جو اس کے علاوہ صورتوں میں سوال کرے گا وہ حرام کھائے گا۔ اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (3)

حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب علیہما السلام فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا حق ہے اگرچہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے (4) اس حدیث کو امام احمد اور ابو داؤد رحمہما اللہ تعالیٰ بغیر بتائے روایت کیا ہے۔ وچہ استہلال ہے کہ پہلی حدیث دلالت کرتی ہے کہ مانگنا اس وقت تک مباح ہوتا ہے جب تک بقدر ضرورت مال نہ ہو اور جس کے پاس بقدر ضرورت مال موجود ہو، اگرچہ وہ چالیس درہم نہ بھی ہوں تو پھر بھی زکوٰۃ لینا اس کے لئے حلال نہیں ہے اور دوسری حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسائل اگرچہ گھوڑے پر آئے پھر بھی اس کا حق ہے، بلاشبہ یہ حکم حاجت کی صورت میں ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ جس کو ضرورت ہو اگرچہ اس کے پاس ہزار درہم بھی ہوں اس کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں احادیث کا مدعی سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ پہلی حدیث سوال کرنے کی اباحت اور حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے مانگنا حرام ہے اور ضرورت کے وقت مانگنا جائز ہے اور جس کو کوئی آفت لاحق ہو تو وہ زندگی کے معمول پر آئے تک سوال کر سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں زندگی کے معمول پر آنے کا مطلب ایک دن اور رات کی ضروریات کو پورا کرنے پر قادر ہو۔ جیسا کہ سبیل بن حنظلہ

1۔ صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 334 (تذہبی)

2۔ تفسیر بغوی جلد 3 صفحہ 68 (القر)

4۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 235 (ذرات تعلیم)

3۔ صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 334 (تذہبی)

کی حدیث میں ہے۔ جب زندگی معمول پر آجائے تو پھر مانگنا حلال نہیں ہے۔ ایسے شخص کو اگر کوئی بغیر سوال کے زکوٰۃ دے تو اس کے لئے لیٹا جائز ہے کیونکہ انما الصدقات للفقراء کا ارشاد مطلق پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری حدیث میں سائل کے حق کا بیان ہے اور وَلَوْ جَاءَ غُلِي فَرَسٌ (اگرچہ سائل گھوڑے پر سوار ہو کر آئے) کا ارشاد مبالغہ پر معمول ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گھوڑا اس کی حوائج اسیلی سے ہو شاد و فحش مجاہد ہو اور کبھی گھوڑے کا مالک مقرر ہو تا ہے اور اس کا گھوڑا نصاب کو نہیں پہنچتا، احتمالات کی موجودگی میں یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فحش کو زکوٰۃ دینی جائز ہے کیونکہ فحش کو زکوٰۃ نہ دینے پر نصوص قطعیہ موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فحش وہ ہوتا ہے جس کے پاس ضروریات اسیلیہ سے فارغ نصاب موجود ہو کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ صدقہ المدادر میں سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء پر لوٹا دیا جائے گا۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ ان کو مال زکوٰۃ دیا جائے گا جو دینے والوں کے علاوہ ہوں گے۔ پس ثابت ہو گیا کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہو اس کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے لیکن زکوٰۃ دینے سے مانع ہونے میں نامی اور غیر نامی مال میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ اوقیہ اور وہ مال جو اس کی قیمت کے برابر ہو ان کا حکم برابر ہے۔ وجوب زکوٰۃ میں نامی (بڑھنے والا مال) اور غیر نامی (بڑھنے والا) مال میں فرق ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ سبقتی باڑی کی ضرورت کے جانور، بوجھ لادنے والے جانور اور پالتو جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قدرت مجسّمہ کو زکوٰۃ کے وجوب کے لئے شرط قرار دیا ہے۔ ہم نے زکوٰۃ عطا کرنے کے لئے اس نصاب کو شرط قرار دیا ہے جو حاجات اسیلیہ سے فارغ ہو (یعنی اس شخص کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے جس کے پاس نصاب زکوٰۃ موجود ہو اور وہ ضروریات زندگی سے فارغ ہو) کیونکہ وہ نصاب جو حاجت و ضرورت کے لئے ہو وہ نہ ہونے کی مانند ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جو پانی پیاس بجھانے کے لئے ہو اس کے ہوتے ہوئے بھی پیاس بجھاتا ہے۔ پس ایسا مقروض جس کے پاس نصاب موجود ہو اس کے لئے زکوٰۃ یعنی جائز ہے جبکہ اس کا وہ نصاب اس کے قرض سے فاضل نہ ہو، اسی طرح مجاہد اور مسافر کے پاس سواری کے لئے گھوڑا ہو جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو یا وہ عالم جس کے پاس ایسی کتب ہوں جن کی اسے مطالعہ اور تدریس کی ضرورت ہو یا وہ شخص جس کے پاس رہائش کے لئے مکان ہو جو نصاب کو پہنچتا ہو۔ (تو ان تمام افراد کے لئے زکوٰۃ یعنی جائز ہے کیونکہ یہ سب اشیاء ان کی حاجات اسیلیہ ہیں۔) حضور نبی رحمت ﷺ کا ارشاد کہ صرف پانچ آدمیوں کے لئے زکوٰۃ حلال ہے مجاہد مقروض اور مسافر کا یہی عمل ہے۔

مسئلہ۔ فقیر جب کمانے پر قادر بھی ہو تو اسے زکوٰۃ دینی جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد انما الصدقات للفقراء فقراء کے عموم پر دلالت کرتا ہے، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمانے پر قدرت رکھنے والے فقیر کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا غنی اور غلات اور مضبوط شخص کے لئے فندقہ (زکوٰۃ) لیٹا حلال نہیں ہے (۱) اس حدیث کو امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے، اسی حدیث کو دارقطنی نے اعلل میں روایت کیا ہے۔ ابو یعلیٰ نے غلو سے روایت کی ہے امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ کا مال آیا تو لوگ لینے کے لئے آئے آپ ﷺ نے فرمایا کسی غنی اور صحت

مذکورہ شخص کے لئے صدقہ کا مال لینا صحیح نہیں ہے اور نہ ہی طاقتور مزدور کے لئے صدقہ لینا جائز ہے (1)۔ اس حدیث کو امام احمد اور دارقطنی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ تیسری دلیل عبید اللہ بن عدی کی حدیث ہے کہ دو آدمیوں نے انہیں بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں صدقہ کا مال مانگنے کے لئے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو نظر گھما کر دیکھا تو آپ ﷺ نے انہیں مضبوط جسم پایا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں گا لیکن صدقہ کے مال میں غنی اور طاقتور سکنے پر قدرت رکھنے والے شخص کا کوئی حصہ نہیں ہے (2)۔ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ صاحب التلخیص نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ کئی عمدہ حدیث ہے، بلحاظ سند بہت اچھی ہے۔ یہی حدیث ابن عدی نے کمال میں ابن عمر سے اور سنن ترمذی میں حبش بن جنادہ سے مروی ہے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابی زبیل عن رجل عن ابی ہلال کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے۔ لہذا اگر رحمۃ اللہ علیہ میں عبدالرحمن سے بھی یہی حدیث مروی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی ان روایات کا ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر تندرست قوی شخص کو زکوٰۃ دینی جائز نہ ہوتی تو آپ ﷺ نے نہ ارشاد فرماتے کہ اگر ترمذیوں چاہو تو میں تمہیں دے دوں گا۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا صراحتہ دلیل ہے کہ طاقتور، تندرست فقیر کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ اسی طرح بیماریاں دلیل حضرت عمر بن خطاب کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی چیز عطا فرماتے تو میں عرض کرتا یا رسول اللہ ﷺ یہ نہیں مہنگا فرماؤ۔ جو بھروسہ نہ کیا، جو بھروسہ نہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: دست تو اہل کا خواہش مند نہ ہو اور تو سوالی بھی نہ ہو اور مال تجھے ملے تو لے لو اور اگر انہی کی حالت یہ ہو تو ہم انہیں دے دیتے ہیں (3)۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور سالم بن ابن عمر بن ابیہ کے طریق سے مروی ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ مال لے لو، خوشحالی حاصل کرو اور اس کو اگے صدقہ بھی کرو۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کسی سے نہ کوئی چیز مانگتے تھے اور جو چیز آپ کو دی جاتی تھی اسے واپس بھی نہ کرتے تھے (4)۔ اگر یہ کہا جائے نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کام کی اجرت یعنی زکوٰۃ کا مال اٹھانے کی اجرت عطا فرمائی تھی فقرا و غربت کی وجہ سے نہیں دینی تھی۔ اسی وجہ سے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ یہ مال لے لو خوشحالی حاصل کرو اور صدقہ بھی کرو۔ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں تصریح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مال زکوٰۃ پر مقرر ہونے کی بنا پر دیا تھا۔ حضرت ابو سعید الخدری سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے صدقہ کے مال پر مامور کیا تھا جب میں فارغ ہوا اور کام کو مکمل کر لیا تو آپ نے مجھے کام کی اجرت لینے کا حکم فرمایا میں نے عرض کیا جناب میں نے تو اللہ کی رضا کے لئے کام کیا ہے اور میرا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا جو تجھے دیا جا رہا ہے لو لے لو، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں زکوٰۃ کے کام پر مامور تھا تو مجھے جب اجرت دینے لگے تو میں نے بھی تیری طرح کہا تھا لیکن آپ ﷺ نے مجھے فرمایا جب تجھے کوئی چیز بغیر سوال کے ملے تو کھا لو اور اسے صدقہ بھی کرو (5)۔ میں کہتا ہوں، اعتبار ہمیشہ لفظ کے عموم کا ہوتا ہے، خاص واقعہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ جب الفاظ عام ہیں کہ جب تیرے پاس مال آئے اور تو اس کا خواہش مند نہ ہو تو لے لو۔ احادیث میں خود مگر سے صراحتاً یاد اللہ ظاہر ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے مسائل کو صدقہ دیا، اگرچہ وہ صحیح و سلاست بھی ہوتا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، فرماتے ہیں میں ایک واقعہ رسول اللہ ﷺ کے

1- سنن الدارقطنی جلد 2 صفحہ 119 (المان)
2- سنن ابی داؤد جلد 1 صفحہ 231 (ذرات تہذیب)
3- صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 334 (قدیمی)
4- صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 335 (قدیمی)
5- سنن ابی داؤد جلد 1 صفحہ 231 (ذرات تہذیب)

ساتھ چل رہا تھا اور آپ ﷺ کے اوپر ایک مونے حاشیہ والی نجرانی چادر تھی۔ ایک اعرابی (بدو) آیا اور اس نے تختی کے ساتھ اس چادر کو کھینچا، اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی گردن ٹپاک پر اس چادر کے نشان پڑ گئے۔ بدو نے کہا اسے تم جو تمہارے پاس اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دیجئے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرائے، اور پھر اسے عطا کرنے کا حکم بھی دیا (1)۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہت سی احادیث اس حدیث کی شاہد ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ تمام احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ طاقور فقیر کو صدقہ دینا جائز ہے، خواہ وہ فقیر سوال کرے یا نہ کرے اور اگر وہ سوال نہ کرے تو حسب بھی اسے دینا جائز ہے لیکن سوال کرنا اور سوال کر کے لینا مکروہ ہے۔ پس آپ ﷺ نے جو تندرست آدمی کے لئے صدقہ کے حلال نہ ہونے کی بولٹی فرمائی ہے وہ سوال کرنے کی طلت کی لٹی اور جو مانگتے پر دیا جائے اس صدقہ کے حلال نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ وہ احادیث جو طاعت کی لٹی پر دلالت کرتی ہیں وہ مانگنے کی صورت میں ہیں، واللہ اعلم۔

مسئلہ:- اکثر ائمہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے لئے واجب اور نفل کوئی صدقہ حلال نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقلی صدقہ کے متعلق دو اقوال ہیں اور امام احمد سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے۔ جوہر علماء کی جنت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ راستہ میں ایک بھوکے پاس سے گزرے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اس کے صدقہ ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں اس بھوکے کو کھاتا (2)۔ اس حدیث کو بخاری سلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی کھانا یا پانی آتا تو آپ ﷺ پوچھتے کیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے۔ اگر بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ ﷺ صحابہ کرام سے فرماتے تم کھاؤ اور خود نہ کھاتے اور اگر مرض کی پانی کہ حضور ﷺ ہدیہ ہے تو آپ اپنے ہاتھ سے صحابہ کرام کے ساتھ کھانا شروع فرماتے، (متفق علیہ) (3)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہرین حکیم بن ابن عبدہ کی سند سے اسی طرح روایت کی ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی آل کے لئے بھی صدقہ (زکوٰۃ، مشر و غیرہ) حلال نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی بھجور لی اور اپنے منہ میں ڈال دی۔ نبی کریم ﷺ نے کُح فرمایا تاکہ وہ بھجور پیچک دیں پھر فرمایا تجھے معلوم نہیں ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:- نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے اقارب پر صدقہ حرام و حلال ہونے میں علماء کے چار مختلف اقوال ہیں:- (4)

1- آپ کے قریبی رشتہ داروں کے لئے فرضی نقلی سب صدقات جائز ہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک یہی روایت مروی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی طرح منقول ہے لیکن اس قول کی تائید دلیل شرعی سے نہیں ہوتی مگر وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مال نسیبت کے فحش کا شمس، زکوٰۃ کے عوض اپنے اقارب کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ جب آپ ﷺ کے وصال کے بعد مال نسیبت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ ساتھ ہو گیا تو صدقہ کی حرمت بھی ساتھ ہو گئی۔

2- آپ ﷺ کے اقارب کے لئے فرضی اور نقلی صدقات لینا مطلقاً منع ہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے امام طحاوی اور ابن ہمام رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی قول کو پسند کیا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عام ہے ہم آل محمد (ﷺ)

2- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 344 (قدیمی)

1- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 337 (قدیمی)

4- بخاری شریف، جلد 1، صفحہ 202 (وزارت تعلیم اسلام آباد)

3- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 345 (قدیمی)

صدقہ نہیں کھاتے۔ ایک روایت میں ہے ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے (1)۔ اس کو سلم، طبرانی اور بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ اور شد بن مالک سے روایت کیا ہے، اسی طرح امام احمد اور طحاوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قصہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

3۔ آل رسول کے لئے فرضی صدقات جائز ہیں اور نفل صدقات جائز نہیں ہیں۔ یہ صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ واجب لازم حق ہوتا ہے اس کے لینے سے ذلت نہیں ہوتی جبکہ نفل چیز لینے سے تذلیل ہوتی ہے۔ یہ قول مذکورہ احادیث کی بناء پر مردود ہے۔

4۔ آل رسول کے لئے نفل صدقات جائز ہیں فرضی جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مشہور یہی ہے۔ شرافع اور حنا بلہ کا بھی صحیح قول یہی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی طرح مروی ہے۔ امام مالک سے چار اقوال مروی ہیں اور سب مشہور ہیں۔

اس حقے قول کی توجیہ یہ ہے کہ مذکورہ احادیث طیبہ فرضی صدقہ پر مہمول ہیں۔ اسی طرح مطلب بن ربیعہ بن الحارث کی حدیث ہے کہ ربیعہ اور عباس بن عبدالمطلب ہاتھ بٹھے اور مشورہ کیا کہ ہم ان اپنے نوجوانوں (یعنی مجھے اور فضل بن عباس) کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں کیوں نہ بھیجیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں صدقہ پر مامور فرمائیں اور انہیں بھی وہ اجرت ملے جو لوگوں کو ملتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہیں نہ بھیجو لیکن ہم نے آپ کی بات کی طرف دھیان نہ دیا۔ مطلب بن ربیعہ کہتے ہیں ہم دونوں چل پڑنے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، اس دن آپ ﷺ زینب بنت جحش کے پاس تھے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم بالغ ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ جھلکا رہیں تمام سے زیادہ تعلقات کو قائم رکھنے والے ہیں ہم آپ ﷺ کی بارگاہ میں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمیں صدقہ (زکوٰۃ) انکھا کرنے کی ذمہ داری عطا فرمائیں تاکہ ہم اسے دوسرے لوگوں کی طرح ادا کر کے مشاہرہ حاصل کریں جس طرح دوسرے حاصل کرتے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کوئی دیر آپ ﷺ خاموش رہے اور پھر فرمایا صدقہ (زکوٰۃ) آل محمد کے لئے مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ لوگوں کی میل بیکل ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ بن جزمہ کو بلاؤ جن کا تعلق بنی اسد سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں غصہ پر مقرر کر رکھا تھا اور فرمایا نفل بن الحارث بن عبدالمطلب کو بلاؤ۔ جب وہ دونوں آگئے تو تمہیہ کو فرمایا اس تم اپنی بیٹی کا نکاح فضل بن عباس سے کر دو اور نفل بن الحارث کو فرمایا تم اپنی بیٹی کا نکاح مطلب بن ربیعہ سے کر دو اور پھر تمہیہ کو فرمایا ان دونوں کا مہر تم سے اتنا اتنا ادا کر دو۔ اس حدیث کو سلم نے روایت کیا ہے (2)۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ ہاشمی کے لئے صدقہ (زکوٰۃ) لینا جائز نہیں ہے، اگرچہ وہ زکوٰۃ جمع کرنے پر مامور بھی ہو۔ جب عامل ہونے کے باوجود بھی نہیں لے سکتا تو عام ہاشمی کیسے لے سکتا ہے۔ لیکن یہ حدیث فرضی صدقہ کے متعلق ہے کیونکہ فرضی زکوٰۃ کی وصولی کے لئے آپ ﷺ کو لوگوں کو بھیجتے تھے۔ نفل صدقہ کے جواز پر دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمایا ہے کہ مدینہ طیبہ کا قافلہ پہنچا تو آپ ﷺ نے ان سے کچھ سامان خرید اور پھر چاندی کے چند اوقیہ نفع لیکر اسے فروخت کر دیا اور پھر وہ بنی عبدالمطلب کی یہ اہل میں صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا جب تک کسی چیز کی بھرے پاس قیمت نہ ہوگی میں آئندہ کبھی نہ فریاد گا (3)۔ اسی طرح نفل

2۔ صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 344 (ترمذی)

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 1 صفحہ 300 (ذرات صمیم)

3۔ شرح معانی الآثار، جلد 1 صفحہ 297 (ذرات صمیم)

صدقہ کے جواز پر وہ حدیث شریف بھی ہے جسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عن ابراہیم بن محمد عن جعفر بن محمد عن ابی عبد اللہ علیہم السلام کی سند سے روایت کی ہے۔ آپ ﷺ کا اور مدینہ طیبہ کے درمیان موجود کنوؤں سے پانی پیتے تھے۔ پوچھا گیا حضور ﷺ! آپ صدقہ کا پانی پیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہم پر صرف فرضی صدقہ حرام ہے (یہ کنوئیں نخلی صدقات ہیں) اور یہ کہنا کہ اوقاف کے صدقات کا حکم دوسرے صدقات کے خلاف ہے۔ یہ ایک ایسا قول ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر واقعی ان صدقات اور اوقاف کے صدقات کا حکم مختلف ہوتا تو آپ صراحتاً فرمادیتے کہ ان کا حکم دوسرے صدقات کے حکم سے مختلف ہے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ہم پر صدقہ حرام ہے۔ اسی طرح نخلی صدقہ کے جواز پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہم وارث نہیں بناتے جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے (۱) اور رسول اللہ ﷺ اپنے اہل بیت کو حیاتِ ظاہری کے دور میں ایک سال کا خرچ عطا فرماتے تھے اور جو خرچ جاتا اسے اللہ تعالیٰ کے مال کی طرح راہِ خدا میں صرف فرماتے۔ اسی طرح سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر، سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مطابق عمل کرتے تھے۔ پس ثابت ہو گیا کہ نبی ہاشمی کیلئے ہر صدقہ حرام نہیں ہے۔

مسئلہ: اکثر ائمہ کے نزدیک ہاشمی ہے ہاشمی کا زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہاشمی ہے ہاشمی زکوٰۃ لے سکتا ہے کیونکہ ہاشمیوں پر صدقہ حرام ہونے کی صلت یہ کہ وہ لوگوں کا میل کیل ہے اور لوگوں سے مراد غیر ہاشمی ہیں۔ پس اپنے صدقات یعنی ہاشمیوں کے صدقات لینے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں ہاشمیوں کا شرف تمام لوگوں کے میل کیل کی حرمت کا تقاضا کرتا ہے، خواہ وہ ہاشمیوں کا میل کیل ہو یا غیر ہاشمیوں کا۔

مسئلہ: جن پر صدقہ (فرضیہ) حرام ہے وہ بنو ہاشم کے پانچ خاندان ہیں: یعنی حضرت علی، حضرت عباس، جعفر، عقیل اور حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کی آل اولاد۔ یہ امام ابو یوسف اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے امام شافعی فرماتے ہیں بنو مطلب بھی ان میں شامل ہیں کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے مالِ غنیمت کے پانچویں میں ذوی القربی کے حصہ میں شریک کیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے جبیر بن مطعم کی حدیث خمس کے مسائل میں بیان کی ہے۔

مسئلہ: امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہاشمیوں کے غلاموں پر بھی زکوٰۃ حرام ہے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی اسی مذہب یہی ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں ان کے موالی (غلاموں) پر صدقہ حرام نہیں ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بنی ہاشم کے موالی کی طرف نہیں لوٹا جانا جائے گا۔ ہماری دلیل حضرت ابی ارفعیہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی مخزوم کا ایک شخص صدقہ پر مقرر فرمایا۔ اس شخص نے ابورافع کو کہا کیا تم میرے ساتھ اس کام میں شریک کیوں نہیں ہو جاتے تاکہ مجھے بھی اس سے اجرت ملے۔ ابورافع فرماتے ہیں میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت لوں گا۔ میں نے جب آپ ﷺ پر یہ معاملہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہم آل محمد ہیں، ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے اور کسی قوم کا غلام ان میں سے ہوتا ہے (2) اس حدیث کو امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور ابورافع کا نام ارقم بن ابی الارقم ہے، واللہ اعلم۔

مسئلہ: ایک شہر کا صدقہ دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ

اہل یمن کے والدوں سے صدقہ لینا ہے اور ان کے فقراء کی طرف لوٹانا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز سے حکایت ہے کہ وہ صدقہ جو خراسان سے شام کو لایا گیا تھا آپ نے وہ پھر خراسان واپس بھیج دیا تھا۔

۵۔ یہ آیت کریمہ کے مطہوم کے لئے مصدر موزونہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے صدقات فرض فرمائے ہیں یا یہ لفقراء کی ضمیر مسکن سے حال ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی مصلتوں کو خوب جانتا ہے اور صدقات کی اس تقسیم میں اس کی حکمت کا راز باہر اور وہ ہر چیز کو اپنے مناسب مقام پر رکھتا ہے۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤَدُّونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أَدْنُ حَبِيرٍ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ
بِالْبُيُوتِ يُؤَدُّونَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةً لِّكُلِّ مَنٍ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤَدُّونَ
رَسُولَ اللَّهِ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمُ الْآيَاتُ

”اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بدزبانی سے) اذیت دیتے ہیں نبی (کریم) کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے
لے فرمایا وہ بے ہمتا ہے جس میں کھلا ہے تمہارا یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں (کی بات) پر ہے اور
سراپا رمت ہے۔ ان کے لئے جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے
اور تاک عذاب ہے۔“

شان نزول :- ابن ابی شیبہ، ابن ابی عمیر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے اور
ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سدی سے نقل کیا ہے کہ چند مناقب لوگ مع ہوئے جن میں غلام بن سوید بن الصامت، فضی بن حمیر اور
ودیعہ بن ثابت بھی شامل تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی شان میں کتا خیال کرنے کا پروگرام بنایا، بعض افراد نے انہیں اس
حرکت سے باز رہنے کو کہا اور انہوں نے یہ کہا کہ ہمیں خدا ہے کہ کہیں محمد ﷺ کو ہاری باتوں کی خبر نہ ہو جائے اور تم پر کوئی وبال نہ آ
پڑے تو جو باہر وہ بد قماش کہنے لگے محمد (ﷺ) کانوں کے کچے ہیں ہم تمہیں اٹھائیں گے اور وہ ہماری بات مان جائیں گے۔ غلام
نے کہا ہم کہیں گے جو چاہیں گے پھر ہم ان کے پاس جا کر اپنی باتوں سے پھر جائیں گے اور سفید انکار کریں گے۔ ہم تمہیں اٹھائیں
گے اور محمد (ﷺ) ہماری باتوں کو صحیح تسلیم کر لیں گے کیونکہ محمد (ﷺ) کانوں کے کچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ پر یہ آیت
کریمہ نازل فرمائی۔ (۱)

۱۔ یعنی وہ نبی کریم ﷺ کی غیبت کرتے ہیں اور آپ کی باتوں پر طنز کرتے ہیں اور آپ کی شان اقدس میں نازیبا کلمات کہتے ہیں اور
پھر جب انہیں اس بات سے منع کیا جاتا ہے کہ کہیں آپ ﷺ تک تمہاری یہ گستاخیاں اور بد بکلامیاں پہنچ نہ جائیں تو کہتے ہیں یہ نبی
کانوں کا کچا ہے، اسے جو کہا جاتا ہے سن لیتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے اور تسلیم کر لیتا ہے۔ کلام میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے
اذن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا کلمت سے سننے کی وجہ سے اس کا سراپا سننے کا آہ بن گیا ہے۔ جس طرح جاسوس کو ہر وقت تاڑنے اور
تاک میں رہنے کی وجہ سے سین (آگھ) کہا جاتا ہے یا اس کی تقدیر ذو اذن سامعۃ سے یعنی سننے والوں کے کانوں والا۔ کیا یہ کہا جاتا ہے

کہ اذن بروز غفل اذنی اذنا سے مشتق ہے جس کا معنی سننا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنتل بن حارث رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا تھا اور آپ ﷺ کی باتیں بڑے نور سے سنتا تھا اور پھر منافقین کو جا کر بتاتا تھا تو اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ محمد بن اسحاق کے جنتل کا یہ طیلہ لکھا ہے اس کا رنگ کالا، بکھرے پرانے گندہ بال، سرخ آنکھیں، چلے ہوئے رخسار اور چھل چھل تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شیطان کو دیکھتا چاہتا ہے وہ اسے دیکھے۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتیں سن کر منافقین کو پہنچاتا ہے، جب اسے اس برے فعل اور منافقانہ کردار سے منع کیا گیا تو اس نے کہا محمد (ﷺ) کا توں کے کہے ہیں جو پچھ آنکس بتایا جانے مانتے ہیں۔ ہم جو چاہیں گے کہیں گے پھر ہم ان کے پاس جھوٹی قسمیں اٹھا دیں گے، پس وہ ہماری بات مان جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمادی۔ (2)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان جلاوطنوں کے جواب میں فرمایا وہ سنتا ہے جس میں تمہارا بھلا ہے عام قرأت میں اذن خیر کی طرف مضاف کر کے پڑھا گیا ہے، جسے عرب کہتے ہیں ربل صدق مراد سخاوت اور اصلاح ہوتی ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا یا ہر اہمحب سنتا ہے لیکن اس کا سننا ہی بہتر ہے یا یہ سنی کہ وہ تمہاری خیر و صلاح کو سنتا ہے برائی اور فساد کو نہیں سنتا۔ وہ عذر پیش کرنے والوں کے عذر قبول فرماتا ہے، وہ خبیث اور حسرت جیسی بدگواہیوں کو نہیں سنتا (تو یہ اس کا علق عظیم ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن عزت دار اور کریم النفس ہوتا ہے، فاجر خبیث اور کمینہ ہوتا ہے (3) اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حق اور نیک باتوں کو سنتا ہے اور ان باتوں کو سنتا ہے جس کا سننا اور قبول کرنا واجب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ نہیں سنتا۔ امش اور البرجمی نے ابوبکر سے روایت کرتے ہوئے اذن خیر دونوں الفاظ کو مرفوع پڑھا ہے، یعنی اذن موصوف اور خیر مصلحت اور خیر اس لئے مرفوع ہے کہ وہ خبر ثانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا تمہاری باتوں کو سننا اور تمہاری تصدیق کرنا تمہاری تکذیب کرنے سے بہتر ہے۔

یعنی حسن ظن کی بناء پر جو بھی اسلام کا اظہار کرتا ہے وہ اس کی بات تسلیم کرتا ہے۔ یہ معنی کہ وہ خلوص کے پیکر مومنین کی تصدیق کرتا ہے منافقین کی تصدیق نہیں کرتا، لیکن اپنے مطلق عظیم کی صفت کا اظہار کرتے ہوئے ان سے اعراضی کر کے ان کے عذر قبول کرتا ہے۔ یہاں ایمان کے فعل کو باحرف سے جڑ سے ام جلاست کی طرف متعدی کیا گیا ہے کیونکہ یہاں ایمان سے مراد کفر کی ضد ہے اور مومنین کی طرف لام سے متعدی کیا گیا ہے کیونکہ یہاں مراد ان کی تصدیق کرنا ہے جو تکذیب کی ضد ہے۔

یعنی رحمتہ کو خیر پر عطف کرتے ہوئے مجرور پڑھا ہے یعنی اذن خیر و رحمتہ اور باقی قرآن کے اذن پر عطف کی بناء پر مرفوع پڑھا ہے۔

یہ یعنی جو ایمان کا اظہار کرتا ہے اس پر وہ اپنی شفقت و رحمت فرماتے ہوئے اس کی بات کو قبول کرتا ہے اور اس کے رازوں اور دل میں جو سازشیں وہ چھپائے ہوتی ہیں ان کی حقیقت کو آشکارا نہیں کرتا۔ اس آیت کریمہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو، تمہارے حال اور تمہاری بد بطنی سے بے خبر ہو کر نہیں بلکہ تم پر شفقت و مہربانی کرتے ہوئے قبول کرتا ہے، یا یہ معنی کہ مخلص اور وفا شعار غلاموں کے لئے رحمت ہے کیونکہ اس نے انہیں کفر کی گھناوٹ و ادویوں سے نکال کر شاہراہ ایمان پر پہنچا دیا اور آخرت میں وہ ان کی

شعاعت بھی فرمائے گا اور انہیں دوزخ سے بچا کر جنت کی ابدی نعمتوں میں پہنچا دے گا۔

یہ جو رسول کریم ﷺ کی دل آزاری کرتے ہیں ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کا ازراہ شفقت بات کا مان لینا اور ان کے عذر قبول کرنا کچھ مفید نہیں ہے۔ مقال اور کبھی زہما اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ ذیل کی آیت کریمہ منافقین کے ایک گروہ کے متعلق نازل ہوئی جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے، پھر جب رسول اللہ ﷺ کا سیلاب و کامران و انہا لوئے، تو معذرت کرتے ہوئے اور جمہوری قسمیں اٹھاتے ہوئے آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کلمی حقیقت کا پردہ چاک کرتے ہوئے یہ ارشاد نازل فرمایا۔ (۱)

يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُذْصِبَكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ إِنَّ كَانُوا

مُؤْمِنِينَ ﴿۱﴾

” (منافق) تمہیں اللہ کی تمہارے سامنے تاکہ خوش کریں تمہیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہے کہ اسے سراہیں اور ایمان دار ہیں۔“

۱۔ اپنی رویا سوسیاں اور بدینگی کو چھپانے کے لئے اپنے مذروں کو قسموں کے ساتھ منکر کرتے ہیں اور اس لئے بھی جمہوری قسمیں اٹھاتے ہیں تاکہ تم ان سے خوش ہو جاؤ۔ کم خیر کا مریع مؤمنین ہیں۔

۲۔ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہیں کہ اطمینان و اطمینان کے ذریعے ان کی رضا اور خوشنودی تلاش کی جائے۔ یہ وضوہ میں ہضمیر کا مریع اسم حالت ہے کیونکہ اللہ کی خوشنودی جموں کے ساتھ تحقیق ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کی رضا کا دارودہ ارقا طاعت شعاری اور اطمینان نیت پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے وَاللَّهُ اَعْلَمُ بِاَنْ يُرْضَوْهُ وَالرُّسُولُ كَذَّالِكُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ زیادہ مقدر ہے کہ اسے دہ راضی کریں اور اسی طرح رسول کریم بھی زیادہ مستحق ہے کہ اسے راضی کریں۔ بعض علماء فرماتے ہیں ہضمیر کا مریع اللہ اور رسول میں سے ہر ایک ہے اور ضمیر واحد ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا میں کوئی تفاوت اور فرق نہیں ہے، گویا وہ دونوں ایک ہی شئی ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں ہضمیر کا مریع رسول کریم ﷺ ہیں کیونکہ کلام رسول کریم ﷺ کو اذیت دینے اور اس کے راضی کرنے کے متعلق ہو رہی ہے۔

۳۔ یہ شرط ہے اور اس کی جزاء کو سزا دینا کیا گیا ہے کیونکہ سیاق کلام اس پر دلالت کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم واقعی ایمان و ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو چکے ہو تو طاعت شعاری اور اطمینان نیت سے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کرو لیکن جو ازل سے بد بخت تھے انہوں نے تو اللہ اور اس کے رسول کو راضی کیا اور نہ اطمینان کے ساتھ ایمان قبول کیا۔

اَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّهٗ مِنْ يُّحٰدِثِ اللّٰهٖ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهُ نٰسًا جَهَنَّمَ خٰلِدًا فِيْهَا ۗ

ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۱﴾

”کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی مخالفت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی، تو اس کے لئے آتش جہنم ہے ہمیشہ رہے گا

اس میں یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔“

۱۔ اللہ میں ہضمیر شان ہے، یعنی جو نماز جنگ کی طرف دعوت ملنے کے بعد پیچھے رہ جاتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے

پہر اس کو نوحاً یا جنم ہے، محاداة باب مفاصلہ ہے اور یہ حد سے شفق ہے جس کا معنی طرف اور جانب ہے کیونکہ مخالف اپنے دشمن کے مقابلہ میں ایک مخالف سمت میں محاذ بناتا ہے۔

یہ ترکیب نحوی اس طرح ہے کہ اُن کاہ ضمیر اسم ہے اور من شرطیہ ہے جس کا جواب فان لہ نار جہنم ہے۔ پھر یہ جملہ شرطیہ پہلے اُن کی خبر ہے، پھر ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ جو فہق ہے پھر مبتدا خبر مل کر لم یعلموا کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے یا ظلم معنی عرف ہے اور یہ ایک مفعول کے قائم مقام ہے یا دوسرا اُن پہلے اُن کی تاکید کے لئے ہے، اس صورت میں خبر محذوف کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ لیکن یہ ترکیب ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ مؤکد اور تاکید کے درمیان فاصلہ ہو جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فان لہ نار جہنم معطوف ہو، وانہ پر اور جواب شرط محذوف ہو، وانہ خبر عبات اس طرح ہوگی، مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ يُرْسِلْهُ فِيهِ كُفْرًا كَانَتُوا حُرًا مِثْلُ مَا كَانُوا عِبَادًا لِّرَبِّهِمْ وَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

مع دوزخ کی آگ کا یہ صحن فنا اور ہلاک ہونا بہت بڑا خسار ہے اور بہت بڑی رسوائی ہے۔ یہ آیت کریمہ واللہ ورسوله احق ان یرضوہ کے ارشاد کی علت کے مقام پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل نہ کرنا اور اس کی مخالفت کرنا دوزخ کی آگ تک پہنچاتا ہے۔ جبکہ کسی غیر کی رضا کا نہ چاہتا اس سزا کا موجب نہیں کسی شاعر کا یہ قول کتنا عمدہ ہے۔

کاش صرف تو میرے لئے شریں کلام ہوتا اور محبت آمیز لہجہ میں جو محظوظ ہوتا اور میری ساری زندگی تیرے ٹھنڈے بول کے عوض تنگ و ترش ہوتی، کاش تو مجھ سے راضی ہوتا اور سارا عالم مجھ سے ناراض ہوتا کاش میرے اور تیرے درمیان یہ محبت کا علاقہ قائم دوام رہتا اور میرے اور دوسرے لوگوں کے تعلقات خراب ہوتے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے قناد اور سدیی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ذکر کیا ہے کہ یحلفون باللہ لکم لیرضوکم کا ارشاد منافقین کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوا جن میں خلاص بن سویہ بھی تھا۔ نبی کریم ﷺ کی شان میں انہوں نے گستاخی کی اور کہا جو محمد ﷺ کہتے ہیں انہیں یہ حق ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی زیادہ بے ہیں۔ عامر بن قیس نے یہ اس کی بات رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ذکر کر دی۔ ان شاء اللہ ہم بعد میں یہ قصہ ذکر کریں گے۔

يَحَدِّثُ الْمُنَافِقُونَ اَنْ تُتَّقِلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ سَيُتْلٰوْنَهَا بِمَا فِي قُلُوْبِهِمْ طُ قُلْ
اَسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُجِيبٌ بِمَا تَحْكُمُوْنَ ۝۱۰

”ڈرتے رہتے ہیں منافق کہ کہیں نازل (نہ) کی جائے اہل ایمان پر کوئی سورۃ جو آگاہ کر دے انہیں جو کچھ منافقوں کے

دلوں میں ہے۔ آپ (انہیں) فرمائیے کہ مذاق کرتے رہو۔ یقیناً اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم محظوظ نہ فرمادے

یعنی منافقین کو ہر وقت یہ فحشہ رہتا کہ کہیں اللہ تعالیٰ کسی صورت کے ذریعے مومنین کو ہمارے قلبی حسد اور عداوت پر مطمئن نہ فرمادے اور ہمارا پردہ فاش نہ ہو جائے۔ سنہم ہم میں ضمیر کا مرجع مومنین ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ تمام ضار کا مرجع منافقین ہوں کیونکہ ان کے متعلق نازل ہونے والا کلام ان کے اوپر نازل ہونے والے کی طرح ہے کیونکہ وہ ان پر چڑھا گیا اور اس کے ذریعے ان پر جنت قائم کی گئی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ آپس میں مسلمانوں کے متعلق تک بک کرتے اور یہ سب باتیں مسلمانوں سے چھپی کرتے اور ساتھ ساتھ انہیں یہ کھٹکا بھی لگا رہتا کہ ہمارے متعلق کہیں قرآن نازل نہ ہو جائے (۱)۔ یہ ارشاد دلیل ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی

صداقت کے متعلق متروکہ تھے اور سوالی اور ذلت کا ہر وقت خوف رہتا تھا کہ اگر آپ ﷺ بچے ہی ہوئے تو ہمارا پردہ چاک ہو جائے گا۔ بعض ملنا فرماتے ہیں وہ آپ میں بیحد کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس قول کی تاہن فیل استہزاء و اکارا شاد کرتا ہے۔

جی اللہ تعالیٰ نے یہ استہزاء کا حکم بطورہ صحتی و یا کہ تم پر یک شیدہ اور نچی محافل میں مذاق اڑاؤ اللہ تعالیٰ ضرور ظاہر فرمائے گا جس سے تم خوفزدہ ہو، تمہیں سوروست کے انزال یا پانی بدکاریوں کے تلہار کا حدیث ہے وہ اللہ تعالیٰ ضرور کج کہد کھائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے منافقین میں سے ستر افراؤ کے نام اور ان کے آباء کے نام کا ذکر نازل فرمایا تھا لیکن پھر مومنین پر مفرماتے ہوئے ان کے انا و منسوخ کر دیئے تاکہ وہ ایک دوسرے کو عمارت و ادا تے رہیں اور شرمسارت کرتے رہیں کیونکہ منافقین کی اولاد ایمان لا چکا تھا (۱۱) امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کہ یہ منافقین میں سے بارہ افراؤ کے متعلق نازل ہوئی۔ جو ایک گھائی میں اس غرض سے چھپے ہوئے تھے کہ یہ سب آپ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آئیں گے تو ہم آپ ﷺ پر حملہ بول دیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے۔ جبرئیل امین نے رسول اللہ ﷺ کو اس ساری سازش سے آگاہ کر دیا۔ (2)

اس واقعہ کی تفصیل امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابی الطفیل سے بتی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث سے ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے جبیر بن مطعم سے ابن ابی حاتم اور ابوشیح نے اسکی کہہ رحمۃ اللہ علیہ سے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے اس طرح روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپسی پر راستہ میں تھے کہ بعض منافقین نے یہ سازش تیار کی کہ آپ ﷺ کو گھائی سے راستہ میں پھینک دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ پس وہ موقع کی تلاش میں رہے، جب رسول اللہ ﷺ نے وادی میں چلنے کا ارادہ کیا تو وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلنے لگے پر وہ گرام پہنچے کہ جب آپ ﷺ وادی میں آئیں گے تو ہم سواروں سے اٹھا کر وادی میں گرا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان تمام سازشوں اور کاروں سے آگاہ فرمادیا۔ جب رسول اللہ ﷺ اس وادی میں پہنچے تو ایک شخص نے آواز دی کہ رسول اللہ ﷺ نے وادی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ پس کوئی دوسرا وادی کے راستہ میں نہ چلے، وادی کے بطن میں چلو تمہارے لئے یہ راستہ آسان ہے اور یہ راستہ وسیع بھی ہے۔ وہ منافقین جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی ان کے سوا باقی سب وادی کے بطن میں چلے ان سازشوں نے جب یہ آواز سنی تو اپنے منسوب کو پاپا یہ پھیل پھیلانے کے لئے تیار ہوئے اور اپنے پیر سے ڈھانپ لئے۔ رسول اللہ ﷺ گھائی میں چلے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ تم آگے سے اونٹنی کی جھاد بکڑو اور حدیث بن یمان کو فرمایا کہ تم اسے پیچھے سے ہانکو۔ رسول اللہ ﷺ گھائی میں چل رہے تھے کہ آپ ﷺ کو لوگوں کی آہستہ آہستہ آہی، منافقین نے اوپر سے تیر اندازی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو انہوں نے بھگا دیا حتیٰ کہ مسلمان بھی گر گیا، جزہ بن عمرو اسلی گھائی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تھے۔ رات اندھیری تھی، جزہ فرماتے ہیں میری پانچوں انگلیوں میں جو خفاف تھے وہ چمکنے لگے حتیٰ کہ ان کو روشنی میں ہم کو زاری اور اس قسم کی دوسری ایشیاء اکٹھی کرنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حدیث رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ آنے والے لوگوں کو پیچھے لٹا دو۔ حضرت حدیث رضی اللہ عنہ ان کی طرف لوٹے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس پر غصہ کا تلہار تھا۔ اور حضرت حدیث رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نوک دار چھری تھی۔ حضرت حدیث رضی اللہ عنہ نے ان کی سواروں کے منہوں

پر مارنا شروع کر دیا اور فرمایا اے اللہ کے دشمنو! دور ہو جاؤ، چھپے ہو۔ منافقین کو یہ چل گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے دجل و فریب پر متعلق ہو گئے ہیں فوراً گھائی سے اترے اور لشکر کے ساتھ مل گئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور اہل رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو قسم فرمایا کہ تم سواری کو چھپے سے مارو اور مارا کو قسم دیا کہ تم آگے چلو پس جلدی جلدی چل کر وادی کے اوپر چڑھ گئے اور رسول اللہ ﷺ وادی سے باہر تشریف لائے اور لوگوں کا انتظار کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا جن کو تم نے چھپے دھنکارا ہے کیا ان میں سے کسی کو پہچانتے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے صرف ان کی اونٹنیوں کو پہچانا ہے کیونکہ انہوں نے منہ لپیٹے ہوئے تھے، رات کی تاریکی کی وجہ سے میں انہیں نہیں پہچان سکا۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا تمہیں پتہ ہے ان کا ارادہ کیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں تو کچھ علم نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہوں نے سارے کھجور کے سیرے ساتھ چلیں اور جب میں گھائی کے اوپر چڑھوں تو تیرا انداز ہی کر کے مجھے نیچے پھینک دیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اللہ برحقوں کے نام مع ولدتہ بتا دیئے ہیں۔ میں ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے متعلق بتاؤں گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ ان کے متعلق یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ جب وہ آئیں تو ہم ان کی گردنیں کاٹ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بات پسند ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ کارجمہ یہ ہے "میں ناپسند کرتا ہوں کہ مرگ یہ کہیں کہ جب اپنے ساتھیوں کے ذریعے کامیاب ہو گئے تو انہیں قتل کرنا شروع کر دیا بلکہ اللہ تعالیٰ آگ کے شعلے کے ذریعے ہماری مدد فرمائے گا۔" آپ ﷺ نے دونوں صحابہ کو ان منافقین کے نام بتائے اور پھر فرمایا یہ اماما ظاہر نہ کرنا۔ جب صحابی تو اسید بن الصخر نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! زینب رات وادی میں ملنے سے آپ کو کس چیز نے روکا تھا حالانکہ یہ رات گھائی سے آسمان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر! کیا تمہیں معلوم ہے یہ منافق میرے متعلق کیا منصوبہ بنائے ہوئے تھے اور ان کا کیا پروگرام تھا۔ صحابہ یہ تھا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے چلیں اور جب رات خوب تاریک ہو جائے تو میری سواری کا ٹھک کاٹ دیں اور اسے ولدنی زمین میں گرا دیں قریب تھا کہ وہ مجھے اونٹنی سے گرا دیتے۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! لوگ جمع ہیں اور اتر چکے ہیں آپ ہر قبیلہ کو قسم دیں کہ ان میں سے جس شخص نے یہ برا ارادہ کیا ہے اسے قتل کر دے۔ پس ہر قبیلہ اپنے اپنے اس فرد کو قتل کر لے گا، حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کی اے پیارے آقا! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ نبوت فرمایا آپ مجھے ان لوگوں کے ہم بتائیں میں ابھی ان کے سر آپ کے قدموں میں پیش کر دوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسید! میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ کہیں کہ محمد (ﷺ) کا جب مشرکین سے مقابلہ قسم ہو گیا ہے تو اپنے اصحاب کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور ﷺ! اودہ تو منافق ہیں وہ تو آپ کے اصحاب نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت نہیں دیتے۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کلمہ تو وہ پڑھتے ہیں لیکن گستاخ رسول کی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں ان کی اس ظاہری شہادت کی وجہ سے انہیں قتل نہیں کرتا۔ (1)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب صحیح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ 1۔ عبد اللہ بن سعد

بن ابی سرح، 2۔ ابو حاضر اعرابی، 3۔ عامر ابو عامر، 4۔ حلاس بن سوید بن الصامت کو بلاؤ۔ حلاس بن صامت وہ شخص ہے جس نے اپنے جیسے منافقوں میں بیچ کر یہ کہا تھا کہ ہم گھائی میں رات کو جمعہ (ﷺ) پر حیر اندازی کر کے ہی سکون کا سانس لیں گے۔ اُرمہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ہم سے بہتر ہیں تو پھر ہم کبریاں ہوئے اور وہ ہمارا چہرہ دہا۔ پھر ہم تو سب بے عقل ہوئے اور وہی ایک دانشمند ٹھہرا۔ پھر آپ ﷺ نے مجمع بن جاریہ شیخ التیمی کو بلائے کا حکم دیا۔ شیخ التیمی وہ بد بخت ہے جس نے کعب سے خوشبو چرائی تھی اور مرتد ہو کر ہماگ گیا تھا، ملک حجاز میں ہماگ تھا، لیکن اسے کچھ بھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ کہاں جائے، پھر آپ ﷺ نے حصر بن نیر کو بلا دیا یہ وہ کمینہ شخص ہے جس نے صدقہ کی کھجوروں کی چوری کی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے فرمایا تھے اس بڑی حرکت پر کس چیز نے برا بھلا کیا تھا۔ اس نے کہا ہر اخیال تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اس سازش پر مطلع نہیں فرمائے گا۔ اب جب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہماری اس خراب کاری پر مطلع فرمایا ہے تو آج میں صدق دل سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، اس سے پہلے میں آپ پر دل سے ایمان نہیں لایا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اس بات کو سن کر معاف فرما دیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تمہیں بن ابیریق اور عبداللہ بن عیینہ کو بلاؤ۔ عبداللہ بن عیینہ وہ شخص ہے جس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ آج کی رات جاگ کو بچیش کے لئے سلامت رہو گے۔ قسم بخدا اس شخص (عمہ ﷺ) کو قتل کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے عبداللہ کو کہا اگر میں قتل ہو جاتا تو تمہیں میرے قتل سے کتنا نفع ملتا۔ اللہ کا دشمن کہنے لگا اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمن پر فتح و کامرانی عطا فرمائی ہے۔ اس کی وجہ سے ہم خیر و خوبی کے ساتھ ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ اور آپ کی طرف سے ہمیشہ خیر و خوشحالی میری ہے۔ آپ ﷺ نے اسے بھی چھوڑ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مرد بن ربیع کو بلاؤ، یہ وہ بد طبیعت و بد فطرت شخص ہے جس نے عبداللہ بن ابی کے کندھے سے ہاتھ رکھ کر کہا تھا، راستہ کے کانٹا کو بنا دو، اس کے بعد سب نعیتیں ہماری ہوں گی۔ ایک فرد کے قتل سے تمام لوگ امن و سکون کی زندگی لھو کر رہیں گے۔ آپ ﷺ نے مرد بن ربیع سے کہا یہ بیک بک تو نے کیوں کی تھی۔ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں نے کوئی بات کہی ہوئی تو آپ کو علم ہوتا میں نے تو ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر ان بارہ افراد کو جمع کیا جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور آپ کو قتل کرنے کی سازش تیار کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کی باتوں اور ان کے ظاہر و باطن کی حسب کیفیتوں سے آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اپنے علم کے ذریعے اس پورے واقعہ پر مطلع فرما دیا تھا۔ ارشاد الہی و ھووا ھمالم ھنالوا سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بارہ اشخاص فراق اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت میں مرتے (۱)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے بد عافرائی۔ عرض کی اے اللہ ان پر دیکھ کا حیر برسا۔ دیلہ اس آگ کے شعلہ کہتے ہیں جو رگ دل پر گرتا ہے اور انسان کو ہلاک کر دیتا ہے (2)۔ امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھیوں میں بارہ افراد منافق ہیں۔ یہ جنت میں داخل نہ ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناک میں داخل ہو جائے۔ ان میں سے آٹھ کے لئے تو وہ آگ کا شعلہ کافی ہوگا جو ان کے کندھوں کے درمیان گرے گا حتیٰ کہ ان کے سینوں سے نکل جائے گا (3)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ چودہ یا پندرہ آدمی تھے (4)۔ یہ واقعہ تبوک

2۔ دلائل النبوة، جلد 5، صفحہ 261 (اعلیٰ)

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 467 (اعلیٰ)

4۔ دلائل النبوة، جلد 5، صفحہ 262 (اعلیٰ)

3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 369 (قدیمی)

تہ مدینہ نبی کی طرف واپسی پر پیش آیا تھا۔

وَلَقَدْ سَأَلْتَهُمْ بِبَيْتِئِنَّآ لَمَّا كُنَّا لِحُوضٍ وَنَلْعَبُ قُلْ أَيْدِيهِمْ وَأَيْتِهِمْ وَرَسُولُهُ
كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٥١﴾

”اگر آپ دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے بس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ فرمائیے

(مکملہ خود!) کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کیا کرتے تھے۔“

۱۔ لئن میں الام قسم کے لئے ہے، یعنی قسم بخدا اگر آپ ان سے اس مذاق کے متعلق دریافت کریں جو یہ آپ کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ کرتے ہیں مالا لکہ یہ آستین کے سانپ آپ کے ساتھ غزوہ تبوک میں چل رہے ہیں۔ یہ کہیں گے ابی ہم تو دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ تو یہ محبوب محرم ان کو زبردتوں فرمائیے ان کے استہزاء پر جو یہ اس ذات سے کر رہے ہیں جس سے استہزاء کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے اور ان پر نجات کو لازم کرتے ہوئے اور ان کی غیر معقول جھوٹی معذرتوں کا اظہار کرتے ہوئے فرمائیے کہ بے شرمو! اللہ تعالیٰ اس کے بارگت کلام کی آیات اور اس کے رسول کریم ﷺ سے تم استہزاء کرتے ہو۔ کلام کا اسلوب: اذات کر رہا ہے کہ وہ گویا اپنے مذاق کے معترف تھے اسی وجہ سے انہیں زبردتوں کی مٹی اور جس کے ساتھ استہزاء اور مذاق کیا گیا اس پر حرف تقریر یعنی ہمزہ استہزاء داخل کیا گیا اور یہ اہم از کلام استہزاء کے ثبوت کے بعد ہو سکتا ہے کہ انہوں نے پہلے استہزاء کیا ہے۔ میں کہتا ہوں ان کا یہ کہنا انما کما نلعوض و نلعب بھی استہزاء کا اعتراف ہے۔ معنی یہ ہے کہ ہماری باتوں سے جو استہزاء کا مفہوم سمجھا گیا ہے یہ ہم نے مسافت کی گفتگو کو بھلا ہے اور بطور دل لگی راستہ کی مسافت سہولت طے کرنے کے لئے کی تھیں۔ ہمارا ارادہ مذاق اڑانا اور استہزاء کرنا تھا۔ ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص غزوہ تبوک کے موقع پر مجلس میں بیٹھا تھا اور کہنے لگا ہم نے ان قرآن کے قاریوں جیسا بیٹو، جھوٹا اور میدان جنگ میں بزول نہیں دیکھا۔ دوسرے آدمی نے کہا تو نے غلط کہا ہے اور سفید جھوٹ بولا ہے۔ تو منافق ہے، میں تمہاری یہ باتیں رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو قرآن کی آیات نازل ہو گئیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے کادوہ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا اور پتھر اسے زخمی کر رہے تھے وہ کہہ رہا تھا ہم تو دل لگی اور خوش طبعی کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کیا تم اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کرتے ہو (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کی ہے اور اس شخص کا نام عبد اللہ بن ابی ذر کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت لکھی ہے، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ منافقین میں سے کچھ لوگ غزوہ تبوک کے موقع پر کہنے لگے یہ شخص شام کے محلات کو فتح کرنا چاہتا ہے جبکہ شام کے محلات بہت دور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محرم ﷺ کو اس بات پر مطلع فرمایا آپ منافقین کے پاس آئے اور فرمایا تم نے ایسا ایسا کہا ہے۔ وہ کہنے لگے ہم تو دل لگی کر رہے تھے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ امام بغوی نے اس آیت کا شان نزول بھی مفادہ اور مقالہ رحیم اللہ تعالیٰ سے یہ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک میں چل رہے تھے اور میں منافق آپ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ ان میں سے 11

قرآن اور صاحب قرآن کا مذاق اڑا رہے تھے اور تیسرا جس رہا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ محمد (ﷺ) کا یہ خیال ہے کہ وہ رسولوں پر غالب آ جائیں گے اور ان کے شہ فریح کر لیں گے۔ یہ سچ عقل سے کتنی بعید ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ کہتے تھے محمد (ﷺ) یہ کہتا ہے ہمارے مدینہ میں مہم صحابہ کے متعلق قرآن نازل ہوا ہے حالانکہ یہ ان کی اپنی کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو ان باتوں پر مطلع فرمادیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کا فائدہ کو رو آپ نے ان منافقوں کو بلایا اور فرمایا تم نے ایسا کیا کہا ہے تو وہ کہتے تھے ہم تو دل لگی کر رہے تھے۔ یعنی جس طرح قافلے باتوں اور لہو و لعب کے ذریعے راستہ کی مسافت قطع کرتے ہیں ہم بھی اسی قسم کی کلام کر رہے تھے (ہمارا مقصود مذاق کرنا نہ تھا) (1)۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ سے تبوک کی طرف عازم سفر تھے۔ محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ منافقین کا ایک گروہ مال ثنیت کے لالچ میں غرور و تبوک کے بغیر بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ ان منافقین میں یہ افراد بھی تھے وہ یحییٰ بن عمرو بن عوف کا بھائی، عیاض بن الصامت، غنمی بن حیر جس کا تعلق قبیلہ اشجعی سے تھا جو بنی سلہ کا حلیف تھا۔ محمد بن عمرو نے ثقیف بن عابد کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ یہ منافق آپس میں کہتے تھے کہ کل ایسا جگہ کچھ لوگ زنجیروں میں جکڑے ہوئے پہاڑوں میں پڑے ہوں گے یا ہاتھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق غلط افواہیں پھیلائے، مونثین کو ہراساں کرنے کے لئے کی تھیں۔ عیاض بن عمرو جو ام عمر کا خاندان تھا اور ام عمر کا بیٹا عمیر اس کی پرورش میں تھا۔ اس نے کہا تم بھلا کر محمد ﷺ سے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی برے ہیں تم بھلا بھیے یہ پسند ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو سوسو کوڑے مارے جائیں۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ تم وہاں بیٹھیں تو تمہاری ان باتوں کی وجہ سے ہمارے متعلق قرآن نازل ہو چکا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے غار بن ہاشم کو فرمایا یہ لوگ بھل گئے ہیں، ان سے ان کی باتوں کے متعلق دریافت کرو، اگر یہ انکار کریں تو تم کہنا کہ تم نے یہ باتیں کی ہیں۔ عیاض بن عمرو نے کہا جبکہ وہ اونٹنی کے کجاوہ کو پکڑے ہوئے تھا اور اس کے پاؤں پتھروں اور ننگروں پر لگ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ وہ یحییٰ کہہ رہا تھا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو دل لگی کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل فرمائی، مولن سالہم الخ (2)

لَا تَعْتَدُوا وَقَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنَّ لَكُمْ عُقُوبًا كَلَّا يَتْلُو تِلْكَ آيَاتِ اللَّهِ لِيُعَذِّبَ
طَائِفَةً مِّنْهُمْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

”(اب) جہانے مت بناؤ کہ تم کافر ہو چکے (ظہار) ایمان کے بعد جہاد کرنا معاف بھی کر دیں ایک گروہ کو جسے تم میں سے تو خدا دین گئے دوسرے گروہ کو کیونکہ وہی (اصلی) مجرم تھے جہاد“

یعنی تم جو نے عذر مست پیش کرو اللہ تعالیٰ کو تمہارا مجھوت معلوم ہے، تم نے رسول کریم کو اذیت دے کر اور اس کی شان اقدس میں گستاخی کر کے ایمان کے ظہار کے بعد کفر کا اظہار کیا ہے۔

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے جس شخص کو توبہ کرنے اور اخلاص کی بناء پر معاف کیا گیا تھا وہ صرف غنمی بن حیر الاشجعی تھا۔ یہ ان کا مذاق

سن کر ہنستا تھا لیکن خود ایسا کرتا نہیں تھا اور وہ ان منافقین سے ایک طرف چلا تھا، ان کی بعض باتیں سن کر انکار بھی کرتا تھا۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو اس نے اپنے نفاق کو تو بھری۔ اس نے کہا اے اللہ میں ایسی آیت سن رہا ہوں جس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی ہیں، جسوں پر لڑوے طاری ہو جاتا ہے اور دل ہونے لگتے ہیں اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت کی موت مطلقا فرماتا کہ کوئی یہ نہ کہتا پھرے کہ میں نے اسے قتل دیا تھا میں نے اسے قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی تھی اور وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے اور کسی مسلمان کو ان کی شہادت گواہ کا ظلم نہ تھا۔ جیسی نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی تھی یا رسول اللہ میرا اور میرے باپ کا نام بدل دو تو آپ ﷺ نے اس کا نام مہدی الرحمن یا عبد اللہ رکھا۔

سیدنا عاصم نے نفع کو نون کے فتح اور فاء کے ضم کے ساتھ اور نعلب کو نون کے فتح اور ذال کے کسر کے ساتھ معروف تکلم کا سینہ پڑھا ہے اور طائفہ کو مفعول کی بناء پر منصوب پڑھا ہے۔ باقی قراء نے نفع کو کیا مضمومہ اور فاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور بعد پڑھا ہے مضمومہ اور ذال مفتوح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی سینہ واحد غائب مجہول اور طائفہ کو مفعول پڑھا ہے۔ یہ اصلی مجرم تھے کیونکہ انہوں نے نفاق پر اصرار کیا تھا اور رسول کریم کی دل آزاری کی تھی اور ان کی شان میں گستاخی کی تھی، اس لئے اس طائفہ کو ہم سزا دیں گے (یہ کافرانہائی بجز نہیں ہیں)۔

الْمُفَقِّوْنَ وَ الْمُنْفِقِمْ بِعَضٍ يَأْمُرُونَ بِالنُّكْرِ وَ يَهُونَ عَيْنِ

الْمَعْرُوفِ وَيَقْبُضُونَ أَيْدِيَهُمْ لَسَوْأَ اللَّهُ قَسِيْبَهُمْ ۗ إِنَّ الْمُنْفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿١٥﴾

”منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں لہذا حکم دیتے ہیں برائی کا اور روکتے ہیں نیکی سے اور بندہ رکھتے ہیں اپنے ہاتھ (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے ہملاہ یا بے اللہ ہو کر اس نے بھی فراموش کر دیا ہے انہیں جہنک منافق ہی نافرمان ہیں۔“

ان منافق مرد اور منافق عورتیں شرک، نفاق اور ایمان کے دائرہ سے دور ہونے میں ایک جہت ہیں، اس میں ان کی جھوٹی قسموں کی تکذیب ہے اور معاہدہ منکم (یہ تم میں سے نہیں ہیں) کے اور شاذ کا ثبوت اور تقریر ہے اور ان کے بعد دہائی کلام اس پر دلیل کی طرح ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ منافقین کی حالت منافقین کی حالت کے باطل پر مبنی ہے اور یہ منافقین ایک دوسرے کے اعمال و کردار میں باہل مشابہ ہیں۔

یہ شرک، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی نافرمانی کا حکم دیتے ہیں اور ایمان و اطاعت سے منع کرتے ہیں لوگوں کو کہتے ہیں اس شدید گرمی کے موسم میں جہاد کے لئے نہ نکلو گویا وہ یہ بھول چکے ہیں کہ ان کا کوئی خالق بھی ہے جو ان کے کرتوتوں کی باز پرس فرمائے گا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اطاعت الہی سے غفلت برتی تو اللہ نے انہیں بد اعمالیوں کے نتیجہ میں اپنی توفیق سے محروم کر دیا، دنیا میں ہدایت کی نعمت اور آخرت میں اپنی رحمت کا مستحق نہ ٹھہرایا اور انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔ یہ منافق ایمان و اطاعت کے دائرہ سے باہل باہر ہیں۔

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُنْفِقَاتِ الْكٰفِرَاتِ اَسْرَجَهِنَّ خٰلِدٰتٍ فِيْهَا هِيَ حٰسِبُهُمْ

وَلَعَلَّكُمْ لِلَّهِ تَكْوِينًا وَرَحْمَةً وَأَنْتُمْ لَدَيْهِ عَادُونَ ﴿١١﴾

”وعدہ کیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار سے دوزخ کی آگ کا ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں۔ یہی کافی ہے انہیں لے نیر لعنت کی ہے ان پر اللہ نے اور انہی کے لئے ہے داغی عذاب ہے۔“

یعنی منافق مردوں، عورتوں اور کفار کے لئے دوزخ میں ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا گیا ہے، یہی آگ کے بھڑکتے شعلے ان کے کفر و نفاق کی سزا ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ اس آگ کا عذاب بہت بڑا عذاب ہے، اور وہ ایسا عذاب ہے کہ اس پر اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ جہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور ان کو ذلیل و سوار فرمائے گا اور ان کو داغی عذاب دیا جائے گا، اس داغی عذاب سے مرد و عذاب ہے جس کا آخرت میں ملنے کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے یا دنیا کا عذاب ہے، جو وہ نفاق کی وجہ سے تکلیف برداشت کر رہے تھے کہ ان کا ظاہر باطن کے مخالف تھا اور وہ ہر لمحہ خوفزدہ رہتے تھے کہ کہیں ہماری قلبی کھل نہ جائے اور ذلت و رسوائی سے ہر وقت ہراساں و ترساں رہتے تھے اور انہیں یہ کھٹکا بھی رہتا تھا کہ اگر ان کے بد باطنوں پر حضور مطلع ہو گئے تو مسلمانوں کی طرف سے تکلیف اور شدت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَ أَكْثَرَ أَمْوَالًا وَ أَوْلَادًا
فَلَمَّا سَأَلُوا بِخَلْقِهِمْ فَاسْتَمَعْتُمْ بِخَلْقِهِمْ كَمَا اسْتَمَعْتُمُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
بِخَلْقِهِمْ وَ حَصَّتْ لَهُمْ حَاصِبًا ۗ أُولَٰئِكَ حَصِطَ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ
الْآخِرَةِ ۗ وَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿١٢﴾

” (منافقو) تمہاری حالت بھی ایسی ہے کہ جیسے ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے وہ زیادہ تھے تم سے قوت میں اور مال اور اولاد کی کثرت میں ہے۔ سو لطف اٹھایا انہوں نے اپنے (دنوی) حصہ سے اور تم نے بھی لطف اٹھایا اپنے (دنوی) حصہ سے اسی طرح جیسے لطف اٹھایا انہوں نے جو تم سے پہلے ہو گزرے اپنے (دنوی) حصہ سے اور (لدنوں میں) ہے تم بھی ڈوب رہے جیسے وہ ڈوب رہے تھے یہ یہی وہ لوگ ہیں ضائع ہو گئے جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔“

لے گا لہذا میں کہ مبتدا مزدوف کی خبر ہونے کی بناء پر محل رفع میں ہے، یعنی اے اہل نفاق تم بھی باہل گزر رہے ہوئے کفار کی مثل ہو، یا کہ متعول مطلق کی بنا پر محل نصب میں ہے تقدیر کا نام اس طرح ہوگی فَعَلْتُمْ أَنفُسَ الْفٰسِقِينَ فَعَلًا مَبْلُ فَعَلَ الْبٰدِيْنَ كَمَا نُوَا مِنْ قَبْلِكُمْ۔ یعنی اے منافقو! تم نے اپنے سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی طرح کا عمل کیا، انہوں نے بھی حکم الہی سے روگردانی کی اور تم نے بھی امراض کیا۔ تم پر بھی لعنت ہو جیسے ان پر لعنت ہوئی۔

ہے تم سے پہلے کافر قوت و وقار میں اور مال و اولاد میں تم سے زیادہ تھے۔ اس جملہ میں ان منافقوں کی کفار سے مشابہت کا بیان ہے اور ان کی حالت کو ان کی حالت سے تشبیل دی گئی ہے۔

ہے دنیا کے حصہ اور دنیاوی لذتوں سے لطف اندوز ہونو۔ عِلاقی، خلق سے شستق ہے جس کا معنی اندازہ کرتا ہے، عِلاقی وہ حصہ جو کسی

کے لئے مقدر کیا جاتا ہے۔

یعنی اسے سزا دینا، تم بھی اپنے چہرہ و سوں کی طرح دنیا کی فانی لذتوں سے بہرہ اندوز ہو لو۔ اللہ تعالیٰ نے مخالفین کی خدمت کی تمہید کے لئے پہلے کفار کی خدمت فرمائی کہ وہ دنیوی لذتوں سے مستمع ہوئے جو اللہ تعالیٰ کا باعث نہیں اور انہوں نے ہمیشہ رہنے والی لذتوں کے حصول سے اعراض کیا یہ لوگ ان کے مشابہ ہیں اور ان کے نقوش پا پر چل رہے ہیں۔

یہ تم بھی باطل اور بوس میں اسی طرح دنیوی لذتوں میں ڈوب رہے جیسے وہ ڈوب رہے۔ اللہی سے پہلے یا تو مصدر محذوف ہے یعنی کالحوض اللذی خاصوا بالفلوج موصوف محذوف ہے۔ (یہ ترکیب اس لئے کی گئی ہے کیوں کہ یہاں قیاس اور قاعدہ عمومی کے مطابق الذہن ہونا چاہئے تھا، لیکن اللہی استعمال ہوا تو مصنف نے اس کی دو تہیں بیان فرمادیں تاکہ سوال کی گنجائش نہ رہے اور تیسری توجیہ یعنی بیان کی گئی ہے کہ یہ اللہی اصل میں الذہن تھا لہذا قانون گرا دی گئی ہے)۔

یہ ایسے لوگ نہ دنیا میں ثواب کے مستحق ہیں اور نہ آخرت میں ان کے اعمال اکارت جائیں گے اور یہی لوگ دنیا و آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں، یعنی جن طرح تم سے پہلے لوگوں کے اعمال ضائع ہو گئے اور خسارہ میں مبتلا ہوئے، بالکل اسی طرح تمہارے بھی ضائع ہیں اور تم نقصان اٹھانے والے ہو، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ ایک ایک باشت اور ایک ایک ہاتھ اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے حتیٰ کہ اگر وہ گودہ کی بل میں داخل ہوئے تو تم بھی ان کی اتباع کرو گے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ پہلے لوگوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ فرمایا اور کون ہیں (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت میں ہے کہ لوگ نہیں ہیں مگر وہی۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ بھی پہلے لوگوں کے طریقوں پر باشت باشت اور ہاتھ ہاتھ چلو گے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی گودہ کی بل میں داخل ہو گا تو تم بھی داخل ہو گے اور اگر ان میں سے کسی نے اپنی بیوی سے راستہ میں جماع کیا ہو گا تو تم بھی ایسا کرو گے (2)۔ امام بنو ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم راستہ اور ہدایت میں بنی اسرائیل کے زیادہ مشابہ ہو، ہم بالکل عمل میں ان کے مطابقت کرو گے مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ تم چمچے کی پوجا کرو گے یا نہیں۔ (3)

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوَّروا نُوحًا وَعَادًا وَثَمُودًا وَقَوْمَ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٠﴾

”کیا نہ آئی ان کے پاس خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے گزرے (یعنی) قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور مہدی اور وہ ہستیوں جنہیں اللہ دیا گیا تھا آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیل لیکر اور نہ تھا اللہ (کا یہ دستور) کہ ظلم کرے ان پر بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے۔“

۱۔ باتھم میں ہم ضمیر کا مرجع متناہس ہیں، خطاب سے عاقب کے صیغہ کی طرف التفات کیا گیا ہے۔ اللدین من قبلہم مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ظہیروں کی نافرمانی کو اپنا شعار بنایا اور احکام الہی کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اس نافرمانی اور غلط روش کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا۔ آگے ان تباہ شدہ قوموں کی وضاحت فرمادی کہ وہ قوم توحیٰ جنہیں ان کے کفر کی وجہ سے طوفان کے ذریعے تباہ کیا گیا۔ قوم عاد کو ہابصہ کے ذریعے جس نہیں کر دیا گیا تو قوم ثمود کو کزک کے ذریعے نیست و نابود کیا گیا۔ قوم ابراہیم کو نعمتوں کے سلب کرنے، ہنر و دو کوشمچہ کے ذریعے ہلاک کرنے اور اس کے ساتھیوں کو بھی مختلف عذابوں میں جلا کرنے کے ساتھ تباہ کیا گیا۔ اصحاب مدین سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جنہیں چھتری والے دن آگ کے ذریعے رکھ کر دیا گیا۔ مؤلف نکات سے مراد قوم لوط کے دیہات میں جن کو لٹ دیا گیا تھا، اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا اوپر کر دیا گیا تھا اور منکھروں کی بارش برساتی گئی تھی۔ یہ سب قومیں جن کا تذکرہ ہوا ہے ان کی راجعائی کرنے اور انہیں شاہراہ جہالت پر چلانے کے لئے ان کے رسول ہاکل واضح معجزات کے ساتھ تشریف لائے، لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا اور انہیں ہلاک کر دیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور سنت نہیں ہے کہ وہ کسی کو بغیر جرم کے سزا دے، لیکن جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ان کے ارشادات کو درخود اٹھاتا دیکھا جیسا کہ تمہارا کردار ہے، تو ہمتو! تو ہم نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ اسے میرے محبوب کی مخالفت پر کمر بستہ رہنے والی قوم بھی ڈر سہاواتم پر بھی اسی قسم کا عذاب نازل ہو جائے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

”یہ مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں حکم کرتے ہیں سچی کا اور روکتے ہیں برائی سے اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی یہی لوگ ہیں جن پر ضرور رحم فرمائے گا اللہ! بلکہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔“

۱۔ مومن مرد اور مومن عورتیں دین کی سر بلندی اور اطاعت الہی میں ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں ایمان و اطاعت کی تبلیغ ان کا شیوہ ہے، شرک، نفاق، رسول کریم ﷺ کی نافرمانی اور جسمانی شہادت کی اجتناب سے منع کرتے ہیں، نماز کو تقویٰ ظاہری اور باطنی کے ساتھ پورے اہتمام سے ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی وہ بلند بخت ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم فرمائے گا۔ سین جو مسبر حمہم سے پہلا آیا ہے یہ فعل کے وقوع کی تاکید کے لئے ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے کہ کو اس کی قدرت کے اظہار کے سامنے آ ز اور رکاوٹ نہیں ہے اور ہر کام میں اس کی خاص حکمت کار فرما ہوتی ہے، وہ ہر چیز کو اپنے مناسب مقام پر رکھتا ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ هُوَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ ۝

”وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغات کا ارواں میں جن کے نیچے نمیاں۔ یہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ مکانات کا سدا بہار باغوں میں۔ اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے۔ کیا تو بڑی کامیابی ہے۔“

۱۔ مَسْکِنٌ مَحَلَّتَيْنِ سے ایسے مکان مراد ہیں جن میں زندگی بڑی پاکیزہ ہوتی ہے یا نفس ان میں خوش رہتا ہے۔ عدن کا معنی کسی چیز کا ہمیشہ کسی جگہ پر ٹھہرا ہونا ہے۔ عرب کہتے ہیں عدن بالمسکان۔ جب کوئی مکان میں ہمیشہ سے قیام پذیر ہو۔ صاحبہ ارک فرماتے ہیں عدن جنت کے اعلیٰ درجہ کا نام ہے اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے جنت عدن النبی و عدا الرحمن اور یہ نحو کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ماہ معرفتی صفت جملوں کے ساتھ بیان کرتی ہوتی ہیں ان سے الذی اور النبی کو استعمال کیا جاتا ہے، یہ جنت میں ایک شہر ہے۔ میں کہتا ہوں عدن کے علم (نام) ہونے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ابن المبارک، الطبرانی اور ابوالشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمران بن حصین اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کریمہ کے متعلق دریافت کیا گیا (یعنی وہ مسکن طیبہ فی حیات عدن) تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک مہینوں کا محل ہے جس میں سرخ یا قوت کے ستر گھر ہیں اور ہر گھر میں ہبز زرد کے ستر گھر ہیں اور ہر گھر سے ہر رنگ کے ستر ہستہ ہیں اور ہر ہستہ پر ایک بیوی ہے جو آجوتہ شرم ہے اور ہر گھر میں ستر و ستر خوان ہیں اور ہر ستر خوان پر ہر قسم کا کھانا ہے اور ہر گھر میں ستر خادم اور ستر خادما ہیں اور مومن کو ہر صبح خوراک ملے گی اور ہر مکان میں لے گی (1)۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغنی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں اپنے دست (قدرت) سے پیدا کی ہیں: 1- عرش، 2- عدن، 3- قلم، 4- آدم علیہ السلام۔ پھر فرمایا ہر چیز کو سخن فرمایا تو وہ ہوگی۔ بزار، ابن جریر اور دراعلی رحمہم اللہ تعالیٰ المؤلف و المصنف میں اور ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابودرداء کی حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد روایت کیا ہے کہ لعن اللہ کا کفر ہے کسی کی آنکھ نے نہ دیکھا ہے اور نہ کسی انسانی دل میں اس کا تصور آیا ہے، اس میں صرف انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء باقی نہیں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مبارک ہوا سے جو تیرے اندر دھا، ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ (2)

صحیحین میں حضرت ابوسلمہ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو چیزیں ایسی ہیں جن کے برتن اور مزید جو چکھان میں ہے سب چاندی کے ہیں، دو چیزیں ایسی ہیں جن کے برتن اور جو چکھان میں ہے سب سونے کا ہے، جنت عدن میں لوگوں کے لئے دیدار الہی سے مانع صرف اس کی کبرائی کا حجاب ہوگا جو اس کے چہرہ پر ہے (3)۔ امام احمد، حاکمی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو دوسرے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ جنات الفردوس چار ہیں دوسونے کی ہیں (4) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کبریا کی ردا سے مراد اس کا صفت کبریا، اور عظمت سے ڈکا ہوا ہوتا ہے، کیونکہ اس کی عظمت و کبریا کی وجہ سے مخلوق کا کوئی فرد اس کے اذن کے بغیر اس کا دیدار نہیں کر سکے گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ابن مسعود نے فرمایا کہ جنت عدن، جنت کے درمیان میں ہے، عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک محل ہے جسے عدن کہا جاتا ہے، اس کے ارد گرد بڑے بڑے برج اور

2- تفسیر طبری، جلد 10، صفحہ 124 (الاصیری)

4- مسند احمد، جلد 4، صفحہ 416 (مسار)

1- تفسیر، جلد 18، صفحہ 61-160 (الطبرانی)

3- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 99-100 (ترمذی)

بزرگوار ہیں ان کے پانچ ہزار دروازے ہیں، اس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید داخل ہوگا۔ حضرت الحسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عدن ایک سونے کا محل ہے جس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل حکمران داخل ہوگا۔ عطاء، ابن السائب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عدن جنت میں ایک نہر ہے جس کے کناروں پر دوسری بہتیں ہیں۔ مقاتل اور کبھی زہمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں عدن جنت میں اعلیٰ درجہ ہے جس میں تقسیم کا چشمہ ہے اور اس کے ارد گرد دوسری بہتیں ہیں وہ ان سے ڈکا ہوا ہے اور جب سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے وہ چھپا ہوا ہے حتیٰ کہ اس میں اس کے اعلیٰ یعنی انبیاء کرام، صدیقین، شہداء، صالحین اور جن کو اللہ چاہے گا وہ داخل ہوں گے، اس میں موتیوں، یاقوت اور سونے کے محلات ہیں۔ عرش کے نیچے سے پاکیزہ ہوا چلے گی اور عدن میں موجود افراد کے پاس وہ سفید کستوری کے ڈھیر داخل کرے گی (1)۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ جنتیں سات ہیں: 1۔ دارالخلد، 2۔ دارالجلال، 3۔ دارالسلام، 4۔ جنة عدن، 5۔ جنة المأوی، 6۔ جنة نعیم، 7۔ الفردوس۔ بعض علماء نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بناء پر چار جنت لکھے ہیں کیونکہ اس حدیث میں صرف چار جنتوں کا ذکر ہے۔ حکیم ترمذی نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ دو جنت مقررین کے لئے اور دوسرے دو جنت اصحاب یحییٰ کے لئے ہیں۔ ہر جنت میں کئی درجات کی منازل اور کئی دروازے ہیں۔ کئی جنت کربلا میں عطف تقاریح کا تقاضا کرتا ہے، اس لئے یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ہر ایک لئے متعدد بہتیں ہوں یا تمام کے لئے بطور تقسیم مجموعی حصہ ہو یا عطف تقاریح معنی پر مبنی ہے، یعنی ذات ایک ہے وصف مختلف ہیں، گویا پہلے اس جنت عدن کا یہ وصف بیان فرمایا کہ جن مکاتوں کا تصور تمہارے ذہن میں اس جنت کے مکانات اور محلات ان سے کہیں زیادہ خوش کن ہیں تاکہ کہیں آواز کے ساتھ ہی ان کی طالع نائل ہو جائیں۔ پھر دوسرا وصف بیان فرمایا کہ اس کی زندگی بہت پر لطف ہوگی اور ہر قسم کی کمزوریوں سے معمری اور مزہ ہوگی جن کمزوریوں سے دنیا کے مکان خالی نہیں ہوتے۔ ان محلات و مکانات میں بیش طرب کا ہر سامان ہوگا، جس میں دل کا سکون اور آنکھوں کی شہدک ہوتی ہے، پھر تیسرا وصف بیان فرمایا کہ وہ مکانات دائمی ہوں گے، علمین کے جوار میں وہ قائم و ثابت ہیں ان پر فنا اور تغیر کا گمراہ حال ہے، پھر اہل ایمان پر اس نعمت عظمیٰ کا ذکر فرمایا جو سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔

سبح اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے، سمجھیں میں حضرت ابو سعید اللہری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے اے اہل جنت وہ عرش کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم حاضر ہیں اور تیری سعادت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم (میری ان جنتوں اور نعمتوں میں) خوش ہووے عرض کریں گے کیا وجہ ہے کہ ہم خوش نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہیں ان سے بھی بہتر نعمت عطا کروں گا، وہ عرض کریں گے ان سے بہتر کوئی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی رضا کو اتنا بھروسہ کر چکی ہوں کہ تم پر ناراض نہ ہوں گا (2) (1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل فرمائی ہے اور اسے صحیح بھی کہا ہے جب اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کیا تم مجھ سے کسی چیز کا سوال

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 3 صفحہ 81 (الترغیب) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 969 (ازدات لتعلیم)

(1) اے حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ کوئی مخلوق کو ایسی نعمتیں تو نے عطا نہیں کیں تو مخلوق سے مراد ملائکہ ہیں کیونکہ جن وہاں میں سے دو ذہنی اور اللہ تعالیٰ پر اعتقاد نہ رکھتے وہ اس دنیا پر نازی نہیں ہے۔

کرتے ہو کہ میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کروں وہ عرض کریں گے ہمارے پروردگار جو تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے اس سے بہتر کیا ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اللہ کی خوشنودی اور رضا تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ (1)

سے یہ رضاء الہی یا سابقہ سب نعمتیں مل جاتا بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ ان کے مقابلہ میں ہر نعمت حقیر اور بے وقعت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَ
يَسْئَلُ الْمَصِيدُ ①

”اے نبی کریم! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجئے ان پر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔“

1۔ اے نبی کریم ﷺ! کفار و منافقین سے کوار کے ساتھ جہاد کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور الشحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں زبان سے جہاد کرنے کا حکم ہو رہا ہے کہ نرم لہجہ میں نہیں بلکہ ان سے تند انداز گفتگو اپناؤ (کیونکہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے)۔ من اور قادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ حدود کے قائم کرنے کا حکم ہے۔ ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نبی کریم کو حکم ہو رہا ہے کہ ہاتھ سے جہاد کرو اگر یہ نہ ہو سکے تو زبان سے جہاد کرو، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے کرو اور فرمایا منافق سے سخت من سے بات کرو۔ ان بد بختوں کا آخرت میں ٹھکانا جہنم ہے، عطا فرماتے ہیں اس آیت کریمہ نے معافی اور درگزر کے تمام احکامات کو منسوخ کر دیا ہے۔

يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَؤُلَاءِ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۗ وَاللَّهُ يَسْتَأْذِنُ الْإِلَٰهَ وَمَا تَقْتُمُونَ إِلَّا أَنْ أَعْتَبْتُمْ اللَّهُ وَسَأْؤَلُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ فَإِنْ يَتُوبُوا إِلَيْكَ خَيْرٌ لَّهُمْ ۗ وَإِنْ يَسْتَكْبِرُوا يُعَذِّبْ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ فِي الدُّنْيَا وَ
الْآخِرَةِ ۗ وَمَالَهُمْ فِي الْآلِمَارِضِ مِنْ ذِي وَلَا يَصْنَعُونَ ②

”تمہیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ نہیں نے یہ نہیں کہا کہ حالانکہ یقیناً انہوں نے کبھی تمہیں ٹھکانا ہی نہیں اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد من اور انہوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پاسکے اور نہیں جھٹکا ہوئے وہ مگر اس پر کوئی کر دیا نہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے من سوا کر وہ تو یہ نہیں تو یہ بہتر ہو گا ان کے لئے ہے اور اگر وہ روگردانی کریں تو عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ عذاب الیم دینا اور آخرت میں من اور نہیں ہو گا ان کا روئے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار ہے“

2۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس ابھی ایک شخص آئے گا جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ پس فوراً ایک نیلی آنکھوں والا شخص آگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا تو اور تیرے ساتھی میرے حلق بدزبانی کیوں کرتے ہو تو وہ اٹھ کر چلا گیا اور پھر

اپنے ساتھیوں کو نیکر آگیا، سب نے قسمیں اٹھادیں کہ ہم نے یہ باتیں نہیں کہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے دُور فرمایا (۱) تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا۔ ابن ابی عاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جلاس بن سولید بن الصامت ان افراد میں تھا جو غزوہ جحوک میں رسول اللہ ﷺ سے الگ ہو گئے تھے۔ اس نے کہا اگر یہ شخص محمد (ﷺ) سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی برے ہیں، عمیر بن سعد نے اس کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتادی، تو جلاس اپنی بات سے مکر گیا اور قسم اٹھادی کہ میں نے یہ بات نہیں کی۔ پس یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جلاس نے تو یہ کر لی اور بہت اچھی تو یہ کہی۔ کعب بن مالک سے بھی ابن ابی عاتم نے اسی طرح نقل کیا ہے، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کعب سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں عروہ سے اسی طرح نقل کی ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اسی طرح ذکر کیا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ جلاس بن سولید کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ غزوہ جحوک کے موقع پر ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا آپ نے منافقین کا ذکر فرمایا اور ان کو پاک اور جس فرمایا اور ان کے محبوب بیان فرمائے، جلاس نے کہا اگر محمد (ﷺ) سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہیں، عامر بن قیس نے اس کی بات سن لی، حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے، محمد (ﷺ) سچے ہیں اور تم گدھوں سے بھی برے ہو، جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو عامر بن قیس نے جلاس کی ساری گفتگو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتادی۔ جلاس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ مجھ پر جھوٹا بیہتان لگا رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو فرمایا کہ تم منبر کے پاس قسم اٹھاؤ۔ جلاس عصر کے بعد منبر کے پاس کھڑا ہوا اور کہنے لگا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی اور عامر نے میرے متعلق جھوٹ بولا ہے، پھر عامر اٹھے انہوں نے قسم اٹھادی کہ اس نے یہ بات بھی نہیں کی اور میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ پھر حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ بلند کئے اور یہ دعا کی اے اللہ اپنے سچے نبی پر ہماری سچائی کو نازل فرما، اس دعا پر رسول اللہ ﷺ اور تمام مومنین نے آمین کہا۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام لوگوں کے گھرنے سے پہلے یہ آیت کریمہ نکلے تھی گئی۔ جب قرآن پیش ہو تو اے اللہ ﷻ پر پتے تو جلاس کھڑا ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ کا کلام سن رہا ہوں کہ اس نے مجھ پر تو یہ جھوٹ بھینسا ہے۔ عامر بن قیس اپنی بات میں سچا ہے، واقعی میں نے یہ بات بھی کہی۔ اب میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اس جرم کی معافی چاہتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی توبہ قبول فرمائی اور پھر جلاس نے اپنی توبہ کی خوب پاسداری کی اور اس کے سب تقاضے مکمل کئے (2)۔ ابن ابی عاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں زید بن ارقم نے ایک منافق شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا، جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچائی گئی تو کہنے والے نے انکار کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں ہمیں بتایا گیا کہ وہ شخص جن میں سے ایک کا تعلق قبیلہ جہینہ سے تھا اور دوسرے کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا اور جہینہ انصار کے طائف تھے۔ یہ آپس میں لڑ پڑے غفاری شخص جہنی پر غالب آ گیا۔ عبداللہ بن ابی الاؤس نے کہا اپنے بھائی کی مدد کرو قسم بخند ہماری محمد کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کہا تھا اپنے کتے کو موٹا کرو (یہ تجھے ہی کاٹنے کا ٹکا)۔ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے تو عزت والا ذلیل کو اس سے نکال دے گا۔ ایک

مسلمان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بات پہنچادی۔ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی الاؤس کو بلا کر پوچھا اس نے قسم اٹھا کر کہا کہ میں نے یہ بات نہیں کی اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ یقینوں پالنے والے کا ارشاد نازل فرمایا۔ یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق کا ہے، ہم نے سورہ منافقین میں ذکر کر دیا ہے۔

ج. کلمۃ اللہ سے مراد محض علماء فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کرنا ہے۔ بعض فرماتے ہیں اس سے مراد اجلاس کا قول ہے کیونکہ اس نے کہا تھا اگر محمد ﷺ سے چچ ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ بعض فرماتے ہیں ان کا یہ قول ہے کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والا ذلیل کرو ہاں سے نکال دے گا۔

ح. اسلام کو ظاہر کرنے کے بعد کفر کا اظہار کیا اور انہوں نے ارادہ کیا جس کو وہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ بارہ منافق تھے جو توحید کے راستہ میں گھائی پر پتھر بے ہوئے تھے تاکہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیں، جبرئیل امین آئے اور فرمایا کہ آپ ایک شخص کو بھیجیں جو ان پر ارادہ رکھے و انوں کی سواریوں کو مار مار کر واپس لوٹا دے۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مامور فرمایا۔ یہ واقعہ پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سودنا می شخص نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ مجاہد فرماتے ہیں منافقوں نے اس مسلمان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جس نے ان کی یہ بات سن لی تھی گذرہ ﷺ سے چچ ہیں تو ہم گدھوں سے بدتر ہیں۔ تاکہ وہ ان کا راز افشا نہ کرے (1)۔ بعض علماء فرماتے ہیں غزوہ بنی مصطلق میں منافقوں کے رسول کریم ﷺ اور مومنین کو نکلنے کا ارادہ کیا تھا (اس ارادہ سے وہ ارادہ مراد ہے)۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں منافقوں نے کہا تھا کہ جب ہم مدینہ طیبہ لوٹیں گے تو ہم عبد اللہ بن ابی کے سر پر ریاست کا تاج ساجیں گے لیکن وہ اس ارادہ میں کامیاب نہ ہوئے۔ (2)

ج. اس انتقام و عداوت اور ناپسندیدگی کی اور کوئی وجہ نہیں سوائے اس کے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان پر فطرتاً و کرم فرمایا (جس کی وجہ سے یہ بدافطرت اور کہینے لوگ بگڑ گئے) فضل و احسان ہر صاحب دل کے نزدیک محبوب و مرغوب چیز ہے جو محبت و فرمانبرداری کا موجب ہے، نہ کہ عداوت و انتقام۔ یہ جملہ ہموار کے فاعل سے حال ہے اور ان کے تجسس باطنی اور بدعتی کو بیان کر رہا ہے کیوں کہ انہوں نے احسان کے مقابلہ میں عداوت و احسان فراموشی کا ثبوت دیا تھا۔ ابن جریر اور ابوشیخ زہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ بن سعد بنی نے کعب بن العساری آدمی کو قتل کر دیا تو حضور ﷺ نے اس کے بارہ ہزار درہم دیت کا فیصلہ فرمایا۔ علامہ ابنوبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اجلاس کا غلام قتل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر فرمائی تو وہ فنی ہو گیا۔ اس کے متعلق یہ ارشاد اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ تَرَسُوْلُهُ مِنْ قَسْبِ لِيْمٍ نَازِلٌ ہوا۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کے مدینہ طیبہ میں قدم رنجور فرمانے سے پہلے بہت تنگ اور فخر کی زندگی گزارتے تھے۔ آپ ﷺ شرف و ترف و فخائم کے لئے کی وجہ سے وہ خوشحال اور مالدار ہو گئے۔ (3)

ج. اگر وہ اپنے کفر اور نفاق سے توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ یہی آیت کریمہ اجلاس کی توبہ کا باعث تھی۔
ج. اگر وہ توبہ اور اخلاص سے اعراض کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں رسوائی اور ذلت آجائے گا درناک عذاب دے گا اور آخرت میں

بھڑکتی آگ سے ان کی تواضع کی جائے گی۔

یہ ان کے لئے کوئی مددگار اور معاون نہ ہوگا جو انہیں اس عذاب یعنی نخل اور رسوائی سے بچا سکے گا۔

بنو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ اور اسی طرح ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردودہ، بطریقی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے شعب الایمان میں ابوامامہ الباقلی سے روایت کیا ہے کہ ثعلبہ بن حاطب الانصاری رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تیرے لیے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ کافی نہیں ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں چاہتا کہ یہ پہاڑ میرے ساتھ سونامی بن کر چلیں تو میرے ساتھ چلتے، اس نے پھر وہی عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے مالدار کر دے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو برحق نبی مبعوث فرمایا اگر مجھے دولت ملی تو میں ہر حد کو اس کا حق ادا کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اِزِدْهُ فُلْهًا مَّا لَیَّا اللّٰهُ ثَلْبًا کَمَا لَدَارِکُ دُوے۔ راوی فرماتے ہیں اس نے چند بکریاں خریدیں تو دعائے نبوت کی برکت سے ایسی بڑھیں جیسے کبڑے بڑھتے ہیں، بکریوں کی کثرت کی وجہ سے ثعلبہ پر شہر کا ماحول ٹھک ہو گیا۔ وہ شہر سے دور چلا گیا اور ایک وادی میں بکریوں کو بٹھانے لگا۔ وہ لگا تار بڑھتی چلی گئیں۔ پہلے وہ ظہر اور عصر کی نماز رسول اللہ ﷺ کی معیت میں پڑھتا تھا اور پھر نمازیں اپنے ریلوڑ میں پڑھتا تھا۔ پھر وہ بکریاں اتنی زیادہ ہو گئیں کہ ان کی دیکھ بھال اور ان کی کثرت کے باعث مصروفیات اتنی بڑھیں کہ وہ اب صرف جمعہ کو حاضر ہوتا تھا۔ جب مزید بڑھ گئیں تو نہ جمعہ کو حاضر ہو سکتا تھا نہ نماز میں۔ جب جمعہ کا دن ہوتا تو لوگوں سے الگ کر جاتا دریا پت کرنا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ان کا تذکرہ فرمایا اور پوچھا ثعلبہ کو کیا ہوا (بھی نظر نہیں آیا)۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ثعلبہ اپنی بکریاں لیکر وادی میں ٹھہرا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا ویح ثعلبہ یا ویح ثعلبہ یا ویح ثعلبہ (ثعلبہ ہلاک ہو گیا، ثعلبہ ہلاک ہو گیا، ثعلبہ ہلاک ہو گیا) اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم نازل فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص بنی سلمہ کا اور ایک شخص جمہدہ کا زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمائے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں افراد کو قابل زکوٰۃ جانوروں کی عمریں لکھ کر دیں اور زکوٰۃ وصول کرنے کا طریقہ بھی تحریر کر دیا اور حکم دیا کہ ثعلبہ بن حاطب اور بنی سلمہ کے غلامان شخص سے صدقات وصول کریں۔ وہ دونوں شخص ثعلبہ کے پاس آئے اور زکوٰۃ کا سوال کیا اور رسول اللہ ﷺ کی تحریر پڑھ کر سنائی، ثعلبہ نے کہا یہ تو نکلیں ہے (جو غیر مسلموں پر ہوتا ہے) اس میں اور جزیہ میں کیا فرق ہے۔ اب تم دونوں آگے چلے جاؤ، جب دوسرے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے فارغ ہو جاؤ تو پھر میری طرف لوٹ آنا۔ وہ چلے گئے، جب سلمی شخص کو حضور ﷺ کے کارندوں کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے مولے تازے، عمدہ جانور جن کر زکوٰۃ کے طور پر پیش کر دیئے۔ جب ان کارندوں نے وہ عمدہ جانور دیکھے تو کہنے لگے تھہ پر یہ تو لازم نہ تھے۔ اس نے کہا تم لے لو، میرا نفس اس ادائیگی پر پوری طرح مطمئن اور خوش ہے۔ وہ دونوں افراد لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے پھر ثعلبہ کے پاس پہنچ گئے۔ ثعلبہ نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کی لکھی ہوئی تحریر دکھاؤ۔ اسے پڑھا تو کہنے لگا یہ زکوٰۃ بھی تو جزیہ (نکلیں) ہے۔ یہ زکوٰۃ بالکل جزیہ کے مترادف ہے۔ تم دونوں اب واپس جاؤ میں کچھ سوچ لوں۔ راوی فرماتے ہیں جب وہ دونوں شخص واپس آئے تو ان کے کام کرنے سے پہلے حضور ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا یا ویح ثعلبہ یا ویح ثعلبہ یا ویح ثعلبہ یا ویح ثعلبہ (ثعلبہ ہلاک ہو گیا) پھر سلمی

مفلس (جس نے زکوٰۃ کے لئے عمدہ جانور بلیغ خاطر دیئے تھے) کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ بعد میں ان دونوں کارندوں نے شکر کا طرز عمل بتایا (۱)۔ اللہ تعالیٰ نے شکر کے متعلق یہ ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰمَلِ اللّٰهَ لَئِن اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهِ لَنُصَدِّقُنَّ وَاَلَّا نَكُوْنُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰

”اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے وعدہ کیا اللہ کے ساتھ کہ اگر اس نے دیا ہمیں اپنے فضل سے، تو ہم بدل کھول کر خیرات دیں گے اور ضرور ہو جائیں گے نیکو کاروں میں۔“

۱۔ منہم کی ضمیر کا مرعہ منافقین ہیں۔ لَنُصَدِّقُنَّ اصل میں لَنُصَدِّقُنَّ تھا، ناء کو صادم میں مدغم کیا گیا ہے۔
۲۔ ابن جریر، ابن مردودہ، رحمہما اللہ تعالیٰ نے العوفی کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس ارشاد کا یہ مطلب روایت کیا ہے کہ وہ اصل صلاح جیسا کہ ہے، یعنی صلہ رحمی، زکوٰۃ، صدقات واجبا اور سقہ کو رضائے الہی کے لئے ادا کرے گا۔

فَلَمَّا اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَكَّلُوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱۱

”پس جب اس نے عطا فرمایا انہیں اپنے فضل سے تو کجروی کرنے لگے اس کے ساتھ اور روگردانی کر لی اور وہ منہ پھیرنے والے ہیں۔“

۱۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے خزانوں کے فضل کھول دیئے تو وہ اس مال پر سناپ بن کر بیٹھ گئے اور حقوق الہی ادا کرنے سے باز رہے اور اطاعت الہی اور اطاعت رسول سے منہ پھیر لیا اور منافق قوم کی امراض کر باری الہی عادت ہے۔

فَاَعْقَبُوْهُمْ نِعْمًا فَاذِيُوْرُوْهُمۡ يَلْقَوْنَہٗۤ اِذَا اَحْلَقُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْا وَّوَسَّوْا
كٰلُوْا اِیْضًا یُّؤْتُوْنَ ۝۱۲

”پس اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے نفاق بنادیا ان کے دلوں میں اس دن تک جب نہیں گئے اس کو اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف ورزی کی اللہ سے جو وعدہ انہوں نے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ یا بخل نے ان کا انجام بد اعتقادی پر کر دیا، اور یہ بد اعتقادی ان کے دلوں میں یوں رائج ہو گئی کہ زکوٰۃ کے وجوب کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس اسلام کے بنیادی رکن کو جڑ سے کھینچنے کے سزاؤں سمجھتے تھے اور یہ نفاق اس وقت تک ان کے دلوں میں بھرا رہے گا جب تک کہ یہ مرکز اللہ سے ملاقات کریں گے یا اپنے اعمال کی جزا پا لیں گے۔ ملاقات کے دن سے مراد اقیامت کا دن ہے، جو ہمیں پہنچنے کا دن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی توفیق سے محروم کر دیا، یہ اب نفاق کی نحوست پر ہی مریں گے اور یہ سزا انہیں اس لئے دی گئی کیونکہ انہوں نے تصدیق اور صلاح کا جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور جھوٹ بولتے تھے۔ وعدہ خلافی کے ضمن میں جھوٹ بھی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دو اعتبار سے قطع اور قابل مذمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تمن نکتانیاں ہیں جب بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے، جب اسے امن بنایا جائے تو خیانت کرتا ہے۔ (2)۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مسلم کے الفاظ آخر میں وان صام وصلی زائد ہیں، یعنی اگر چہ نمازی اور روزہ دار بھی ہو اور اپنے آپ کو مسلمان بھی گمان کرتا ہو۔ امام بغوی اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابی امامہ کی مذکورہ بالا حدیث میں شکر کے

مطلق آیت کے نزول کا ذکر کیا ہے۔ اس میں بیان کیا ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس شلبہ کا ایک رشتہ دار بیٹھا تھا۔ وہ یہ آیت سن کر فوراً شلبہ کے پاس پہنچا اور اسے کہا اے شلبہ تو بلاک ہو گیا، میرے مطلق اس طرح قرآن نازل ہوا ہے، شلبہ دوڑتا ہوا نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا اور عرض کی حضور ﷺ امیر اصدقہ قبول فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا اصدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ شلبہ نے اپنے سر میں مٹی ڈالی شروع کر دی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ سب تیرے عمل کا نتیجہ ہے، میں نے تجھے حکم دیا تھا تو میری بات نہیں مانی تھی۔ جب حضور ﷺ نے اس کا اصدقہ قبول نہ کیا تو ایسا ہو کر گھر لوٹ آیا، پھر جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی آپ میرا اصدقہ قبول فرمائیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو اصدقہ رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں کیا میں وہ قبول کر لوں؟ (یہ ناممکن ہے)۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصال تک اس کی نکتہ کا قبول نہ کیا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تحت خلافت پر متمکن ہوئے تو شلبہ پھر حاضر ہوا اور عرض کی قبلہ میرا اصدقہ قبول فرمائیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو اصدقہ تجھ سے رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا اور نہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قبول فرمایا میں قبول کر لوں (یہ ناممکن ہے)۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہ اصدقہ قبول نہ فرمایا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غلیظہ بنے تو شلبہ حاضر ہوا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے بھی وہ قبول نہ فرمایا۔ شلبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بلاک ہو گیا تھا۔ (۱)

حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ شلبہ انصار کی ایک مجلس میں آیا اور انہیں گواہ بنا کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل سے مال عطا فرمائے تو میں اس مال میں سے ہر حدکار کا حق ادا کروں گا اور اصدقہ و خیرات کروں گا اور اس کے ساتھ قربت داری کو قائم رکھوں گا۔ شلبہ کا چچا زاد بھائی مر کیا تو وہ مال کا وارث بنا لیکن جو کچھ اس نے بھری مجلس میں وعدہ کیا تھا پورا نہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے حقیق یہ آیت کریمہ نازل فرمادی۔ اُسں اور صحابہ درجہ ما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ شلبہ بن حاطب اور مصعب بن قیس کے بارے نازل ہوئی، ان دونوں کا تعلق بنی عمرو بن لؤف سے تھا۔ یہ دونوں ایک مجلس میں آئے اور کہنے لگے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں مال عطا فرمائے تو ہم اصدقہ و خیرات کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے رزق عطا فرمایا تو غل کرنے لگے۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝

”کیا وہ نہیں جانتے کہ چیلک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے راز کو اور ان کی سرگوشی کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جانتے والا ہے سارے شیوں کو۔“

۱۔ لم يعلموا کی ضمیر کا مرجع یا تو منافقین ہیں یا من عاہد اللہ ہے، یعنی جب انہوں نے اپنے قلبی میلان کے خلاف اظہار کیا تو انہیں معلوم نہ تھا اللہ تعالیٰ تو اس نفاق کو بھی جانتا ہے جو وہ اپنے نہاں خاندوں چھپائے ہوئے ہیں یا اس ارادہ کو بھی جانتا ہے جو وہ احکام الہی کی خلاف ورزی کرنے کا اپنے ذہنوں میں کئے ہوئے ہیں اور وہ ان کی طعن و تشنیع کو بھی جانتا ہے جو انہیں میں چنچہ کرتے ہیں۔ یا یہ جو زکوٰۃ کو لیکس کہتے ہیں اس کو بھی جانتا ہے، اس سے تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے، (وہ ہمہ بین اور ہمہ دان رب ہے)۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ جب آیت اصدقہ نازل ہوئی تو ہم اس وقت اپنی بیٹیوں پر حردوری کیا کرتے تھے۔ ایک شخص اصدقہ کرنے کے لئے بہت ساماں لایا تو منافقین نے کہا یہ ریا کاری اور نمائش کے لئے

انتقال لایا ہے، پھر ایک نادر شخص ایک صاع (کھجور) نیکرا آیا تو منافق کہنے لگے اللہ تعالیٰ اس شخص کے ایک صاع کھجور کے صدقہ سے مستغنی ہے (۶) اس وقت یہ لیل کی آیت نازل ہوئی۔

أَلَمْ يَنْ يَلْمُزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ
إِلَّا الْجَهْدَ لَهُمْ فَيَسْتَخِرُونَ مِنْهُمْ سَخَّرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ①

”جو لوگ (ریا کاری کا) التزام لگاتے ہیں خوش خوشی خیرات کرنے والوں پر مومنوں سے اور جو (نادر) شخص پاتے ہجرت اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سزا دے گا انہیں اس مذاق کی اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔“

یہ بلعزوں کا معنی یعیون ہے، یعنی عیب لگاتے ہیں۔ اسم موصول (الذین) خدمت کی بناء پر مرفوع یا منصوب ہے، یا بصورتِ ضمیر سے بدل ہے یا مؤنثاً ہے اور اس کی خبر سَخَّرَ اللَّهُ مِنْهُمْ ہے۔ المطوعین اصل میں المنطوعین تھا، بناء کو طاء میں ادغام کر دیا گیا، اس کا معنی رغبت کرنے والے ہے، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صدقات پیش کرنے پر مجتہد کیا تو عبدالرحمن بن عوف چار ہزار درہم نیکرا حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرا کل مال آٹھ ہزار تھا جن میں سے چار ہزار آپ ﷺ کی خدمت میں لایا ہوں، اسے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صرف فرمائیں۔ چار ہزار درہم میں اپنے اہل و عیال کے لئے چھوڑ آیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے اس مال میں بھی برکت دے جو تیرے راہِ خدا میں دیا ہے اور اس مال میں بھی برکت دے جو تیرے اپنے اہل و عیال کے لئے چھوڑا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے ان کے مال میں اتنی برکت فرمائی کہ جس دن آپ کا وصال ہوا تو آپ کی دو بیویوں کا آٹھواں حصا کھنڈہ ہزار درہم بنا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک بیوی نے 80 ہزار درہم چوتھائی حصہ صلح کر لی تھی جب کہ ان کا حق اس سے بھی زیادہ بنتا تھا۔ اسی دن عامر بن عدی غلامی نے ایک سو وقت کھجور صدقہ کئے تھے اور ابو عقیل انصاری نے ایک صاع کھجور پیش کیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے ساری رات پانی پینے کی مزدوری کرتے ہوئے گزار دی ہے جس کی اجرت مجھے دو صاع کھجور ملے ہیں۔ ایک صاع میں سے گھر والوں کے لئے رکھا ہے اور دوسرا صاع آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا اس صاع کو صدقہ کے گھڑیوں پر بکھیر کر ڈال دو۔ تو منافق اس ایثار و قربانی پر بظلمت لگے اور الزام لگائے لگے کہ عبدالرحمن اور عامر نے فقط ریا کاری اور اپنی فیاضی کی شہرت کے لئے اتنا بڑا مال دیا ہے، اور اللہ اور اس کا رسول الیٰ علیہ السلام کے اس تمغے سے صدقہ سے بے نیاز ہیں۔ اس نے شخص اس لئے صدقہ دیا ہے تاکہ ان کی غربت کا ذکر ہو جائے اور اسے صدقہ دیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ المطوعین سے مراد عبدالرحمن اور عامر ہیں اور الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا الْجَهْدَ لَهُمْ سے مراد ابو عقیل ہیں (2)۔ میں کہتا ہوں یہ واقعہ امام احمد، ابن جریر اور ابن مردودہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور عبدالرحمن کی ایک بیوی کا ایک حصہ سے مصالحت کرنے کا واقعہ الطبرانی نے ابو عقیل کی حدیث سے بیان کیا ہے، عبدالرحمن کی بیوی کا نام قنتر تھا۔ سبکی واقعہ بالکل اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابو سعید الخدری، ابو عقیل، عمیرہ بنت کھیل بن رافع رضی اللہ عنہم

سے بھی مروی ہے، ان تمام روایات کو ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

ع امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں سے استہزاء کرنے والوں کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا، ان میں سے ایک کو داخل ہونے کے لئے کہا جائے گا تو وہ اپنے کرب و غم کے ساتھ آئے گا۔ جب دروازہ کے قریب پہنچے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ ان سے اسی طرح کا معاملہ ہوتا رہے گا حتیٰ کہ ان میں سے ایک کے لئے جنت کا دروازہ کھلا ہوگا پھر اسے داخل ہونے کو کہا جائے گا لیکن وہ ماہی کی وجہ سے آگے نہیں بڑھے گا (1)۔ اللہ تعالیٰ ان سخروں کو ان کے کفر اور عداقت کی سزاوردناک عذاب سے دے گا۔ امام بیہاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عبد اللہ جو عبد اللہ بن ابی منافق کا بیٹا تھا وہ مخلص لوگوں میں سے تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی حضور ﷺ میرا باپ مرض موت کی حالت میں ہے اس کے لئے دعا فرمائیں، آپ ﷺ نے اپنے وفا شعار غلام کی رنجوشی کے لئے رکعتیں مانگیں عبد اللہ بن ابی کے حق میں دعا کر دی (2) اللہ تعالیٰ نے ان وقت ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۗ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٥٠﴾

”آپ بخش طلب کریں ان کے لئے یا نہ کریں اگر آپ بخش طلب کریں ان کے لئے 17 بار جب بھی نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انہیں سے یہ بخش اس لئے ہے کہ انہوں نے انکار کیا اللہ کا اور اس کے رسول (حکرم) کا اور اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دیتا تو فرماں تو مومن“

1۔ یعنی رسول حکرم ﷺ کا منافقین کے لئے بخش طلب کرنا یا نہ کرنا منافقین کو فائدہ نہ دینے میں برابر ہے۔ یہاں امر بھی خبر ہے۔
 2۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سز مرتبہ سے زیادہ دعا کروں گا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ آپ کا ان کے لئے استغفار کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی کے ہم معنی حدیث روایت کی ہے، ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ، مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے، ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہنی کے واسطے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے رب کا کلام سن رہا ہوں، اس نے مجھے ان کے متعلق رخصت دی ہے، ہم بخدا میں سز مرتبہ سے زیادہ ان کے لئے استغفار کروں گا۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمادے۔ تو اس وقت یہ ارشاد نازل ہوا کہ آپ ﷺ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں انہیں کچھ مفید نہیں (3)۔ امام بیہاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضور نبی رحمت ﷺ نے سبعین (سز) کے لفظ سے حد مخصوص سمجھا کیونکہ یہی اصل ہے اور یہ سمجھا کہ یہ حد ہے اور اس کے بعد کا حکم اس کے مخالف ہے، (یعنی سز مرتبہ منقطع ہے اور زیادہ مرتبہ دہا کرنا منع نہیں ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ سبعین سے مراد کثرت ہے، مخصوص حد نہیں ہے۔ سات، سز اور سات سو کے کلمات کا استعمال کثرت کے معنی میں عام ہے کیونکہ سات عدد کی تمام اقسام پر مشتمل ہے (4) کیونکہ عدد قلیل بھی ہوتا ہے اور کثیر بھی۔ پس تین سے کم قلیل ہے اور

1۔ شعب الایمان، جلد 5 صفحہ 311 (اعلیٰ)

2۔ تفسیر بیہاوی مع حاشیہ کا زرونی، جلد 3 صفحہ 161 (القر)

3۔ تفسیر بیہاوی، جلد 3 صفحہ 88 (اعلیٰ)

4۔ تفسیر بیہاوی مع حاشیہ کا زرونی، جلد 3 صفحہ 162 (القر)

تین اور اس سے زائد کثیر ہے اور کثیر کا کم از کم فرد تین ہے اور آخر کی کوئی نایت وحد نہیں ہے۔ اسی طرح عدد کی دو تیس میں جنت اور طاق پہلا جنت عدد دو ہے اور پہلا طاق عدد تین ہے اور ایک عدد نہیں ہے، اور سات ان دونوں قسموں میں پہلی جمع کثیر ہے کیونکہ اس میں تین طاق عدد ہیں اور تین جنت عدد ہیں اور دس حساب کا کمال ہے کیونکہ جو دس سے زائد ہیں وہ دس پر اکائیوں کا اضافہ ہے مثلاً اثناعشر، ثلاثہ عشر (بارہ تیرہ) اسی طرح بیس تک اور بیس، دس کا دو گنا ہے اور تیس دس کا تین گنا ہے، اسی طرح سو تک ہے، بیس ستر کثرت اور جنت طاق کی نوع کا جامع ہے۔ سات سے کثرت اور دس پر حساب مکمل ہوتا ہے، لہذا ستر پر جانب سے کثیر عدد اک کا کم سے کم مجموعہ ہے اور کثرت عدد کی کوئی نایت و انتہا نہیں ہے، اس لئے ستر کہنے سے اس معنی کی تخصیص جائز ہے، گویا یہ عدد تمام کا عدد ہے۔

سے مغفرت و بخشش سے مایوس کرنے کی وجہ ہماری طرف سے بغل نہیں اور نہ اسے محبوب تیری ذات میں کوئی تصور ہے بلکہ یہ اپنے کفر طاری کے سبب پہلا ہی بخشش کے اہل ہی نہیں رہے اور اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ کفر میں سرکش گھوڑوں کی طرح دوڑنے والوں کو ہدایت کا نور عطا نہیں فرماتا، واللہ بھدی القوم الفاسقین سابقہ حکم پر دلیل کی طرح ہے کیونکہ کافر کی مغفرت کا دار و مدار کفر سے توبہ اور حق کی طرف متوجہ ہونے پر ہے لیکن جو کفر میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور کفر کی غالت جس پر تہہ در تہہ جمی ہوئی ہے اس سے تگ و دوڑ ہوتا ہے اور نہ وہ ہدایت پاتا ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعِدِهِمْ خِلْفَ رَسُولِ اللَّهِ وَ كَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا
بِأَهْلِ الْبَيْتِ وَ أَنْ يُسَبِّلَ اللَّهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ
أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝

”خوش ہو گئے پیچھے چھوڑے جانے والے اپنے (گھر) بیٹھے رہنے پر لے اللہ کے رسول کی (جہاد پر) رد آگئی کہ بعد اور ناگوار تھا انہیں کہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں اور (دوسروں کو بھی) کہتے مت نکلو اس سخت گرمی میں سے فرمائیے دوزخ کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے، کاش! وہ سمجھ سکتے تھے“

یہ فرمودہ تنوک میں پیچھے رہ جانے والوں کی کڑواہیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ المخلف کا معنی متروک ہے (چھوڑا ہوا)۔ خلاف رسول اللہ کا معنی ابوبصیرہ نے یہ کیا ہے کہ رسول اللہ کے بعد بعض علماء فرماتے ہیں خلاف بمعنی المخالفة ہے۔ اس صورت میں اس پر نصب طاعت ہونے یا حال ہونے کی بنا پر ہے، یعنی وہ رسول مکرم ﷺ کی مخالفت پر خوش ہوئے جبکہ وہ آپ ﷺ کی مخالفت کرنے والے تھے۔ بمقعدہم کا معنی جنگ سے پیچھے رہ کر بیٹھ جانا ہے۔

جس اس کلام میں اشارہ ہے کہ مسلمانوں نے تو اپنے فانی مال اور نفسوں کے نذرانے پیش کر کے رضا الہی حاصل کر لی ہے اور مال اور نفسوں پر رضا الہی کو ترجیح دی ہے، لیکن منافقین اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مالی خدمت یا جانی قربانی دینے کو تیار نہ کرتے ہیں۔

جس منافقین میں ایک برائی یہ بھی تھی کہ وہ دوسروں کو بھی جہاد میں شمولیت سے منع کرتے تھے کہتے دیکھو کتنی سخت گرمی ہے، کچھ منہ کو آ رہا ہے، اتنا طویل سفر ہے، تیز بے سرو سامانی ہے، دشمن اسطرح سے لیس ہے، اس لئے نہ جاؤ۔

جس ان جبر مردہ اللہ علیہ نے ان کو مہاس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ جہاد میں نکلنے کا حکم فرمایا اور

اس وقت سخت گرمی کا موسم تھا۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ: گرمی بڑی شدید ہے ایسے موسم میں جانا بہت مشکل ہے، اس لئے آپ ﷺ اس گرمی میں نکلے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا قل نار جہنم اشد حراً۔ اے محبوب آپ فرما دیجئے کہ دوزخ کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے (۱)۔ تم کہتے جاہل ہو کہ تم نے ارشاد الہی کی مخالفت کر کے اس دوزخ کی آگ کو ترجیح دی ہے۔ اس ارشاد میں منافقوں کو جاہل اور احمق تصور کیا گیا ہے کیونکہ جو اپنے آپ کو ایک لمحہ تک تکلیف سے بچاتا ہے اور اس کے سبب اپنے آپ کو بڑی معصیت میں گرفتار کرتا ہے وہ احمق ترین آدمی ہے۔

یہ یقینوں کا معنی معلوم ہے۔ یعنی کاش وہ جانتے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مصحف ابن مسعود میں اسی طرح ہے (2)۔ یعنی کاش وہ جان لیتے جو انہیں اس مخالفت کے نتیجہ میں سزا ملے گی۔ یا یہ معنی کہ کاش وہ جان لیتے کہ وہ آگ کتنی سخت اور خوفناک ہے تو وہ اطاعت رسول پر چلتا کہ ترجیح نہ دیتے۔ محمد بن یوسف سماعی لکھتے ہیں کہ جب بن قیس اور دوسرے منافق مسلمانوں کو جہاد میں جانے سے روکتے تھے۔ جب بن قیس کے جہاد کے حکم میں کمزوری پیدا کرنے اور حق میں شک ڈالنے اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق جھوٹی افواہیں پھیلانے کی غرض سے جہاد بن نحر اور بنی سلمہ کے دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ اس شدید گرمی میں نہ نکلو۔ اللہ تعالیٰ نے قل نار جہنم اشد حراً کا ارشاد فرمایا (3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت گرمی کے موسم میں تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو بنی سلمہ نے ایک شخص سے کہا اس گرمی میں نہ نکلو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے قل نار جہنم اشد حراً کا ارشاد نازل فرمایا (4)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں ابن اسحاق من عامر بن مراد ابو قتادہ و عبد اللہ بن ابی بکر بن زرم کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ ایک منافق آدمی نے کہا اس گرمی میں نہ نکلو۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت یہ ارشاد نازل فرمایا۔

فَلْيَصْحُقْهُوا قَلِيلًا وَيُكَلِّمُوا كَثِيرًا ۗ جَزَاءً لِّمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥﴾

”تو انہیں چاہئے کہ نہیں تمھارا اور دوسرے زیادہ سے بڑا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے“

ان منافقین جب جہاد میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے اور وہ اپنے پیچھے رہ جانے پر نہیں بھارے تھے تو اللہ تعالیٰ نے کہا دنیا میں کم ہنسو۔ قلیلاً یا تو مصدر کی صفت ہونے کی وجہ سے مفعول مطلق ہے یا زمانہ کی صفت ہونے کی وجہ سے مفعول فیہ ہے۔

یہ اور آخرت میں انہوں نے کثرت سے رونا ہے، یہ ظاہر امر ہے لیکن معنی خبر ہے، ان کی دنیا و آخرت کی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں ہنسی خوشی کر لیں، آخرت میں انہوں نے رونا ہی رونا ہے، خبر کو امر کی صورت میں ذکر فرمانے میں یہ حکمت ہے تاکہ دلیل بن جائے کہ ایسا ہوتا حتیٰ ہے۔ ہنسنا اور رونا یا تو حقیقت پر محمول ہیں، یا خوشی اور غم سے کہنا یہ ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ آخرت میں ان کی حالت کا بیان ہو اور قلت سے مراد عدم ہو، یعنی آخرت میں ان کا ہنسنا بالکل نہ ہوگا اور رونا کثرت سے ہوگا۔

سج جزاء فعل محذوف بیعوض کا مصدر ہے، یعنی دنیا میں جو وہ کمایا کرتے تھے یہ اس کی جزاء ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فَايْتَسَحَّرُوا قَلِيلًا وَيُكَلِّمُوا كَثِيرًا کا یہ مفہوم روایت کیا ہے کہ دنیا لگیل ہے اس میں جتنا چاہیں ہنس لیں، جب دنیا کی مدت ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی پیشی ہوگی تو اس وقت لگا تار دوسرے کے اور ان کا رونا اس وقت ختم ہی

2- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 89 (الکر)

4- تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 139 (الامیر)

1- تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 139 (الامیر)

3- سل الہدیٰ وارشاد، جلد 5 صفحہ 437 (الامیر)

نہ ہوگا۔ ابن ماجہ، ابویعلیٰ، بیہقی اور ہناد رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ روزِ قیامت میں ہر پورا ناسلہ کیا جائے گا، وہ روئے رہیں گے حتیٰ کہ ان کے آنسو خشک ہو جائیں گے، پھر خون آنا شروع ہو جائے گا، پھر ان کے چہروں پر کھانیاں قسم کی بن جائیں گی، اگر ان میں کشتیاں چھوڑی جائے تو وہ چلنے لگیں (1)۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن میں رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو زنی اتارو زنیوں کے اگر ان کے آنسوؤں کے سیلاب میں کشتیاں چلائی جائیں تو وہ چلنے لگیں۔ وہ خون کے آنسو بہائیں گے۔ (2)

ابن ابی الدنیا اور الضیاء نے صفۃ النار میں زید بن رفیع سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ روزِ قیامت جب آگ میں داخل ہوں گے تو روئیں گے کچھ زمانہ آنسو بہائیں گے پھر کچھ وقت پیپ کے آنسو روئیں گے، دو زنگ کے داروغے انہیں کہیں گے اے بد بختو! تم نے دنیا میں رونا چھوڑ دیا تھا، کیا آج کوئی ہے جس سے تم فریاد کرو۔ پس وہ باؤ یا بلند کہیں گے اے ہمارے آباء کے گروہ! اے ہماری ماؤں کی جماعت! اے ہماری اولاد ہم اپنی قبروں سے پیاسے اٹھے ہیں اور کافی وقت ہمارا سی پیاس کی تکلیف میں گزر چکا ہے۔ آج ہم سخت پیاسے ہیں، ہم پر کچھ پانی اٹھو! یا اس میں سے کچھ عطا کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ چالیس برس تک انہیں کوئی جواب نہ دیا جائے گا۔ پھر جواب ملے گا تمہارا (جی ٹھکانا ہے، یہی یہ جواب سن کر ہر راحۃ سے واپس ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں یہ بھی محض ہوسکتا ہے کہ لوگ دنیا میں تھوڑا نہیں۔ ہسنے کا امر اباحت کے لئے ہے اور اس سے زیادہ ہسنے کی کراہت کا شعور مٹا ہے کیونکہ زیادہ ہسناد ل کمرہ کر دیتا ہے اور دنیا میں خوفِ خدا کی وجہ سے زیادہ رو دیا کریں تاکہ روٹنا گناہوں کا کفارہ بن جائے اور اس رونے سے گناہوں کی سیاسی دمل جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم وہ جانتے ہو جس جانتا ہو تو تم ہسنے تھوڑا اور روئے زیادہ (3)۔ اس حدیث کو امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور صحیح بھی کہا ہے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں میں تمہارے لئے کوئی کھانا، چٹا قابل برداشت نہیں ہے۔ طبرانی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابو الدرداء سے اس طرح روایت کیا ہے اگر تم وہ جانتے ہو جس جانتا ہو تو تم روئے زیادہ ہسنے کم اور بنگلوں کی طرف نکل جاتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع و زاری کرتے اور تم نہ جانتے کہ تم نبوت پا جاؤ گے یا نہیں۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم جانتے ہو جس جانتا ہو تو تم زیادہ روئے اور ہسنے کم، نفاق ظاہر ہوگا، امانت اللہ جائے گی، رحمت ختم ہو جائے گی، امین کو تہم کیا جائے گا، اسے امتیں سوچنی جائیں گی جو امین نہ ہوگا اور تمہارا سایہ کا شرف تم میں تاریک رات کی طرح فتنے پیدا کر دے گا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے، اے لوگو! اگر یہ زاری کرو اور اگر یہ نہ ہو سکتے تو رونے والا منہ بناؤ کیونکہ دو زنی دو زنگ میں روئیں گے حتیٰ کہ ان کے آنسو ان کے رخساروں پر یوں چلیں گے جیسے وہ کھانوں میں چل رہے ہیں حتیٰ کہ آنسو ختم ہو جائیں گے پھر خون بہنا شروع ہو جائے گا اور روئے کی وجہ سے انہیں حتیٰ کھل جائیں گی کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو وہ چلنے لگیں (4)۔ امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم

2- مستدرک حاکم، جلد 4، صفحہ 605 (انصر)۔

1- سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 330 (ذرات نعیم)۔

4- تفسیر بخاری، جلد 3، صفحہ 89-90 (انصر)۔

3- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 960 (ذرات نعیم)۔

وہ جانتے جو جس جانتا ہوں تو تم خود اہستہ اہستہ اور زیادہ روئے اور تم اپنے عموتوں سے ہستوں پر لطف اندوز نہ ہوتے اور تم جنگوں کی طرف نکل جاتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انصرغ و زاری کرتے (1)۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس بندہ مومن کی آنکھوں سے خشیت الہی کی وجہ سے آنسو نکلتا ہے، اگرچہ وہ کبھی کے سر کے برابر ہو پھر اسے اس آنسو کے نکلنے کی وجہ سے کچھ تکلیف محسوس ہو تو اللہ اس شخص کو اگر پر حرام کر دیتا ہے۔ (2)

فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذِنَكَ لِيَدْخُرُوا بِكَ فَتَقُولَ لَنْ نَخْرُجُوا
مَعِيَ أَبَدًا وَ لَنْ نُقَاتِلَكَ مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْفُجُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ
فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُمَّةَ الْخَلْقِ ۖ إِنَّكُمْ كَانْتُمْ

” (اے حبیب!) پھر اگر لے جائے آپ کو اللہ تعالیٰ ان کے کسی گروہ کے پاس پھر وہ اجازت طلب کریں آپ سے جہاد پر نکلنے کی تو آپ فرمائیے کہ میں تم سے ہمراہ نہیں اور ہرگز جنگ نہیں کرو گے میری معیت میں کسی دشمن سے تم نے تو (خود) پسند کیا تھا (گھر) بیٹھ رہنا جبلی مرتدوں کو اب بیٹھ رہو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہے۔“

۱۔ پہلے معنی کو ابوبکر، حمزہ اور کسان نے یہاں کے حکوان کے ساتھ اور باقی قراء نے یہاں کے فقہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے معنی کو شخص نے یہاں کے فقہ کے ساتھ اور دوسرے قراء نے حکوان کے ساتھ اور باقی قراء نے یہاں کے فقہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ لکن فقہ جو اول اور لکن فقہا لولا کلام میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے خنری شکل میں ذکر کئے گئے ہیں لیکن معنی ہی ہیں۔ فازیوں کے درجہ سے ان کے نام کاٹ دینا غیر سزا ہے۔

۲۔ مخالفین سے مراد پیچھے رہ جانے والے ہیں، یعنی غورتوں، بچوں، ہمہ یثیوں اور اپاہجوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ چونکہ یہ تمام افراد جہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لئے تو پیچھے رہنے والے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ بغیر عذر کے پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھ رہو، بعض علماء نے مخالفین کا معنی مخالفین کیا ہے۔ الفراء فرماتے ہیں مخالف کا معنی مخالفت کرتا ہے (3)۔ شیخین نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی منافق مر گیا تو اس کا بیٹا عبد اللہ جو ظلم، ایماندار تھا آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اپنی قمیص عطا فرمائیں جس میں عبد اللہ بن ابی کعبین دیا جائے آپ ﷺ نے عطا فرمادی۔ پھر اس نے عرض کی حضور ﷺ اس کی نماز جنازہ بھی پڑھا دیں۔ آپ ﷺ نماز پڑھانے کے ارادہ سے اٹھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کی نماز پڑھنے جارہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے فرمایا ”ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو ان کے لئے سزا مرتب استغفار کرو“ تو میں سزا سے زیادہ مرتب اس کے لئے استغفار کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور ﷺ اودہ تو منافق ہے لیکن آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ (4)

وَلَا تَصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۗ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَ

2- سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 319 (ذارت تعلیم)

4- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 388 (قدیمی)

1- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 55 (ذارت تعلیم)

3- تفسیر ابن کثیر، جلد 3، صفحہ 90 (القر)

رَسُوْلُهُ وَّمَاتُوْا وَّهُمْ فَيَسْتَنْوْنَ ﴿٥٠﴾

”اور نہ پڑھے نماز جنازہ کسی پران میں سے جو مر جائے کبھی نہ اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر جسے پیٹک انہوں نے نکل کر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول اکرم کے ساتھ اور وہ مرے اس حالت میں کہ وہ تا فرمانِ حق سے“

صلوٰۃ سے مراد میت کے لئے دعا اور استغفار کرنا ہے۔ نماز جنازہ بھی چونکہ دعا اور استغفار پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اسے صلوٰۃ سے تعبیر کیا گیا۔ ابدأ لا نصل کی طرف ہے، بعض علماء نے مات کو طرف بتایا ہے، یعنی جو کفر پر ابدی موت مر جائے۔ ابدی موت اس لئے فرمایا کیونکہ کافر کا زندہ ہونا عذاب دینے کے لئے ہوگا نہ کہ نعمتوں سے مستحق ہونے کے لئے تو گویا کافر زندہ ہوا ہی نہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کافر کے متعلق فرمایا لَا يَسْتَنْوْنَ فِيْهَا وَلَا يَخْلُوْنَ۔

یعنی آپ کسی کافر کی قبر پر دفن کرنے یا اس کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے کھڑے نہ ہوں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کو دفن کر لیتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور میت کے لئے دعا فرماتے۔ اسی وجہ سے منافق کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرمادیا۔

یہ نماز پڑھنے اور قبر پر نہ کھڑے ہونے کی جہی کی علت ہے یا منافقین کی ابدی موت کی تائید کے لئے علت ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جب عبد اللہ بن ابی ابن سلول فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ کو نماز جنازہ کے لئے عرض کیا گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ منافق تھا اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں اس نے فلاں دن یہ کہا تھا، فلاں دن ایسا کہا تھا آپ نے اس کی بہت گستاخیاں اور بے وقائیاں شمار کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے منافقین کے بارے اعتبار دیا گیا ہے، اگر مجھے معلوم ہو کہ میرے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ اس کے لئے استغفار کروں گا۔ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی جب وہ ایسے تشریف لائے (۱) تو فوراً یہ سورۃ براءت کی دو آیتیں نازل ہوئیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تشریف لائے جب عبد اللہ بن ابی کو دفن کیا جا چکا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے نکلے کا حکم دیا تو وہ باہر نکلا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کا سر اپنے گھسنے پر رکھا اور اپنا لعاب اس کے منہ میں ڈالا اور ابی تمیس اسے پہنائی (2)۔ بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی یعنی رضی اللہ عنہما کا بیٹا عبد اللہ جو مسلمین میں سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا جبکہ عبد اللہ بن ابی یعنی اس کا باپ مرض موت میں تھا۔ عرض کی حضور ﷺ میرے باپ کے لئے استغفار فرمائیں۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا و استغفار کر دی۔ الحامی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ اسی طرح بیٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے الدلائل میں اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مرض کی حالت میں بلایا اور بخشش کی دعا کے لئے عرض کی اور یہ بھی کہا کہ مجھے اپنے جسم سے متصل کپڑے میں کنکن دیں اور نماز جنازہ بھی خود پڑھائیں۔ جب عبد اللہ بن ابی مر گیا تو آپ ﷺ نے اپنی تمیس بھیجی تاکہ اس میں اس کے کنکن دیا جائے، پھر آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھانے کے لئے چلے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

روایت کیا ہے کہ جب بدر کے دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ قید ہو کر آئے تو آپ کے اوپر قیاس نہ تھی۔ ان کے قدم کے لئے لیے ہوئے کی وجہ سے صرف عبداللہ بن ابی بنی قیاس نہ آئی آپ ﷺ نے اسے وہ پہنایا۔ پھر اس قیاس کا بدلہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو اس موقع پر عطا فرمایا (1)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے صحابہ کرام کی طرف عبداللہ بن ابی منافق سے ایسا حسن سلوک کرنے پر گفتگو ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی سزا سے میری نماز اور میری قیاس سے کچھ فائدہ نہ دے گی، قسم بخدا میں نے تو یہ حسن سلوک اس لئے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی اس غلط عقلم کو دیکھ کر مسلمان ہو جائیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ایک روایت میں یہ ہے کہ جب اس کی قوم کے افراد نے دیکھا کہ عبداللہ بن ابی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیاس سے برکت حاصل کر رہا ہے تو ہزار آدمی مسلمان ہو گئے تھے (2)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد دو سال آپ ﷺ کسی منافق کی نہ نماز جنازہ پڑھی اور نہ کسی منافق کی قبر پر کھڑے ہوئے۔ (3)

وَلَا تُجْبِكُمْ أَهْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَ بِهِم بِبِطَانَتِهِمْ
تَرَهُمْ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ لَكِرُونَ ﴿٣٠﴾

”اور نہ تجب میں ڈرائیں آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں ان سے دنیا میں اور لکھے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں۔“

لے تاکید کے لئے اس کلام کو تکرار کر فرمایا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انکس مال و اولاد کی طرف شوق سے دیکھتی ہیں، انسانی نفس ان کی آرزو کرتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تاکیداً بار بار ان دنیاوی اشیاء کو دیکھ کر عجب ہونے سے منع فرمایا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلا کلام کسی اور فریق کے متعلق ہو اور یہ کسی اور کے بارے ہو۔

وَإِذَا أَنْزَلْنَا سُورَةَ الْقُرْآنِ لِجَاهِدٍ أَوْ مَلِكٍ أَسْتَوِي لَكُمْ أَمْ مَنَاسِكًا أَمْ تَلْوَ
الطُّولَ مِنْهُمْ وَقَالُوا آذِنَا لَنْ نَسْمَعَ الْقَوْلَ مِنْهُمْ ﴿٣١﴾

”جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورۃ (جس میں حکم ہوتا ہے کہ) ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اللہ کے رسول کے ہمراہ تو اجازت طلب کرنے لگتے ہیں آپ سے جو طاعت والے ہیں ان میں سے اور کہتے ہیں رہنے دیجئے ہمیں تاکہ ہوں ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ۔“

لے جب کوئی قرآن کی سورت نازل ہوتی ہے۔ سورۃ سے مراد سورۃ کا بعض بھی ہو سکتا ہے۔ امنوا سے پہلے ان منسوخ بھی ہو سکتا ہے، ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں ایمان سے مراد جہاد کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پیروی کرنا ہے۔ اولو الطول سے مراد صاحب ثروت اور خوشحال لوگ ہیں، انہم میں ہم ضمیر سے مراد منافقین ہیں۔

مَأْصُومًا إِنْ يَكُونُوا مَعَكُمُ الْخَوَافِ وَيُطِيعُكُمْ عَلَى قُلُوبِهِمْ لَمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٣٢﴾

”انہوں نے یہ یہ نہ سمجھا کہ جو بائیں پیچھے رہ جائے والوں کے ساتھ لے اور مرگادی گئی ان کے دلوں پر، تو وہ کچھ

نہیں سمجھتے تھے۔“

۱۔ خوالف جمع ہے مخالفۃ کی یعنی انہوں نے گھروں میں بیٹھی ہوئی عورتوں کے ساتھ پیچھے رہ جانے کو پسند کیا۔ الحالفہ اس کو بھی کہتے ہیں جس میں خیر اور بھلائی کا پہلو نہ ہو۔ غرب کہتے ہیں فلاں مخالفۃ قومہ یعنی فلاں شخص اپنی قوم کے شرارتی لوگوں سے زیادہ فسادی اور شرارتی ہے۔

۲۔ جب اپنی کوتاہیوں اور رویہ ساریوں کو اطاعت رسول کے ذریعے دور نہ کر سکتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے اب ان کے لئے نیکی اور جہد میں خطا امتیاز سمیٹنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔

۳۔ یہ کہ ان جہاد کی عظمت اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی سعادت کو سمجھ ہی نہیں سکتے اور امر الہی کی مخالفت اور رسول کریم ﷺ کی نافرمانی سے انسا ان پر جو بد قسمتی اور عسرت اترتی ہے اس کو یہ محسوس ہی نہیں کرتے۔

لٰكِنَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاُوْلٰئِكَ لَهٗمُ
الْحَيٰوٰتُ ۗ وَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُسْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾

”لیکن رسول اور جو ایمان لائے ان کے ساتھ انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور انہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔“

۱۔ یعنی اگر یہ منافقین دوں ہمت اور باہر پست جہاد سے کئی کراتے ہیں تو دین کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا کیونکہ ان سے ہزار درجہ بہتر شخص لوگ سر پر کفن باندھے جہاد میں مصروف ہیں۔ تو ان کا دین کاڑوں اور مجاہدوں کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں۔ بعض علماء نے خیرات سے مراد آجوتھ حوریں لی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حوروں کے لئے یہ لفظ فرمایا ہے فَسَيُحَقِّقُ خُلُقَاتِجْنَ۔ یہ حور و قادی جمع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا گیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں خیر کا معنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا فَلَا تَلْمِزْهُمْ فِئْسَ مَا اَخْفٰی لَهٗمْ فِئْرًا قَوْلًا عَنِ۔ (کوئی نفس نہیں جانتا جو ان کے لئے آٹھوں کی غنڈک میں سے غفلت رکھا گیا ہے)۔ میں کہتا ہوں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ خیر کا لفظ قرآن میں نافع کو شامل ہے۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ ذٰلِكَ الْقَوْلُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱﴾

”تیار کر رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ بہنے والے ہیں ان میں یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“

۱۔ اس آیت کریمہ میں مومنین کو آخرت میں جو انعام ملنا ہے اس کا کچھ ذکر ہے۔

وَجَاءَ الْمُعَذِّبُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهٗمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اللّٰهَ ۗ

رَسُوْلَهٗ سَيُصِيبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

”اور آئے یہاں بتانے والے بدو ل تاکہ اجازت مل جائے انہیں اور پھر وہ جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے حق عقرب پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک ہے۔“

المعلون کا معنی ہے کثرت عیال اور مشقت کا بہانہ بنانے والے۔ یہ اصل میں المعتضون تھا۔ قاء کو ذوال میں ادغام کیا گیا ہے اور قاء کی حرکت میں کوئی کمی ہے۔ فراء نے اسی طرح لکھا ہے یا اس کا معنی کوتاہی کرنے والے ہیں، یعنی وہ یہ تصور دیتے ہیں کہ وہ معذور ہیں اس لئے جہاد میں شامل نہیں ہو سکتے حالانکہ انہیں کوئی معذوری نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ باپ تکفیل سے ہوگا۔ یعقوب اور جہاد رحمہما اللہ تعالیٰ نے والمعتضون باب افعال سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی غدر پیش کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔

ع محمد بن عمر فرماتے ہیں منافقین میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بغیر کسی عذر کے جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت طلب کرنے کے لئے آئے تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی۔ ابن مردیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب حضور ﷺ نے ہمد بن قیس کو اجازت دے دی تو منافقین میں سے کچھ لوگ حضور ﷺ کی بارگاہ میں جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کرنے کے لئے آئے، عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں پیچھے رہ جانے کی اجازت فرما دیں، ہم اس گرمی میں جہاد پر جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ ﷺ نے ان کو بھی اجازت دے دی اور آپ ﷺ نے ان سے چہرہ اقدس پھیر لیا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، پس اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر قبول نہ فرمایا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بنی نضار کا ایک گروہ تھا، محمد بن عمر فرماتے ہیں وہ یہاں افراد تھے، ان میں خنوف بن الیمان بھی تھا (1) ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی واذا نزلت سورة لا یلقہون۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ غدر پیش کرنے والے عامر بن طفیل کا گروہ تھا اور یہ اپنے اوپر سے جہاد میں شریک نہ ہونے کا الزام در کرنے کے لئے آئے اور کہا اے اللہ کے پیارے نبی اگر ہم آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے تو قلی قبیلہ کے بد ہماری یوں یوں، بچوں اور مویشیوں پر حملہ کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری خبروں سے آگاہ کر دیا ہے، اللہ کریم تمہارے مدد سے مستحق کر دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہی لوگ رسول اللہ ﷺ کی اجازت کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ (2)

یع اس سے مراد منافق ہیں جنہوں نے ایمان کے دعویٰ میں جھوٹ بولا تھا، اس تاویل کے مطابق پہلا گروہ گنہگار نہیں ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد پہلے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے جہاد میں غدر پیش کرنے والے کو جہلا یا ہے، پانچواں کہا جا سکتا ہے کہ المعتضون سے عام معنی مراد ہے، اس میں وہ بھی داخل ہیں جنہوں نے سستی اور کوتاہی کی وجہ سے غدر پیش کیا تھا، لغزوان انکار کی وجہ سے نہیں۔ ابو عمرو بن عطاء فرماتے ہیں دونوں فریق مجرم ہیں وہ بھی جنہوں نے بے جا عذر پیش کئے تھے۔ وجہ المعتضون سے یہی لوگ مراد ہیں اور وہ بھی مجرم ہیں جنہوں نے ظاہر داری کے لئے عذر پیش کئے بغیر جہاد میں شمولیت نہیں کی تھی اور اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے پیچھے رہ گئے، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے سَنَفِیْمًا اَلْوٰیۡۡۡۡۡۡۡۡۡۡۡۡۡ الخ کے ارشاد میں وعید سنائی ہے۔

یع منہم کی ضمیر کا مرجمع اعراب بھی ہو سکتا ہے اور من المعتضین بھی کیونکہ ان میں کچھ نے کابلی وسستی کی بنا پر عذر پیش کیا تھا کفر کی بنا پر نہیں۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا، میں سورہ براءت لکھ رہا تھا اور میں قلم کھوپٹے کان کے اوپر رکھے ہوئے تھا۔ جب آپ ﷺ آیات جہاد پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ

انتظار فرمانے لگے کہ آگے کیا نازل ہوتا ہے۔ اچانک ایک نابینا شخص آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نابینا ہوں میرے متعلق جہاد کا کیا حکم ہے۔ اس وقت یہ ارشاد نازل ہوا۔

لَيْسَ عَلَى الضَّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرَجًا
إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ عَفُوفٌ رَحِيمٌ ①

”نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ تیاروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں (اگر یہ پیچھے رہ جائیں) کوئی حرج جبکہ وہ غلصہ ہوں اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے نہیں ہے نیکو کاروں پر الزام کی کوئی وجہ اور اللہ تعالیٰ شہور رحیم ہے۔“

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ضعفاء سے مراد اچانچ، بوڑھے اور عاجز لوگ ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس سے مراد بچے ہیں اور بعض فرماتے ہیں جو لوگ نہیں ہیں۔ موصیٰ سے مراد امانت دہیہ وغیرہ ہیں الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ سے مراد نادار لوگ ہیں، حرج کا معنی تنگی ہے، یعنی ایسے افراد پر جہاد میں شریک نہ ہونے پر کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ ان کے دل ظاہر طور پر اور مخفی طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے متعلق اخلاص و اطاعت کے جذبہ سے سرشار ہوں، جس طرح کہ ایک تابع اور خادم کسی سے اخلاص کا اظہار کرتا ہے، یا وہ قول و فعل سے اپنی قدرت کے مطابق شہادت کریں کہ ہم اسلام اور اسلام کے پیروکاروں سے غلصہ ہیں، محسنین کا لفظ ذکر فرمایا اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ وہ محسنین کی لڑائی میں پروئے ہوئے ہیں و عتاب شدہ لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ان معذوروں کو اور مجرموں کو معاف کرنے والی ہے تو پھر محسنین سے اس کا سلوک کیسا خوب ہوگا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ عابد بن عمرو اس کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ شہاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ عبد اللہ بن ام مکتوم کے حق میں نازل ہوئی جو نابینا تھے (1)۔ امام بخاری اور ابن سعد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے اور مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو فرمایا مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے جو سفر کیا اور جو تم نے وادیاں طے کیں وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ تھے (یعنی اس پورے سفر کے ثواب میں تمہارے ساتھ شریک ہیں)۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ مدینہ طیبہ میں ہوتے ہوئے ہمارے ساتھ ہیں۔ فرمایا ہاں مدینہ طیبہ میں ہوتے ہوئے تمہارے ساتھ شریک ہیں کیونکہ عذر نے انہیں اس سفر میں شریک ہونے سے روک لیا ہے (2) (حالانکہ ان کا ارادہ اور خواہش یہی تھی کہ وہ بھی اس جہاد میں شریک ہوں)۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلْتُمْ لِيَخْلِفْتُمْ قُلْتُمْ لَا أَجِدُوا مَا يَنْفِقُونَ
تَوَلَّوْا أَوْ أَعْيَبْتُمْ تُفِيضُ مِنَ الدِّمِ حَرًا أَلَا يَجِدُوا مَا يَنْفِقُونَ ②

”اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے)۔ جب حاضر ہوئے آپ کے پاس تاکہ آپ سوار کریں انہیں تو فرمایا آپ نے میں نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ

انسوں انہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں گے۔“

۱۔ اس کا عطف الضعفاء یا المحسنین پر ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان جاں نثار صحابہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ آپ ہماری سواریوں کا بندوبست فرمادیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں انہوں نے یہ سوال کیا تھا! ہمیں پیوند لگے موزے اور مرمت شدہ جو تھے ہی عطا فرمادیں تاکہ اس کو کتنی دھوپ میں آپ کے ساتھ چل سکیں۔ (۱)

۲۔ یہ توک میں کاف ضمیر سے حال ہے اور اس سے پہلے قد مضر ہے۔ تو لو! اذا شرطہ کا جواب ہے، تفضیل کا معنی بہتا ہے، من الدعیم میں من بیان ہے اور الدعیم پر الف لام عوضی ہے اور یہ جار مجرور تمجید ہونے کی بناء پر محل نصب میں ہے۔ یہ اسلوب تفضیل دمعھا سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ اسلوب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنکھ آنسو بہانے والی ہوگی۔ حزن نا مقبول لہ یا حال یا اس فعل کا مصدر ہونے کی وجہ سے منسوب ہے جس پر باقی کلام دلالت کر رہی ہے، الا یجدوا اصل میں نللا یجدوا ہے اور حزن نا یا تفضیل کے متعلق ہے۔

ابن جریر اور ابن کثیر نے کہا اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اسی طرح ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب القرظی سے بھی روایت کیا ہے اور ابن اسحاق، ابن المنذر اور ابوالشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے زہری، یزید بن رومان، عبد اللہ بن بکر، عاصم بن محمد اور قتادہ وغیرہم سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام کا ایک گروہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور ﷺ! ہمارے لئے سواریوں کا بندوبست فرمادیں۔ یہ صحابہ صحابہ کرام کا ہر ایک نام بتا کر اور مٹلس تھے۔ یہ کشتگان عشق اپنے دستور محبت میں اپنے محبوب ﷺ سے پیچھے رہ جانے کو چاہا نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول ﷺ نے فرمایا میرے پاس تو کوئی ایسا انتظام نہیں ہے۔ جب وہ وہاں لوٹے تو ان کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے اور انہیں انسوں تھا کہ آج ہماری غربت ہمارے شوق شہادت کی راہ میں رکاوٹ بن گئی ہے۔ محمد بن یوسف صائغی فرماتے ہیں ان صحابہ کرام کے اسباب میں اختلاف ہے جن پر اتفاق ہے وہ یہ ہیں: 1۔ سالم بن عبد الرحمن کا تعلق نبی عمرو بن عوف الاودی سے تھا، 2۔ علیہ بن زید، 3۔ ابوسلم بن عبد الرحمن، 4۔ ہری بن عبد اللہ۔ یہ وہ اسباب ہیں جن پر القرضی ابن احنظ، واندی اور ان کی بیچ میں ابن سعد، ابوہریر اور کثیر کا اتفاق ہے۔ کئی نے عمر بن شام بن ساریہ کا ذکر نہیں کیا۔ ابن حزم اور ابوہریر نے اس کو حزم کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ابوہریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کو روایت کیا ہے، القرضی اور ابن اسحاق نے عمرو بن حزام بن الجوزح پر اتفاق کیا ہے، عبد اللہ بن مغفل پر القرضی، ابن عقبہ اور ابن اسحاق کا اتفاق ہے، ابن سعد، یعقوب بن سفیان اور ابن ابی حاتم نے ابن مغفل سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں بھی اس گروہ میں تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے ”قُلْ لَا عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَأْذِنُوا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ حُرْمَةٌ“ کے ارشاد میں ذکر فرمایا ہے (2)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، جسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عوفی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ جہاد کے لئے نکلے تو کہا تو صحابہ کرام کی ایک جماعت حاضر ہوئی جن میں عبد اللہ بن مغفل بھی تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے سواریوں کا انتظام فرمادیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس تو کوئی ایسا انتظام نہیں ہے۔ جب وہ وہاں پہلے تو ان کی آنکھوں سے آنسو چمک رہے تھے۔ انہیں اس کا بڑا صدمہ ہوا کہ ہم جہاد میں شریک نہیں ہو رہے اور ہمارے پاس نہ کوئی مال ہے اور نہ سواری۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تذکرہ ذکر قرآن میں

نازل فرمایا (۱) القزحی اور ابن عمر کا سلمہ بن مسعر پر اتفاق ہے۔ القزحی نے سلمان نام لکھا ہے۔ القزحی اور ابن عقبہ نے عمرو بن محمد بن عدی اور عبد اللہ بن عمرو المزنی پر اتفاق کیا ہے، ابن اسحاق نے ابن مفضل کی تصحیح ان کا نام ذکر کیا ہے۔ صرف القزحی نے جن ناموں کا ذکر کیا ہے وہ ہیں عبد الرحمن بن زید ابو علیہ بن بنی حارثہ حری بن عمرو بن بنی مازن۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ عمرو بن نوف بھی ان میں سے تھے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض روایات میں ہے کہ مفضل بن یسار بھی ان میں سے تھے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ان اسامہ میں حری بن مبارک بن اثخار کا ذکر کیا ہے۔ ابن عابد رحمۃ اللہ علیہ نے سہدی بن عبد الرحمن کا ذکر کیا ہے۔ محمد بن کعب نے سالم بن عمرو الوہجی کو ان میں شمار کیا ہے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ رونے والے سات افرامترن کے بیٹے تھے جن کا تعلق مزنیہ قبیلہ سے تھا۔ (ان میں سے پانچ ہیں) العسمان، ہوید، مفضل، عقیل اور شان۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یونس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے لکھا ہے کہ علیہ بن زید کے اپنے پاس بھی سواری تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے بھی سواری نڈل سکی تو رات کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق نماز ادا کی اور پھر زار و قطار رونے لگے اور عرض کی اے مالک الملک تو نے جہاد کا حکم دیا ہے اور میرے دل میں بھی شوق شہادت انگزانیوں لے رہا ہے، میں ہر سلمان پر تاریک رات میں صدقہ کروں گا جو بھی مجھے پسر آئے گا مال یا جان یا عزت۔ پھر جب صبح ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا اس رات کو صدقہ کا معاہدہ کرنے والا کہاں ہے، ہوئی ایک نہ اٹھا، علیہ بن زید اٹھے اور اپنا سارا رات کا واقعہ عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مبارک ہو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تیرا صدقہ مقبول ذکوۃ میں لکھا گیا ہے۔ ابن اسحاق اور محمد بن عمرو فرماتے ہیں جب وہ رونے والے در رسول ﷺ سے واپس آ رہے تھے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا تھا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے تمہاری سواریوں کا بندہ نکلت کر سکوں۔ راستے میں یامین بن عمرو انصاری کی، ابو یعلیٰ اور عبد اللہ بن مفضل سے ملاقات ہوئی۔ یامین نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا ہم بارگاہ رسالت میں سواری کے لئے حاضر ہوئے تھے لیکن آپ کے پاس کوئی بندہ دست نہیں ہے اور ہمارے پاس بھی جہاد پر جانے کی کوئی تکمیل نہیں ہے، جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اس غزوہ سے محروم رہنا بھی نہیں چاہتے۔ یامین نے ان دونوں کو ایک اونٹ اور ہر ایک کو دو صاع کھجور عطا کئے۔ محمد بن عمرو نے یہ یاد لکھا ہے کہ عباس بن مطلب نے ان رونے والوں میں سے دو آدمیوں کو سواری تکمیل کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے جو لشکر کو کثیر مال پیش کر کے تیار کیا تھا اس کے علاوہ ان ناداروں میں سے تین آدمیوں کو سواریاں پیش کیں (۲)۔ میں کہتا ہوں جب مذکورہ سولہ افراد میں سے سات کو سواریاں مل گئیں (اور ان میں سے دو روای کی شک کی وجہ سے ساقط ہو گئے ہیں) تو جو حضرات اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ سات افراد تھے۔ ان کے حلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان پر عتاب و اہرام کی کوئی تکمیل نہیں، واللہ اعلم۔ امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابویوسی اشعری سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں اپنے اشعری ساتھیوں کی معیت میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تاکہ آپ ہمیں سواریاں عطا فرمائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ اشعری فرماتے ہیں مجھے میرے اصحاب نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا کہ میں آپ سے سواریوں کا سوال کروں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے دوستوں نے مجھے آپ کی بارگاہ میں بھیجا ہے کہ آپ ان کے لئے سواریوں کا بندہ دست فرمادیں، آپ ﷺ نے فرمایا تم بندہ

تمہیں عطا نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس کوئی سواری ہے۔ جب میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی تھی تو آپ فسدہ کے عالم میں تھے لیکن مجھے محسوس نہ ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا نہ کرنے کی وجہ سے پریشان ہو کر لوٹا۔ نیز مجھے یہ بھی حدیث تھا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ پر کہیں ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو انہیں جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا وہ بیان کر دیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس غنیمت کے اونٹ آگئے، حضور اسی وقت میری واپسی کو ہوا تھا کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دیتے ہوئے سنا عبد اللہ بن قیس کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں رسول اللہ ﷺ جلاتے ہیں، میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا یہ دو اونٹ ہیں اور یہ میں نے اس وقت سعد سے چھ اونٹوں کے بدلے خریدے ہیں تم یہ دونوں اپنے ساتھیوں کی طرف لے جاؤ اور انہیں کہو اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں عطا فرمائے ہیں، ان پر سوار ہو جاؤ۔ ایوموسیٰ فرماتے ہیں میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری سواری کے لئے یہ اونٹ عطا فرمائے ہیں لیکن تم بخدا میں تمہیں اس وقت تک نہ چھوڑوں گا حتیٰ کہ تم میں سے کچھ لوگ میرے ساتھ چلیں ان لوگوں کے پاس جنہوں نے چلیں چرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب سنا تھا جب میں نے اونٹوں کے لئے گزارش کی تھی لیکن پھر آپ نے بعد میں مجھے یہ عطا فرمائے تم میرے مخلص یہ گمان نہ کرنا کہ میں نے تمہیں ایسی بات کہی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں فرمائی تھی۔ ایوموسیٰ سے تمام ساتھیوں نے کہا تم بخدا آپ ہمارے نزدیک سچے ہیں لیکن آپ کو جو پسند ہے ہم ویسا بھی کر لیتے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں ایوموسیٰ چند ساتھیوں کو لیکر چلے گئے کہ ان لوگوں تک پہنچے۔ جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے نہ عطا کرنے اور پھر عطا کرنے کا سارا نسخہ دیکھا تھا۔ ان تمام لوگوں نے بعد ایوموسیٰ جیسی کلام بتائی۔ پھر ہم نے سوچا اس میں ہمارے لئے برکت نہ ہو گی (کیونکہ حضور ﷺ نے غصہ کی حالت میں عطا فرمائے ہیں)۔ ہم پھر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان سواریوں کی بابت بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے نہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ سواریاں عطا کی ہیں۔ پھر فرمایا تم بخدا آئندہ ان شاء اللہ اگر میں تمہیں انھاؤں کا اور اس قسم کے علاوہ امر میں بہتری دیکھوں گا تو میں وہ بہتر کام کروں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دوں گا۔

لَا تَمَّا السَّبِيلَ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَاذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءٌ عَنِ السَّرْوَاتِ يَا كُفُّوا أُمَّعَ

الْحَوَالِفِ وَطَبِّحْ اللَّهُ عَلَى كُفُّو بِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣١﴾

”الزما تو میں ان لوگوں پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ وہ راضی ہو گئے اس پر کہ ہو جائیں

بیچے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پس وہ (کچھ) نہیں جانتے۔“

۱۔ السبیل سے مراد عقاب اور عتاب ہے۔ وضوان یکونوا مع الحوَالِفِ کا جملہ اس سب کو بیان کر رہا ہے جس کی بناء پر انہوں نے بغیر کسی عاقبے کے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کی تھی۔ وہ دنیاوی راحت و آرام اور پیچھے پیچھے رہنے والوں کے انتظام کو پسند کیا تھا (اور لذت شہادت اور اس کے نتیجہ میں آخری نعمتوں کو بھول گئے تھے)۔ اس تا فرمائی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، اس لئے وہ سوائے اس کے کچھ جانتے ہی نہیں کہ جہاد اور رسول کی موافقت و معیت کی نسبت پیچھے رہنا بہتر ہے۔

يَعْتَدِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَدِرُوا آلَ اللَّهِ مِنْ لَدُنْكُمْ قَدْ
تَبَيَّنَا اللَّهُ مِنْ أَجَابِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ لِمَ تُرَدُّونَ إِلَى
عَلِيمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾

”وہ یہاں تشریح کریں گے تمہارے پاس جب تم لوٹ کر آ جاؤ گے ان کی طرف لے فرمائیے یہاں مت بناؤ ہم
اعتبار نہیں کریں گے تم پر آگاہ کر دیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری خبروں پر اور دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارا عمل میں اور اس
کارسول پھر لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جانے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جس پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جو کچھ
تم کیا کرتے تھے۔“

یہ معذرت کرنے والے منافقین ہیں جو فرودہ تہوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور اسی سے کچھ زیادہ افراد تھے۔ اس آیت کریمہ میں ایک
عجزہ ہے کہ انہوں نے آنا بعد میں تھا، یہاں بعد میں پیش کرنے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اپنے محبوب کو آگاہ فرما دیا تھا اور آپ
کے طفل آپ کے غلاموں کو بھی مطلع کر دیا تھا۔ لیکن نومن یہ لا تعذرُوا کی علت ہے کیونکہ یہاں تشریح کرنے سے ان کی غرض یہ تھی
کہ ہماری تصدیق کی جائے نہانا اللہ من اجابکم سے تصدیق نہ کرنے کی علت بیان فرمادی، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر وقی
نازل فرما کر ہمیں تمہارے جست باطن، نفاق، نساہ اور شرک آمیز خیالات سے آگاہ فرمایا ہے اور جو تم نظر لنگ تشریح کر رہے ہو ہمیں پہلے ہی
اس کی خبر ہے۔

یہ مستقبل میں اللہ اور اس کارسول تمہارے اعمال و کردار کا مشاہدہ کریں گے۔ اگر تمہارے اعمال شہادت دیں گے کہ واقعی تمہیں اپنے
فصل پر ندامت ہوئی ہے اور سابقہ گناہوں کی تم نے توبہ کرنی ہے (تو تمہارے ساتھ اور معاملہ ہوگا)۔ اس جملہ میں انہیں توبہ کرنے کی
مہلت عطا کی گئی ہے۔

یہ مرنے کے بعد تم نے اس ذات کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے جس سے نظاہری افعال پوشیدہ ہیں اور ذہنی تصورات اس سے کچھ
بھی پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے، یہاں اللہ تعالیٰ کا وصف بیان کرنے میں یہ حکمت ہے کہ پتہ چل جائے کہ وہ تمہارے باطن و ظاہر پر
مطلع ہے، تمہارے نہاں خانہ دل میں اٹھنے والی انگلیں اور آرزوئیں بھی اس سے مخفی نہیں ہیں اور سب کے اعمال کو اپنے علم کامل
سے جانتا ہے۔

یہ عذاب کی بجلی میں ہیں کہ تمہیں تمہارے کرتوتوں سے آگاہ کرے گا۔

سَيَخْلُقُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِيَعْرِضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ
إِنَّهُمْ يَرَجِسُونَ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ جَزَاءً لِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥١﴾

”قتیس تمہیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم لوگوں کے ان کی طرف تا کہ تم معاف کر دو انہیں سو منہ پھیر لو ان سے

یقیناً وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے۔“

لے ان منافقین کے دلوں پر پلیدی کی تہمید بھی ہے، یہ نرے ناپاک ہیں۔ اس لئے تمہیں ان کے ساتھ محبت کی جتنی بھی ڈالنا اور تعلقات

کا کم کرنا جائز نہیں ہے اور انہیں نصیحت کرنے میں اپنا ہاتھ ضائع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ان میں پاک ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور کوئی کو عتاب اور سرزنش کرنے کا مقصود تو یہ پر براہیجت کر کے پاک کرنا ہوتا ہے، صَاؤْمِلْهُمْ جَهَنَّمَ کی علت کی تکمیل سے ہو گیا یوں ارشاد ہے کہ یہ اہل دوزخ میں سے ناپاک لوگ ہیں اس لئے ان سے دوستی اور یارنہ کرنا اور نہ ان کو زجر و توبیخ کر کے اپنی دماغ سوزی کرو۔ جو عذرت ترکیب نحوی کے اعتبار سے بجز و ن فعل محذوف کا مصدر ہے یا صَاؤْمِلْهُمْ جَهَنَّمَ کی علت ہو۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت کہ یرجد بن قیس صاحب بن قیس اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ منافقین میں اسی افراد کا گرو تھا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ غزوہ تبوک سے فارغ ہو کر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا ان منافقوں کے ساتھ نہ مجلس اختیار کرو اور نہ ان سے بات کرو۔ مقابل فرماتے ہیں عبد اللہ بن ابی کے حق میں نازل ہوئی اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے قسم اٹھائی کہ آئندہ میں کسی معرکہ میں آپ سے پیچھے نہ رہوں گا، اب آپ مجھ سے راضی ہو جائیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (1)

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِن تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ
الْفَاسِقِينَ ﴿۱۱﴾

”وہ قسمیں کھاتے ہیں تمہارے لئے تاکہ تم خوش ہو جاؤ ان سے سو (یا رکھو) اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا نہ فرماؤں گی قوم سے۔“

۱۔ القوم الفاسقین سے مراد مذکورہ من فقی ہیں اور یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر استعمال فرمایا تاکہ عدم رضا کے سبب پر دلالت ہو جائے، یعنی تم پر یہ جھوٹ بول کر معاملہ غلط سلطہ کر دیں اور تم ان سے راضی نہیں ہو جاؤ تو پھر بھی اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہ ہوگا کیونکہ اسے ان کے دلوں میں چپے کفر کا علم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر معاملہ کو غلط سلطہ نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی صورت میں تمہارا ان سے خوش ہونا کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ان پر ذلت و رسوائی کو مسلط کرے گا اور آخرت میں سخت ترین عذاب میں انہیں مبتلا کرے گا۔ آیت سے مقصود ان سے خوش نہ ہونا اور ان کے جھوٹے بہانوں سے دھوکہ نہ کھانا ہے۔

أَلَا عَرَابٌ أَشَدُّ كُفْرًا أَوْ نَفَقَاتًا أَوْ جَدًّا أَلَا يَعْلَمُونَ حَدُّ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ
رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۲﴾

”اگر اہل زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں اور حقدار ہیں کہ نہ جائیں وہ احکام جو نازل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دان ہے۔“

۱۲۔ یعنی دیہاتوں میں بسنے والے بددوستیاء طرز زندگی، مساوت قلبی اور اہل علم سے دور رہنے اور کتاب و سنت کے احکام بہت کم سننے کی وجہ سے اپنے کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں۔ یہ زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں شریعت محمدیہ (علی صاحبہا التسلیم) کے فرائض، سنن، مباحات اور حرکات و مکروہات کو نہ جائیں، یہ اپنی جہالت کی وجہ سے ان احکام میں تیز نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے تمام حالات و کیفیات سے باخبر ہے اور دنیا و آخرت میں بھی اپنی مخلوق کا فیصلہ فرماتا ہے وہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُبْسِقُ صَغْرًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَابِرَ عَلَيْكُمْ
ذَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾

”اور بعض بدو ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ جو وہ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں وہ تو ان سے اور نیکتر ہیں تمہارے لئے (زمانہ کی) گردش کے معنی (حقیقت میں) انہما پر ہے بری گردش اور اللہ تعالیٰ سچے علم سے ہے“

یہ لفظ کا معنی یہاں خیال کرنا اور گمان کرنا ہے۔ مغرماً کا معنی چٹی اور خسارہ ہے۔ عطا فرماتے ہیں وہ مال خرچ کرنے پر نہ تو اب کی امید رکھتے تھے اور نہ ہیے پر کسی سزا کا تصور رکھتے تھے، وہ جو مال خرچ کرتے تھے، ان کی اس سے عرض رضا الہی کا حصول نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کی وجہ اور یا کاری ہوتا تھا۔

معنی دل ہی دل میں یہ خواہش کرتے تھے کہ گردش زمانہ کوئی صورت پیدا کر دے کہ اس رسولِ مکرم ﷺ کی زندگی کا چراغ گل ہو جائے اور شریکین غالب آجائیں جن کو کچھ ہم یا کاری اور ڈر کے مارے خرچ کرتے ہیں اس سے ہماری جان بچوت جائے۔

معنی جو وہ مسلمانوں کے لئے خواہش کرتے تھے اس کی مثل ان پر بددعا کو لوٹایا گیا ہے یا یہ خبر دی جا رہی ہے جو کچھ ان سے ہونے والا ہے، جیسی یہ مسلمانوں کی حالت چاہے ہیں، ویسی ہی حالت سے یہ خود رو چار ہونے والے ہیں۔ دانوۃ صدر ہے یا خانہ زینور کا اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی گردش زمانہ ہے جو کبھی آتی اور کبھی برے حالات لاتی ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے السوء کو یہاں اور سورۃ فتح میں سین کے ضد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی سرد اور مکرہ ہے۔ باقی قراء نے سین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ صدر ہے لیکن کلام میں ماہد پیدا کرنے کے لئے اس کی طرف اضافت کی گئی ہے جیسے عرب کہتے ہیں رجل صدیق۔ اللہ تعالیٰ تمہاری بات میں سن رہا ہوتا ہے جو تم اپنے شیطانوں کے پاس بیٹھ کر کرتے ہو اور جو کچھ بھی تم لوگوں میں چھپائے ہوئے ہو وہ انہیں بھی جانتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مذکورہ آیت اسدِ مظہران اور نبی تمیم کے بدوؤں کے ہارے نازل ہوئی (۶)۔ اسی طرح ابو اسنیح نے بھی سے نقل کیا ہے لیکن انہوں نے نبی تمیم کا ذکر نہیں کیا۔

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُبْسِقُ قُرْبًا بَدِيًّا
اللَّهُ وَصَلَاتِ الرَّسُولِ ۗ أَلَا إِنَّهَا قُرْبًا بَدِيًّا لَكُمْ ۗ سَيَذُكُّكُمْ اللَّهُ نَارًا حَرِيمًا ۗ إِنَّ
اللَّهَ عَفُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٥٢﴾

”اور کچھ یہاں توں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر ل اور سمجھتے ہیں جو وہ خرچ کرتے ہیں قرب الہی اور رسول (پاک) کی دعائیں لینے کا ذریعہ ہے ہاں ہاں وہ ان کے لئے باعث قرب ہے مع ضرورت داخل فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جینک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ہے“

یہ مذکورہ دو یہاں توں سے بعض کے حالات کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت کہ یہ مقررین کے بیٹوں کے حق میں نازل ہوئی جن کا تعلق مزید قبیلہ سے تھا (2) جن کے متعلق ولا علی الدین اذا

ما اتوک لتحللہم کارا شد نازل ہوا تھا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبد الرحمن بن مہفل سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں ہم مقرر کے دس بیٹے تھے۔ کبھی رخصت اللہ علیہ کہتے ہیں، اسلم، غفار، جہید (1) اسد بن خزیمہ، ہوازن اور عطفان کے حق میں نازل ہوئی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابن عمر سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غفار اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، اسلم اللہ انہیں سلامت رکھے اور عصیہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی (2)۔ بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریش، انصار، جہید، مزینہ، اسلم، غفار اور امیج یہ سب ایک دوسرے کے معاون ہیں، اللہ اور رسول کے سوا ان کو کوئی مولیٰ نہیں، بخاری اور مسلم میں ابی بکر سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلم، غفار، مزینہ اور جہید تم، یعنی عامر اور اپنے طفیلوں اسد اور عطفان سے بہتر ہیں (3)۔ امام ہنفوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلم، غفار اور کچھ جہید اور مزینہ سے قیامت کے روز اللہ کی بارگاہ میں تم، اسد بن خزیمہ، ہوازن اور عطفان سے بہتر ہوں گے۔ (4)

یہ صیغہ کا معنی گمان کرنا، سوچنا ہے، یعنی بے یقینی، بے یقینگی کا مفعول اول ہے اور قربات مفعول ثانی ہے۔ عند اللہ یا تو قربات کی صفت ہے یا بے یقینگی کی طرف ہے۔ یعنی وہ اپنی ان ممالیٰ قربانوں کو اللہ کے قرب اور رسول کریم ﷺ کی دعاؤں کا سبب سمجھتے ہیں۔ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی عمیر، ابن ابی حاتم اور ابن مردودہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صلوات الرسول سے مراد آپ ﷺ کا بخشش کی دعا کرنا ہے، رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تھی اے اللہ آل ابی اوفیٰ پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ یہ دعا آپ ﷺ نے اس وقت فرمائی تھی جب عبد اللہ بن ابی اوفیٰ نے بارگاہ رسالت میں اپنا صدقہ پیش کیا تھا (5)۔ اسی طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی محدثین نے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت کی ہے۔

یہ ہاں ہاں ان کا یہ شریح کرنا اللہ کی بارگاہ میں یقیناً باعث قرب ہے۔ تابع نے یہ روایت درش قریبہ کوراء کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ دوسرے قراء نے راء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان (مخراہوں) کے عقیدہ کی صحت کی شہادت ہے اور ان کی امیدوں اور انگلیوں کی تقدیر ہی ہے کیونکہ کلام کو مستقل ذکر فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حرف تنبیہ اور حرف تاکید بھی ذکر فرمایا ہے۔

یہ سید خلیلہم میں سین وعدہ کے ثبوت اور تحقق کے لئے ہے۔ فی رحمۃ سے مراد فی جنبہ ہے، یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی ابدی نعمتوں میں داخل فرمائے گا۔

وَالسَّمِيقُونَ الْأَوْلُونَ مِنَ الْمُهْجَرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
بِحَسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥﴾

”اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے، اور جنہوں نے پیروی کی

1- تفسیر بنوئی، جلد 3 صفحہ 98 (القر) 2- صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 498 (ذرات تعلیم) 3- صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 498 (ذرات تعلیم)

4- تفسیر بنوئی، جلد 3 صفحہ 98 (القر) 5- الدرر السمر، جلد 3 صفحہ 492 (الغنیہ)

ان کی ہمگی سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے ۳ اور راضی ہو گئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغات، بہتی ہیں ۳ ان کے پیچھے نجدیاں ہمیشہ ہیں گے ان میں اب تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“

۱۔ مہاجرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو چھوڑا تعلقات قطع کئے اور اپنے ایمان کے تحفظ کی خاطر اپنے وطن اور مال سب کو خیر باد کہا اور انصار سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی ان کو اور ان کے صحابہ کو اپنے ہاں جگہ دی، جنگاں کو ان کی قوم نے اپنے وطن سے بے وطن کر دیا تھا۔ یعنی انصار سے مراد اہل مدینہ ہیں۔ مذکورہ فریقوں میں سے العسابقین کے متعلق اختلاف ہے۔ سعید بن المسیب، قتادہ اور ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبیلوں کی طرف منہ کر کے نرا بڑھی۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ اہل بدر ہیں۔ اشعثی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہت رمضان کے وقت موجود افراد ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں مہاجرین میں سے آٹھ افراد ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے تھے پھر ان کے بعد آہستہ آہستہ ان کی اتباع میں لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یعنی ابوبکر، علی، زبیر بن العاص، عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم۔ علامہ بنو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں علامہ کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے ایمان لائیں تھیں لیکن ان کے بعد جو سب سے پہلے ایمان لایا اس میں اختلاف ہے، بعض نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام گرامی لکھا ہے، یہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس شعر سے ہوتی ہے:

”میں تم سے اسلام قبول کرنے میں سبقت لے گیا تھا جبکہ میں ابھی بچہ تھا اور حد بلوفت کو نہیں پہنچا تھا۔“

مجاہد اور اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے اس وقت آپ کی عمر دس سال تھی، بعض علماء فرماتے ہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس، ابراہیم الخعمی اور اشعثی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے (۱) اس قول کی تائید حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول کرتا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ وصف اپنے اشعار بیان کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے تسلیم کیا۔

بعض فرماتے ہیں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے، یہ زہری، عروہ بن زینج کا قول ہے۔ اسحاق بن ابراہیم حنفی نے ان اقوال میں اس طرح تظنیق کی ہے، مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر، عورتوں میں خدیجہ الکبریٰ، بچوں میں علی اور غلاموں میں زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہم) ایمان لائے تھے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب ابوبکر اسلام لائے تو اپنے اسلام کا اظہار فرمایا اور لوگوں کو بھی اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی آپ محبوب اور نرم حراں شخص تھے اور سب سے قریبی تھے اور قریش کے حالات کو زیادہ جانتے والے تھے۔ آپ تاجر اور نیکو کار تھے۔ آپ کے حلیق اور صاحب علم ہونے کی وجہ سے لوگ آپ کے پاس اپنے مسائل لیکھتے تھے اور آپ سے انس رکھتے تھے۔ آپ کو جن لوگوں پر وثوق تھا انہیں اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو انکی افراد نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ مثلاً حضرت عثمان، زبیر بن العوام، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سب کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آئے، جبکہ یہ اس وقت اسلام

قبول کر چکے تھے، پھر انہوں نے نماز پڑھی (1)۔ پھر دوسرے افراد نے اسلام قبول کیا حتیٰ کہ سات سال میں 39 مرد اور عورتیں مسلمان ہو گئے، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو مشرکین نے کہا تم آدم آدھے ہو گئے، پھر اسلام آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگا اور سات سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ مضبوط ہو گیا۔ اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی، اور انصار میں سے السابقون وہ افراد ہیں جنہوں نے عقبہ کی رات رسول اللہ کی بیعت کی تھی، عقبہ اونٹنی میں یہ چھ افراد تھے، بعض فرماتے ہیں سات تھے اور عقبہ ٹاپیہ میں بارہ تھے اور عقبہ ٹاپیہ میں ستر تھے۔ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔ ان ایمان لانے والوں میں ابو زرارہ اور مصعب بن عمیر تھے جو مدینہ طیبہ میں قرآن پڑھاتے تھے تو ان کی کوششوں سے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے اور عورتوں اور بچوں کی بھی کثیر تعداد شرف باسلام ہوئی۔ یعقوب نے السابقون پر عطف کر کے والا انصار کو مرفوع پڑھا ہے۔ یہاں ہی قرأت ہے۔ ابن جریر اور ابوالشیخ نے محمد بن کعب القرظی سے اور حاکم اور ابوالشیخ نے اسامہ اور محمد بن ابراہیم اعمش سے یہ آیت نقل کی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں اس سے مراد سابقین اولین کے علاوہ بقیہ مہاجرین و انصار ہیں بعض فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت تک سابقین اولین کے نقش قدم پر چل کر ایمان کے تقاضے پورے کئے اور ہجرت اور نصرت دین جیسے کار خیر میں ان کی سیرت کو اپنایا۔ میں کہتا ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ السابقین سے مراد مقررین ہوں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا الشُّعْرُونَ ﴿١﴾ اُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢﴾ فِي حَبَشَاتِ الصُّبْحِ ﴿٣﴾ لَلَّ قَوْلُ الْوَالِدِ ﴿٤﴾ سَبَّحْتَ سَابِقِينَ ﴿٥﴾ سے مراد صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین ہیں کیونکہ اس امت میں یہی گزردہ اولون ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا قلیل من الاخوان، یعنی ہزار برس کے بعد کمالات نبوت کے حامل کم ہوں گے کیونکہ صدر اول میں ایسے لوگ زیادہ تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ کرام تمام کے تمام کمالات نبوت کے حامل تھے اور تابعین میں سے اکثر اور تبع تابعین میں سے بعض اس مرتبہ پر قائل تھے بعض علماء فرماتے ہیں یہ ہجرت کے ہزار سال بعد ارباب کمالات نبوت کی کمی ہوئی ہے۔ میں کہتا ہوں اس مفہوم کے اعتبار سے من المہاجرین و الانصار کے الفاظ السابقین الاولین کا بیان اور تفسیر ہوں گے اور من کا کلمہ بعضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہوگا اور الذین الجعوا ہم باحسان کارشاد سابقین اخوین اور اصحاب یحییٰ کو شامل ہے، یعنی صدر اول میں اولین کی ایک جماعت تھی اور جوان کے بعد تھے اور قلیل من الاخوان سے مراد ہزار سال کے بعد قیامت تک آنے والے ارباب کمالات نبوت ہیں۔ عطا فرماتے ہیں الذین الجعوا ہم باحسان سے مراد وہ لوگ ہیں جو صحابہ کرام کے لئے رحمت اور رضا والہی کی دعا کرتے ہیں (یعنی ان کے اسما کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ عنہ کہتے اور لکھتے ہیں) ابو جرحید بن زیاد فرماتے ہیں میں ایک دفعہ محمد بن کعب القرظی کے پاس آیا تو میں نے کہا صحابہ کرام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے فرمایا تمام صحابہ کرام نیک اور گنہگار چلتی ہیں۔ میں نے کہا تمہارے اس بیان کی دلیل کیا ہے فرمایا قرآن کی یہ آیت ہے ﴿وَمِنَ الشُّعْرُونَ اُولَٰئِكَ مِنْ اَوْلِيَا صِدْقٍ وَ اُولَٰئِكَ هُمُ الصَّابِقُونَ...﴾ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ اس آیت کے پیر میں صحابہ کرام کے لئے گزردہ رضا ہے، اور تابعین کے لئے شرط لگانے والی ہے، اَلَّذِينَ اَتَتْهُمُ بِهَا خَشْيَةَ اللهِ كَرَامٍ کے نیک اعمال کی اتباع کریں۔ ابو جرحہ کہتے ہیں مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے کبھی یہ آیت پڑھی ہی نہیں ہے اور مجھے اس کی تفسیر معلوم نہ تھی حتیٰ کہ محمد بن کعب نے میرے سامنے پڑھی اور

اس کی تفسیر بیان فرمائی۔ میں کہتا ہوں تمام صحابہ کرام کے جنتی ہونے پر ذیل کے ارشاد سے حجت پکڑنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے لا یستویون فیہم قرین العقیق من قبل الشہد و قتل ۱۰ اولیت اعظمہم ذرہبہ من الزین انفقوا من صدقہ و قتلوا ۱۱ و کلا وعد اللہ المستفی ارشاد بالکل واضح ہے کہ اولیوں و آخرین تمام صحابہ کرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، جسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد (پہاڑ) کی شمشیر خارج کرے تو میرے صحابہ کے ایک مدد بلکہ نصف مدد کو بھی نہیں پہنچ سکتا (۱)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے میری زیارت کی یا اس کی زیارت کی جس نے مجھے دیکھا (2)۔ اس حدیث کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ میں کوئی ایک جس خطہ زمین میں وصال کرے گا قیامت کے روز وہ اس علاقہ کے لوگوں کا قائد اور نور بن کر اٹھایا جائے گا (3)۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی اعلاء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے (4) اس حدیث کو ترمذی نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

سے اللہ تعالیٰ نے ان نیک اطاعت کو شرف تجلیل بخشا ہے اور ان کے اعمال حسنہ پر اپنی رضا کا اظہار فرمایا ہے اور وہ بھی اس کے رب ہونے اسلام کے دین اور محمد ﷺ کے رسول برحق ہونے پر راضی ہیں کیونکہ اس تقدیر ان رب نے ان کو اپنی محبت عطا فرمائی ہے اور انہوں نے اسلام کی برکت اور نبی کی اطاعت کے سبب دنیاوی و دنیوی برکت کو اپنے دامن میں سمیٹا ہے۔

سے ان کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے من مہتہا پڑھا ہے جیسا کہ بقیہ تمام مقامات پر آیا ہے اہل مکہ کے مصانف میں بھی اسی طرح ہے یہاں باقی قرآن نے من کے حذف کو ساتھ پڑھا ہے۔

وَمَنْ حَوَّلْتُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا عَلَىٰ الْبِقَاعِ ۖ

لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۖ سَنُعَذِّبُهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ لَنْ يَرْضَوْا إِلَىٰ عَذَابِ عَظِيمٍ ۝۶

”اور تمہارے آس پاس اہل مدینے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینہ کے رہنے والے کیے ہوئے ہیں نفاق میں جن تم نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں انہیں ہم عذاب دیں گے انہیں دوبار سے پھرہ لوٹانے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف سے“

۱۔ ان بدد سے مراد مزینہ، جمینہ، اشج، اسلم اور غفار کے بعض لوگ ہیں۔ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ان لوگوں کے گھر مدینہ طیبہ کے ارد گرد تھے اور ان میں سے بعض منافقت کی صفت سے شصف تھے جیسا کہ اس پر من بعضیہ دلالت کر رہا ہے اور قبیلہ غفار، اسلم اور اشج وغیرہا کے مناقب میں جو احادیث گزر چکی ہیں وہ اس ارشاد کے ستانی نہیں ہیں (کیونکہ یہ بعض کا ذکر ہے۔)

جس کا عطف فہم حول لکم پر ہے اور اس سے مراد اوس و خزرج کے کچھ لوگ ہیں۔ یہ منافقین کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان خبر پر معطوف کے ساتھ قاصلاً کیا گیا ہے۔ یا یہ علیحدہ مستقل کلام ہے جو نفاق میں ان کی جھٹکی اور سوخ کو ظاہر کر رہا ہے، یہ ترکیب بھی ہو سکتی ہے کہ من اهل الصدیۃ مبتدأ محذوف کی خبر ہو اور مردو کا جملہ مبتدأ محذوف کی صفت ہو۔ تقدیر کلام اس طرح ہو

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ قَوْمٌ مُّرُوْا عَلٰی النِّفَاقِ، یعنی اہل مدینہ سے ایک گروہ ایسا ہے جو نفاق میں بہت مضبوط اور گہرا ہے۔ عرب کہتے ہیں تمرد فلان بعد فلان نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس نافرمانی میں وہ پختہ ہے اور یہ اس کا عادی ہو گیا ہے۔ اس سے مرید اور مار دشتق ہیں۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ نفاق کی گہرائی میں گھس گھے ہیں اور نفاق کے علاوہ ہر حالت کے منکر ہو گئے ہیں۔ ابن زبیر فرماتے ہیں وہ اس نفاق پر قائم رہے اور توبہ نہ کی۔ قاموس میں ہے مرد کسھرو و کوم مردو و مردوۃ لہو مویذ و مہار و مہار و مہار و مہار یعنی وہ سرکشی میں حد سے بڑھ گیا، یاد وہ اس حد کو پہنچ گیا ہے جو اس فعل کی انتہا اور عاقبت ہے اور مرد علی الشیء کا معنی ہے وہ اس کام کا عادی ہے، بعض اہل لغت فرماتے ہیں المار و وہ شخص ہوتا ہے جو خیر سے خالی ہو تو ”مردو علی النفاق“ کا معنی یہ ہو گا کہ وہ خیر اور نیکی سے خالی ہیں اور نفاق پر ہیں۔

اسے بیارے محمد ﷺ آپ فرست کا اہل اور کمال نفاقت کے باوجود ان کی صفت نفاق کو نہیں جانتے کیونکہ یہ اپنے بحث باطن کو چھپانے میں بڑے شاطر ہیں، تہمت کے سوانح پر بڑی صفائی سے نکل جاتے ہیں لیکن ہم ان کے دلی بھیدوں پر مطلقاً ہیں آپ پر معاملہ کو غلط ملکہ کر سکتے ہیں لیکن ہم سے یہ باہمی مکاریاں نہیں چھپا سکتے۔

یہ کبھی اور دوسری رحمت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ خطبہ دینے کے لئے منبر پر جلوہ افروز تھے اور فرمایا اے فلاں نکل جاؤ یہاں سے تم منافق ہو، اے فلاں نکلو یہاں سے تم منافق ہو، اے فلاں نکل جاؤ منافق ہے۔ آپ ﷺ نے منافقین کے نام لیکر انہیں مسجد سے نکال دیا اور انہیں رسوا کیا۔ یہ ان کا پہلا عذاب ہے اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلا عذاب قتل کرنا اور قیدی بنانا ہے اور دوسرا عذاب قبر میں دیا جائے گا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہیں بھوک سے دو مرتبہ عذاب دیا گیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلا عذاب آگ کے شعلے کے ذریعہ سے انہیں دیا گیا جو ان کی آگ دل پر پڑا اور انہیں ہلاکت کے گڑھے تک پہنچا دیا اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔ ابن زبیر فرماتے ہیں پہلا عذاب دنیا کے انکار مال اور اولاد میں مصائب ڈالنا ہے اور دوسرا عذاب قبر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ پہلا عذاب ان پر حدود کا قائم کرنا ہے اور دوسرا عذاب قبر ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلے عذاب سے مراد یہ ہے کہ وہ اسلام کی روز بروز ترقی کو دیکھ کر دل ہی دل میں جلتے رہتے تھے اور خود بخیر کسی رغبت ڈر کے مارے اس مذہب کو قبول کئے ہوئے تھے اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں پہلا عذاب یہ ہے کہ فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرتے وقت انہیں چہروں اور جھٹوں پر مارتے ہیں اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں پہلا عذاب ان کی سبب ضرر کو جلانا ہے اور دوسرا انہیں قبر میں جنم کی آگ سے جلانا ہے (1)۔ میں کہتا ہوں تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے ایک مرتبہ انہیں دنیا میں کوئی ایک عذاب دیا جائے گا جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اور ایک مرتبہ انہیں قبروں میں عذاب دیا جائے گا۔ ان دونوں عذابوں کے بعد پھر آخرت میں دائمی جنم کے عذاب میں جھٹلائے جائیں گے۔

وَأَخْرَجُوا عَنْكُمْ أَصْحَابًا وَأَخْرَجْنَا عَنْكُمْ آلِهَةً أَنْ
يَكْفُرُوا بِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٠﴾

”کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف کر لیا ہے اپنے گناہوں کا انہوں نے ملا جلادے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل
لے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ان کی توبہ بیگ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

۱۔ اخرون کا عطف منافقوں پر ہے یا مردوں کے محذوف موصوف پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی قَوْمٌ أَخْرَجُوا آلِهَةً مِنْهُمْ
الْمُؤْمِنِينَ قَوْمٌ أَخْرَجُوا لَيْسُوا بِمُؤْمِنِينَ یعنی ایک دوسرا گروہ بھی ہے یا اہل مدینہ سے ایک دوسرا گروہ ہے جو دلوں میں منافقت نہیں
رکتے بلکہ ان کی صفت یہ ہے کہ بغیر عذر کے غزوہٴ تبوک میں شامل نہ ہونے کے قصور کا اعتراف کر لیا ہے اور ترکیں لحاظ سے اخرون
کو مبتدا اور خَلَطُوا کو خبر بنا تا بھی جائز ہے۔ یعنی یہ حضرات مناقب نہیں ہیں ان کے طے طے اعمال ہیں مثلاً دولت ایمان سے بہرور
ہیں، نماز کے پابند ہیں، حجی کریم ﷺ کی سعیت میں کئی مرتبہ جہادی جوہر دکھا چکے ہیں، جرم کے ارتکاب کے بعد گناہ کا اعتراف اور
اس پر اکتفا و عتاب بھی کیا ہے لیکن اس مرتبہ جنگ کی دعوت کے باوجود پیچھے رہ گئے ہیں اور منافقت سے موافقت ہو گئی ہے
وآخر سینا سے پہلے واؤ یا توبہ کے معنی میں ہے جیسے عرب کہتے ہیں بعث النساء شافاً وودھما یا تقدیر کلام اس طرح ہے
خَلَطُوا غَمَلًا ضَالِبًا بَالِشِيءٍ یعنی ایمان کو انہوں نے جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اطاعت ترک کرنے کے گناہ کے
ساتھ ملا دیا اور جہاد سے پیچھے رہ جانے کے قصور کو گناہت اور توبہ کے عمل صالح سے ملا دیا۔

۲۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے کیونکہ اھو ہوا ہذو بہم کا ارشاد اس پر دلالت کر رہا ہے اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے
سے درگزر فرماتا ہے اور اس پر اپنا کریم اور احسان فرماتا ہے۔

ابن جریر، ابن المنذر، راہن ابن ابی حاتم، ابن مردودہ اور نسبی اور نسبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے دلائل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، نیز نسبی رحمۃ اللہ
علیہ نے سعید بن مسیب سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ دس افراد تھے جو غزوہٴ تبوک میں
رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے، ان افراد میں ابوالباہیہ بھی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے واپس تشریف لائے تو ان میں
سے سات افراد نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ جب آپ ﷺ مسجد سے لائے تو ان پر نظر پڑی، پوچھا یہ کون ہیں
جنہوں نے اپنے آپ کو باندھا ہوا ہے، صحابہ کرام نے عرض کی ابوالباہیہ اور ان کے ساتھی ہیں جو جنگ میں آپ کے ساتھ شریک نہیں
ہوئے تھے اور انہوں نے ہتھیار چھوڑ دیے کہ یہ اپنے آپ کو آزاد نہیں کریں گے حتیٰ کہ آپ خود اپنے دستِ اقدس سے انہیں آزاد کریں
گے اور ان سے راضی ہوں گے، انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم بخدا میں نہ آئیں آزاد کروں گا
اور نہ ان کا عذر قبول کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کی آزادی کا حکم نازل فرمائے، انہوں نے مجھ سے اعراض کیا اور مسلمانوں سے پیچھے
رہ گئے تھے اور جہاد میں شامل نہ ہوئے، جب انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد پہنچا تو کہنے لگے ہم اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے حتیٰ
کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کھولنے کا حکم نازل فرمائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ عسی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعمال
ہو تو جو ب کا معنی دیتا ہے، جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں آزاد فرمایا، ان کی رسیاں کھول دیں اور
ان کے عذر کو قبول فرمایا (۱)۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ابی لبابہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ

اپنے آپ کو کھول دیں۔ انہوں نے کہا مجھے تو صرف رسول اللہ ﷺ ہی کھولیں گے۔ آپ ﷺ خود تشریف لائے اور اپنے دست اقدس سے ان کی رسیاں کھولیں۔ اس کے بعد یہ صحابہ کرام اپنے مال لیکر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارے اموال ہیں، ہم انہیں اپنی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور آپ ہمارے حق میں بخشش کی دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ابھی تک تمہارے صدقات قبول کرنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۹۱﴾

”اے حبیب (صلوات) وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کریں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں اس ذریعہ سے۔ لہٰذا نیز دعا مانگئے ان کے لئے جیسا کہ آپ کی دعا جس (بزار) تسکین کا باعث ہے ان کے لئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جانتے والا ہے۔“

۱۔ صدقہ سے مراد زکوٰۃ نہیں بلکہ گناہوں کے کفارہ کے لئے انہوں نے یہ صدقہ دیا تھا۔ لیکن بعض علماء نے اس سے مراد زکوٰۃ ہی ہے۔ تطہیر میں ضمیر خطاب کا مرجع آپ ﷺ کی ذات اقدس ہے یا یہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور ضمیر کا مرجع صدقہ ہے اور تزکیہم میں تاء مخاطب کی ہے، یعنی آپ ﷺ ان کی نیکیوں کو بڑھائیں اور انہیں تخلصین کے بلند و بالا مقامات پر فائز فرمائیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن ابی طلحہ کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر، الضحاک اور زید بن اسلم وغیرہ سے بھی اسی فقہانہ کلام روایت کی ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ پانچ افراد تھے جن میں ابولہب بھی تھے، سعید بن جبیر اور زید بن اسلم فرماتے ہیں وہ آٹھ آدمی تھے۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ سات اشخاص تھے۔ ابن مردودہ اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے عوفی کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرود، جو کہ میں تشریف لے گئے تو ابولہب اور ان کے پانچ ساتھی پیچھے رہ گئے، پھر ابولہب اور ان کے دو ساتھیوں کو گھرا لاق ہوئی اور ندامت سے شراہ اور ہو گئے اور اپنی ہلاکت کا یقین کر لیا اور کہا ہم غنڈہ سے اور راحت بخش ساریوں میں اور اپنی بیویوں کے ساتھ آرام و سکون سے رہ رہے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ اور مومنین میدان جہاد میں چلائی دھوپ میں کافروں سے برس پڑے گا کہیں۔ قسم بخدا ہم اپنے آپ کو ستونوں سے باندھے رکھیں گے اور اپنے آپ کو آواز نہ کریں گے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں خود آواز نہ کریں۔ پس انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور جن افراد نے اپنے آپ کو نہیں باندھا تھا (۹۱)۔ عہد نے قتادہ سے روایت کیا ہے یہ آیت کہ برسات افراد کے متعلق نازل ہوئی تھی، جن میں سے چار نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا تھا، وہ چار افراد یہ تھے۔ ابولہب، مرداس، اوس اور جڈام۔ ابو اسحاق اور ابن مندہ نے اصحاب میں انکوری عن الاعمش عن ابی سفیان عن جابر کی سند سے نقل کیا ہے کہ جو حضرات رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے ان میں ابولہب، اوس بن جزام، اشلب بن ودیعہ، کعب بن مالک، مراد بن الربیع اور بلال بن امیہ تھے۔ ابولہب یا اور شلب آئے اور انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ پھر آزادی کے بعد اپنے مال لیکر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ قبول فرمائیے یہی وہ مال ہیں جن کی محبت نے ہمیں آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کی عظمت سے محروم کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا میں

ان کو نہیں کھولوں (1) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کے کھولنے کا حکم نازل فرمائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی و آخرون اعترفوا بملذونہم الا یہ۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک ابولہب تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ آیت صرف ابولہب کے حق میں نازل ہوئی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کے جرم کے متعلق اختلاف ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ابولہب نے قرظ کو کھا تھا کہ گرم معاذ کے حکم پر اترو گے تو ذبح ہو جاؤ گے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہلا (2)۔ ہم نے اس واقعہ کو سورۃ انفال میں کیا اِنَّهَا اَلَّذِيْنَ اَمْسُوْا اِلَیْہِمْ اَللّٰهُ الْخَبْرُ۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے کہ بنی قرظ کے واقعہ میں انہوں نے اپنے آپ کو باندھا تھا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابولہب کے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کے وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ میں کہتا ہوں شاید ابولہب نے دونوں واقعات کی معافی کے لئے اپنے آپ کو باندھا ہو (3) اس کی دلیل ابن عباس اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ ابن ہرود یہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے سے لکھا ہے جس میں واقعہ بھی ہے کہ امام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ابولہب کی توبہ میرے جرم سے میں نازل ہوئی تھی میں نے عمری کے وقت سنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کیوں نہیں رہے ہیں؟ فرمایا ابولہب کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔ میں نے عرض کیا حضور ﷺ! میں انہیں خوشخبری سنا دوں فرمایا جیسے تمہاری مرضی۔ یہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ امام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر آزدی ابولہب مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی ہے، لوگ دوڑ کر آئے تاکہ انہیں کھول دیں۔ ابولہب نے فرمایا مجھے خود رسول اللہ ﷺ ہی آزا فرمائیں گے۔ حج کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست اقدس سے ان کی رسیاں کھول دیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی و آخرون اعترفوا الا یہ۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ بنی قرظ کے واقعہ میں جو آپ سے جرم صادر ہوا تھا اس کی وجہ سے آپ نے اپنے آپ کو باندھا تھا کیونکہ غزوہ تبوک حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد واقع ہوا تھا، جبکہ قرظ کا واقعہ پہلے کا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ دونوں واقعات کے نتیجہ میں آپ نے یکے بعد دیگرے اپنے آپ کو متعدد بار باندھا ہو کیونکہ دونوں روایتیں صحیح ہیں (کسی ایک کو ترک کرنا ممکن نہیں)۔

3۔ آپ ان کے حق میں دعا فرمائیے اور ان کی مغفرت و بخشش کے لئے اپنے لب لعلیں کو جنبش دیجئے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں صدقہ کی وصولی کے وقت امام پر صدقہ دینے والے کے لئے دعا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں واجب ہے، بعض فرماتے ہیں مستحب ہے، بعض فرماتے ہیں فرضی صدقہ کی وصولی کے وقت واجب ہے اور نفل صدقہ میں مستحب ہے۔ بعض فرماتے ہیں امام پر صدقہ لیتے وقت دعا کرنا واجب ہے لیکن فقیر کے لئے مستحب ہے کہ عطا کرنے والے کے لئے دعا کر دے (4)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں جو اصحاب شجرہ میں سے تھے (یعنی جنہوں نے درخت کے نیچے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست اقدس پر بیعت کی تھی) جب کوئی توہم رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ لے آتی تو آپ ﷺ یہ دعا فرماتے اللّٰهُمَّ صل علیہم۔ (اے اللہ ان پر رحمت نازل فرما) پھر میرے باپ صدقہ لے کر آئے تو آپ ﷺ نے اس طرح دعا فرمائی اللّٰهُمَّ صل علی آل ابی اوفی۔ اے اللہ ابی اوفیٰ کی آل پر رحمت نازل فرما۔ (5)

- 1۔ الدر السعوی، جلد 3 صفحہ 490 (اصلیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 102 (الکر) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 102 (الکر) 4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 104 (الکر) 5۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 941 (وزارت تعلیم)

صلوٰۃ کا لغوی معنی دعا و برکت، استغفار اور اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولِ مکرم ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کرنا ہے (1)۔ قاسمیں میں اسی طرح ہے جب صلوٰۃ کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو مراد دعا اور استغفار ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں صلوٰۃ سے مراد دعا اور استغفار بھی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمانِ ذبیحان (إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ إِلَى الْغَنَامِ فَلْيَجِئْ بِإِنِّكَ مَغْفِرًا فَلْيَأْتِ كُنْ وَإِنْ كَانَ ضَائِبًا فَلْيَصِلْ) (2) (اگر کسی کو گھانا کی دعوت دی جائے تو وہ قبول کرے، اگر روزہ دار نہیں ہے تو کھانا کھالے اور اگر روزہ دار ہو تو دعا کرے) میں بھی صلوٰۃ بمعنی دعا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ صلی علیٰ زوجہی (میرے خاوند کے حق میں دعا فرمائیے) تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور ابنِ حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مراد برکت اور حمد و تعریف کرنا ہوتا ہے، مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا میں سبکی مراد ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ اٰمِيْنِ اَوْفٰی۔ (یا اللہ! الی اونیٰ پر برکت نازل فرما)۔ اسی طرح حدیث میں ہے اِنْعَمْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ عَلٰی آلِ سَعْدِ بْنِ خَاتَمٍ۔ (یا اللہ! سعد بن عبادہ پر اپنی رحمتیں نازل فرما)۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قیس بن سعد سے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیحہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ ملائکہ مومن کی روح کو کہتے ہیں صَلِّی اللّٰهُ عَلَيْكَ وَعَلٰی خَسْبِكَ۔ (اللہ تعالیٰ پر اور تیرے جد پر رحمتیں نازل کرے)۔ لغوی معنی اور مذکورہ احادیث کے اعتبار سے یحییٰ بن یحییٰ فرماتے ہیں غیر انبیاء پر صلوٰۃ بھیجنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی اس خصوصاً لفظ سے دعا کرنے میں کوئی ممانعت نہیں لیکن اہل شرع یعنی محدثین اور فقہاء کی اصطلاح میں صلوٰۃ انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہے، غیر انبیاء پر صرف جماعاً جائز ہے مستقلاً جائز نہیں، اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غیر انبیاء پر صلوٰۃ کو مکروہ دیکھتا ہوں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول امام مالک اور سفیان کا ہے اور یحییٰ قول شافعیین اور فقہاء کا ہے۔ یہ فرماتے ہیں غیر انبیاء کے ساتھ رضی اللہ عنہم، مغفرت اور رحمت اللہ علیہ لکھا اور یولا جائے۔ غیر انبیاء پر صلوٰۃ معروف نہیں ہے، یہ خلفاء عباسیہ میں بدعت شروع ہوئی تھی۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں غیر انبیاء پر جماعاً جائز ہے استقلاً جائز نہیں۔ علماء کی ایک جماعت کا یحییٰ نظریہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور جماعت فقہاء کے اس نظریہ کا استدلال یہ ہے کہ جب صلوٰۃ اصطلاح شرع میں انبیاء کرام کی تعظیم کے لئے خصوصاً نبی کریم ﷺ کی تعظیم کے لئے وضع کیا گیا ہے تو پھر غیر انبیاء پر اس کا اطلاق جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَهُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا۔ اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کی ذات کے سوا کسی دوسرے پر صلوٰۃ بھیجنے کو مناسب نہیں سمجھتا، اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے عثمان بن حکیم کے طریق سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس منع کے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ بطور تعظیم کسی غیر کے لئے صلوٰۃ نہ پڑھے۔ بطور دعا کسی کے لئے صلوٰۃ کا لفظ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بخاریہ ہے کہ انبیاء کرام، ملائکہ ازواجِ مطہرات، آپ ﷺ کی آل اولاد، اہل طاعت پر اجماعاً درود بھیجتا چاہئے لیکن انبیاء کرام کے علاوہ کسی مخصوص شخص پر درود اس طرح سے پڑھنا کہ وہ اس کا شعار بن جائے،

کمرہ ہے۔ خصوصاً جبکہ اس شخص کی مثل اور اس سے افضل شخص پر روزہ نہ بھیجا جاتا ہو۔ جیسا کہ اہل تشیع، رافضی اور اہل بیت کے لئے درود پڑھتے ہیں۔ حافظہ ابن جریر نے بھی یہی تحقیق رقم فرمائی ہے۔

حضرت حفص، حمزہ اور کسائی نے یہاں اور سورہ ہود میں صلوات جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ اسی طرح حمزہ اور کسائی نے سورہ مومنوں میں اور یہاں شمر کا صیغہ فتح تاء پڑھا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے ہر جگہ جمع اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورہ ہود میں تاء کے رفع میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یہ سکن لہم کا معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وجعہ لہم کیا ہے۔ یعنی آپ کی دعا ان کے لئے موجب رحمت ہے۔ ابو یحییہ فرماتے ہیں آپ کی دعا ان کے غضب دلوں کے لئے ضمانت اور قرار کا باعث ہوگی۔ آپ دعا کریں گے تو انہیں یقین ہوگا (1) کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی بات قبول فرمائے گا۔

میں کہتا ہوں سو فیاض کہ ام سے جب کوئی گناہ مرزد ہوتا ہے تو ان کے دلوں پر اس گناہ کی تاریکی چھا جاتی ہے اور پھر ان پر وہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو عقود سے بخارات اٹھنے کی وجہ سے دھڑکنے والے دل کی ہوتی ہے، جب اللہ کا پیارا محبوب شفیع جبرماں اپنے گنہگار غلام کے لئے دست شفاعت اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی عرض معاف فرماتا ہے تو یہ تاریکیاں کافر ہو جاتی ہیں اور آئینہ دل گناہ کے گرد وغبار سے صاف ہو جاتا ہے اور اسے قلبی راحت و سکون ملتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَا يَهْدِي اللَّهُ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ (خبردار! استوائ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں)۔

یہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعتراف جرم اور تمہارے حق میں اپنے رسول کرم ﷺ کی دعاؤں کو سننے والا ہے، اور جرم پر تمہارے اظہار ندامت کو جاننے والا ہے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب ان لوگوں کی توبہ کا ارشاد نازل ہوا تو پیچھے رہنے والوں میں سے جنہوں نے توبہ نہیں کی تھی کہنے لگے تک تک توبہ ہمارے ساتھ تھی ان سے کوئی کلام نہیں کرتا تھا، کوئی ان کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہ کرتا تھا (2) (آج کیا ہوا ہے کہ لوگ ان سے اتنی محبت و عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰﴾

”کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات کو، اور چیک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

۱۔ یقبل کا صلہ استعمال ہوا ہے کیونکہ اس کے ضمن میں تمنا و دعا کا معنی پایا جاتا ہے، یعنی انہیں معلوم نہیں کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے روزگزر فرما کر ان کی توبہ قبول فرماتا ہے، اس شخص کی طرح ان کے صدقات قبول فرماتا ہے جو اس غرض سے کوئی چیز لیتا ہے تاکہ اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے ابوالقاسم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جو بندہ اپنی پاک کمانی سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو صرف پاک چیز ہی قبول

فرماتا ہے اور آسمان کی طرف صرف پاک صدق اور گلام ہی بلند ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس صدق کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح تم میں کوئی اپنے پیچھے کو پالتا ہے اور اس کی بڑھوتری اور پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ صدق کا ایک لمحہ قیامت کے روز بڑے پہاڑ کی مثل ہو کر آئے گا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اِنَّ اللّٰهَ لَظَنُّوۡنَیۡغۡیۡلَ الشُّوۡبَةِ الْاٰیۡة۔ اس حدیث کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے، بخاری اور مسلم میں ہے کہ جو چاہی نیک کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدق کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ صدق قبول فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ (اپنی قدرت کے لائق) سے قبول فرماتا ہے پھر اسے بڑھاتا رہتا ہے صدق کرنے والے کے لئے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے پیچھے کو بڑا کرتا ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ کی مثل ہوگا۔ (۱)

اس بندہ نواز اور کریم کی شان ہی یہ ہے کہ وہ تو بہ کرنے والوں کو مایوس نہیں لوناتا بلکہ ان کی توبہ کو شرف قبولیت بخشتا ہے اور پھر ان پر مزید کرم مظہریاں فرماتا ہے۔

وَقُلْ اَعْمَلُوا قَسْدًا سِیِّئَ اللّٰهِ عَمَلِكُمْ وَاَسْأَلُہٗ وَاَلْمُؤْمِنُوۡنَ ط وَاَسْأَلُہٗ وَاَلْمُؤْمِنُوۡنَ اِلٰی
عَلِیۡمِ الْغَیۡبِ وَاَلشَّہَادَۃِ فَاَیۡتِسُّکُمْ بِہَا لَئِنۡم تَعْمَلُوۡنَ ﴿۱﴾

”اور فرمائیے عمل کرتے رہو۔ چنانچہ دیکھیے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور (دیکھیے گا) اس کا رسول اور مومن اور لوناتا ہے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کا۔ پس وہ خبردار کرے گا تمہیں اس سے جو تم کیا کرتے تھے۔“

۱۔ اسے پیار سے محمد ان مذکورہ افراد کو تمام لوگوں کو فرمادو کہ جیسے چاہو اعمال کرو اللہ تعالیٰ اپنے نورا لوہیت سے تمہارے اعمال دیکھے گا کیونکہ اس پر خیر و شر میں سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ پر وہ سب کچھ ظاہر فرمادے گا جو تم اس سے چھپاتے ہو۔ پس اس کا رسول بھی تمہارے اعمال کو دیکھے گا اور مومنین بھی نورا محال سے تمہارے اعمال کو دیکھیں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ان کے لئے وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان کے اعمال سے آگاہ فرمادے گا اور مومنین کی روایت اس طرح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے متعلق ان کے دلوں میں انس و محبت پیدا فرمادے گا اور فسادی لوگوں کے متعلق ان کے دلوں میں بغض پیدا فرمادے گا۔

وَ اٰخِرُوۡنَ مَرْجُوۡنَ لِاٰمِرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعۡذِبُہُمۡ وَاِمَّا یَسۡتُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ ط وَاَللّٰہُ عَلِیۡمٌ
حٰکِیۡمٌ ﴿۱﴾

”اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ملتوی کر دیا گیا ہے اللہ کا حکم (آنے) تک نہ چاہے وہ عذاب دے انہیں اور چاہے توبہ قبول فرمائے ان کی حق اور اللہ سب کچھ جاننے والا دانائے۔ حق۔“

۱۔ ان سے مراد اہل بدینہ میں سے پیچھے جانے والے افراد ہیں۔ مرجون کو ابو بکر کے علاوہ کوئی اور اہل بدینہ بغیر ہمزہ کے پڑتے ہیں جبکہ دوسرے قراء ہمزہ کے ساتھ پڑتے ہیں، اس میں دونوں لغتیں ہیں۔ ازجا کا معنی پیچھے کرنا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم تک ان کا معاملہ متوقف کیا گیا ہے۔

سبح اللہ تعالیٰ چاہے تو صغیرہ گناہ پر گرفت فرمائے اور چاہے تو بغیر توبہ گناہ کبیرہ کو معاف فرمادے اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اس لئے بندوں کو خوف اور امید کے مابین رہنا چاہئے۔ اھا جو شک کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہ بندوں کی طرف راجع ہے۔

سبح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال سے باخبر ہے جو بھی اپنے بندوں سے معاملہ فرمائے گا حکمت پر مبنی ہوگا۔ آسمانوں سے مرد اکب بن مالک، بلال بن امیہ، مراد بن ربیع ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں کے ٹکسے بنا دیا تھا اور یہ ان دس افراد میں سے تھے جو فرودہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے متعلق حکم فرمایا کہ تنان پر سلام کرو اور تنان سے سلام کرو۔ پھر جب ان کے اخصام نیت کو محسوس کیا تو ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر کرم فرمائی۔ بخاری اور مسلم نے کعب بن مالک کی ضویل حدیث لکھی ہے، ہم ان لوگوں کا واقعہ آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے، واللہ اعلم۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اسی رجم کلثوم بن الحصین الغفاری سے روایت کیا ہے جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ابن جریر، ابی یوسف، ابن ابی حاتم، ابن مردودہ اور شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے دلائل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن ابی حاتم اور ابن مردودہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر سے اور محمد بن عمرو نے یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد قیصر کی اور پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ تشریف لائیں اور ہماری مسجد میں نماز ادا فرمائیں۔ جب بنی غنم بن عوف نے یہ باجرا دیکھا تو ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑکنے لگی۔ انہوں نے کہا ہم بھی وہی مسجد بنائے ہیں جیسی انہوں نے بنائی ہے۔ ابو عامر فاسق نے شام کی طرف جانے سے پہلے یہ مشورہ دیا تھا کہ تم اپنی مسجد بناؤ اور اپنی طاقت و استطاعت کے مطابق اس میں اصلاح جمع کرو، میں بادشاہ روم قیصر کی طرف جا رہا ہوں، میں وہاں سے ایک لشکر لے آؤں گا جو محمد (ﷺ) اور اس کے صحابہ کرام سے نکال دے گا۔ منافقین ابو عامر فاسق کی آمد کے ہر وقت منتظر رہتے تھے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے نکلا تھا۔ جب منافقین نے ابو عامر فاسق کے مشورہ کے مطابق مسجد قیصر کی تو رسول اللہ ﷺ کو اس میں نماز ادا کرنے کی دعوت دینے کا انہوں نے ارادہ کیا اور ان کا اس مسجد سے مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں فساد، کفر، عناد کے شعلے بھڑک اٹھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو اس شر سے محفوظ رکھا۔ جب آپ ﷺ غزوہ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے تو منافقین کی ایک جماعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئی اور کہا یا رسول اللہ ﷺ رات کی تاریکی اور بارش کے موسم میں بیماروں، کمزوروں اور بوزمروں کو دور جا کر نماز ادا کرنے میں تھلیف ہوتی ہے۔ اس لئے ہم نے یہاں اپنے قریب ہی ایک مسجد قیصر کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے لئے اس میں ایک مرتبہ نماز ادا فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اب تو میں تبوک کے سفر پر جانے کی تیاری کر رہا ہوں اور اس کے ساز و سامان کی تیاری میں مشغول ہوں جب ہم اس سفر سے آئیں گے تو ان شاء اللہ تمہاری اسی مسجد میں نماز ادا کریں گے۔ جب آپ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس

تشریف لائے اور مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر پڑاؤ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادیں۔ (۱)

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضَرَامًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَ
إِرْصَادًا لِّبَن حَارَبِ اللَّهِ وَرَسُوْلَهُ مِنْ قَبْلُ ۗ وَيُخْلِفْنَ إِنْ آمَدْنَا إِلَّا

الْحَسْبُ وَاللَّهُ بِشَهَادَاتِهِمْ لَكَذِبُونَ ﴿٥٠﴾

”اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کے لئے کفر کرنے کے لئے اور بیعت ڈالنے کے لئے
مومنوں کے درمیان ج اور (اسے) کہیں گاہ بنایا ہے اس کے لئے جو تار ہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے اب تک
ج اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور اللہ کو انی دیتا ہے لودہ صاف جھوٹے ہیں ج“

۱۔ اہل مدینہ اور اہل شام نے اسے بغیر واد کے یعنی انہوں نے الذین پڑھا ہے اور ان کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے، جبکہ باقی
قراء نے و اخرون پر عطف کی بنا پر واد کے ساتھ والذین پڑھا ہے، یا یہ جہت ہے اور اس کی خبر محمد وف ہے یا یہ نقصان کی بنا پر
منسوب ہے اور حضور ا و ا معنی ہے تکلیف یعنی مسلمانوں کی تکلیف کی غرض سے مسجد تیسری۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ بارہ
آدی تھے جنہوں نے یہ مسجد تیسری تھی: 1۔ حذام بن خالد جو بنی عبید بن زید سے تھا اور یہ بنی عمرو بن کوف کا ایک فرد تھا۔ یا اپنے گھر سے
مسجد کی طرف دشمنی اور عداوت کی خاطر نکلا تھا، 2۔ شہید بن عابد جس کا تعلق بنی امیہ بن زید سے تھا، 3۔ محب بن تغیر، اس کا تعلق
بنی عبید بن زید سے تھا، 4۔ ابو عبید بن الازعر اس کا تعلق بنی عبید بن زید سے تھا، 5۔ عبادہ بن ضیف جو ہل بن ضیف کے بھائی
تھے، ان کا تعلق بھی بنی عمرو بن کوف سے تھا، 6۔ نجاد بن عثمان جو بنی عبید سے تھے، 7۔ دویہ بن ثابت (81)۔ خزج۔ ان لوگوں نے
مسجد قبای آبادی اور رونق کو ختم کرنے کے لئے کچھ مسجد تیسری تھی۔

ج ایک تو مسجد بنانے کا مقصد مومنین میں انتشار پیدا کرنا تھا اور دوسرے اللہ اور رسول کی نافرمانی تھی اور مسلمانوں کے درمیان بیعت اور
اختلاف کا بیج بوتا تھا کیونکہ پہلے مسلمان مسجد قبای میں نماز ادا کرتے تھے۔ انہوں نے طحہ مسجد بنائی تاکہ کچھ لوگ اس میں نماز پڑھیں
گے اور اس طرح اختلاف و افتراق کی جڑ مضبوط ہو جائے گی۔ ان کو اس مسجد میں جمع میں حارث امامت کرتا تھا، یہ لوگ ابو عامر کے ہر
وقت منتظر رہتے تھے کیونکہ وہ انہیں کہہ کر گیا تھا کہ میں قصر روم سے ایک لشکر لے آؤں گا جس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی ایست سے
ایست بجا دوں گا۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ابو عامر راہب تھا اور اس کا تعلق بنی عمرو بن کوف سے تھا، اور یہ غسل ملاکہ حضرت
حظہ رضی اللہ عنہ کا والد تھا، زمانہ جاہلیت میں راہبوں کی زندگی گزارنا، نصرانی دین پورا ہوں گا لباس پہننے رکھتا تھا۔ جب نبی کریم
ﷺ نے مدینہ طیبہ پر تشریف لائے تو ابو عامر نے کہا یہ آپ کون سا دین لیکر آئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا دین ابراہیمی لیکر آیا ہوں۔
ابو عامر نے کہا دین ابراہیمی پرتو میں ہوں۔ آپ ﷺ کو اس نے کہا تو دین ابراہیمی پر نہیں ہے، آپ ﷺ نے اس دین ضیف
میں ایسی چیزیں داخل کر دی ہیں جو اس دین سے نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے کوئی تعمیر تبدیل نہیں کیا، میں تو باہل روشن اور
پاک دین و شریعت لیکر آیا ہوں۔ ابو عامر کو جب اپنی بھری کے زوال کا خدشہ ہوا تو طحہ میں آ کر کہنے لگا جو ہم میں سے جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ
اسے غربت و تنہائی میں وطن سے دور ہلاک کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا آمین۔ آپ ﷺ نے اس کا نام ابو عامر الفاسق رکھا۔
جنگ احد میں ابو عامر نے حضور ﷺ کو کہا اب جو قوم تیرے ساتھ جنگ کرے گی میں اس کے ساتھ ہو کر تم سے جنگ کروں گا، جنگ
خنین تک ہمیشہ یہ کفر کی صفوں میں ہو کر دمی اسلام کی مخالفت کرتا رہا۔ جب ہوازن کو شکست ہوئی تو یہ شام کی طرف دو ہوا کہ بھاگ گیا
اور منافقین کی طرف پیغام بھیجا کہ تم اپنی طاقت کے مطابق اسلحہ اور قوت جمع کرو اور ایک مسجد بناؤ۔ میں بادشاہ روم قیصر کی طرف جا رہا

ہوں اور وہاں سے روم کا ایک لشکر لے آؤں گا۔ جو محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو شہر سے نکال دے گا۔ پس اس کے مشورہ پر منافقین نے مسجد قبا کے قریب اس کی آبادی کو ختم کرنے کے لئے مسجد تعمیر کی۔ (1)

اس من قبل یا تو حارث کے متعلق ہے، یا الخلدی کے متعلق ہے، یعنی غزوہ تبوک سے پہلے جو جانے کی منافقت سے پہلے انہوں نے مسجد بنائی۔ انہوں نے واقعی غزوہ تبوک سے پہلے مسجد بنائی تھی، پہلی ترکیب بہتر ہے۔

یہ جن منافقین نے مسجد ضرار بنائی ہے وہ آپ کے سامنے قسمیں اٹھائیں گے کہ جناب ہماری اس مسجد کی تعمیر سے غرض صرف مسلمانوں پر شفقت تھی کیونکہ بارش، گرمی، سردی اور اندھیری راتوں میں کمزور اور بوڑھے لوگوں کے لئے نبی کریم ﷺ کی مسجد تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے ہم نے یہ قریب ہی مسجد تعمیر کر دی ہے۔ ہماری غرض تو صرف اور صرف نیکی اور بھلائی کو عام کرنا ہے۔

ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے عوفی کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد قبا تعمیر کروائی تو انصار کے پانچ افراد گلے گلے جن میں بخرج نامی شخص بھی تھا، تو انہوں نے اپنے نفاق کی وجہ سے علیحدہ مسجد بنائی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخرج تو پاک ہو جائے یہ تو نے کیا کیا ہے، اس نے کہا حضور! میرا مقصود تو قسم بخدا نیکی کی ترویج تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جان عالم! ان کی چٹھی چھری یا توں کوست مانے یہ اپنی قسموں اور باتوں میں بالکل جھوٹے ہیں۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَكُنْجِدَ أُسُسًا عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ

تَقُومَ فِيهِ فَيُبْرِجُوا لَكَ يَتَّظَرُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿٢٠﴾

”آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی! البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے ہے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا بنے کو جسے اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے۔“

اس مسجد میں نماز کے لئے کبھی نہ جانا (کیونکہ اس کی بنیاد نفاق اور کفر پر ہے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا یہی مفہوم مروی ہے، ابن الخبار فرماتے ہیں۔ یہ مسجد جو منافقین نے مسجد قبا کی مخالفت میں بنائی تھی اس میں وہ جمع ہوتے اور نبی کریم ﷺ کی گرد آلودگی کرتے اور آپ کا مذاق اڑاتے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ ذی آذان میں تھے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں زہری نے ابی رہم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مالک بن الدخشم اور معن بن عدی کو بلا یا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عامر بن سلم اور وحشی کا نام بھی ذکر کیا ہے جبکہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم کا نام ذکر نہیں کیا۔ وہی رحمۃ اللہ علیہ نے ابجریدہ میں سوید بن عباس الانصاری کا اضافہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے ان جاثروں کو حکم فرمایا کہ ان خالوں کی مسجد کو نیست و نابود کرو اور اس کے لیے کو آگ لگا دو۔ یہ صحابہ کرام اور ان کے پیروں سے ہوئے آئے تھے کہ سالم بن عوف کے پاس پہنچے تو مالک نے اپنے ساتھیوں سے کہا میرے آئے تک تم یہاں ٹھہرو۔ وہ گھر گئے اور کھجور کی خشک ٹھنڈیاں اٹھالائے، ان میں آگ جلائی اور پھر جلدی جلدی مسجد کی طرف اس آگ کو لے آئے، مسجد میں وہ شام اور عشاء کے درمیان پہنچے۔ اس میں منافقین کا گروہ موجود تھا۔ صحابہ کرام نے مسجد کو آگ لگادی اور اسے زمین بوس کر دیا اور منافقین یہ منظر دیکھ کر تتر بتر ہو گئے (2)۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا

اس جگہ کو اردوسی (گندگی کا دھیر) بنا دو، اس میں مرد ارگند بد بو دار چیزیں اور کوڑا کرکٹ ڈال کر دو۔ ابو عامر الغافق شام میں تھا اور وطن سے دور مر گیا۔ محمد بن یوسف الصالحی نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے عاصم بن عدی کو فرمایا کہ تم اس مسجد کی جگہ گھر بنا لو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس جگہ کے متعلق قرآن نازل ہوا ہے، میں ایسا نہیں کر سکتا، آپ یہ جگہ ثابت بن اقرم کو عطا فرمادیں کیونکہ ان کے پاس رہائش کے لئے مکان نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے وہ جگہ ثابت بن اقرم کو عطا فرمادی، اس جگہ ثابت بن اقرم کا کوئی پچھو پیدا نہ ہوا اور نہ کسی کبوتر نے بچے دیئے اور نہ کسی مرغی نے انڈا دیا (۱)۔ علامہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بنی عمرو بن عوف جنہوں نے مسجد قبائلی تھی۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروختوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہ آپ ﷺ جمع میں حارث کو اجازت فرمائیں کہ وہ ہماری امامت کرایا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھئی کی آنکھ کھلی نہ ہوئے۔ یہ امام نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے مسجد ضراری کی امت کروائی تھی۔ جمع نے کہا اے امیر المؤمنین، میرے متعلق اتنا جلدی حکم جاری نہ فرمائیں جس تمہارا میں نے اس مسجد میں نمازیں پڑھیں اور پڑھائیں لیکن مجھے ان کی بدعتی اور حث باطنی کا علم نہیں تھا۔ اگر مجھے ان کے نفاق اور کفر کا علم ہوتا تو میں کبھی ان کے ساتھ نہ ہوتا۔ میں جو ان تھا اور قرآن کا قاری تھا، جبکہ وہ لوگ بوڑھے اور ان پڑھ تھے۔ میں نے انہیں نمازیں پڑھائیں مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ بدعت قرب الہی کا ارادہ رکھتے ہیں یا امت مسلمہ کا شیرازہ بکھیرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا عند قبول کیا اور ان کی تصحیح فرمائی۔ پھر مسجد قبائلی امامت کے امور ان کے سپرد فرمائے۔ (2)

مسجد لیسجد پر امام ابتدا سے ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں یہ امام قسم ہے۔ یعنی آپ اس مسجد میں نماز پڑھیں جس کی بنیاد اور اساس پہلے دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ یا اول یوم سے مردود ہے جس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تھے۔ کتبلی نے یہی توجیہ لکھی ہے۔ ابن عمر زید بن ثابت اور انس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں جس مسجد میں آپ کو قیام کا حکم ہو رہا ہے اس سے مرد مسجد مدینہ ہے کیونکہ امام مسلم، احمد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، نسائی، ابویعلیٰ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابواسخیب، الحاکم، ابن مردودہ اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے الدلائل میں حضرت ابوسعید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کسی زود چمڑہ کے حضور ہوا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ (وہ کوئی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے ننگر یوں کی تھی بھری اور پھر انہیں زمین پر مار کر فرمایا یہ تمہاری مسجد مسجد مدینہ ہے)۔ (3)۔ جبرانی اور الضیاء، المقدسی رحمہما اللہ تعالیٰ نے الخارہ میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس مسجد کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی بنیاد قرآن نے تقویٰ پر بیان کی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہو مسجدی هذا وہ یہ میری مسجد ہے۔ ابن ابی شیبہ اور ابن مردودہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں جس مسجد کی تشریف یہ بیان ہوئی ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے وہ مسجد نبوی ہے (4)۔

مسجد نبوی صلی اللہ علی صاحبہا وسلم کی فضیلت میں کثیر روایات منقول ہیں۔ بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میرے حجج سے حجج میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر خوش ہے (5)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت دوسرے الفاظ میں نقل کی ہے میری قبر اور میرے منبر کے درمیان

۱۔ سنن ابی الدرداء، جلد 5، صفحہ 472 (الحدیث) 2۔ تلمیح بخاری، جلد 3، صفحہ 108-9 (المنکر) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 447 (قدیمی)
4۔ الدر المنکر، جلد 3، صفحہ 496 (الحدیث) 5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 446 (قدیمی)

جنت کا باغچہ ہے۔ بخاری، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ بن زید المازنی سے اس طرح روایت کی ہے میرے گھر ابو ہریرہ سے منبر کے درمیان کے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے لیکن مسجد حرام کا مرتبہ اس سے بلند ہے۔ (2)

بعض علماء کا خیال ہے کہ جس مسجد کی قرآن نے تشریف کی ہے اس سے مراد مسجد قبا ہے۔ حضرت ابن عباس، عمرو بن زبیر، سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور قبا میں قیام کے دوران سووار سے جد تک آپ ﷺ نے اس میں نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ ﷺ مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تھے۔ بقول ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابوالشیخ سے الصحاح رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن دینار سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتے کے روز پیدل یا سواری پر مسجد قبا میں تشریف لاتے تھے اور عبد اللہ بن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے اور نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ اس مسجد میں دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے تھے (3)۔ داؤدی فرماتے ہیں یہ کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ دونوں مساجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ کتبلی اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہی لکھا ہے۔ میں کہتا ہوں آیت کے نزول کا مورد اگرچہ خاص ہے لیکن مراد عام ہے کیونکہ نکرہ کی صفت عام الفاظ سے لگائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہر مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ لیکن آیت کا سیاق اس بات کا متعنی ہے کہ آیت کا مورد مسجد قبا ہے کیونکہ مسجد حرام کو ضرور پہنچانے کے لئے بنائی گئی تھی۔

اس میں ایسے لوگ ہیں جو حدت، جنابت اور نجاستوں سے پاک رہنا پسند کرتے ہیں یا یہ معنی کہ گناہوں اور برے اخلاق سے پاک رہنا انہیں محبوب ہے۔

اس اور اللہ تعالیٰ پاک اور صاف لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ مطہرین اصل میں متطہرین تھانہ کو طہاء میں اذعام کیا گیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ یہ آیت کہ میرے اہل قبا، کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ قضاہ حاجت کے بعد پانی سے استنجاء کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی اس نظافت و پاکیزگی کا ذکر فرمایا ہے (4)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کہ یہ نازل ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مہاجرین صحابہ کی معیت میں مسجد قبا میں تشریف لے گئے، انصار وہاں بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تم مومن ہو؟ انصار خاموش رہے پھر آپ ﷺ نے یہی سوال دوہرایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ مومن ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم کھلم کھلا اٹھی پر راضی ہو؟ انصار نے عرض کی جی ہاں۔ پھر یوحنا تم معیت پر صبر کرتے ہو؟ عرض کی جی ہاں، پھر یوحنا کیا تم خوشحالی پر اللہ کا شکر کرتے ہو، عرض کی جی ہاں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رب کعبہ کی قسم تم

2- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 446 (قدیمی)

1- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 159 (ذرات تعلیم)

4- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 136 (ذرات تعلیم)

3- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 159 (ذرات تعلیم)

مومن ہو۔ پھر آپ ﷺ بیٹھ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے انصار کو فرمایا اے انصار اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے، تم قضاء حاجت کے بعد کیا عمل کرتے ہو؟ انصار نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم استنجاء میں تین پتھر استعمال کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی فیہ رجال یحبون ان یسطھروا۔ طہرائی رحمۃ اللہ علیہ نے الاوسط میں یہی حدیث ورد الکعبہ تک روایت کی ہے۔ عمر بن شیبہ نے اخبار المدینہ میں ولید بن ابی منذر اسلمی کے حوالے سے یحییٰ بن یحییٰ انصار سے روایت کی ہے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اہل قبائے حق میں نازل ہوئی وہ قضاء حاجت کے بعد پانی سے استنجاء کرتے تھے (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے پانی سے استنجاء شروع کیا (2)۔ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں گویمر بن ساعدہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ مسجد نبی میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری تکافت اور صفائی کے متعلق تعریف فرمائی ہے، تم کس چیز سے طہارت حاصل کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پڑوسی یہود و قضاہ حاجت کے بعد پانی سے استنجاء کرتے تھے تو ہم نے بھی پانی استعمال کرنا شروع کر لیا جیسا کہ وہ طہارت کے لئے پانی استعمال کرتے تھے (3)۔ ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے عرض کی حضور ﷺ ہم پتھر سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ایسا وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے، تم یہی طریقہ استعمال کرتے رہو۔

أَقْنِ أَسْسَ وَبِنَانَةَ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ قَنْ أَسْسَ وَبِنَانَةَ
عَلَى شَفَا حَرْفٍ هَا قَرَأْتَهَا رَبِّهِ فِي تَارِيحِهِمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

”تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ پر اور (اس کی) رضا جوئی پر بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے دہانے کے کنارے پر جو گرنے والا ہے پس وہ گر پڑے گا اور اسے لنگر دوزخ کی آگ میں لے لے گا اور اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلا تا عالم قوم کو حق“

۱۔ یہ سوال وجہ اب صرف مخاطب کو خاموش کرانے کے لئے ہے حالانکہ یہ اتنی واضح بات ہے کہ ہر عالم و جاہل اس سے باخبر ہے۔ بنیان سے مراد وہ ہے یا وہ عمارت جو اس نے تعمیر کی ہے اور اس عمارت کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے اور اس کی بنیاد رضا و اہلی اور اللہ کا خوف اور تقویٰ ہے، اس عمارت سے ان کا مقصد صرف قرب الہی کا حصول ہے، مانع اور ابن عامر نے دو جگہ اُنْسُ كَمَجْهُول یعنی ہمزہ کے ضمہ اور سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور بنیادہ کو مرفوع پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ہمزہ اور سین کے فتح کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے اور بنیادہ کو منصوب پڑھا ہے۔ ابن عامر، حمزہ اور ابو بکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے حرف کو راہ کے سکون کے ساتھ اور باقی قراء نے راہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر، حمزہ، حفص، ہشام اور حارث رحمہم اللہ تعالیٰ نے ہار کو بروایت اُنْسُ كَمَجْهُول فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور ویش نے دونوں کے درمیان پڑھا ہے اور باقی قراء نے اے اے کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی بنیاد گمراہ اور کھوکھلی ہے شفیقو کا معنی کنارہ ہے اور جو حرف سے مراد وہ دہانہ ہے جسے اندر سے پانی کے کھوکھلا کر دیا ہو، سیلاب نے اندر سے اس کی مٹی کر دی لی بنو اور بہا کر لے گیا ہو۔ ہار جو گرنے کے قریب ہو، اس کی بنیاد ڈول رہی ہو۔ ہار کی اصل ہود تھا اور واو

باقبل عتوج کو الف سے بدلا گیا ہے۔ علامہ ابنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی اصل ہاتھ ہے، پھر شاک، عاق کی طرح ہار پڑ جا گیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ ہار بھار سے شتق ہے جس کا معنی ٹوٹنا ہے ہار کا معنی وہ چیز ہوگی جس کا بعض بعض کے پیچھے گرتا جائے جیسے ریت یا کوئی دوسری چیز نرم گرتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے عمارت کی بنیاد خشیت الہی اور رضاء الہی پر رکھی ہے وہ بہتر ہے اس شخص کی عمارت سے جس نے کزور اور کھوکھلی بنیادوں پر اپنی تعمیر کی ہے، کزور بنیادوں سے مراد باطل اور نفاق ہے جس کو غیر مستحکم ہونے اور کم دوام میں اس گرنے والے کنارے سے تشبیہ دی گئی ہے جو اندر سے کھوکھلا ہے۔ شفا جرف شرک اور نفاق سے بطور استعاذہ مجازی معنی میں ہے جو شرک و نفاق، تقویٰ کی ضد ہے۔ پھر مشبہ بہ کے لوازمات میں سے ذکر فرمایا فابھار بہ (یعنی اس کنارہ کو گرتا لایا ہے) تاکہ یہ صورت بن جائے کہ باطل کے پرستاروں نے گویا جنہم کی گہری وادی کے کنارے پر جو اپنی عمارت تعمیر کی ہے، وہیں دو کنارہ اس جنہم کی گہرائی میں اس عمارت کے ساتھ گر چکا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے نفاق کی وجہ سے آگ میں ڈال دیا ہے۔ امام ابنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ مسجد مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے اور ان کی جہیت کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ یہ اس عمارت کی طرح ہے جو جنہم کے کنارے پر تعمیر کی گئی ہے اور وہ کنارہ اس مسجد میں رہنے والوں سمیت گر گیا ہے۔ (1)

محمد بن یوسف صالحی فرماتے ہیں ابن حبیب نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ وہ مسجد جس کا ذکر آیت میں ہے کہ جس کی بنیاد تقویٰ رکھی گئی ہے وہ مسجد نبوی ہے اور جس مسجد کا ذکر اللعن المسس بسببہ علی تقویٰ من اللہ ورضوان خیر کے ارشاد میں ہے۔ اس سے مراد مسجد قبا ہے، اور جس کی بنیاد کرنے والے کنارے پر رکھی گئی ہے وہ مسجد ضرار ہے، اس پر اجماع ہے۔

ابو اللہ تعالیٰ عالم قوم کو مشاہیرہ جہادیت نہیں دکھاتا اور ان کی صلاح و نجات کی روشنی کی طرف راہنمائی نہیں فرماتا۔ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر سے اور ابن المنذر، ابن ابی قحتم اور ابوشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے قادیانہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور اسی طرح ابن المنذر نے جریح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ مسجد ضرار میں ایک جگہ کودی گئی تو لوگوں نے وہاں سے حموں لکھا ہوا دیکھا۔ امام ابنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں میں نے مسجد ضرار کے لکھا ہوا حموں خود دیکھا۔ (2)

لَا يَزَالُ يُبْنِيَانَهُمُ النَّبِيُّ بِمَوَاسِيئِهِمْ فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ
اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

”ہمیشہ ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے کھٹکتی رہے گی ان کے دلوں میں۔ مگر یہ کہ پارہ پارہ ہو جائیں ان کے دل اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔“

ابن بیان مصدر ہے اور مراد مفعول ہے (یعنی ان کی وہ عمارت جو انہوں نے بنائی)۔ یہ جمع نہیں ہے۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی اس کے آخر میں فاء بھی داخل ہو جاتی ہے، اور اس کی صفت مفرد سے بیان کی گئی ہے اور اس کی خبر ریبیہ ذکر کی گئی ہے۔ ریبیہ کا معنی شک اور نفاق ہے، یعنی ان کی یہ تعمیر ہمیشہ ان کے شک کا سبب رہے گی کیونکہ اس چیز نے انہیں اس تعمیر پر برا سمجھنا کیا اور وہ ہمیشہ اسی ایمان میں رہیں گے کہ ہم نے تو یہ مسجد نیکی کی خاطر بنائی تھی۔ جیسا کہ مویٰ علیہ السلام کی قوم کے دلوں میں پھڑکے کی حجت راسخ ہو گئی تھی۔ ابن عباس رضی

اللہ تعالیٰ نے اس کی یہی توجیہ بیان فرمائی ہے۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس عمارت کے بنانے سے مقصود حاصل نہ ہونے پر وہ ہمیشہ حسرت و ندامت کا باعث بنی رہے گی کیونکہ وہ اس کے بنانے پر شرمندہ تھے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلبی ارادوں سے اپنے محبوب کو آگاہ فرمایا تھا)۔ سعدی فرماتے ہیں اس عمارت کا گرنا ہمیشہ ان کے لئے فریضہ و غضب کا موجب رہے گا۔ (1)

علی ابن عامر، ابو جعفر، جنس اور جزوہ نے نقطع کوننا کے فقرے کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قرآنہ نے ننا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور عام زمانہ سے استثناء منفرغ ہے۔ یعقوب نے الی ان اور نقطع کوننا کے ضمہ کے ساتھ مجر فعل سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ زمانوں میں سے ہر زمانہ ختم ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ تک ان منافقوں کی یہی کیفیت رہے گی حتیٰ کہ ان کے دلوں میں اور اک و احساس کی قابلیت نہ رہے، اس عمارت میں مبالغہ کرنا مقصود ہے کہ ہمیشہ یہ اضطراب اور بے چینی کی کیفیت میں رہیں گے، بعض علماء فرماتے ہیں نقطع سے مراد قتل کے ساتھ ان کے دلوں کا پارہ پارہ ہونا ہے، یا قبر میں یا آگ میں ان کے دلوں کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہے، یعنی قتل ہونے تک یا قبر میں دلوں کے ریزہ ریزہ ہونے تک یا دوزخ کی آگ میں جلنے تک یہ اسی اضطراب کی کیفیت میں رہیں گے۔ سچا کہ اور قرآنہ و رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ ہمیشہ شک میں رہیں گے حتیٰ کہ موت کا کھاری گھونٹ پنی لیں پھر انہیں یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تو ان کی نیکیوں کو بھی جانتا ہے اور اس نے جو ہماری اس مسجد کو گرانے کا حکم فرمایا تھا اس میں بھی اس کی حکمت تھی۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضور نبی رحمت ﷺ اہست کے گیارہویں سال موسم حج میں مکہ سے باہر تشریف لے گئے اور عرب قبائل کے پاس گئے اور انہیں اپنی دعوت پیش کی۔ اس دوران آپ ﷺ کھائی میں تھے کہ آپ کی ملاقات خزرج کے ایک گروہ سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہمارا تعلق خزرج سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم تموزی دیر سیرت سے پاس نہیں جھگو گے کہ میں تم سے چند باتیں کر لوں۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں فرمائیے۔ وہ سب آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور انہیں توحید کی دعوت دی اور ان پر اسلام کو پیش کیا اور قرآن کریم کی آیات تلاوت فرمائیں۔ یہ قدرت کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ یہود اور خزرج کے ساتھ ان کے شہروں میں رہتے تھے اور یہود اہل کتاب تھے اور اس و خزرج تعداد میں زیادہ تھے اور بت پرست تھے۔ جب ان کے درمیان کبھی کوئی چپقلش ہوتی تو یہود کہتے ایک نبی مبعوث ہوئے والا ہے جس کا زمانہ بہت قریب ہے، ہم اس کی اتباع کریں گے اور اس کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کریں گے۔ جب نبی کریم ﷺ نے خزرج سے گفتگو کی تو وہ آپ ﷺ کی ملاقات پہچان گئے جو یہود بیان کیا کرتے تھے۔ ان افراد نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ نبی ہیں۔ اس لئے آج ہی اسلام قبول کر لینا چاہئے، ہمیں یہود اس کی پیروی میں ہم سے سبقت نہ لے جائیں۔ پس انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا۔ ان میں سے چھ نے اسلام قبول کیا جو سب کے سب خزرج سے تھے۔ وہ حضرات یہ تھے اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، ان کی والدہ عطفہ، جنہیں۔ رافع بن مالک، قطبہ بن عامر بن عدیہ، عقبہ بن عامر بن ثانی، جابر بن عبد اللہ بن رباب۔ بعض نے جابر کی جگہ عبادہ بن الصامت کا نام ذکر فرمایا ہے اور جنہوں نے لکھا ہے کہ سات افراد اسلام لائے تھے شاید انہوں نے جابر بن عبد اللہ اور عبادہ بن الصامت دونوں کو شمار کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا تم میری پشت پناہی کرو گے حتیٰ کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ عاتھ کی جنت

اسی سال ہوئی ہے ہم نے آپس میں قتل و غارت کی ہے۔ اگر ان حالات میں آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو شاید تمام لوگ آپ ﷺ کے پاس جمع نہ ہوں، آپ ﷺ ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ ہم اپنے اپنے جگہ جاں کو آپ ﷺ کی دعوت پہنچائیں، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو آپ کے دین حق پر جمع فرادے۔ اگر ہم سب مل کر آپ کی اتباع کریں تو کوئی مان کا اہل آپ کی مخالفت نہیں کرے گا۔ آئندہ ہج کے موسم میں ہم آپ ﷺ سے ملاقات کریں گے، وہ مدینہ طیبہ کی طرف لوٹ گئے تو مدینہ طیبہ میں ہر گھر میں آپ ﷺ کا ذکر خیر ہونے لگا، آئندہ سال یعنی بعثت کے بارہویں سال آپ ﷺ سے بارہ آدمی ملے۔ بعض علماء نے گیارہ آدمی ذکر کئے ہیں۔ یہ دوسری گھائی تھی۔ ان بارہ افراد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ پانچ تو مذکورہ لوگ تھے اور بقیر سات یہ تھے۔ معاذ بن انثاریث جو عوف مذکور کے بھائی تھے، ذکوان، عبادہ بن الصامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہم یہ تمام لوگ خزرج سے تھے اور دو افراد ابوایشم بن ایتیمان بن کاتعلیق بنی عبدالاشہل سے تھے اور عیوب بن ساعدہ کا تعلق اوس سے تھا۔ اب سب نے اسلام کو قبول کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست اقدس پر بیعت کی ان شرائط پر جن پر عورتوں سے بیعت لینے کا ذکر ہے۔ یعنی لا نشرقک باللہ ولا نشرقک فی۔ یعنی نہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں گے، نہ چوری کریں گے۔ یہ لوگ مدینہ طیبہ واپس آئے تو اسعد بن زہرہ نے مسلمانوں کو جمع کرنا شروع کر دیا، اوس و خزرج نے نبی کریم ﷺ کو عزیز ٹھہرا کر حضور ﷺ ہماری طرف کوئی قاری قرآن بھیجو جو ہمیں قرآن کی تعلیم دے۔ آپ ﷺ نے معصب بن عمیر کو بھیجا۔ اس وقت مدینہ طیبہ میں چالیس آدمی مسلمان تھے۔ حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن خنیر کے مشرف باسلام ہونے سے نبی عبدالاشہل کے تمام مرد اور عورتیں ایک ہی دن میں مسلمان ہو گئے۔ پھر تیسری گھائی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے، یعنی بعثت کے تیسرے سال تیسری گھائی میں آپ تشریف لائے، تو ایام تشریق کے وسط میں بہتر باقول بعض تجزہ افراد نے بیعت کی جن میں دو عورتیں شامل تھیں، حاکم کے کہا کھنجر افراد نے بیعت کی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن رواحہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے اور اپنے لئے ہم پر جو شرط لگانا چاہئیں لگا لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنے رب کے لئے تو یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم صرف اسی کی عبادت کرنا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا اور اپنے لئے یہ شرط جانکرتا ہوں کہ تم اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ساتھ ہر اس چیز سے میری حفاظت کرو گے جس سے تم اپنی جانوں اور اموال کی حفاظت کرتے ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم نے یہ شرط پوری کر لی تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جنت! صحابہ کرام نے عرض کی یہ عدا تو بڑا سوا حد ہے، ہم اس سوا کو نہ خود توڑیں گے اور نہ آپ سے توڑنے کی درخواست کریں گے (1)۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ
يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعَدَا عَلَيْهِمْ حَقًّا فِي التَّوَلَّىٰ
وَأَلَّا يُجِبَّ وَالْقُرْآنُ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْسِرُوا وَبِعَيْتِكُمُ الَّذِي
بَايَعْتُمْ بِهِ ۗ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

”یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے ان کی جائیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں۔ پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ تو رات اور نیکل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں حج اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے (اے ایمان والو!) پس خوشیاں منا کر اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے اور یہی تو سب سے بڑی فیروز مندی ہے۔“

۱۔ امّش نے الجنتہ کو بالجنۃ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جاہلی اور مانی قربانیوں پر ملنے والے عوض اور صلہ یعنی جنت کو شراہ (خریدنے) سے تشبیہ دی ہے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے سب سے پہلے جس خوش نصیب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست اقدس پر بیعت کے لئے اپنا ہاتھ رکھا وہ براہ بن معرور یا ابو ایوبؓ یا اسعد ہے اور عہد کیا کہ وہ آپ ﷺ کی ہر اس سے حفاظت کریں گے جس سے وہ اپنی عمر بھر اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں اور سرخ دسیاہ سے جنگ کریں گے جو بھی آپ ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ یہ پہلی آیت ہے جو جنگ کرنے کے متعلق نازل ہوئی پھر اذین لکن ین یقتلون الا بد۔ نازل ہوئی۔ جب اس بیعت کا چرچا ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یہ بیعت قریشی کفار سے پوشیدہ ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ہجرت کا حکم دیا لیکن خود امر ایسی کے منتظر ہے، سب سے پہلے بیعت عقبہ ثالثہ سے ایک سال پہلے ابو سلمہ بن عبد اللہ اسد نے ہجرت کی، وہ وحشہ سے مکہ آئے، اہل مکہ نے ان کو لڑتے دیکھا اور شروع کر دیں، جب انہیں انصار کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو وہ مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے پھر عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی عاتکہ نے ہجرت کی۔ اس کے بعد عبد اللہ بن جحش نے ہجرت کی۔ پھر آہستہ آہستہ مسلمان ہجرت کرنے لگے اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی زید، عباس بن ربیعہ نے ہیں افراد کے قافلہ میں ہجرت کی۔ یہ لوگ حوالی میں اترے۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہجرت کے لئے بار بار رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرتے، لیکن نبی کریم ﷺ فرماتے جلدی نہ کرو، اللہ تعالیٰ حیرے لئے اس سفر میں ایک ساتھی بنا دے گا۔ پس آپ توقع رکھتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کی ذات ہی ہوتی، قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے اور اسلام کی بڑھتی اور ابھرتی ہوئی تحریک کو روکنے کے لئے حتمی اقدام کرنے کی گھنٹا بانی سازش سوچا۔ یہ واقعہ سورۃ انفال میں مگر چکا ہے اور مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا قصہ اسی سورت میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ آیت کریمہ کی ہے۔

حج مزہ اور کسانے نے پہلے بیعت کو مجہول اور دوسرے بیعت کو معروف پڑھا ہے اور وادعہ تہیب کا موجب نہیں ہے اور بعض کا فعل تمام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جبکہ باقی قراء نے پہلا بیعت مجہول اور دوسرا معروف پڑھا ہے۔ یہ مستقل کلام ہے اور اس فعل کا بیان ہے جس پر انہیں جنت عطا کی گئی، بعض علماء فرماتے ہیں بیعتا لون بمعنی امر ہے۔

حج علیہ کی ضمیر کا مرفوع الشراء ہے اور وعدۃ فعل محذوف کا مصدر مؤکد ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہوگی وعد اللہ لہم وعدۃ یا یہ اشترى کا مصدر ہے لیکن اس کے الفاظ میں نہیں ہے کیونکہ اشترى وعدہ کے معنی میں ہے۔ حقیقاً یہ وعدہ کی صفت ہے، یہ فعل محذوف حق کا مصدر ہے اور فعلی النورۃ البیع جبار و وعدۃ مصدر کے عامل فعل کے متعلق ہیں۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ تمام ملتوں کو جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے جنت کا وعدہ کیا گیا تھا۔

حج اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی وعدہ کو اظہار کرنے والا نہیں ہے۔ چونکہ وعدہ خلافی ایک قبیح فعل ہے اور قبیح فعل کا مصدر اللہ تعالیٰ سے محال

ہے اور وعدہ کو پورا کرنا کرامت و عزت کی علامت ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ کوئی اس سے زیادہ کرامت والا نہیں ہے۔ اٹھارہ عہد میں مہاند کے لئے اور اس کے حق ہونے کے ثبوت کے لئے استقبہا میا انداز بنایا گیا ہے۔

یہ اسلامی سر بلندی کے لئے جان کی بازی لگانے والا خوشیاں سناؤ اور خوب خوشیاں سناؤ اس سوڈے پر جو تم نے اپنے رب کریم سے کیا ہے۔ اس کام میں غائب سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ یہ سوڈا واقعی نفع بخش ہے کیونکہ انہوں نے فانی اور عارضی زندگی کے بدلے ابدی اور سرمدی زندگی اور نعمتیں حاصل کی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجھ سے سوڈا کیا اور دونوں سوڈوں کا منافع تیرے نام کر دیا۔ تمنا دو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سر بکف مجاہدین کو قیمت عطا فرمائی اور بہت کراں عطا فرمائی۔ اُحس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس نفع بخش سوڈے کا اعلان سنو جس کا اللہ تعالیٰ نے ہر مومن سے وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا بھی خود عطا فرمائی اور پھر اس کے بعض حصہ کو جنت کے بدلے تم سے خرید لیا (۱)۔ یہ سوڈا ہی مومن کا مقصود و مطلوب ہے۔

الَّذِي يَتَّبِعُونَ الْغَيْبُونَ الْغَيْبُونَ السَّائِحُونَ السَّائِحُونَ السَّجِدُونَ الْأَمْوُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَالشَّاهِدُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبِسْمِ اللَّهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

”تو پر کرنے والے (اللہ کی) عبادت کرنے والے معہ و ثنا کرنے والے معہ روزہ رکھنے والے معہ رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے یہ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے معہ اور تمہانی کرنے والے اللہ کی (مقررہ) حدوں کی معہ (اسے میرے رسول!) خوشخبری سنا دیجئے ان (کامل) مومنوں کو“

۱۔ یہ کامل مومنین کی صفات کا ذکر ہے اور ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ شرک اور فحاشی سے تو پر کرتے ہیں اور ان سے روات کرتے ہیں۔ یہ مدح کی وجہ سے مرفوع ہیں اور مبتدا محذوف کی خبر ہیں۔ اصل میں ہم النانیوں ہے اور ان صفات کے حامل وہ قدسی صفات ہیں جن کا پہلے ذکر ہوا ہے کیونکہ ان خوش بختوں نے نبی کریم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی کہ ہم ہر وہ امر بسر و چشم قبول کریں گے جو آپ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی بیعت کے ضمن میں جن خصائص مجیدہ کا ذکر کیا ہے یہ لوگ ان سب کو جمع کرنے والے ہیں۔ ترکیب جموی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ صفت کے صیغے مبتدا ہوں اور ان کی خبر محذوف ہو اور تقدیر جہاد سے اس طرح ہو اَلتَّائِبُونَ مِنَ الذَّنْبِ وَالَّذِينَ لَمْ يُجَاهِدُوا غَيْرَ مُعَابِدِينَ وَلَا قَاصِدِينَ تَرَكُوا الْجِهَادَ عِنْدَ الْفَتْحِ وَالْاِخْتِصَاصِ۔ یعنی ان صفات کے حامل جتنی ہیں، اگرچہ انہوں نے جہاد میں حصہ نہ لیا ہو لیکن جہاد سے علیحدگی ہٹ دھرمی کی بنا پر نہ ہو اور جہاد پر تقدیر اور اس کی فریضت کے وقت جہاد ترک کرنے کا قصد نہ کیا ہو۔ اسی طرح زجہان فرماتے ہیں کہ گویا جنت کا وعدہ تمام مومنین کے لئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكَذَلِكَ وَعَدَ اللَّهُ الْمُتَّقِينَ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی خبر ہر صفت کے بعد ہو مثلاً التَّائِبُونَ عَنِ الْكُفْرِ عَلَى الْخَيْفَةِ الْخَيْفَةُ الْخَيْفَةُ لِهَادِهِ الْبِحَضَالِ۔ کفر سے تو پر کرنے والے ان نصال کے جامع ہیں۔

۲۔ وہ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں کسی غیر کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے اور شرک علی اور شرک نفی ہر قسم کے شرک سے پاک ہیں۔
۳۔ خوش فہمی، تکلیف اور ہولت ہر حال میں اپنے پروردگار کی تعریف الایچے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے جنت میں

داخلہ کی دعوت ان لوگوں کو دی جائے گی جو خوشی اور ہمتی میں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں۔ اس حدیث کو طبرانی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے شعب الایمان میں مسند صحیح کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (1)

یہ وہ روزہ رکھنے والے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے الصالحون کا مفہوم دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد روزہ رکھنے والے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضور نبی کریم ﷺ سے یہی معنی روایت کیا ہے۔ ابن جریر اور ابن المنذر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی الصالحون کا لفظ آیا ہے، اس سے الصالحون یعنی روزہ دار مراد ہیں (2)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول اسی طرح نقل فرمایا ہے۔ ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ ان پر فرمائی ہیں الصالحون سے اس آیت میں مراد روزہ رکھنا ہے، سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں صالحم کو صالح اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ کھاتے، پینے اور نکاح کی لذتوں کو ترک کر دیتا ہے (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدم کے بننے کا ہر عمل (اس کے اخلاص کے مطابق) اس کو مٹاتا ہے لیکر سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یکن روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا کیونکہ انسان میری رضا کی خاطر کھانا اور شہوت کو ترک کرتا ہے (بخاری، مسلم) (4) عطا فرماتے ہیں الصالحون سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والے مجاہدین ہیں جیسا کہ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کی سیاحت اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے (5) امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے سیاحت کی اجازت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کی سیاحت جہادنی سمیل اللہ ہے۔ مگر مذمت اللہ علیہ فرماتے ہیں الصالحون سے مراد طالب علم ہیں (6) جو علم کے حصول کے لئے زمین میں سیاحت کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی راستہ پر علم کی طلب میں چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستہ پر چلاتا ہے، ملائکہ طالب علم کے پاؤں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں اور عالم کے لئے زمین و آسمان کی ہر چیز اور پانی کی تہہ میں پھیلیاں استغفار کرتی ہیں۔ عالم کی عابد پر فضیلت اتنی ہے جیسے چودھویں کے چاند کو تمام ستاروں پر ہے۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء و پیغمبروں کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم کا وارث ہیں، پس جس کو علم کا حصہ ملا یقیناً اس کو حکم و ارفلا۔ اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (7)

یہ وہ رکوع و سجود کرنے والے ہیں، یعنی نمازی ہیں، نماز کی تمام عبادات پر فضیلت کا اظہار کرنے کے لئے نماز کو یوں دو صفات سے ذکر فرمایا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا حضور ﷺ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کونسا عمل محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد کونسا عمل محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا والدین سے حسن سلوک۔ میں نے عرض کی حضور ﷺ! پھر کس عمل کا درجہ ہے؟ فرمایا اللہ کے

1- شعب الایمان، جلد 4 صفحہ 91 (احمدیہ)
2- تفسیر ظہری، جلد 11 صفحہ 28 (امیریہ)
3- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 113 (المنکر)
4- مسلم، جلد 1 صفحہ 363 (قدیمی)
5- مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 73 (انصر)
6- تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 113 (المنکر)
7- سنن ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 20 (ذاریت تعلیم)

راستہ میں جہاد کرتا (بخاری و مسلم 11)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دین کا ستون ہے۔ اس حدیث کو ابو نعیم نے انقل بن دکین سے روایت کیا ہے (2)۔ فرمایا نماز مومن کا نور ہے (3)۔ اس ارشاد کو ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ارشاد ہے کہ نماز ہر شخص کے لئے قرب الہی کا ذریعہ ہے (4)۔ اس کو قاضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا بندے کو اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ قرب عبادت میں ہوتا ہے۔ جس (عبد میں) دعا کی کثرت کیا کرو (5)۔ اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ وہ ایمان و اطاعت کی تبلیغ کرنے والے ہیں، شرک اور گناہ سے بچنے کی تعلیم دینے والے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں المعروف سے مراد سنت ہے اور منکر سے مراد بدعت ہے، ان دونوں صفات کے درمیان حرف عطف ذکر فرمایا ہے تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ ان دونوں صفات کا مجموعہ ایک خصلت ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان شریعت کی جو حدود متعین ہیں وہ ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں حرف عطف اس لئے ذکر فرمایا تاکہ اس بات پر سمجھا جاوے کہ اس کا ما قبل فضائل کی تفصیل ہے اور یہ ان صفات کا اجمال ہے۔ میں کہتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کے حرف عطف ذکر فرمایا کہ پہلے مذکورہ نیکیوں کے کرنے کا ذکر فرمایا پھر ہر نیکی کی مقررہ حد کی محافظت کا ذکر فرمایا یعنی اپنی طرف سے اس عمل میں اضافہ نہیں کرنا چاہئے اور صورت و معنی کوئی کمی بھی نہیں کرنی چاہئے۔ گویا مذکورہ تمام اشیاء ایک چیز ہیں جن کو شریعت پر عمل کرنے کے طور پر کیا جاتا ہے۔ اور یہ ایک دوسری چیز ہے جو اخلاص اور حضور تام سے کنایہ ہے جو حضور تام صرف صوفیاء کرام کی صحبت اور مجلس سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ حدوں کی محافظت حضور تام کے بغیر مستور ممکن ہی نہیں ہے۔

یہ اسے محبوب مکرم ﷺ جو لوگ ان صفات عالیہ اور خصائل مبارکہ سے متصف ہیں انہیں (کامیابی و کامرانی کا) مژدہ بنا دو۔ یہاں ضمیر کی جگہ المومنین ذکر فرمایا ہے تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ ان کا ایمان ہی انہیں اس بشارت کا مستحق بناتا ہے اور مومن کامل کی یہی صفات ہوتی ہیں۔ یہاں جس بات کی خوشخبری سنائی ہے اس کی تعظیم و عظمت کے لئے اس کو حذف کیا گیا ہے۔ گویا یوں ارشاد ہے اسے پیارے اپنے ان صفات کاملہ کے حامل غلاموں کو ان تمام چیزوں کی خوشخبری بنا دو جن کا ادراک فہم انسانی سے وراہ ہے۔ کلام جس کے بیان سے عاجز ہے، کان ابھی تک ان نعمتوں کے سننے سے محروم ہیں، وہ اللہ اعظم۔

بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے سعید بن المسیب کے حوالہ سے ان کے باپ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں جب حضرت ابوبطالہ رضی اللہ عنہ پر موت کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، اس وقت پہلے ان کے پاس ابوہنبل، عبد اللہ بن ابی اور امیہ بن المغیرہ بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے چچا جانا! پڑھنے لا الہ الا اللہ تاکہ میں تیرے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کلمہ کی بناؤ، پڑھو سوس۔ ابوہنبل، عبد اللہ بن ابی اور امیہ نے کہا کیا تو عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنا چاہتا ہے، رسول اللہ ﷺ بار بار کلمہ طیبہ کی انہیں تلقین کرتے رہے اور وہ دونوں بد بخت انہیں سبکی کہتے رہے کہ کیا تو عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنا چاہتا ہے حتیٰ کہ ابوبطالہ نے آخری کلام یہی کہ میں عبدالمطلب کے دین و ملت پر ہوں۔ ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ ابوبطالہ نے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 882 (ذرات تعلیم)

3۔ سنن ابویعلیٰ، جلد 3، صفحہ 285 (احمدیہ)

5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 191 (قدیمیہ)

2۔ سنن فردوس، جلد 2، صفحہ 404، حدیث 3795 (احمدیہ)

4۔ مجمع الزوائد، جلد 5، صفحہ 445 (مکرم)

کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم محترم! میں اس وقت تک آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس بات سے منع نہیں کیا جاتا (1)۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلشَّيْطَانِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّكُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

”درست نہیں ہے نبی کے لئے اور نہ ایمان والوں کے لئے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار بھی ہوں جبکہ واضح ہو گیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں۔“

۱۔ مشرک قریبی رشتہ دار بھی ہو تو اس کے لئے مغفرت طلب نہ کریں، جبکہ ان کا کفر پر مرنے کا ثابت ہو چکا ہو۔ اس آیت کریمہ میں زندہ مشرکوں کے لئے استغفار کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ زندوں کے لئے ایمان کی توفیق طلب کرنا جائز ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے کہا لا الہ الا اللہ پڑھ لو، قیامت کے روز میں تمہاری کوئی دوز گاہ، ابوطالب نے کہا اگر قریش مجھے یہ کہہ کر مار نہ دلاتے کہ انہیں ڈرا اور خوف نے لا الہ الا اللہ پڑھنے پر مجبور کیا ہے تو میں کمر طیبہ پڑھ کر ضرور آپ کی آنکھوں کو خشک پہنچاؤں گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَخْبَتَتْ وَاَلَيْسَ لَكَ بِمَنْ يَهْدِي اللهُ فَمَا تَبْتَ (2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا جبکہ آپ ﷺ کے ہاں آپ کے چچا ابوطالب کا تذکرہ ہو رہا تھا فرمایا شاید شفاعت قیامت کے روز انہیں نفع پہنچائے، وہ آپ کی گمراہی میں ہیں آگ ان کے ننھوں پر بجلی رہی ہے اور اس کی تپش کی وجہ سے ان کا دماغ کھول رہا ہے (3)۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ یہ آیت کریمہ نہ صرف مشرکوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، بلکہ یہ آیت کریمہ نے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ اپنے مشرک والدین کے لئے دعا کر رہا تھا میں نے کہا کیا تم اپنے مشرک والدین کے لئے دعا کر رہے ہو اس شخص نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے دعا مغفرت کی تھی حالانکہ وہ بھی مشرک تھے، (فرماتے ہیں) میں نے یہ منظر دیکھا رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (4)۔ شاید یہ واقعہ حضرت ابوطالب کی موت کے واقعہ سے متعلق ہو۔ پس دونوں کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور جو روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے فتن میں نازل ہوئی، وہ تمام روایات درست نہیں ہیں اور فوقہ میں ہماری ذکر کردہ احادیث کا معارضہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ پس ان روایات کا رد کرنا واجب ہے۔ ان میں سے ایک روایت حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ کی ہے جو ابوبن ہانی عنی عن اسود بن ابی اسود کی سند سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ ﷺ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلے پھر آپ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا تو ہم بیٹھ گئے اور خود حضور ﷺ کی قبور کو کراس کرتے ہوئے ایک قبر کے پاس پہنچے اور طویل وقت تک اس قبر سے آہستہ آہستہ خوشگوار گونج رہی، پھر آپ ﷺ کاواز بلند رونے لگے تو ہم بھی

2۔ صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 40 (قدیمی)

1۔ صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 40 (قدیمی)

4۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 136 (دورات تعلیم)

3۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 548 (دورات تعلیم)

آپ ﷺ کے رونے کی وجہ سے رونے لگے پھر آپ ہمارے پاس تشریف لائے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملاقات کرتے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ، وہ کوئی چیز ہے جس نے آپ کو رلا یا (1) ہم بھی اس کی وجہ سے روئے اور ہم تو خوفزدہ ہو گئے تھے۔ آپ یہ ساری گفتگو سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا میرے رونے نے تمہیں رلا یا اور میرے رونے نے تمہیں خوفزدہ کیا۔ ہم نے عرض کی جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا یہ قبر جس سے مجھے تم نے گفتگو کرتے دیکھا میری والدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کی قبر تھی۔ میں نے اپنے پروردگار سے اس کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے زیارت کی اجازت مل گئی۔ پھر میں نے ان کی سفیرت کی درخواست کی تو مجھے ان کے لئے استغفار کرنے کی اجازت نہی اور یہ آیت کریمہ وما كان للنبي الامة نازل ہوئی، تو اس وجہ سے مجھ پر وہ کیفیت اور رقت طاری ہو گئی جو اپنے پروردگار کی وجہ سے طاری ہوتی ہے، اسی چیز نے مجھے رلا یا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے لیکن ذہبی نے مستدرک کی شرح میں اس کی صحت پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح کیسے ہو سکتی ہے، لہذا اس کی سند میں ایوب بن ہانی ہے جسے ابن ابی عمیر نے ضعیف قرار دیا ہے۔

دوسری روایت وہ ہے جو طبرانی اور ابن مردودہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ خزوۃ تبوک سے واپس آئے تو بصرہ کے لئے روانہ ہوئے اور عثمان کی کھائی میں اترے اور اپنی والدہ کی قبر کے پاس تشریف لے گئے (2) آگے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح حدیث بیان فرمائی ہے اور اس میں آیت کے نزول کا ذکر ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور قابل سند نہیں ہے، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابو ہریرہ اور براء رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب نبی کریم ﷺ مکہ میں تشریف لائے تو اپنی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لائے، آپ ﷺ اس کے اوپر کھڑے رہے حتیٰ کہ سورج گرم ہو گیا اور اس امید سے کھڑے رہے کہ اجازت ملے تو میں اپنی والدہ کے لئے استغفار کروں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ما کان للنبي الامة (3) ابن سعد اور ابن شہین رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو آپ ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے آگے مذکورہ الفاظ ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بغوی کی طرح نقل کیا ہے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں اس حدیث کی تخریج کے بعد لکھا ہے کہ یہ لفظ ہے اور آپ کی والدہ کی قبر مکہ میں نہیں بلکہ ابواء میں ہے، احمد اور ابن مردودہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت براء سے اس طرح روایت کیا ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا جب آپ نے عثمان کی کھائی میں قیام فرمایا تھا، آپ ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر دیکھی پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور اذکار اذہان فرمائی اور رونے لگے اور فرمایا میں نے اپنی والدہ کی شفاعت کرنے کی اپنے پروردگار سے اجازت طلب کی تو مجھے منع کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ما کان للنبي الامة نازل فرمائی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کے تمام طرق قابل اعتراض اور ناقابل سند ہیں۔ حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ جس نے ابن مسعود کی حدیث پر حجت کا حکم لگایا ہے وہ اسے صحیح للذہبہ نہیں کہتا بلکہ ان طرق سے ثابت ہونے کی وجہ سے اسے صحیح للعبیہ کہتا ہے، میں نے اس حدیث کے طرق میں غور و فکر کیا تو تمام طرق کو مہلول اور قابل اعتراض پایا۔ اس حدیث میں دوسری علت یہ بھی ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی حدیث کے مخالف ہے کیونکہ بخاری اور مسلم رحمہما

اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے یہ آیت حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی موت کے بعد نازل ہوئی۔ اسی طرح علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنے باپ کے لئے استغفار کروں گا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا (۱) اس وقت اللہ تعالیٰ نے ماسکان للسی الا یہ کا ارشاد نازل فرمایا۔ یہ حدیث مرسل ہے، صحیح نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے اور صحیحین کی روایت کے مخالف ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ جس آیت میں کہ یہی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے مشرک ہونے کا قول کرنا جائز نہیں ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان تے اثبات پر اور آپ کے آباء و اہمات آدم علیہ السلام تک تمام کے ایمان اذہونے پر کئی رسائل لکھے ہیں۔ میں نے ان رسائل میں سے ایک رسالہ تحقیق کیا ہے جس کا نام میں نے فقہیس آباء النبی ﷺ رکھا ہے، جسے تفصیل مطلوب ہو اس کا مطالعہ کرے، یہ مقام کلام کی طوالت کی گنجائش نہیں رکھتا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صحیحین کی حدیث میں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی موت کے واقعہ میں ہے کہ ابو جہل نے ابوطالب سے کہا کہ کیا تم عبدالمطلب کے لڑکے سے پھر جاؤ گے اور ابوطالب نے آخر میں کہا میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ عبدالمطلب مشرک تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم حضرت عبدالمطلب کے بارے میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ مومن اور موصد تھے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں لکھا ہے کہ ذریعے سے ذکر کیا ہے کہ عبدالمطلب نے ام ایمن کو کہا جبکہ وہ آپ ﷺ کی خدمت کرتی تھیں اسے برکھیر سے بیٹے سے کئی غفلت لگا کر نا، میں نے اپنے بچوں کے ساتھ حیرتی کے درخت کے قریب پایا اور اہل کتاب کہہ رہے تھے کہ یہ میرا بیٹا اس امت کا نبی ہے لیکن عبدالمطلب کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ ہے اور آپ شرائع سے ناواقف تھے اور اس چیز سے بھی ناواقف تھے جو نبی کریم ﷺ بطور شریعت لائے تھے اور سنت کے زمانہ میں تو حیدری کافی تھی۔ ابو جہل اور ابوطالب نے یہ گمان کیا کہ محمد ﷺ کو نبی نبی چیز لائے ہیں اور جو کچھ آپ ﷺ لائے ہیں وہ عبدالمطلب کی طاعت کے مخالف ہے۔

وَمَا كَانَ اسْبَغْفًا اِبرْهِيْمَ لَّا يَرْهِيْمُ اِلَّا عَن مَّوْعِنٍ وَقَدْ عَدَّهَا اَيَّاتًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِللّٰهِ تَبَيَّرَ اٰمِنُهٗ ۗ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَوَدَّ اَحْلِيْمٌ ۝

”اور تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کے لئے نہ مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب ظاہر ہوئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہو گئے اس سے جیسا کہ ابراہیم بڑے ہی نرم دل تھے (اور) بردبار تھے“

لہٰذا یہاں ایسے سے مراد ازر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، آپ کے والد کا نام تاریخ تھا۔ ہم نے سورۃ انعام میں تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے نبی آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث کیا گیا۔ زمانہ در زمانہ میں بہتر زمانہ میں رہا حتیٰ کہ میں اس زمانہ میں مبعوث ہوا جس میں میں تھا (بخاری ج ۲) اس لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کے آباء و اجداد کے سلسلہ میں کوئی کافر ہو۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں وعدہ کی ضمیر مرفوع ایسے کی طرف لوٹ رہی ہے اور ضمیر منصوب ابراہیم کی طرف راجع ہے یعنی ابراہیم

کے باپ نے ابراہیم سے اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے کہا تھا جب تم اسلام قبول کرو گے تو میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں مرفوع خمیر کا مرفوع ابراہیم علیہ السلام ہے اور منصوب خمیر کا مرفوع ایہ ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ان کے اسلام قبول کرنے کی امید پر ان سے استغفار کا وعدہ کیا تھا۔ مسامحت فرمادی کہ قول اس شخص کی قراوت پر دلالت کرتا ہے جنہوں نے وعدہ اباہ یعنی باپ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا اور اس حالیکہ وہ مشرک تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قَدْ كَلَّمْنَا نُوْحًا مِّنْ قَبْلِ ذٰلِكَ وَرٰسُوْهُمْ اِلٰہُ الْاِنۡجِلِیۡتِمْ اِلٰہُ الْاِنۡجِلِیۡتِمْ لَکُمۡ مِّنۡ شَیْءٍ فَعُوْذٌ لِّکُمْ یٰۤاٰمِنُوْنَ استغفار کرتا ہے کہ اس استغفار میں ابراہیم علیہ السلام کی ذات اسوہ اور نمونہ تھی کیونکہ انہوں نے تو صرف ان کے اسلام قبول کرنے کی امید سے وعدہ کی وجہ سے مشرک باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رواج ہو گیا کہ ان کی موت کفر پر ہوئی ہے یا آپ کو مئی کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ یہ ایمان قبول نہیں کرے گا اور یہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اس کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب آخرت میں ان پر ظاہر ہوگا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس کے لئے دعائے مغفرت نہیں کریں گے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے قیامت کے روز نہیں ملے گا تو آزر کے چہرہ پر کالک اور غبار ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ میرے (احکام و شریعت کی) نافرمانی نہ کریں، آزر کے آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے میرے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تو مجھے اس دن رسوا نہیں کرے گا جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ تو میرے باپ کی اہل کیفیت میں ہونے کے بعد میرے لئے کوئی بڑی رسوائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے کافروں پر اپنی جنت کو حرام کر دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ ابراہیم اذرا اپنے قدموں کے نیچے دیکھو تو آپ کو وہ گندگی میں تہت ایک بھیڑیا کی شکل میں نظر آئے گا، پھر اسے ہاتھوں سے چڑھا کر آگ میں پھینک دیا جائے گا (۱)۔ ایک روایت میں ہے کہ اس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے براءت کا اظہار کریں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام شہت الہی کی وجہ سے اکثر آہ آہ کرتے رہتے تھے۔ کعب بن العباد نے اسی طرح بیان فرمایا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑت سے آگ کی وجہ سے آہ آہ کرتے رہتے تھے اس سے پہلے کہ آہ آہ کرنا قطعاً حند نہ رہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں وہ خلاف اولیٰ امور کی وجہ سے آہ آہ کرتے رہتے تھے۔ دونوں اقوال کا مال ایک ہی ہے، امام بنو دین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ حدیث میں الاواہ کا معنی ڈرنے والا اور گڑگڑانے والا آیا ہے کیونکہ خشوع اس آہ آہ کرنے کو لازم ہے جو گناہوں اور آگ کے ڈر کی وجہ سے ہوتا ہے، عطاء نے اسی طرح لکھا ہے کہ ہر ناپسندیدہ چیز سے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور آگ سے ڈرنے والا۔ ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے الاواہ کا معنی بہت زیادہ دعا کرنے والا کیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں الصومن الصواب جو صوم اور توبہ کرنے والا ہوتا ہے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں او او وہ ہوتا ہے جو اللہ کے بندوں پر شفیق اور مہربان ہو، مجاہد فرماتے ہیں اس کا معنی یقین والا ہے۔ مگر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو (حیثی لفت پر)

یقین رکھنے والا ہو۔ عقیدہ بن عامر فرماتے ہیں جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا ہو، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں او اہ سے مراد ایسا حق کرنے والا ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی خیر کا معلم بھی مروی ہے، انجلی فرماتے ہیں اس کا معنی فقیہ ہے، قاسموس میں یہ سب مذکورہ تمام معانی موجود ہیں، ابو سعید فرماتے ہیں او اہ وہ ہوتا ہے جو ذر کی وجہ سے آپس بھرنے والا ہو، یقین کے ساتھ تضرع و زاری کرنے والا ہو، اطاعت کو لازم پکڑنے والا ہو۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابو سعیدہ کے قول میں او اہ کے تمام معانی جمع ہیں۔ (1)

یہ عظیم وہ شخص ہوتا ہے جو تکلیف پہنچانے والے سے درگزر کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ باپ نے جب دھمکی دی کہ اگر تم ایک خدا کی تبلیغ سے باز نہ آئے تو میں تمہیں رجم کروں گا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں تیرے لئے اپنے پروردگار سے معفرت و بخشش طلب کروں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حلیم کا معنی سردار کیا ہے۔ قاسموس میں ہے العلم الاناء و العقل فهو حلیم۔ حلیم کا معنی داناؤی اور متعل ہے جن عظیم کا معنی دانشمند اور زیرک ہوگا۔ انہ لاواہ حلیم کا جملہ اس چیز کو بیان کر رہا ہے جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آڈر کے لئے استغفار کیا تھا۔ معادل اور کبھی جبرما اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ ایک قوم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور دولت اسلام سے شرف ہوئی، وہ زمانہ تھا کہ ابھی نہ تو شراب حرام ہوئی تھی اور نہ قبلہ تبدیل ہوا تھا۔ یہ لوگ احکام اسلام لیکر اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے۔ بعد میں شراب حرام ہو گئی اور قبلہ بھی تبدیل ہو گیا لیکن انہیں علم نہ تھا، پھر وہ مدینہ طیبہ آئے تو شراب حرام ہو چکی تھی اور قبلہ بھی تبدیل ہو چکا تھا انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اور احکام پر عمل کرتے رہے اور ہم اور احکام کے پابند رہے۔ پس ہم تو اس دورِ لامعلیٰ میں گمراہ رہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (2)

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ
دَكِّبَ سَمِيًّا عَلَيْهِمْ ۝

”اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا دستور کہ گمراہ کر دے کسی قوم کو اسے ہدایت دینے کے بعد یہاں تک کہ بیان کر دے ان کے لئے وہ چیزیں جن سے انہیں پہچانا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

لہٰذا یہاں اضلال کا معنی کسی گمراہ راست سے ہٹا کر انہیں بے بلکہ یہ حکم لگانا ہے کہ وہ اپنی فخرمانی اور ظلم کی وجہ سے گمراہ ہو چکے ہیں اور اللہ نے انہیں گمراہ کا نام دیا ہے اور وہ ان سے اس گمراہی کا مواخذہ فرمائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ پہلے بیان فرماتا ہے کہ ان چیزوں سے پہچانا لازم ہے، لیکن جب انہوں نے ان چیزوں سے اہتمام نہ کیا تو وہ گمراہی کے مستحق ہو گئے۔ انہیں ملا مفراتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضور ﷺ کے قول کے عذر کو بیان کر رہی ہے جو آپ ﷺ نے اپنے بیٹا کو فرمایا تھا کہ جب تک مجھے منع نہیں کیا جاتا میں تمہارے لئے استغفار کرتا رہوں گا۔ یا یہ ان لوگوں کا عذر بیان کر رہی ہے جو معصے سے پہلے اپنے مشرک آباؤ اجداد کے لئے استغفار کرتے رہے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مومنین کے مشرکین کی بخشش طلب کرنے کے لئے یہ حکم خاص طور پر بیان فرمایا ہے لیکن ہر معصیت و طاعت کے لئے عام بھی ہے، یعنی آیت کا نزول تو خاص واقعہ پر ہوا کہ مومنین اپنے مشرک آباء کے لئے معفرت طلب کرتے تھے، جبکہ ابھی تک نبی و اور نہیں ہوئی تھی لیکن الفاظ کے عموم کی وجہ سے حکم عام ہے پس جو شخص لامعلیٰ کی وجہ سے کوئی کام کر

ہیٹے جبکہ اس کا کاردار مست نہ ہو تو اس پر سزا اخذ نہ ہوگا۔

جہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے جو جہالت کی بنا پر کوئی غلطی کرتا ہے بھی وہ جانتا ہے اور جو غرور و تکبر اور بہت دھرمی کی وجہ سے احکام الہی کو پس پشت ڈالتا ہے وہ اسے بھی جانتا ہے یا یہ معنی کہ جو گمراہی کا مستحق ہے اور جو گمراہی کا مستحق نہیں ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ مُلُوكِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُخَيِّطُ وَيُصَيِّتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ
اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٥١﴾

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے (ساری) بادشاہی آسمانوں اور زمین کی وہی زعمہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور نہیں ہے تمہارے لئے مددگار اور نہ کوئی مددگار۔“

یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا نفاذ کے سیاہ و سفید کا مالک ہے زمین کی اور موت کا انتظام بھی اس کے دست قدرت میں ہے، اور وہ ایسی ذات ہے کہ اگر وہ تمہیں تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کوئی تم سے اس تکلیف کو دور نہیں کر سکتا۔ اس لئے تمہیں شکر کہیں سے دوستی اور ان کے لئے بخشش کی دعائیں نہیں کرنی چاہئیں، اگرچہ وہ تمہارے قریبی رشتہ دار بھی ہوں۔ تمہارے لئے اللہ کی دوستی اور اس کی نصرت و تائید کافی ہے۔

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا فِي
سَاعَةِ الْعُسْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ
إِنَّكَ بِوَجْهِكَ سَرَّعْتَ وَفَرَّغْتَ

”یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے ہجرت کی تھی۔ لیکن تمہیں مشکل گھڑی میں ہے۔ اس کے بعد کہ قریب تھا کہ نیز تم سے ہوجائیں دل ایک گروہ کے ان میں سے جو ہجرت سے توجہ

فرمائی ان پر بھگ دو ان سے بہت شفقت کرنے والا اور فرمائے والا ہے۔“

یعنی منافقین کو غرور و تکبر میں پھینچ رہنے کی جو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے رحمت سے توجہ فرمائی ہے، یا یہ معنی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں کی آگوشوں اور آلودگیوں سے پاک کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَتَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَإِنَّكَ بِوَجْهِكَ سَرَّعْتَ وَفَرَّغْتَ** یعنی بعض علماء فرماتے ہیں غلاب کا معنی توبہ پر ابھارنا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر شخص توبہ کا محتاج ہے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ بھی اور مخصوص طور پر آپ کے صحابہ بھی کیونکہ تو ہوا الی اللہ جمیعاً کاؤ لا خطاب انہیں ہے کیونکہ جب بھی کسی کو بلند مقام ملتا ہے تو وہ اپنے جھگٹے مقام سے توبہ کرتا ہے اور بلند مقام کی طرف ترقی جھگٹے مقام سے توبہ ہے، اس آیت میں توبہ کی فضیلت کا اظہار ہے کیونکہ یہ اللہ کے بندوں میں سے انبیاء و صالحین کا مقام ہے، بعض علماء فرماتے ہیں توبہ کے آغاز میں نبی کریم ﷺ کا ذکر اس لئے فرمایا کیونکہ آپ صحابہ کرام کی توبہ کا سبب تھے۔ پس آپ ﷺ کا ذکر صحابہ کرام کے ذکر کے ساتھ ایسے ہے جیسے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَتَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ** کی اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

ع امام بنوئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غزوہ تبوک کو غزوہ عسوفہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اور اس لشکر کو جيش العسوفہ کہا جاتا ہے۔ عسوفہ کا معنی تنگی ہے، اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ اس سفر میں سواریاں، زاد اور پانی بڑے کم ہی تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دس آدمیوں کے لئے ایک اونٹ تھامس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے، اسی طرح خوراک کی یہ کیفیت تھی کہ کھجوریں بھی عمدہ نہیں اور جو بھی ایسے تھے جن کا ذائقہ بدل چکا تھا۔ وہ اسی طرح اپنا مال تقسیم کر کے کھاتے رہے، پھر صرف کھجوریں بچ گئیں جب کسی کو انتہائی جھوک لگتی تو وہ ایک کھجور کا دانہ لیتا اور اسے منہ میں چوستا حتیٰ کہ اس کا ذائقہ پختہ ہو جاتا اور اپنے منہ سے نکال کر دوسرے کو دے دیتا وہ دے چستا اور اوپر سے پانی پنی لیتا، ایک ہی کھجور سارے ساتھی چپا کر گزارا کرتے حتیٰ کہ کھجور کی صرف حشلی رہ جاتی لیکن اپنے صدق و یقین کی روحانی طاقت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ساتھ چلتے رہے (1)۔ امام احمد ابن حنبلہ، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہم جس دن جنگ تبوک کے لئے روانہ ہوئے وہ دن انتہائی گرم تھا۔ ہم نے ایک جگہ پر آؤا کیا ہمیں پیاس بڑی شدید لگی تھی۔ ہمیں یہ خیال گزرنے لگا کہ اب ہم پیاس کی وجہ سے مر جائیں گے حتیٰ کہ یہ کیفیت تھی کہ ایک شخص پانی کی تلاش میں نکلا لیکن خالی واپس آتا تو یہ سوچتا کہ اب میری موت قریب ہے۔ بعض لوگ اونٹ ذبح کر کے اور اس کا بیض تجوڑ کر پانی استعمال کرتے اور جو پانی پچتا سے اپنے پیچھے پر رکھتے۔ حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی یہ حالت دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعائے خیر کا عادی بنایا ہے، آپ ہمارے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ نہ کہتے جو عرض کی جاتی ہیں۔ آپ ﷺ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے (اور دعا فرمائی) ابھی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ بادل آ گیا اور چھا گیا پھر برسا اور خوب برسا صحابہ کرام کے پاس تو کچھ برتن تھے سب بھرنے۔ پھر ہم ارد گرد بارش کو دیکھنے لگے تو لشکر کا وہ کہ باہر بارش تھی ہی نہیں (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابی حرزہ الانصاری سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے الجب کے مقام پر آؤا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یہاں کے کتوں سے پانی نہ پھرنا۔ آپ یہاں سے چل پڑے اور دوسری جگہ پر آؤا کیا، صحابہ کرام کے پاس پانی نہیں تھا۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دعا کو شرف قبول عطا فرمایا اور بارش برسنی شروع ہو گئی حتیٰ کہ صحابہ کرام نے پانی پی لیا۔ ایک انصاری صحابی نے اپنی قوم کے ایک فرد سے کہا جو نفاق سے ہم تھا۔ دیکھا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دعا کی برکت سے بارش نازل فرمائی ہے۔ اس نے کہا بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا وَتَجْعَلُونَ تَرْتُفُلَكُمْ اَنْزَلْنَاهُمْ سُلُوفًا۔

سب شخص اور غزہ نے بی بیع کو بھانے کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ دوسرے قراء نے فناء کے ساتھ توبیح پڑھا ہے یہ کیونکہ قائل مونث غیر حقیقی ہے۔ فلوب فلوب منہم سے مراد بعض لوگ ہیں اور دین سے پھرنا انہیں بلکہ تنگی اور شدت کی وجہ سے پیچھے رہ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کچھ لوگ پیچھے رہ گئے تھے لیکن پھر پیچھے سے جا ملے تھے (3)۔ ابن اسحاق اور محمد بن عمر رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ مسلمانوں کے چند آدمیوں کی بیٹوں میں وسوسہ پیدا ہوا تھا کہ حضور ﷺ سے پیچھے چلے جائیں حتیٰ کہ وہ بغیر کسی شک و شبہ کے حضور ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان پیچھے رہ جانے والوں میں کعب بن مالک، جبال بن امیہ، مراد بن الریح،

2۔ دلائل النبوة 4/240، المیزان جلد 2 صفحہ 72-671 (دارالکتب امریہ، مکتب)

1۔ تفسیر بنوئی، جلد 3 صفحہ 119 (مکتب)

3۔ تفسیر بنوئی، جلد 3 صفحہ 119 (مکتب)

ابویشیہ اور ابوذر غفاری بھی تھے۔ یہ افراد وہ تھے جن کے اغلام اور اسلام میں ذرہ برابر شک نہیں تھا (۱)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کوک کی طرف روانہ ہوئے تو کوئی شخص بیچھے رہتا تو صحابہ کرام عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ فلاں بیچھے رہ گیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے اسے چھوڑنے دو اگر اس میں بھلائی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے تمہارے ساتھ ملا دے گا اور اگر کوئی دوسری صورت ہوئی تو میں اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو دیکھوں گا، حتیٰ کہ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ ابوذر بیچھے رہ گئے ہیں اور ان کا اونٹ سست پڑ گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے کی طرح کلام فرمایا۔ ابوذر نے اپنے اونٹ کو چلنے پر ابھارا لیکن وہ چلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اس سے سامان اتار کر اپنی پیٹھے بھر لیا اور رسول اللہ ﷺ کے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے پیدل چل پڑے۔ محمد بن عمر کا بیان ہے ابوذر خود فرماتے تھے کہ میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے بیچھے رہ گیا تھا اور اس کی وجہ میرا اونٹ تھا۔ وہ بیچارہ سفر اور جھوک کی وجہ سے بالکل لاغر ہو گیا تھا، میں نے سوچا کہ کنی اسے چارہ کھلاتا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ کو بیچھے سے مل جاؤں گا۔ میں نے اسے کئی دن چارہ کھلایا اور پھر سفر پر روانہ ہو گیا۔ جب میں ذی المودۃ کے مقام پر پہنچا تو میرا اونٹ پھر رک گیا بڑی کوشش کی لیکن وہ چلنے پر مانگ نہ ہوا، میں نے اپنا سامان اپنی پیٹھے پر رکھا اور پیدل چل پڑا دوپہر کے وقت مجھے رسول اللہ ﷺ دور سے نظر آئے۔ مسلمانوں میں سے کسی نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کوئی شخص راستہ پر اکیلا سفر کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابوذر ہوگا۔ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم بخدا ابوذر رہی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابوذر پر فرم فرمائے۔ یہ اکیلا ہی سفر کر رہا ہے اور اکیلا ہی اس دنیا سے رخصت ہوگا اور اکیلا ہی قیامت کے دن اٹھے گا۔ محمد بن یوسف الصائغی فرماتے ہیں جب ابوذر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور اپنے سفر کی روداد سنائی تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے ابوذر اللہ نے تیرے ہر قدم کے بدلے ایک گناہ معاف فرما دیا ہے یہاں تک کہ تو مجھ سے آلا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابویشیہ سے روایت کیا ہے اور ابن اسحاق اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو تبوک کی طرف عازم سفر ہوئے چند دن گزر چکے تھے تو ابویشیہ بیچھے ایک دن گھر آئے گرمی شدید تھی۔ ان کی دونوں بیویاں اپنے چھینڑوں کے نیچے چمڑکا ڈالے ہوئے تھیں اور ضلعے پانی کی مھرا حیاں رکھی ہوئی تھیں اور انہوں نے ابویشیہ کے لئے لہڑی کھانا بھی تیار کر رکھا تھا۔ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو دہلیز پر کھڑے ہو گئے اور اپنی دونوں بیویوں کے انتظام و انصرام کو دیکھا اور کہا جہاں اللہ! رسول اللہ ﷺ جن کے اگلے و پچھلے سب الزام اللہ تعالیٰ نے منادے ہیں، وہ وہ تو چلستانی و صحوب، مگر کم اور شدید گرمی میں اپنی گردن پر ہتھیار اٹھائے ہوئے ہوں اور ابویشیہ ٹھنڈی چھاؤں، لہڑی کھانے میں اور حسن و جمال کی بیکری بیویوں کے درمیان ہو۔ یہ انصاف نہیں ہے۔ پھر اپنی بیویوں کو فرمایا تم بخدا میں تمہارے ضلعے چھینڑوں میں داخل نہیں ہوں گا حتیٰ کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جا ملوں تم میرے لئے سامان سفر تیار کرو، انہوں نے ذرا راہ تیار کیا پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے بیچھے نکل پڑے، حتیٰ کہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کو جا ملے راستہ میں ابویشیہ کو میر بن و ب اٹھی لے۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی طلب میں تھے۔ دونوں اکٹھے ہو گئے جب تبوک کے قریب پہنچے تو ابویشیہ نے کہا اے میر میرا ایک گناہ ہے۔ اس لئے تم مجھ سے تھوڑا پیچھے رہ جاؤ تو بہتر ہے میں

ایک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ وہ تھوڑا پیچھے رہ گئے۔ جب ابوہریرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب ہوئے تو لوگوں نے کہا ایک سوار ہماری طرف آرہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوہریرہ ہوگا۔ قریب آئے تو لوگوں نے کہا قسم بخدا اسی ابوہریرہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوہریرہ اتنی دیر لگا دی، ابوہریرہ نے اپنا سارا وقت بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ (1)

جس تاکید کے لئے تاب کے الفاظ دوبارہ ذکر فرمائے۔ یا آیت کی ابتداء میں تو بہ سے مراد منافقین کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دینے کی وجہ سے رحمت سے توجہ فرماتا ہے اور یہاں ان کے دلوں کے ٹیزھا ہونے کے قریب پہنچنے کی وجہ سے رحمت کی توجہ فرماتا ہے، یا پہلی تو بہ کا معنی تو بہ کی توفیق عطا کرنا ہے اور یہاں تو بہ کی قبولیت کو بیان کرتا ہے۔ یا یہ اس بات پر توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر کر م فرمائی کیونکہ انہوں نے اتنی مصوٰتیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس پر اللہ تعالیٰ نے رحمت کی توجہ فرمائی اسے کبھی عذاب نڈے گا یعنی جس گناہ کو اس نے معاف فرما دیا اس پر پھر کبھی مواخذہ اور عذاب نہ فرمائے گا۔ (2)

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا ط حَتَّىٰ إِذَا صَافَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ
صَافَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ط ثُمَّ تَابَ
عَلَيْهِمْ يَتُوبُوا ط إِنَّ اللَّهَ هُوَ الشَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٥٠﴾

”اور ان تینوں پر (نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتی کر یا کیا تھا ل یہاں تک کہ جب ٹھگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے اور جو بوجہ بن گئیں ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انہوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اسی کی ذات۔ جب اللہ تعالیٰ ان پر اس تکبر ہوا تا کہ وہ بھی رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔“

۱۔ علی الثلثة کا حلف علیہم پر ہے اور الذہین خلفوا سے مراد وہ لوگ ہیں جو غزوہٴ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور بعض علماء فرماتے ہیں خلفوا کا مطلب یہ ہے کہ جن کی توبہ کی قبولیت کا معاملہ مؤخر کیا گیا تھا یعنی ابوابا ہے اور ان کے ساتھی۔ یہ تین افراد کعب بن مالک الشاعر، عمرہ بن ربیع اور بلال بن امیہ تھے۔ یہ تینوں انصار صحابہ میں سے تھے۔ شیخین نے صحیحین میں اور ماہد، ابن ابی شیبہ، ابن اسحاق اور عبد الرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ خود بیان فرماتے ہیں میں تبوک کی جنگ کے علاوہ کسی معرکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت سے محروم نہ ہوا لیکن غزوہٴ بدر میں پیچھے رہ گیا تھا۔ مگر اس معرکہ میں پیچھے رہ جانے والوں میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے عتاب نہیں فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ قریش کے قافلہ کار ارادہ فرماتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی مترہ پر وگرام کے دشمن کے آمنے سامنے کر دیا تھا۔ گھائی کی رات بھی میں حضور ﷺ کی معیت میں تھا اس گھائی والی رات سے مراد تیسری گھائی کی رات ہے۔ جب ہم نے اسلام پر کار بند رہنے کا معاہدہ کیا تھا اور اس رات کی حاضری کو میں بدر میں حاضری سے کم نہیں سمجھتا تھا، اگرچہ لوگ بدر کی جنگ کا اکثر ذکر کرتے تھے۔ تبوک کے معرکہ میں جب میں پیچھے

رہ گیا تھا۔ اس وقت میری مانی پوزیشن بہت اچھی تھی۔ اس موقع پر میرے پاس سواری کے لئے دو اونٹنیاں تھیں حالانکہ اس سے قبل میرے پاس سواری کے لئے دو جانور بھی جمع نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی معرکہ کی تیاری فرماتے تو واضح ارشاد نہ فرماتے بلکہ تورہ فرماتے (یعنی ایسا جملہ بولنے کا سننے والا کچھ اور سمجھتا جبکہ آپ کی مراد اس سے کچھ اور ہوتی) اور فرماتے جنگ خفیہ تدبیر ہے، لیکن یہ جنگ رسول اللہ ﷺ نے شدید گرمی میں لڑنا تھی، ستر بہت دور اور اونٹن تھیں، دشمن کی تعداد بھی مسلمانوں کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی اس لئے آپ ﷺ نے واضح اعلان فرمادیا تا کہ مسلمان اچھی طرح تیاری کر لیں۔ آپ ﷺ نے اپنے ارادہ سے سب کو مطلع کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کافی تھی (1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے دس ہزار سے زائد تعداد اُٹل کی ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے الاکلیل میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ جھوک میں جو حضرات شامل ہوئے تھے تقریباً تیس ہزار سے زیادہ تھے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان جانوروں کے نام کسی کتاب میں جتنے تھے انہیں میری فرماتے ہیں کتاب سے مراد ہر ہنر ہے، جو آدمی غائب ہونا چاہتا وہ یہی سمجھتا کہ میرا معاملہ خلی رہے گا جب تک کہ میرے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی نازل نہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس معرکہ کی تیاری فرمائی تھی اس وقت سائے بہت گھنے تھے اور چھل پک چکے تھے حضور ﷺ نے تیاری فرمائی اور مسلمان بھی سر بکف تیار ہو گئے۔ جمعرات کے دن آپ ﷺ جھوک کی طرف روانہ ہوئے آپ ﷺ چھرا دی گھومی سفر جمعرات کو شروع کرنا پسند فرماتے تھے۔ میں نے بھی تیاری کا ارادہ کیا۔ ہر روز صبح تیاری کے ارادہ سے نکلتا لیکن کچھ کے بغیر واپس آ جاتا اور اپنے دل میں سوچتا کہ میں مالدار ہوں جب چاہوں گا تیار ہو جاؤں گا۔ میری حالت یہی رہی تھی کہ کڑی شدید گرمی، رسول اللہ ﷺ اور مسلمان تیار ہو گئے لیکن میں نے ابھی کچھ نہیں کیا تھا۔ میں یہ سوچتا تھا کہ میں ان کے بعد ایک دو دن میں تیار ہو کر ان سے مل جاؤں گا، وہی طرح حال منول ہوتی رہی، میں نے قوم کے افراد کو دیکھا وہ تیزی سے جا رہے ہیں لیکن میں ارادہ ہی کرتا رہا کہ ابھی کوئی کروں گا اور انہیں مل جاؤں گا۔ کاش میں نے ایسا کیا ہوتا لیکن ایسا کرنا میری تقدیر میں نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد جب میں گھر سے باہر نکلتا اور شہر کا چکر لگا تا تو میرا دل پریشان ہوتا کیونکہ مجھے شہر میں صرف منافقین یا معذور و کمزور افراد نظر آتے۔ حضور ﷺ نے جھوک پہنچنے تک میرا کوئی تذکرہ نہ فرمایا۔ ایک دن جھوک میں جیسے کہ فرمایا کعب بن مالک کو کیا ہوا۔ نبی صلوات اللہ علیہ نے کہا۔ ایک روایت میں میری قوم کے ایک فرد نے کہا محمد بن عمر نے اس شخص کا نام عبد اللہ بن انیس المسلمی لکھا ہے، یا رسول اللہ ﷺ اسے فرد و کبیر اور اپنے لڑکھوں کو دیکھنے سے اس حاضرین سے غمزدگدگایا ہے۔ معاذ بن جبل اور ابو بقاء نے فرمایا تو نے ان کے متعلق اچھی بات نہیں کی۔ یا رسول اللہ ﷺ میں ان کے متعلق خیر کو ہی جانتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ اس پر خاموش رہے کوئی اظہار نہ فرمایا۔ کعب فرماتے ہیں جب یہ پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ بخیر عافیت واپس تشریف لارہے ہیں، میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اپنی غیر حاضرین کا تذکرہ و حوضہ نے لگا اور ایسی بات سوچنے لگا جس سے میں آپ ﷺ کی ناراضگی سے بچ جاؤں۔ میں نے اپنے گھر کے دانشمند افراد سے بھی مشورہ کیا لیکن جب یہ بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں میرے دل میں جو جھوٹ اور باطل تھا وہ زائل ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ جس بات میں جھوٹ کی آمیزش ہو اس کے ذریعے میں نہیں بچ سکتا۔ میں نے صبح بولنے کا پختہ عہد کر لیا اور یقین کر لیا کہ صبح ہی سے مجھے نجات ہو سکتی ہے۔ صبح

کے وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ ابن سعد نے آپ ﷺ کی آمد کا مہینہ رمضان لکھا ہے، کعب فرماتے ہیں آپ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ ستر سے جاشت کے وقت تشریف لاتے اور پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے، کچھ وقت مسجد میں تشریف فرما ہوتے، پھر حضرت قاطر اثرہ راہ کے گھر قدم رنجہ فرما ہوتے اس کے بعد ازواج مطہرات کے پاس جاتے۔ آپ ﷺ مسجد میں آئے نفل ادا فرمائے اور لوگوں سے حال پوچھنے کے لئے بیٹھے تو پیچھے رہ جانے والے اپنے اپنے عذر پیش کرتے ہوئے حاضر ہوئے اور اپنے عذر کی صداقت کے لئے قسمیں بھی اٹھاتے تھے۔ یہ تقریباً آج سے زائد افراد تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی غلابری باتوں کو قبول فرمایا اور ان کی بیعت لے لی اور ان کے لئے استغفار بھی فرمایا اور تمام لوگوں کے دل کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمادی۔ میں جب آیا اور سلام پیش کیا تو حضور ﷺ نے غصہ والے آدمی کی طرح جسم فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اجاؤ۔ میں قریب آ کر مانا بیٹھ گیا۔ ابن عابد نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے رخ انور جمیر لیا اور کوئی توجہ نہ فرمائی۔ کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھ سے کیوں اعراض فرمایا، جسم بخدا میں نہ منافق ہوں نہ مجھے آپ کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی توحید میں شک ہے اور نہ میرے دل کی کیفیت بدلی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے۔ کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم بخدا اگر میں آپ کے علاوہ کسی بھی شخص کے سامنے بیٹھا ہوتا تو میں یہ خیال کرتا کہ میں کسی جھوٹے عذر کے ساتھ اس کی ہار منگی سے بچ جاؤں گا اور مجھے جھگڑنے کی قوت بھی دی گئی ہے لیکن جسم بخدا میں نے یقین کر لیا ہے کہ اگر میں جھوٹی بات سے آپ کو راضی کر لوں تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے حاضر کر دے اور اگر میں آپ کو سچی گجی بات بتا دوں تو آپ مجھ سے رنجیدہ ہوں گے لیکن مجھے اللہ کے مژدہ کریم کی امید ہے، جسم بخدا مجھے کوئی عذر نہ تھا، جسم بخدا جب میں آپ ﷺ سے پیچھے رہا، اس وقت میں خوشحال اور طاقتور بھی تھا، آپ ﷺ نے یہی گجی گفتگوں کر فرمایا اس نے جو کچھ کہا جی کہا ہے، اچھا جاؤ تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نکلا تو سبیل کے کئی افراد میرے پیچھے چلے گئے۔ انہوں نے مجھے کہا تم نے اس سے پہلے تیرا کوئی گناہ نہیں دیکھا، تو نے دوسرے پیچھے رہنے والوں کی طرح عذر پیش نہیں کیا۔ تیرا چھوٹا سا گناہ تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ کا استغفار کافی تھا۔ جسم بخدا وہ مجھے سرزنش کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے ارادہ کیا کہ دوبارہ جا کر کوئی عذر پیش کروں لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ ایک تو گناہ یہ کیا کہ جہاد میں شریک نہیں ہوا اور دوسرا گناہ یہ کروں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جھوٹ بولوں، میں یہ دونوں کام جمع نہیں کرتا۔ میں نے ان لوگوں کو کہا کوئی اور بھی ایسا شخص باقی ہے جس نے ابھی بارگاہ نبوت میں حاضر نہیں رہی ہو؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی باقی ہے، انہوں نے تیری مثل کج بچا تیا ہے، انہیں تیری طرح مشورہ دیا گیا ہے، میں نے پوچھا وہ دو کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا وہ مرارہ بن رقیع الغمری اور ہلال بن امیہ الوہلی ہیں۔ (1)

ابن ابی قاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مرارہ بن رقیع کے پیچھے رہنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کا باغ پک چکا تھا، اس نے دل میں سوچا کہ میں نے اس سے پہلے کئی جنگیں لڑی ہیں اگر میں اس معرکہ میں اس سال شامل نہ ہوا تو کیا حرج ہے۔ پھر جب انہیں اپنی اس کوتاہی کا احساس ہوا تو عرض کی اسے اللہ میں تجھے گواہ بنا تا ہوں کہ میں نے یہ باغ تیری رضا کے لئے صدقہ کیا۔ دوسرے شخص یعنی ہلال بن امیہ کی غیر حاضری کا سبب یہ تھا کہ اس کے اہل پہلے بکھرے ہوئے تھے وہ اس وقت واپس آئے تو انہوں نے کہا تم اس سال ہمارے پاس رہ جاؤ جب ہلال کو اپنی اس کاغلی کا احساس ہوا تو عرض کی

اے اللہ میں تیری خاطر اب اپنے اہل اور مال کے پاس نہیں جاؤں گا (1)۔ کعب فرماتے ہیں لوگوں نے جب میرے سامنے ان دو نیکو کاروں کا تذکرہ کیا گیا جنہوں نے ہجر میں شرکت کی تھی، تو میرے لئے ان کی ذاتیں ایک نمونہ تھیں۔ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف ہم تینوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا ہوا یہ کہ ارشاد نبوی سنتے ہی حالات بدل گئے۔ لوگوں کے چہرے خستہ ہو گئے۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ہم صبح کے وقت لوگوں کے پاس گئے تو کوئی ہم سے بات نہیں کرتا تھا اور ہم سے نہ کوئی سلام دیتا تھا اور نہ ہمارے سلام کا جواب دیتا تھا۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ لوگ ہمارے لئے اجنبی بن گئے تھے حتیٰ کہ جنہیں جانتے تھے وہ بھی ہمارے لئے غیر بن گئے بلکہ ہمارے لئے درد و ہوا رہی اجنبی بن گئے اس سے بڑی بات جو مجھے ہماں کر رہی تھی وہ یہ تھی کہ میں موت کے منہ میں چلا جاؤں اور حضور ﷺ میری نماز جنازہ بھی نہ پڑھیں یا حضور ﷺ کا وصال ہو جائے اور میں اسی حالت میں ہوں، میرے ساتھ کوئی بات نہ کرتا اور نہ سلام کرتا حتیٰ کہ مجھے یہ علاقہ غیر مانوس معلوم ہوتا۔ ہم پچاس ماٹیں اسی کرب و اضطراب میں رہے۔ میرے دوسرے دونوں ساتھی تو گھروں میں بیٹھ کر روتے ہی رہتے لیکن میں کچھ مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ میں باہر نکل کر نماز میں شریک ہوتا، بازاروں کا پتھر لگا تا لیکن مجھے سے کوئی کلام نہ کرتا اور نہ کوئی سلام کا جواب دیتا۔ میں نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کرتا اور پھر دیکھا کرتا کہ کیا اب لعین کا جنس دیتے ہیں یا نہیں، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے قریب نہاؤں اور کلام شروع کر دیتا۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو گھٹسار آقا میری طرف نظر کر م فرماتے لیکن میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو اہرام فرماتے۔ حتیٰ کہ اس کرب و اضطراب میں طویل مدت گزر گئی۔ ایک دن میں اپنے چچا زاد بھائی ابوقادہ کے باغ میں دیوار بھلائی کر رہا تھا۔ یہ ابوقادہ ان کے گھسے چچا کے بیٹے نہیں تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابوقادہ میرے بڑے محبوب ساتھی تھے۔ میں نے ان پر سلام کیا تو قسم بخدا انہوں نے بھی جواب نہ دیا، میں نے کہا ابوقادہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں، ابوقادہ خاموش رہے اور کوئی بات نہ کی حتیٰ کہ میں نے تیسری یا چوتھی مرتبہ یہی جملہ ہرایا، تو فرمانے لگے اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، یہ جملہ سنتے ہی میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ میں پیچھے ہو گیا اور باغ کی دیوار کر اس کی، شکت دل کے ساتھ بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک بھلی جو شام سے آیا تھا اور مدینہ میں کوئی کسانا بیچ رہا تھا اور کہہ رہا تھا مجھے کعب بن مالک کا پوتہ کہتا ہے کہ لوگوں نے اشارہ کر کے میری طرف متوجہ کیا، وہ میرے پاس آیا اور مجھے فسان کے بادشاہ کا خط دے دیا۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ شام سے میری قوم کے کسی فرد نے مجھے رشم کے کپڑا کا خط لکھا اور اس میں یہ تھا کہ مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ تیرے صاحب نے تجھ پر بہت علم کیا ہے اور تیرے ساتھ بہت ثار و سلوک اپنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ایسا تو نہیں بنایا کہ تیری توہین کی جائے اور تیری عظمت کو ضائع کیا جائے۔ اگر تو ہمارے پاس آ جائے تو ہم تیری قدر دانی کریں گے اور تیرا حقے مقام دیں گے۔ میں نے جب پڑھا تو میں نے کہا یہ معیت ہے کہ مجھے ایک کارفرما لای دے رہا ہے، میں نے وہ خط پور میں ڈال کر جلا دیا۔ ابن عابد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کے متواتر امراض کی وجہ سے اب مشرک میرے ایمان پڑا کہ ڈال رہے ہیں۔ کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی غم و اندوہ میں چالیس راتیں گزر گئیں تو پیغام رساں

میرے پاس آیا۔ محمد بن عمر فرماتے ہیں وہ پیغام رساں خزیرہ بن ثابت تھے جو مرادہ اور ہلال کے پاس آیا تھا۔ کعب فرماتے ہیں۔ اس شخص نے مجھے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تجھے حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے صلحہ ہو جاؤ، میں نے پوچھا کیا اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں، اس نے کہا نہیں بلکہ صرف جدا ہو جاؤ اور اس کے قریب نہ جا۔ ابی اسیم کا پیغام آپ ﷺ نے میرے دوسرے دو ساتھیوں کی طرف بھی بھیجا، میں نے اپنی بیوی سے کہا تو سیکے چلی جا اور اللہ کے فیصلے تک ان کے پاس ہی رہنا۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہلال بن امیہ کی بیوی خولہ بنت عامر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہلال بن امیہ بوڑھا شخص ہے، اس کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ وہ بوڑھا ہے اور اس کی نظر کمزور ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ناپسند فرماتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ تم خدمت کرو لیکن وہ تیرے قریب نہ آئے۔ ہلال کی بیوی نے کہا تم بخدا اس نے چلنا پھرنا بھی چھوڑ دیا ہے، جب سے یہ معاملہ ہوا ہے ان کو تو صرف روٹے سے ہی کام ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے بعض گھروالوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی سے خدمت لینے کی اجازت طلب کروں۔ جیسا کہ کرنا ہے ہلال بن امیہ کی بیوی کو خدمت کی اجازت دے دی ہے۔ میں نے کہا تم بخدا میں تو کسی رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب نہیں کروں گا، معلوم نہیں حضور ﷺ اس اجازت پر کیا فرماتے ہیں، اگر میں اجازت طلب کروں اور میں جوان مرآدی ہوں (پھر کوئی غلطی نہ ہو جائے)۔ اس تہائی میں دس راتیں مزید گزار گئیں حتیٰ کہ جب سے حضور ﷺ نے ہمارے ساتھ کلام کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس عرصہ کو پچاس راتیں مکمل ہو چکی تھیں۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ہمدانی لادیر کی قیوت کی آیت نبی کریم ﷺ رات کے تیسرے حصہ میں نازل ہوئی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی اے اللہ کے نبی! ہم کعب بن مالک کو یہ مژدہ ستاندہیں؟ فرمایا لوگ جوق در جوق آنا شروع ہو جائیں گے اور ساری رات سونے نہیں دیں گے۔ پچاسویں صبح جب میں نے فجر کی نماز ادا کی اور میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میری کیفیت بالکل وہی تھی جو قرآن نے بیان فرمائی ہے (کہ ذہن فراخ و وسیع ہونے کے باوجود مجھ پر تنگ تھی) میں نے ایک پیچھنے والے کی آواز سنی جو جہل سلع سے چیخ رہا تھا۔ اے کعب بن مالک! تمہیں مبارک ہو۔ محمد بن عمر کی روایت میں ہے کہ یہ آواز دینے والے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے یہ آواز دی اے کعب مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے کعب کی توبہ قبول فرمائی ہے۔ معتبر کی روایت میں ہے کہ دو آدمی کعب کو بشارت دینے کے لئے دوڑے ہوئے آئے۔ ایک سبقت لے گیا اور دوسرا جہل سلع پر چڑھ گیا اور یہ آواز دی اے کعب مبارک ہو، اللہ نے توبہ قبول فرمائی ہے، اللہ نے تمہارے بارے میں قرآن نازل فرمایا ہے۔ بعض صحابہ کا خیال ہے کہ وہ دوڑ کر آنے والے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے مژدہ سننے ہی بلور شکر جبکہ وہ ہو گیا اور توبہ کی قبولیت پر خوشی سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب غم و الم کی کالی گٹھا چھٹ گئی ہے۔ حضور نبی رحمت ﷺ نے صبح کی نماز کے وقت ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا۔ لوگ ہمیں مبارک باد پیش کرنے لگے۔ کچھ لوگ میرے ساتھیوں کو مبارک دینے کے لئے چلے گئے اور ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس آیا۔ محمد بن عمر کی روایت میں ہے کہ گھوڑے پر آنے والے شخص زبیر بن العوام تھے۔ ایک شخص نبی السلم سے دوڑتا ہوا آیا۔ فرماتے ہیں اس کی آواز گھوڑے کی طرح تیز تھی۔ جب وہ شخص آیا جس کی میں نے آواز سنی تو وہ عجزہ اسلمی تھے جنہوں نے مجھے

بشارت دی تھی۔ میں نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور مزہ اسلمی کو پہنا دیئے۔ قسم بخدا اس دن میں ان دو کپڑوں کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں رکھتا تھا۔ مجھ بن عمر کی روایت میں ہے کہ میں نے ابو قتادہ سے عاریہ کپڑے لیکر پہنے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بلال بن امیہ کو سعید بن زید نے یہ یونٹھری سنائی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ مرنا تھا نہ کاغھی کی آن کی روح پرواز کر جائے گی۔ انہوں نے کہا یا چھوڑ دیا تھا اور ستوا تر زوڑے رکھ رہے تھے اور ہر دستہ روتے رہتے تھے۔ مرادہ بن ربیع کو تو یہی قبولیت کی خوشخبری سلکان بن سلام نے دی جو سلام بن قیس کے باپ تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے چلا تو لوگ فوج در فوج راستہ میں مجھے ملے اور مجھے مبارک پیش کی۔ لوگ کہتے مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توجہ قبول فرمائی ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے جھمرت میں تھے۔ مجھے دیکھ کر طلحہ بن عبید اللہ اٹھے، دوڑتے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک دی۔ قسم بخدا طلحہ کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی شخص میری طرف نہ اٹھا۔ میں طلحہ کی یہ محبت کبھی نہیں بھولوں گا۔ کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں نے رسول اللہ ﷺ پر سلام پیش کیا تو آپ ﷺ نے خوشی سے چمکتے ہوئے چہرہ سے فرمایا جب سے تجھے تیری ماں نے جنا ہے یہ تیری زندگی کا بہترین دن ہے، مبارک ہو، میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ کرم نوازی آپ کی طرف سے ہے؟ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے فرمایا یہ بندہ نوازی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، تم نے اللہ تعالیٰ سے سچا معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچائی پر جزا، خیر عطا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انکس پر خوشی و مسرت ہوتی تو آپ کا چہرہ یوں لگتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو، ہم اس ہنک سے پہچان لیتے کہ آپ ﷺ اب بہت خوش ہیں۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری توجہ میں سے یہ بھی ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کچھ اپنے لئے رکھ لو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کی حضور ﷺ انصاف قبول فرمائیں۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کی حضور تہائی قبول فرمائیں۔ فرمایا تمھیک ہے تیرا حصہ قبول ہے اور فرمایا میں اپنا خیر کا حصہ اپنے پاس رکھتا ہوں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ کی وجہ سے نجات عطا فرمائی اور میری توجہ کا اب یہ بھی حصہ ہے کہ میں کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لوں گا۔ جب تک زندگی کے سانس باقی ہیں سچ ہی بولوں گا۔ قسم بخدا میں کوئی ایسا شخص نہیں جانتا جس پر اللہ نے سچائی کی بات کرنے کی وجہ سے انعام فرمایا ہو جتنا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے سچ بولنے کی وجہ سے مجھ پر انعام فرمایا ہے۔ جس دن سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد کیا ہے آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ سے کامل امید ہے کہ وہ مجھے تادمہ اچھس جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ”لَقَدْ شَآبَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُجْرِمِينَ وَالْاٰفَاقِيْنَ وَكَوْنُوْا اَعْمَ الضّٰلِقِيْنَ“ آیات نازل فرمائیں۔ قسم بخدا اسلام کی دولت عطا کرنے کے بعد سب سے بڑا احسان مجھ پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولنے کی وجہ سے فرمایا ہے میں اب کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں قرآن نازل فرمایا سَيُطَوَّقُوْنَ بِاِنَّهٗ لَكُمْ اِذَا اَتَقَبَلْتُمْ اِلَيْهٖمْ لَقَدْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي عَنِ الضّٰلِقِيْنَ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم تینوں کا معاملہ ملوثی ہو گیا تھا۔ باقی سب بیچھے رہنے والوں کے ظاہری مددوں کو آپ ﷺ نے قبول فرمایا تھا اور ان سے بیعت بھی لے لی تھی اور ان کے لئے منفرت بھی طلب کی تھی لیکن ہمارا معاملہ سو خرفر مادیاتھی کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا اور فرمایا عُلِّمْتُوْا اَنَّهٗ الَّذِيْنَ خَلَقُوْا الْخَلْقَ اس آیت میں جنگ

سے پیچھے رہ جانے والوں کا ذکر نہیں بلکہ جن کے عذر حضور ﷺ نے قبول فرمائے تھے ان میں سے ہمارا جو معاملہ مؤخر کیا گیا تھا اس کا ذکر ہے (1) انکو میں ہے کہ پچاس راہیں حضرت کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو جوہر کی کالی رات میں رکھنے کی نکتہ یہ ہے کہ اتنی ہی مدت حضور ﷺ اس سفر میں مدینہ طیبہ سے عاصب رہے تھے۔

بل لوگوں کے امراض اور ایسوں بچانوں کی سہارنی کی وجہ سے ان پر زمین اپنی وسعت کے باوجود جگہ ہوگئی تھی۔ یہ ایک مثل ہے کہ ان کی حیرت و پریشانی کا یہ عالم تھا کہ انہیں قلق و اضطراب کی وجہ سے زمین کا کوئی خطہ قرار و سکون نہیں بخشتا تھا اور ان کے دل فرط وحشت اور غم کی وجہ سے انس و سرور سے بالکل محروم ہو گئے تھے۔ وہ یہ یقین کر چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے مگر یہ کہ غلطی کے بعد بھی اسی کی بارگاہ میں سرانگھنہ کی اور معافی مانگنے سے کرم نوازی ہوگی۔

یہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ توبہ پر قائم رہیں کیونکہ توبہ تو پہلے وہ کر چکے تھے پانے معنی کہ تاکہ وہ توبہ کرنے والوں میں شمار ہوں، ابوبکر دراق فرماتے ہیں توبۃ النصح یہ ہے کہ جب انسان گناہ کر بیٹھے تو اتنا پریشان ہو کہ اس پر زمین اپنی پستانوں اور وسعتوں کے باوجود جگہ ہو جائے اور اس کے دل مضطرب کو کہیں چین نہ آئے۔ جیسے ان تین افراد کی توبہ تھی اسکی توبہ کو توبۃ النصح کہتے ہیں۔

یہ ابوموسیٰ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کو اپنی شان کے لائق اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن بھر کے گناہگار توبہ کر لیں اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کے مجرم معافی مانگ لیں (ساری رات یہی ہوتا رہتا ہے) حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے لاوایت کیا ہے۔ (2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری صحرا میں ہو اور پھر وہ تم ہو جائے جبکہ اس کے اوپر اس کا کھانا اور پانی تھا (دوس کی تلاش بسیار) بعد کے ہاتھوں ہو کر ایک درخت کے سایہ میں لیٹ جاتا ہے۔ اب وہ اپنی سواری کے نکلنے کی امید سے بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ پھر اچانک دیکھتا ہے کہ اس کی سواری (ساز و سامان) کے ساتھ اس کے پاس کھڑی ہے وہ اس کی مہار بکڑتا ہے اور انتہائی خوشی اور مسرت کی وجہ سے پہ پھٹتا ہے اسے اللہ "انْتَ غَلْبَدِي وَ اَنَا ذَلِيكَ" تو میرا بندہ ہے اور میں حق اور سچ ہوں۔ اس سے شدت فرحت کی وجہ سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے (3)۔ رب کریم کی بخشش و عطا پر ولادت کرنے والی احادیث کثرت سے موجود ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ①

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور بھلا سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔"

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور بھلا سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔ ایمان و ہمت، نیت، قول اور عمل میں سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ مفہوم و مراد یہ ہے کہ ہر چیز میں صداقت کو لازم بکرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح ابن عمر سے مروی ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمھارے ساتھ اور آپ کے اصحاب کے

2- صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 358 (تقدیمی)

1- صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 36-635 (ذرات تعلیم)

3- صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 355 (تقدیمی)

ساتھ ہو جاؤ جن کی بیٹیس صاف، دل اسلام پر قائم اور اعمال احکام کے مطابق تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فرودِ حبوک کی طرف اغلام اور حیک تہی کے ساتھ نکلے تھے (۱) جبکہ منافقین پیچھے رہ گئے تھے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں مطلب یہ کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہو جاؤ۔ انصحا کہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کو حکم دیا گیا ہے کہ ابو بکر عمر رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو جاؤ۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خیر مطلق ہے، یہ ایک جامع کلام ہے، یہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور وہ بھی مراد ہو سکتا ہے (یعنی اللہ نے فرمایا جنہوں کے ساتھ ہو جاؤ تو اس کا کوئی بھی مفہوم ہو سکتا ہے)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مہاجرین کے ساتھ ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لِنُقَرِّبَنَّكَ إِلَى الْمُصَلِّينَ أَذْيُوكَ اللَّهُمَّ الشُّدَّانَ** ﴿۱۰﴾ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو پکارا ہے۔ اس لئے مذکورہ آیت میں صادقین سے مراد بھی یہی مہاجرین ہوں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں الصادقین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ پھر اس پر ندامت کے آنسو بہائے اور جھوٹے عذر پیش نہیں کئے تھے۔ ابن مسعود فرماتے ہیں جھوٹ نہ سمجھو گی میں جائز ہے اور نہ مذاق میں اور نہ اس طرح صحیح ہے کہ تم کسی سے کوئی وعدہ کرو اور پھر اس کا ایقانہ کرو۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو پھر خودی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْعَبُوا بِأَنفُسِهِمْ ۗ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخَصَّةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَلَا يَتَّخُونَ مَوَاطِنًا يَعْزِطُ الْكُفَّارَ ۚ وَلَا يَنَالُونَ مِنَ عَدُوِّهِمْ أَشْيَاءَ ۚ وَاللَّهُ لَا يُضِلُّ أُمَّةً مُّسْلِمَةً ۗ أَلَمْ يَجْعَلْ لِّلْمُحْسِنِينَ

”نہیں مناسب تھا مدینہ والوں کے لئے اور جو ان کے ارد گرد رہتا تھا لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھ کر اللہ کے رسول پاک سے اور نہ یہ کہ متوجہ ہوتے اپنے نفسوں کی طرف ان سے بے فکر ہو کر۔ یہ اس لئے کہ انہیں پہنچتی انہیں کوئی پیاس اور نہ کوئی تکلیف اور نہ جھوک راہ خدا میں اور نہ وہ چلتے ہیں کسی چلنے کی جگہ جس سے کاروں کو فضا آئے اور انہیں حاصل کرتے وہ دشمن کچھ مگر یہ کہ کھٹا جاتا ہے ان کے لئے ان (تمام تکلیفوں) کے عوض ایک صلہ، بلکہ اللہ ضائع نہیں کرتا نیکوں کا اجر۔“

۱۔ ما کان ظاہر آخر ہے لیکن نبی کے معنی میں ہے، جیسا کہ لکنم ان توفیوا رسول اللہ میں ظاہر آخر ہے لیکن معنی نبی ہے۔ اعراب سے مراد یہاں ہیں، یعنی مزینہ، جبینہ، اشج، اسلم اور غفار کے قبائل ہیں۔ یعنی جب وہ سارے جہاں کا سردار خود میدان کارزار میں ہے انہیں پیچھے رہنا کسی صورت میں ذرا نہیں اور نہ ان کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے نفسوں کو چھللاتی ہو، گرم لو سے بچائیں جبکہ وہ میرا رسول اپنے نفس کی پروا کے بغیر علم اسلام بلند کئے دشمنوں کے سامنے جا رہا ہے۔ ذالک کا مشاہدہ ما کان کی نبی ہے۔ یعنی انہیں ایسے کروا کر سے منع فرمایا کیونکہ جو انہیں راہ الہی میں پیاس محسوس ہوگی، تکلیف اور جھوک برداشت کریں گے، کسی وادی

کو عبور کریں گے اور دشمن سے جو کچھ حاصل کریں ان سب اعمال کا اجر ہوگا۔

ع۔ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ یہ آیت کا آخری جملہ کتب کی علت ہے اور اس بات پر تفسیر ہے کہ جہاد کا احسان ہے، کفار کے حق میں اس طرح کہ اس کے ذریعے کفار کو کامل انسان بنانے اور انہیں دوزخ کی وادیوں سے بچانے کے لئے کوشش کی جاتی ہے جیسے پاگل اور بچے کو ادب سکھانے کے لئے سزا دی جاتی ہے اور مومنین کے حق میں اس طرح یہ احسان ہے کہ جب تک مسلمان جہاد کرتے رہیں گے کفار کے ظلم اور ان کی سلطوت سے محفوظ رہیں گے۔ حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس کے قدم اللہ کے راستہ میں گرد آلود ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ پر حرام فرمادیتا ہے (1)۔ اسی حدیث کو بخاری، امام احمد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا ہمیشہ روزہ رکھنے والے، اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرنے والے کی طرح ہوتا ہے جو روزہ اور نماز میں کبھی سستی اور کالی کا مظاہرہ نہیں کرتا حتیٰ کہ مجاہد اللہ کے راستہ سے لوٹ آتا ہے (2)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے: 1۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے جب رسول اللہ ﷺ جنس نہیں جنگ میں شریک ہوں تو کسی کو بغیر نذر کے چھینے رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن دوسرے خلفاء و ائمہ جہاد میں خود شریک ہوں بھی تو مومنین میں سے جو جہاد میں شریک نہ ہونا چاہیں تو بھی اجازت ہے، جبکہ مسلمان فوج کو تمام لوگوں کی ضرورت نہ ہو۔ ولید بن مسلم فرماتے ہیں میں نے اوزاعی، ابن المبارک، ابن جابر، سعید بن عبد العزیز کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ یہ آیت امت کے اولین دور کے لئے تھی بھی اور آخری دور کے لئے بھی ہے۔ ابن زید کہتے ہیں یہ حکم اس وقت تھا جبکہ مسلمانوں کی تقریباً کم تھی جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم منسوخ کر دیا اور پیچھے رہنا سماج کر دیا۔ ارشاد فرمایا: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً (یہ نہیں ہو سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے) (3)۔ میں کہتا ہوں تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد پر مامور ہو تو جہاد فرس کفایہ ہے۔ چند لوگ جہاد کر رہے ہوں تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے جہاد کے متعلق عمومی الفاظ وارد ہونے کی وجہ سے جہاد فرس مین ہے۔ نیز خزوفہ جنوک میں پیچھے رہنے والوں کے متعلق سخت احکام نازل ہوئے یہ دلیل ہے کہ جہاد فرس مین ہے۔ ہم کہتے ہیں جب غلیظہ کی طرف سے اعلان عام ہو جائے تو ہر فرد پر بالا جماع جہاد فرس ہو جاتا ہے جیسا کہ خزوفہ جنوک میں اعلان عام ہوا تھا۔ عام حالات میں فرس کفایہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَسْتَوِي الْقَائِمُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْتَمِرِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْتَمِرُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اَلَا كَتَبَ لَهْمُ لِيَجْنَزِيَهُمْ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

وَلَا يَسْتَوِي الْقَائِمُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْتَمِرُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْتَمِرُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْتَمِرُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اَلَا كَتَبَ لَهْمُ

لِيَجْنَزِيَهُمْ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

1۔ صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 134 (ترمذی)

2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 124 (وزارت تعلیم)

3۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 3 صفحہ 127 (الملك)

”اور وہ (مجاہدین) انہیں خرچ کرتے تھوڑے اور نہ زیادہ اور نہ طے کرتے ہیں کسی وادی کو گھر یا کچھ یا جاتا ہے ان کے لئے تاکہ صلہ سے انہیں اللہ تعالیٰ بہترین ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔“

۱۔ وہ مجاہدین جو کچھ اللہ کے راست میں کم یا زیادہ خرچ کریں گے جیسا کہ حضرت عثمان اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہ جانتے اس شے کے عالم میں لشکر کی تیاری کے لئے سامان مہیا کیا تھا اور جہاد پر آتے جاتے ہوئے جو وادی طے کریں گے، جو قدم اٹھائیں گے یہ سب اللہ تعالیٰ ان کو جزا دینے کے لئے لکھ لیتا ہے۔ لیکن یہ جزا ان کے عمل کے مطابق نہیں بلکہ اس سے بہتر جزا، عطا فرمائے گا۔ حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک شخص مہاروانی اونٹنی لٹکرایا اور عرض کی حضور ﷺ یہ فی سبیل اللہ پیش کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز اس کے بدلے تمہارے لئے ستر مہاروانی اونٹنیاں ہوں گی (مسلم) (۱) زید بن خالد سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مجاہد کو سامان جنگ مہیا کیا وہ بھی جہاد میں شریک ہے اور جس نے کسی مجاہد کے لواحقوں کی ضروریات کو پورا کیا وہ بھی جہاد میں شریک ہے، بخاری و مسلم (۲)۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بنی اسد بن خزاعہ کے قبائل کو قحط سالی کا سامنا ہوا تو وہ اپنے بچوں کو لیکر مدینہ طیبہ میں آ گئے۔ ان کی وجہ سے مدینہ طیبہ کے راستے بہت غلیظ اور گندے ہو گئے اور ہر چیز کی مہمیں بھی بہت چڑھ گئیں (۳) اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۰۰﴾

”اور یہ تو نہیں ہو سکتا۔ کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے تو کیوں نہ نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی ج۔ تاکہ

تلف حاصل کریں دین میں اور ذرا دیکھیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ (نا فرمانوں سے) بچیں۔“

۱۔ یہاں ما مکان کی شے نمی کے معنی میں ہے اور لیسندو پر لام نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر طلب علم میں نہ نکل پڑیں کیونکہ اس سے معیشت و معاش کے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور سب لوگوں کا صلے جاننا معاشرہ میں بگاڑ کا باعث بھی بنتا ہے۔

۲۔ ہر قبیلہ یا ہر شہر یا ہر دیہات سے چند آدمی علم و دین کے حصول کے لئے نکلے ان اور دین کی سمجھ کو سمجھ حاصل کریں اور اس کی طلب میں ہر قسم کی تکالیف برداشت کریں۔ سب لوگوں کے نکلنے سے اجتماعی نظام میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔

صاحب التہا یہ فرماتے ہیں فقہ کا اصل معنی سمجھنا ہے اور اس کا اہتمام شیخ اور فخر پر دلالت کرتا ہے۔ قاضیوں میں ہے الفقہ بالکسور کسی چیز کا جانا، اس کی سمجھ حاصل کرنا اور اس کا معنی فطانت بھی ہے لیکن علم دین کی عظمت و شرافت کی وجہ سے عام طور پر علم دین کے لئے استعمال ہوتا ہے (۴)۔ بعض محققین فرماتے ہیں فقہ سے مراد موجود چیز کے علم سے عاقب چیز کا علم حاصل کرنا ہے، یہ علم استدلالی سے انحصار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَسَالُوا لَسَأَلُوا فَسَوْفَ يَكْفُلُونَ كَفْلًا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فقہ کا مطلب نفس کے موافق اور مخالف حالات کا جانا ہے اور دین کی فروعات کے علم میں شخصیں حاصل کرنا ہے۔ یہ ایک جدید

اصطلاح ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ مقلد کے علم کو بھی شامل ہے، مقلد جب مجتہد ہے یا اس کی کتاب سے علم حاصل کرتا ہے تو یقیناً اس آیت کے حکم کو وہ پورا کر رہا ہوتا ہے۔

اسے جب علم دین سیکھ کر واپس آئیں تو ان پر فرض ہے کہ اپنی قوم، اپنے علاقہ کے لوگوں کو احکام الہی کی نافرمانی سے ڈرائیں تاکہ ان لوگوں پر جن چیزوں سے بچنا لازم ہے وہ ان کی تبلیغ سے بچ جائیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو دیہاتوں کی طرف نکل گئے۔ پس انہوں نے ان سے نیکی کا عنصر پایا اور انہیں جو لوگ ملے انہیں ہدایت و تبلیغ کی۔ لوگوں نے انہیں یہ بھی کہا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم اپنے ساتھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر ہمارے پاس آ گئے ہو۔ یہ حکام بن کر مبلغین نے اپنے اندر کچھ حرج محسوس کی۔ وہ سب لوگ واپس آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (1)۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں کو سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح پاؤ گے۔ جو زمانہ جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں، جبکہ وہ دین میں سمجھ پیدا کر لیں۔ اس حدیث کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2) اور اسی طرح بخاری، مسلم اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ دو قسم کے ہیں، عالم متعلم، ان دو کے علاوہ میں خیر نہیں ہے (3)۔ اس حدیث کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ اخبار احادیث میں ایک نکتہ کلی طرفہ کا عموم کا تقاضا کرتا ہے کسی دیہات میں تین افراد ہوں تو ان میں سے ایک علم دین کے حصول کے لئے جائے تاکہ واپس آ کر اپنے گروہ کو ڈرانے کا وہ نصیحت حاصل کریں اور انہوں سے بچیں۔ اگر اخبار احادیث کا اعتبار نہ ہوتو پھر یہ ایک آدمی کا واپس آ کر تانا سفید نہ ہوگا۔

دین میں تقصد اور بھوکہ دو قسموں میں منقسم ہے، 1- فرض میں، 2- فرض کفایہ۔ فرض میں عقائد سمیت اور ان فروعات دین کا علم ہے جس کا ہر شخص محتاج ہوتا ہے مثلاً شہادت، نماز، روزہ اور اسی طرح ہر وہ عبادت جو شریعت کی طرف سے آدمی پر واجب ہے اس کے احکام کی معرفت بھی انسان پر واجب ہے، مثلاً اگر انسان کے پاس مال ہو تو اسے زکوٰۃ کا علم ہونا ضروری ہے، اسی طرح حج اگر واجب ہے تو حج کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح معاملات جو بھی انسان اختیار کرتا ہے ان کے احکام کی معرفت بھی واجب ہے، پس صحیح اور فاسد کے احکام، ہر باور تجارت کے احکام اور اگر اجارہ کے معاملات کو اختیار کرتا ہے تو اجارہ کے احکام و مسائل جاننا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان ہر علم کا حاصل کرنا فرض ہے (4)۔ اس حدیث کو ابن ہدیٰ نے اپنی کتاب تہذیب اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ الطبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابھی میں اور خطیب نے حسن بن علی سے روایت کیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاوسط میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید سے روایت کیا ہے۔ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ زائد الفاظ روایت کئے ہیں کہ طالب علم کے لئے ہر چیز حق کی سمندر میں چھپیلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ مصیبت زدہ لوگوں کی فریاد کو پسند فرماتا ہے۔ فرض کفایہ وہ علم ہے کہ انسان ہر علم میں مہارت حاصل کرے حتیٰ کہ فتویٰ دینے کے درجہ پر فائز ہو جائے۔ اگر تمام لوگ علم حاصل کرنا چھوڑ دیں تو تمام گناہگار ہوں گے اور جب ہر شہر سے ایک آدمی بھی علم کی تلاش میں رہے تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہوگا اور لوگوں پر لازم ہے پیش آنے والے واقعات و حادثات میں اس

1- تحفہ بنوی، جلد 3 صفحہ 129 (مکمل)

2- تحفہ بنوی، جلد 3 صفحہ 129 (مکمل)

3- تحفہ بنوی، جلد 3 صفحہ 130 (مکمل)

4- تحفہ بنوی، جلد 3 صفحہ 129 (مکمل)

5- تحفہ بنوی، جلد 3 صفحہ 129 (مکمل)

6- تحفہ بنوی، جلد 3 صفحہ 129 (مکمل)

عالم دین کی بیرونی کریں۔ علم کا حاصل کرنا نقلی عبادت سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کا طلب کرنا اللہ کے نزدیک نماز، روزہ، حج اور جہاد فی سبیل اللہ عزوجل سے افضل ہے۔ اس حدیث کو صاحب مسند القردوس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک لڑکے کے لئے علم حاصل کرنا ساری رات قیام کرنے سے افضل ہے اور ایک دن علم حاصل کرنا تین دن کے روزوں سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی تم میں سے اونی فرد پر میری فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ معلم خیر پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے زمین و آسمان والے حتیٰ کہ بلوں میں رہنے والی چوہنیاں، پانی میں رہنے والی مچھلیاں لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے لئے رحمت کی دعا کرتی ہیں (1)۔ اس حدیث کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ ابی امامہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک فقیر شیطان پر ہزاروں عابدوں سے سخت ہوتا ہے (2)۔ اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین اعمال منقطع نہیں ہوتے ان کا صلہ سے بعد میں بھی ملتا رہتا ہے: 1۔ صدقہ جلدیہ (2)۔ وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے 3۔ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے (3)۔ علم لدنی جس کے طالبین کو صوفیاء کرام کہا جاتا ہے وہ بھی فرض میں ہے کیونکہ اس کا نتیجہ دل کو فیکر کی محبت سے پاک کرنا ہے اور وہام حضوری سے متصف ہونا ہے۔ نیز نفس کو تکبر، عجب، احمقہ دنیا کی محبت، طاعت میں سستی، ثبوت کی ترویج، برباد کاری اور شہرت جیسی بری خصالتوں سے پاک کرنا ہے اور توبہ، راضی بقضاء، نعمتوں پر شکر، محبتوں پر صبر و فیرہ جیسی اچھی صفات کے ساتھ نفس کو روشن اور منور کرنا ہے۔ یہ امور مذکورہ کچھ حرام ہیں اور کچھ ہر انسان پر فرض ہیں، جو حرام ہیں وہ اعضاء ظاہری کے حرام افعال سے یہ زیادہ حرام ہیں اور جو ان میں سے فرض ہیں وہ ظاہری پر فرض سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ چنانچہ روزہ اور کوئی دوسری عبادت جب تک اخلاص اور نیک نیتی سے مزین نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے (4)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی عمل کو قبول نہیں فرماتا مگر جو صرف اس کی رضا کے لئے ہو (4)۔ اس حدیث کو نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی امامہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے (5)۔ اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ہر وہ عمل جس پر فرض میں کی ادا کی مرتب ہوتی ہے وہ فرض میں ہے۔

اس آیت کے نزول کے سبب میں ایک دوسری توجیح بھی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیحی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ اور عبد اللہ بن عبید اللہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کے مویب نازل فرمائے اور یہ ارشاد نازل فرمایا ان لا تنفروا یعدبکم عذاب الیسا۔ پھر نبی کریم ﷺ لشکر روانہ فرماتے تو تمام مسلمان و عید کے خوف سے جہاد پر چلے جاتے اور نبی کریم ﷺ کو ایکلا چھوڑ جاتے (6) اور تکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ دیہات میں رہنے والوں میں سے کچھ لوگ جہاد میں شریک نہ ہوئے تو منافقین نے کہا دیہاتی ہلاک ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے خاکلائن انبویاؤن کلیلہ مقترۃ علی الغزو قالہ لفلولا لفلو یمن یمن و یؤذونہم طاقۃ ما ارشاد نازل فرمایا۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 93 (ذرات تعلیم)

2۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 93 (ذرات تعلیم)

3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1 صفحہ 104 (الفلک)

4۔ کنز العمال، جلد 3 صفحہ 25 (اتراث الاسلامی)

5۔ کنز العمال، جلد 3 صفحہ 25 (اتراث الاسلامی)

6۔ کنز العمال، جلد 3 صفحہ 25 (اتراث الاسلامی)

یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ کچھ لوگ جہاد پر نکلے اور کچھ نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہتے تاکہ نبی مسائل حاصل کرتے، قرآن سنیں، فرائض اور احکام سمجھتے اور پھر جب مجاہدین واپس آتے تو انہیں بتاتے کہ تمہارے جانے کے بعد یہ یہ احکامات نازل ہوئے ہیں۔ پھر یہ غازی حضرات بعد میں نازل ہونے والے احکامات سمجھتے اور دوسرے لوگ جہاد پر چلے جاتے تاکہ نفعہ فی الدین جو جہاد اکبر ہے اس کا سلسلہ منقطع نہ ہو کیونکہ جنت اور دلیل سے ٹھٹھرا ناصل ہے اور بعثت نبوی کا مقصد بھی یہی ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَللِّسَاءُ وَرِزْقَةُ الْاَنْبِيَاءِ۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس ٹوجیہ پر لِيَنْتَفِعُوْا اور لِيَسْتَدْرِوْا کی ضمیریں مجاہدین سے پیچھے رہنے والوں کے لئے ہوں گی اور جمعوا کی ضمیر مجاہدین کے لئے ہوگی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب حضور ﷺ نے سراپا پیغمبر ہوں اور خود تشریف لے لے گئے ہوں اور اس سے پہلے جو جہاد میں کسی ایک کے بھی شریک نہ ہونے پر وعید سنائی گئی ہے وہ اس صورت میں ہوگا جب حضور نبی کریم ﷺ بنفس نفیس جہاد پر تشریف لے گئے ہوں۔ حضرت الحسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ نفعہ اور امانت مجاہدین کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ کیونکر ایسا نہ ہوگا کہ ایک گروہ جہاد پر جاتا اور مشرکین پر مسلمانوں کے غلبہ اور دین کی نصرت کا مشاہدہ کرنا اور پھر جہاد سے واپس آ کر اپنی قوم کے کافر لوگوں کو بتاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ اور مومنین کو فتح عطا فرمائی ہے تاکہ یہ کافر عبرت حاصل کرتے اور اللہ کے رسول سے مقابلہ کرنے سے ڈرتے کہ جو ان کافروں پر عذاب نازل ہوا ہے اللہ کے عذاب سے مقابلہ کرنے پر ہمیں بھی ایسی حالت سے سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ حکم دلالت کرتا ہے (۱) کہ جہاد فرض کلیا ہے جب ایک جماعت جہاد میں مصروف ہو تو دوسروں سے جہاد ساقط ہو جاتا ہے مگر جب تلیغ کی طرف اعلان عام ہو جائے تو پھر ہر شخص پر فرض ہو جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَوَكَّلْتُمْ عَلَيْهِ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَلِيَجِدَ وَفِيكُمْ غُلَّةً
وَاعْمُرُوا آيَاتِ اللَّهِ مَعَ الْمُتَّقِينَ ①

”اے ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے لئے اور چاہئے کہ وہ پائیں تم میں سختی اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پر ہیتم کاروں کے ساتھ ہے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سب سے پہلے ان لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا جو ان کے قریب رہتے ہیں جو سب اور رہائش کے اعتبار سے قریب ہیں کیونکہ جہاد کا مقصد نامحان و سبب اور اصلاح ہے۔ اس لئے قریبی لوگ شجقت و نصیحت کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا وَ اَنْتُمْ مَعِيْهِ تَتَلَكَّ الْاَقْبَابُ۔ پھر جب آپ ﷺ مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو قرظہ، نصیر اور خیبر کے یہود سے مقابلہ اور جہاد کا حکم ہوا۔ جب عرب کے جہاد سے فارغ ہو گئے تو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ اس آیت کریمہ میں رومیوں سے جہاد کرنا مراد ہے کیونکہ رومی شام میں رہائش پذیر تھے اور شام عراق کی ہنسبت مدینہ طیبہ کے زیادہ قریب تھا۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کوک کے سال رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے حازم سفر ہوئے، جیسا کہ ہم نے ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ابن ہمام رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے اور اسی طرح ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطے سے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول روایت کیا ہے اور

دلائل و براہین سے نہیں اللہ کریم کی کرم نوازی سے ملتی ہے۔) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک یاد دہا سچا کا ہاتھ پکڑتے اور فرماتے آؤ ہم اپنے ایمان میں اضافہ کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایمان دل میں ایک سفید نقطہ سے شروع ہوتا ہے۔ جب ایمان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے تو وہ نقطہ بھی بڑھتا جاتا ہے، یہ سفیدی بھی بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ پورا دل سفید ہو جاتا ہے، اور نفاق دل میں سیاہ داغ سے شروع ہوتا ہے۔ جب نفاق بڑھتا جاتا ہے تو وہ سیاہ داغ بھی بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے، قسم بخدا اگر تم مومن کا دل تیرے کرو کیجھو تو تم اسے سفید پاؤ گے اور اگر منافق کا دل چیر کر دیکھو تو اسے کالا سیاہ پاؤ گے۔ (1)

أَوْ لَا يَرُونَ أَنَّهُمْ يَقْتُلُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ
يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾

”کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال ایک بار یا دو بار پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں!“

1. حمزہ اور یثقب رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان لا یرون کو ناء کے ساتھ پڑھا ہے اور صحابہ کرام نے اسے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ہاء تحتانیہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں مذکورہ آیت میں سے حکایت ہوگی۔ یعنی کیا یہ منافق دیکھتے نہیں کہ انہیں مختلف قسم کی ہلیات و دھماکے میں مبتلا کیا جاتا ہے، کبھی جسمانی امراض میں اور کبھی امراض و تکالیف سے دوچار کئے جاتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انہیں قتل اور شدت سے آزمایا جاتا ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نہ چاہنے کے باوجود انہیں جہاد میں شریک ہونے کے ساتھ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، وہ خود اسلام کا پھر یا اہلند سے بلند اڑتا ہوا دیکھتے تھے اور ہر روز پر ہجرات نبوی کا مشاہدہ کرتے تھے۔ مقالہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کے قلبی نفاق کو ظاہر کر کے انہیں رسوا کیا جاتا ہے، مکر فرماتے ہیں وہ منافقت کرتے ہیں پھر اسلام لاتے ہیں پھر منافقت کرتے ہیں۔ ایمان فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے کئے ہوئے وعدوں کو توڑتے ہیں (2) اور پھر عہد شکنی کے جرم سے، اسلام کے خلاف سازشوں کے گناہ سے توبہ نہیں کرتے اور اس نفاق سے توبہ نہیں کرتے جو ان کو ایسی مصیبتوں اور رسوائیوں سے دوچار کرتا ہے۔ بدکھون اصل میں یقظ کرون تھا یعنی اللہ کی لعنت، مسلمان کی کامیابی اور دشمن کی شکست کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا ہے اسے کچھ نہ بھول کر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

وَ إِذَا مَا أَنْزَلْنَا سَوْرَةً نُنظَرُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرِيكُمْ مِنْ أَحَدِهِمْ
أَنْصَرَفُوا ۗ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٥١﴾

”اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو دیکھتے لگتے ہیں ایک دوسرے کی طرف کیا دیکھتے تو نہیں رہا تمہیں کوئی پھر چل دیتے ہیں۔“

1. یعنی جب کوئی ایسی سورت نازل ہوتی جس میں ان بد بخت منافقین کا ذکر ہوتا اور حضور نبی کریم ﷺ اس کی تلاوت فرماتا تو بطور مذاق اور انکار انہوں سے ایک دوسرے کو اشارے کرتے، یا اپنی رسوائی اور اپنے محبوب کے اظہار پر غصہ کرتے ہوئے ایک دوسرے

کو اشارے کرتے ہیں اور ان اشاروں سے تصور ان کا خاموشی سے محفل سے نکلنا ہوتا تھا۔

ع من احد سے پہلے من زائدہ ہے۔ یعنی وہ بڑے غور سے مجلس پر نظر تھماتے کہ کیا مومنین میں سے ہمیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی محفل کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اگر کوئی نہ دیکھ رہا ہوتا تو آہستہ سے مسجد سے کھٹک جاتے اور اگر دیکھتے کہ کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے تو بیٹھے رہتے۔ (1)

ع جب انہوں نے اس سورت پر ایمان لانے سے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب رسوائی کے خوف سے پیارے محبوب کی محفل سے اٹھ گئے جہاں سے انہیں قرآن سنائی دیتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قبول حق کی توفیق سے محروم کر دیا۔ ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قبول حق کی توفیق سے محروم کر دیا۔ ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی محفل چھوڑنے کی سزا دی کہ ہدایت کی توفیق ہی سلب کر لی اور انہیں گمراہی کے محسوس غار میں پھینک دیا (2)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ منافقین کے حق میں بددعا ہو کہ اللہ ان کے دل پھیر دے۔ ع اس بدعتی اور شکی قسمت کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی کم فہمی اور عدم تہرکی وجہ سے حق کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ شَرِيفٌ ﴿٥١﴾

”بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے۔ گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا ع۔ بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا ع۔ مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ع۔ بہت رحم فرمانے والا ہے ع۔“

ع یعنی وہ رسول جو تمہارے پاس تشریف لایا ہے وہ تمہاری جنس سے ہے تمہاری مثل اولاد اس کا مثل ہے، تم اس کے حسب و نسب کو جانتے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عرب کے ہر قبیلہ کا نبی کریم ﷺ سے نسبی تعلق تھا۔ حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نیکر آپ ﷺ کے زمانہ تک جہالت کی ولادت میں سے کوئی چیز آپ ﷺ کو لاحق نہیں تھی۔ یعنی آپ ﷺ شری نکاح کے ذریعے آباء سے امہات کی طرف منتقل ہوتے رہے، یعنی آپ ﷺ کے آباء میں سے کوئی بھی سفاح (بدکار) نہیں تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راایت فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری پیدائش اسلامی نکاح کے ساتھ ہوئی۔ زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے میری پیدائش نہیں ہوئی۔ (3)

ابن عباس زہری اور ابن جحیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے من النفسکم کو فاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ تمہارے پاس رسول آیا تمہارے شرف اور افضل لوگوں میں سے۔ (4)

ع تمہارا کسی مصیبت و مشقت میں جلتا ہوا ع۔ بہت گراں گزرتا ہے اس معنی کے اعتبار سے بقول بعض ماہ زائدہ ہے، قبحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ما مصدر یہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ما عنتم کا معنی ما ضللتکم کیا ہے، یعنی تمہارا گمراہ ہونا انہیں بہت شاق ہے شماک اور کبھی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی انتمم کیا ہے، یعنی تمہارا گمراہ ہونا آپ کو تکلیف دیتا ہے۔ اس

2- تفسیر بنو جلد 3 صفحہ 133 (القر)

1- تفسیر بنو جلد 3 صفحہ 132 (القر)

4- تفسیر بنو جلد 3 صفحہ 133 (القر)

3- تفسیر بنو جلد 3 صفحہ 133 (القر)

صورت میں ما موصول ہوگا۔ (1)

جس اس کریم آقا ﷺ کی ایک شان یہ ہے کہ وہ تمہارے ایمان اور تمہاری اصلاح احوال کا بہت خواہشمند ہے (اسے ہر وقت تمہاری بھلائی اور نیک فکری گراہتی ہے)۔

اسے وہ تم میں سے جو نور ایمان سے مزین ہیں اور جو دوسرے ایماندار ہیں سب کے لئے انتہائی رافت و رحمت کا اظہار فرمانے والا ہے، فواصل کی رعایت کے لئے دعوف میں مبالغہ زیادہ ہونے کے باوجود اسے مقدم فرمایا ہے (حالانکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ رسم پہلے ہو اور دعوف بعد میں ہو لیکن آیتوں کے قافیے ملانے کے لئے ترتیب بدل دی)۔ بعض علماء فرماتے ہیں اطاعت شعاعوں پر دعوف ہے اور گناہگاروں کے لئے رحم ہے۔

فَإِنَّ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٣١﴾

”(اے حبیب!) پھر اگر مزہ موز لیں تو آپ فرمادیں کافی ہے مجھے اللہ، نہیں کوئی معبود بجز اس کے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی میرا بڑا بڑا مالک ہے۔“

اگر یہ تھوڑے ایمان لانے سے مزہ موز ہے، اتنے ہی اتنے ہی مقابلہ میں جنگ کے لئے تیار ہوتے ہیں تو آپ فرمائیے میرا رب ان کے مقابلہ میں میری کفایت فرمائے گا، اور ان کے خلاف میری مدد کرے گا۔ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں تو صرف اسی سے امید رکھتا ہوں اور میرے دل میں اس کے سوا کسی کا خوف اور ڈر نہیں ہے وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ عرش کا خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا کیونکہ وہ ساری مخلوق سے بڑا ہے، عبد اللہ بن احمد رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ قرآن حکیم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہ دو آیات ہیں۔ 1۔ لقد جاءكم رسول من انفسكم الاية، 2۔ فان تولوا فقل حسبي الله الاية۔ اور فرمایا از روئے زمانہ کے یہ دو آیات جدید ہیں، واللہ اعلم۔ (2)

غزوہ تبوک کے سفر میں ظاہر ہونے والے معجزات

سورہ توبہ کا اکثر حصہ غزوہ تبوک کے متعلق ہے، اس کے بعض واقعات ہم نے تفسیر کے حتم میں ذکر کر دیے ہیں، اب ہم کلام کی تکمیل کے لئے بقية واقعات و معجزات کا ذکر کرتے ہیں جو اس سفر میں ظاہر ہوئے تھے۔

1۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن سلام سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر جب طحیج سے ہوا تو صحابہ کرام نے عرض کی حضور ﷺ پڑاؤ کے لئے یہ جگہ بہتر ہے، یہاں سایہ بھی گھٹتا ہے، پانی بھی موجود ہے اور اس جگہ گولکے درخت اور پانی کے کنوئیں بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ زر زری زمین ہے، میری اونٹنی کو جانے دو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے، پس آپ ﷺ کی اونٹنی مسجد ذی مرہ سے جو دوڑ کا درخت تھا اس کے پاس جا بیٹھی۔ (3)

2۔ محمد بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ واوی قری میں اترے تو نبی کریم ﷺ کے یہودیوں نے ہریس (دانوں کو چیس کر گوشت میں پکایا جاتا ہے) پیش کیا، آپ ﷺ نے خود وہ بھی تناول فرمایا اور ان کو چالیس وسق کھانا کھلایا (اور فرمایا) یہ قیامت تک ان پر جاری رہے گا۔ (1)

3۔ امام مالک، احمد، بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ، ابی کبیر انصاری اور یحییٰ الساعدی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مقام حجر سے گزر رہے تھے تو آپ ﷺ سواری پر سوار تھے اور چہرہ اقدس پر چادر ڈالی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ حجر کے مقام سے سواری کو دوڑا کر گزرے حتیٰ کہ خود کی تباہ شدہ ہستی سے آگے نکل گئے۔ وہاں جب اترے تو لوگ حجر کے گھروں میں گئے اور ان کو وہاں سے پانی بھرا لے، جن کو وہاں سے قوم شہود پانی جیتی تھی اور اسی پانی سے آٹا کھلا تھا اور گوشت کی ہاٹریاں تیار کریں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا پتہ چلا تو لوگوں میں الصلوٰۃ جامعۃ کی منادی کرائی۔ سب لوگ بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہو جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ ہاں روتے ہوئے وہاں سے گزرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہ عذاب آجائے جو ان پر آیا تھا اور ان کے کوئٹوں سے پانی نہ پیو، ندان کے پانی سے وضو کرو، اپنی ہاٹریاں اٹھ لے دو اور آٹا جو گوند حابہ افزوں کو کھلا دو۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے قافلہ سمیت وہاں سے کوچ کیا اور اس کوئٹوں پر پڑاؤ کیا جہاں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی بنا کر تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا معجزات کا سوال نہ کیا کرو، صالح علیہ السلام کی قوم نے معجزہ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پتھر سے اونٹنی پیدا فرمادی۔ وہ اس گھائی میں وارد ہوئی تھی اور اسی گھائی سے لٹھی تھی۔ شہودیوں نے اپنے رب کریم اور اپنے نبی کی بنا فرمائی کی اور اس اونٹنی کی کوئٹیں کاٹ دیں۔ وہ اونٹنی ایک دن سارا پانی پی جاتی تھی اور لوگ ایک دن اس اونٹنی کا دودھ پیتے تھے۔ پس انہوں نے اس کی کوئٹیں کاٹ ڈالیں تو ایک بیچ نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو سمجھے ہوئے کوئٹے کی طرح کر دیا، صرف ایک شخص بچ گیا تھا جو عذاب کے نزول کے وقت حرم میں تھا۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون شخص تھا؟ فرمایا ابو رقاع، پھر جب وہ حرم سے نکلا تو وہ بھی قوم کے عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ ہو گیا۔ تم اس قوم پر داخل نہ ہو جس پر اللہ کا غضب ہوا۔ ایک آدمی نے آواز بلند کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی متحجب بات نہ بتاؤں۔ تم میں سے ایک شخص زمانہ ماضی اور زمانہ مستقبل کی تمہیں خبریں دیتا ہے، پس تم دین کے ادا کام پر مضبوط رہو اور درست سمت چلتے رہو۔ کب تک اسے تمہیں عذاب دینے کی بھی کوئی پروا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم لائے گا جو اپنا دفاع نہ کر سکے گی۔ آج رات سخت ہوا چلے گی تم میں سے کوئی شخص کھڑا نہ ہو اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی پاؤں کی رسی مشبوہی سے باندھے، کوئی شخص دوسرے ساتھی کے بغیر اکیلا نہ نکلے۔ تمام لوگوں نے حضور ﷺ کے ارشاد پر عمل کیا لیکن بنی ساعدہ کے دو شخص ایسا نہ کر سکے۔ ان میں سے ایک قضاء حاجت کے لئے باہر نکلا اور دوسرا اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا، جو حاجت کے نکلنا تھا اس کا وہاں ہی ہوانے لگے بوجھ دیا اور اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا اس کو ہوانے اٹھایا اور جبل ملی پر پھینک دیا، رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں افراد کے متعلق بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں متحجب نہیں کیا تھا کہ دوسرے ساتھی کے بغیر باہر نہ نکلتا، جس کا گلد ہوانے دیا چلا تھا آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی تو وہ شفا یاب ہو گیا۔ دوسرے شخص کو طے کے لوگ حضور ﷺ کے پاس لے آئے

جبکہ آپ ﷺ مدینہ مدینہ پر غزوہ تبوک سے فارغ ہو کر پہنچے تھے (1)۔ حضور ﷺ کا تمام صحابہ کو سیراب کرنے کا واقعہ کعبہ کے حین میں گزر چکا ہے۔

4۔ محمد بن عمرو رحمہ بن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی تم ہو گئی تھی۔ لوگ اس کی تلاش میں نکلے تو زید بن اسبب جو پہلے نبی تصنیف کا بیہودہ تھا۔ پھر اسلام قبول کیا تھا لیکن اندر سے منافق تھا۔ وہ عمارہ بن حزم کے پڑاؤ پر رہتا تھا۔ اس (زید) نے کہا محمد کہتا ہے میں نبی ہواؤں کو آسان کی خبریں دیتا ہے، جبکہ اپنی اونٹنی کی خبر نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبکہ عمارہ بن حزم آپ ﷺ کے پاس موجود تھے، منافق نے اس طرح کہا ہے قسم بخدا میں تو صرف وہی جانتا ہوں جو اللہ نے مجھے سکھایا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی اونٹنی پر بھی اطلاع دی ہے۔ وہ وہادی کے اندر رظلاں گھاتی میں ہے۔ لوگ وہاں گئے تو اونٹنی کو پلا کر لے آئے (2)۔ عمارہ زید کے پاس آئے اس کی گردن پکڑی اور فرمایا اے اللہ کے دشمن میرے پڑاؤ سے نکل جا۔ آنکہ میرے ساتھ نہ رہتا۔ ابن اخطب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ زید نے بعد میں توبہ کر لی تھی اور بعض فرماتے ہیں وہ منافقت پر ہی ہلاک ہوا تھا (3)۔

5۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر سے پہلے تھکا، حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ (آپ ﷺ نے دیر لگادی) سورج چڑھنے سے قریب ہو گیا۔ لوگوں کو نماز کے جانے کا خطرہ ہوا تو انہوں نے عبد الرحمن بن عوف کو مصلیٰ امامت پر آگے کیا اور انہوں نے نماز پر حلالی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، وہ سوفرمایا، جب مہار کی آستینیں نکل ہوئی تو وجہ سے آپ ﷺ نے بازو جھکے گئے، نکال کر دھوئے اور زخموں پر مسح فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک رکعت جماعت پالی اور ایک رکعت علیحدہ مکمل فرمائی، سلام پھیرا تو فرمایا تم نے بہت اچھا کیا، نماز کو ہمیشہ وقت پر ہی پڑھا کرو اور کوئی نبی اس وقت تک وصال نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنی امت کے کسی نیک صالح فرد کے پیچھے نماز نہیں پڑھ لیتا۔

6۔ امام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سبیل بن ہشام کو اپنی سواری پر بیچھے بنمایا ہوا تھا اور بلند آواز سے یا سہیل تین مرتبہ فرمایا۔ سبیل نے کہا حضور ﷺ میں حاضر ہوں۔ لوگ سمجھ گئے کہ حضور ﷺ میں بلانا چاہتے ہیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا جو یہ گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ تعالیٰ آگ پر اسے حرام کر دے گا۔ (4)

7۔ محمد بن عمرو اور ابو نعیم نے دلائل میں روایت کیا ہے کہ لوگوں کے سامنے راستہ پر ایک بہت بڑا سانپ آ گیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی سواری کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ سواری پر سوار تھے۔ لوگ اس سانپ کو کچھ رہتے۔ وہ سیدھا کھڑا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ان آٹھ جنوں میں سے ہے جو میرے پاس قرآن سننے کے لئے آئے تھے۔ یہ تمہیں سلام کہتا ہے۔ تمام لوگوں نے کہا وہ علیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (5)۔

8۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کے رجال سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان شاء اللہ کل تم جوک کے چشمہ پر پہنچو گے اور تم وہاں چاشت کے وقت پہنچو گے۔ جو مجھ سے پہلے پہنچ جائے وہ پانی کو ہانک نہ چھوئے، حتیٰ کہ میں پہنچ جاؤں۔ راوی فرماتے ہیں ہم چشمہ پر پہنچے تو وہ آدمی ہم سے پہلے پہنچ چکے تھے اور

1۔ سل الہدیٰ دارالارشاد، جلد 5، صفحہ 47-446 (اعلیٰ)

2۔ سل الہدیٰ دارالارشاد، جلد 5، صفحہ 448 (اعلیٰ)

3۔ سل الہدیٰ دارالارشاد، جلد 5، صفحہ 449 (اعلیٰ)

4۔ معجم کبیر، جلد 6، صفحہ 210 (اعظم، اہم)

5۔ سل الہدیٰ دارالارشاد، جلد 5، صفحہ 450 (اعلیٰ)

چترتھوڑا تھوڑا بہر ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے کہا تم نے اس کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہی۔ آپ ﷺ ان پر ناراض ہو گئے اور جو کچھ اللہ نے چاہا وہ انہیں کہا۔ پھر لوگوں نے چشمہ سے تھوڑا تھوڑا پانی چلوؤں سے نکالا اور ایک سنگ میں جمع کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس پانی سے اپنا چہرہ اقدس اور اپنے ہاتھ دھوئے، کئی فرمائی اور پھر کئی گال پانی کو سینے میں ڈال دیا۔ برکت نبوت سے چشمہ رواں ہو گیا اور بہت سا پانی لکھنا شروع ہو گیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس طرح ہے کہ جو نبی سرکار نے کئی دلی واپی چھوٹ پڑا حتیٰ کہ جو کسی کی آواز سنتا تھا وہ اسے تیز آواز میں ہی آواز محسوس کرتا تھا، یہی پانی تبوک کا فوارہ ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اسے معاذ اگر اللہ تعالیٰ تجھے یہی زندگی عطا فرمائے گا تو تو دیکھے گا کہ یہاں باغات ہی باغات ہوں گے (۹)۔ یعنی اور ابو نعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ وہ چشمہ لکھنے لگا حتیٰ کہ وہ بھگیا اور قیامت تک اسی طرح رہے گا۔

9۔ امام احمد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گھوڑے کا تار سے لگا کر تبوک کے سال خطاب فرمایا فرمایا کیا میں تمہیں بتا دوں کہ سب سے بہتر انسان کون ہے اور سب سے برا کون ہے، سب سے بہتر انسان وہ ہے جو گھوڑے کی پیٹھ پر یا اوٹ کی پیٹھ پر یا پیدل چل کر راہ خدا میں مرتے دم تک جہاد کرتا ہے اور برا انسان وہ ہے جو اللہ کی کتاب کو پڑھتا ہے لیکن اس کے احکام کی رعایت کرتے ہوئے گناہوں سے نہیں رکتا۔ (2)

10۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو پہلو کا گوشت پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے چھری منگوائی، ہم اللہ پر مہم اور اسے کاٹا۔

11۔ امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک لڑکا گدھے پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے سامنے سے گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہم الطعۃ انہم آپ ﷺ کا یہ فرمان تھا کہ وہ فوراً پانچ ہو گیا۔ (3)

12۔ محمد بن عمر نے نبی سہد کے ایک شخص سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ ﷺ صحابہ کے جہرمت میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے بلال میں کچھ کھلاؤ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خمی اور خیر میں گوندھی ہوئی گھوڑی اپنے ہاتھ سے نکالیں، حضور ﷺ نے فرمایا تم بھی کھاؤ۔ ہم سب نے سیر ہو کر وہ کھا لیں۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں چاہتا تو یہاں کیا کھا جاتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرسات آتوں میں کھاتا ہے اور میں ایک آنت میں کھاتا ہے۔ پھر میں دوسرے دن حاضر ہوا تو اس افراد آپ ﷺ کے ارد گرد بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا بلال کھانا لاؤ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی خورجی سے مٹی مٹی گھوڑی نکال رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دل کھول کر کھلاؤ اور صاحبِ مٹی کی ذات سے کی کا اندیشہ نہ کرو۔ وہ پوری خورجی لیکر آئے اور انہیں دی۔ میں نے ان کا اندازہ وہ دہ لگایا۔ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا ہم اللہ پڑھ کر کھاؤ، پس سب نے کھایا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ کھایا، حتیٰ کہ مجھے کوئی کھائش نہ رہی فرماتے ہیں دسترخوان پر اتنا ہی بانی تھا جتنا بلال لائے تھے۔ یوں لگتا تھا گویا ہم نے اس سے ایک گھوڑی بھی نہیں کھائی۔ پھر میں تیسرے دن صبح حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں دس یا ایک دو آدمی زائد بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلال کھانا لاؤ۔ بلال رضی اللہ عنہ وہی خورجی لائے جسے میں پہچان چکا تھا۔ انہوں نے وہ بکھیر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان گھوڑوں پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا ہم اللہ شریف پڑھ کر کھاؤ ہم نے کھانا

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 238 (سار)

2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 238 (سار)

3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 102 (وزارت تعلیم)

شروع کیا۔ سب نے سیر ہو کر کھایا پھر اتنا ہی دوبارہ خورجی میں ڈالا جتنا کہ پہلے اُٹھا یا تھا۔ تین دن متواتر ایسا ہی ہوا۔

ایک دوسرا واقعہ بھی ہے جسے محمد بن عمر، ابو نعیم اور ابن عساکر جہم اللہ تعالیٰ نے عرباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہم تین آدمی تھے۔ میں، یحییٰ بن سراقہ اور عبد اللہ بن مفضل المرزبی، ہم تینوں بھوکے تھے۔ ہم در رسول ﷺ پر زندگی بسر کرتے تھے، حضور نبی کریم ﷺ ایک دن قربہ (خیر) میں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے کوئی چیز تلاش فرمائی لیکن نہ پائی۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور بلال کو آواز دیکر فرمایا ان لوگوں کے لئے شام کا کھانا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تمام چیزیں ایک ایک کر کے جھانڈیں، ہر ایک سے ایک دو دو بھجوریں نکلیں۔ میں نے دیکھا آپ ﷺ کے ہاتھ میں کل سات بھجوریں تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے ایک پلیٹ منگوائی، اس میں بھجوروں کو رکھا اور پھر ان بھجوروں پر اپنا دست برکت رکھا اور بسم اللہ شریف پڑھی اور ہمیں فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو، ہم نے وہ بھجوریں کھائیں۔ میں نے چون (54) بھجوریں کھائیں، ان کو شمار کر کے کھانا ہا اور ان کی گھٹلیاں دوسرے ہاتھ میں جمع کرتا رہا، میرے دوسرے دونوں ساتھی بھی میری طرح کرتے رہے، ہم نے پیٹ بھر کر بھجوریں کھائیں، تقریباً ہم میں سے ہر ایک نے پچاس بھجوریں کھائیں، ہم سب نے جب کھانے سے ہاتھ اٹھائے تو سات بھجوریں ہی طرح دسترخوان نبوت پر موجود تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کھانا اٹھا لو۔ اب ان میں سے کوئی بھی نہیں کھا رہا ہے، ہم سب سیر ہو چکے تھے۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز ادا فرمانے کے بعد اپنے خیر کے سامنے تشریف فرما ہوئے۔ ہم جیسے در نبوی کے کھانے ادا آپ ﷺ کے ارد گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے پاس صبح کا کھانا ہے؟ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھجوریں لانے کا حکم فرمایا، آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھجوریں پیش کیں تو آپ ﷺ نے ان بھجوروں پر ہاتھ رکھا جو ایک پلیٹ میں رکھی ہوئی تھیں۔ پھر فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو۔ ہم نے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ معوث فرمایا ہم جس آدمیوں نے خوب سیر ہو کر کھانا تناول کیا۔ پھر ہم نے کھانے سے ہاتھ اٹھائے تو بھجوریں ہی طرح موجود تھیں، جس طرح پہلے تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اپنے پروردگار کا شرم و حیا نہ ہوتا تو ہم ان بھجوروں کو مدینہ طیبہ لے کر لے جاتے۔ شہر کا ایک چھوٹا سا بیچ ظاہر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ بھجوریں اسے عطا فرمادیں۔ وہ بچان بھجوروں کو منہ میں چباتے ہوئے مڑ کر چلا گیا۔ (1)

محمد بن عمرو روایت کرتے ہیں تو کہ میں ایک نخت ہوا چلی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ایک بڑے سائق کی موت کی وجہ سے چلی ہے۔ جب واپس مدینہ آئے تو پتہ چلا کہ بڑا سائق مر چکا ہے۔ محمد بن عمر نے روایت کیا ہے کہ قبیلہ حد کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کا در جو دو حطائے کبر کرتے ہیں اور ہم اپنے اہل و عیال کو ایک ایسے کوئیں پر چھوڑ آئے ہیں جس کا پانی بہت کم ہے اور یہ گرمی کی شدت تو آپ خود محسوس کر رہے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم اگر نکھر گئے تو ہم قتل کر دیئے جائیں گے کیونکہ اسلام کا نور ابھی تک ہمارے ارد گرد تک نہیں پہنچا۔ آپ ہمارے لئے پانی میں اضافہ کی دعا فرمائیں۔ اگر ہم اس کوئیں سے سیراب ہوتے رہے کوئی قوم ہم پر غالب نہیں آئے گی اور کوئی مخالف ہماری طرف مہلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین کنگریاں لے آؤ۔ انہوں نے وہ کنگریاں پیش کیں تو آپ ﷺ نے کچھ دیر اپنے دست برکت و شفا میں انہیں مسلا، پھر فرمایا یہ کنگریاں لے جاؤ اور ایک ایک کر کے بسم اللہ شریف پڑھ کر کوئیں میں ڈال دینا تو ہم وہ

کنگریاں نیکر واپس گئی اور حسب حکم عمل کیا۔ پس نبی کریم ﷺ کی برکت سے وہ کواں اٹھنے لگا، اس سیرابی کے بعد سعد قبیلہ نے مشرکوں کو ہاں سے بھگا دیا اور انہیں کھل دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو قبیلہ سعد نے اپنے ارد گرد کے لوگوں کو جمع کیا ہوا تھا اور اسلام کے قریب آچکے تھے۔ (1)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر اور معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہم سے یہی کہی اور ابن سعد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن سورج طلوع ہوا، اس کی شعاعیں اوردنور پہلے کی طرح نہ تھا۔ ایسی کیفیت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، جبرئیل امین آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے سورج کی شعاعوں کی تبدیلی کا سبب دریافت فرمایا۔ جبرئیل نے فرمایا آج معاویہ بن معاویہ امرونی مدینہ طیبہ میں وصال فرما گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتوں کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بھیجا ہے کیا آپ بھی ان پر نماز پڑھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی اور فرشتوں نے آپ کے پیچھے دو صیغے پانچ سو۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا جبرئیل! معاویہ کو یہ مرتبہ کیسے ملا ہے، جبرئیل نے کہا وہ سورۃ قل هو اللہ احد سے بہت محبت کرتا تھا، اٹھنے بیٹھنے، سوار، پیدل ہر حال میں وہ اس کی تلاوت کرتا رہتا تھا (2)۔ حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ طبرانی اور ابونعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے محمد بن حمزہ و عمر والا سلمیٰ من ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرودۂ حبشہ کی طرف تشریف لے گئے تو میں اس سفر میں آپ ﷺ کی خدمت پر مامور تھا۔ میں نے دیکھا کہ غمی کے پران میں غمی بہت کم رہ گیا ہے۔ میں نے آپ ﷺ کے لئے کھانا تیار کرنا تھا۔ میں نے دھوپ میں اس برتن کو رکھ دیا تاکہ غمی گرم ہو جائے۔ میں اسے دھوپ میں رکھ کر سو گیا، اس غمی کے اٹھنے کی آواز سے بیدار ہوا، میں اٹھا تو اپنے ہاتھ سے اس برتن کو اوپر سے بند کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اگر تو اس غمی کو پہننے دیتا تو یہ وادی غمی سے بھر جاتی (3)۔ حارث بن اسامہ، ابن عمر، عبد اللہ امرونی سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا میرا یہ خط روم کے بادشاہ کی طرف کون لے جائے گا؟ اسے اس کے بدلے جنت ملے گی۔ ایک شخص نے عرض کی حضور ﷺ اگرچہ وہ قبول نہ بھی کرے (آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ قبول نہ بھی کرے) وہ آدمی خط لیکر چلا گیا۔ بادشاہ روم نے خط پڑھا اور کہا، اپنے نبی سے عرض کرنا کہ میں ان کا تابعدار ہوں لیکن میں اپنا ملک و بادشاہی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اس نے پیغام رساں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دینا دے کر واپس بھیجا، پیغام رساں واپس آیا تو قیصر کی پوری بات عرض کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ مجھ سے ہے اور آپ ﷺ نے وہ دنائیر لوگوں میں تقسیم فرمائیے۔ (4)

امام احمد اور ابویعلیٰ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حسن سند کے ساتھ سعید بن ابی ارشد بن النوفلی رسول ہرقل کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حبشہ پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھ لیا کہ ہرقل کی طرف بھیجا۔ جب حضور ﷺ کا دعوت نامہ اسے پہنچا تو اسے اپنے ملک کے پادریوں اور علماء کو بلا دیا اور روزہ بند کر کے ان سے خطاب کیا، اس نے کہا تم جانتے ہو کہ یہ شخص (محمد ﷺ) حبشہ میں آیا ہوا ہے۔ اس نے مجھے تم جن چیزوں میں سے ایک قبول کرنے کی دعوت دی ہے، یا تو میں ان کے دین (اسلام) کی پیروی کروں، یا تم انہیں اپنی ذات میں پرکھیں اور اگر میں اور زمین ہمارے ملکیت میں رہے۔ یا تم ان سے جنگ کریں۔ تم ختم آسمانی کتب پڑھ چکے ہو

2۔ دلائل البیہ ۱۰ از تالیق، جلد 5 صفحہ 46-245 (اصحیہ)

1۔ سئل الہدیٰ وارشاد، جلد 5 صفحہ 56-454 (اصحیہ)

4۔ سئل الہدیٰ وارشاد، جلد 5 صفحہ 457 (اصحیہ)

3۔ دلائل البیہ ۱۰ از ابونعیم، جلد 2 صفحہ 560 (عربیہ مطب)

(جن میں نبی آخر الزمان کا تذکرہ ہے یہ وہی ہے) آؤ ہم مل کر اس کی پیروی کریں یا دوسری صورت ہے کہ ہم اپنی زمین پر نکل ادا کریں۔ وہ یہ گفتگو سنتے ہی آگ بگولا ہو گئے اور ہر نکل پڑے اور یہ بڑ بڑا رہے تھے کہ تو ہمیں نصرا میت چھوڑنے کی دعوت دے رہا ہے یا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہم تیری عجازی کے غلام بن جائیں۔ جب اس نے ان کا یہ جوش اور غصہ دیکھا تو سوچا کہ یہ لوگ اگر نکل گئے تو پورے روم میں میرے خلاف ماحول خراب کر دیں گے۔ نکل کے اوپر چڑھ گیا اور کہا اے بھائی میں نے تو یہ تمہاری دینی اور ملی غیرت و حمیت پر کھنے کے لئے کہا ہے۔ پھر قیصر نے تجیب عربی النسل شخص کو بلایا جو عربی نصاریٰ میں سے تھا۔ اسے قیصر نے کہا یہ شخص بلاؤ جو عربی جانتا ہو اور اس کا حافظہ بھی تیز ہو اسے ان کے خط کا جواب دے کر بھیجو۔ راوی فرماتے ہیں وہ شخص میرے پاس آیا اور مجھے اس پیغام رسائی کے لئے منتخب کیا۔ ہر نکل نے مجھے اپنا وہ جوانی خط دیا اور کہا کہ میرا یہ خط اس شخص (محمد ﷺ) کے پاس لے جاؤ اور جو کچھ ان سے سناؤ وہ کچھ یاد کر کے پہنچاؤ اور تین چیزوں کا خاص خیال رکھنا: 1- کیا وہ اپنے خط کا ذکر کرتا ہے جو اس نے ہماری طرف لکھا تھا یا نہیں 2- جب وہ میرا خط پڑھتا ہے تو رات کا ذکر کرتا ہے یا نہیں 3- ان کی پیشہ کی طرف دیکھنا کیا اس میں کوئی ایسا چیز ہے جو تمہیں شک میں مبتلا کرتی ہو۔ راوی فرماتے ہیں میں وہ خط لکھ کر نکل پہنچا تو آپ ﷺ صحابہ کرام کے درمیان ایک کنویں کے اوپر گوت مار کر بیٹھے تھے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا تمہارا سردار رات کا ذکر کیا ہے، مجھے بتایا گیا کہ وہ تعریف فرمائیں، میں آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا، میں نے وہ خط دیا تو وہ انہوں نے اپنی گود میں رکھ دیا۔ پھر مجھ سے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا حضور! میرا تعلق قبیلہ تغلبہ سے ہے فرمایا اسلام کو قبول کرے گا جو حضرت امراہیم علیہ السلام کا دین ہے، میں نے کہا میں تو تم کا پیغام رساں بن کر آیا ہوں، میں وہاں نہیں جاتے تک تو ان کے دین پر ہی رہوں گا۔ آپ ﷺ نے جملہ بن کر اس کے اور یہ آیت کریمہ پڑھی: إِنَّكَ لَا تَهْدِي عَنَّا وَيَسْتَلِمْ إِلَيْنَا اللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ۔ اسے سن کر میں نے ایران کے شہنشاہ کو خط لکھا تھا، اس نے اسے چھاڑ دیا، اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو نکل سے نکلے کر دے گا۔ میں نے بادشاہ جوش کو خط لکھا اس نے بھی چھاڑ دیا، اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے ملک کو پارہ پارہ کر دے گا۔ میں نے تمہارے بادشاہ کو خط لکھا اس نے چھاڑ نہیں رکھا، پس جب تک اس کی زندگی میں خیر اور بھلائی ہے، لوگ اس کے مطیع اور تابع اور ہیں گے۔ میں نے کہا ایک تو یہی بات تھی جس کی مجھے بادشاہ نے وصیت کی تھی، میں نے اسے ترشش سے تیر نکالا اور اس کے ساتھ اپنی کنوارے دست پر اس بات کو لکھا لیا۔ پھر آپ ﷺ نے وہ خط ایک اپنی بائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص کو عطا فرمایا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا تمہارا یہ خط پڑھنے والا آدمی کون ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ معاہدہ ہے، اس خط میں یہ لکھا تھا جو قیصر روم نے بھیجا تھا۔ تمہارا ساتھی (محمد ﷺ) مجھے جنت کی طرف بلاتا ہے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو متعین کے لئے سمائی گئی ہے۔ تو پھر دوزخ کہاں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا سبحان اللہ! جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے۔ پھر میں نے ترشش سے تیر نکال کر کنوارے دست پر اس بات کو لکھی لکھ لیا۔ جب خط پڑھنے سے فراغت ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرا ہم پر حق ہے، تو تو تم کا پیغام رساں ہے اگر ہمارے پاس کچھ انعام دینے کے لئے ہوتا تو ہم تجھے ضرور انعام دیتے مگر غریب مسافر ہیں۔ راوی فرماتے ہیں ایک شخص نے بلنداؤ آواز ہے کہا میں اسے انعام دیتا ہوں، اس نے اپنے سامان سے زرد رنگ کا ایک سوٹ نکالا اور میری گود میں رکھ دیا میں نے پوچھا یہ انعام دینے والا کون ہے؟ بتایا گیا یہ عثمان ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کی جہان نوازی کو نون کرے گا۔ ایک انصاری جوان نے عرض کی حضور ﷺ! میں۔ انصاری انھما اور میں بھی اس کے ساتھ وہاں سے نکل پڑا۔ جب میں

جس سے باہر آیا تو پھر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمایا اے توفی ادھر آؤ۔ میں آیا تو پھر حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنی پینے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا جس طرف کہہ رہا ہوں ادھر آؤ۔ میں پینے کی طرف بیٹھ گیا، تو میں نے دیکھا کہ کندھے کے قریب مہربوت ہے جو توفی سبکی کی طرح ہے (۱) (سبکی وہ چھوٹا سا برتن جو جسم پر لگا کر کندھا خون اور فاسد مادہ نکالا جاتا ہے)۔ محمد بن عمر کہتے ہیں جب وہ شخص ہرقل کے پاس پہنچا تو سارا واقعہ عرض کیا۔ ہرقل نے اپنی قوم کو نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی طرف بلایا تو انہوں نے انکار کیا، مگر ہرقل کو اپنے ملک و بادشاہی کا تخت ڈولنے ہوئے نظر آنے لگا۔ ہرقل محض میں تھا تو اس پر کتنے طاری ہو گیا۔ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کی یہ اطلاع دی تھی کہ ہرقل اپنے ساتھیوں کی معیت میں شام کی ادا کی قریب پہنچ گیا ہے، وہ سب جھوٹ تھا ہرقل نے کوئی ایسا پروگرام اور ارادہ نہیں کیا تھا۔ سبکی نے لکھا ہے کہ ہرقل نے چند تعارف حضور ﷺ کی بارگاہ میں بھیجے تھے۔ آپ ﷺ نے وہ تعارف قبول فرمائے اور مسلمانوں میں تقسیم فرمادے۔ ہرقل نے ایک شخص کو یہ بتا کر نے کا حکم دیا کہ ہرقل محمد ﷺ پر ایمان لے آیا ہے اور اس کی بیروی شروع کر دی ہے۔ یہ پیغام ملتے ہی علی کے اردگرد اسلحے سے لیس لشکر جمع ہونا شروع ہوئے اور کئی کئی میلے سے میں لے لیا۔ وہ لوگ ہرقل کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ ہرقل نے حالات کی سمجھنی دیکھ کر بیٹھا ابدلا اور پیغام بھیجا کہ یہ منادی میں نے تمہارا اپنی صلاحیت و جنگی جانچنے کے لئے کرائی تھی، میں تمہاری یہ دینی غیرت دیکھ کر بہت خوش ہوں، پس لوگ اس کی یہ بات مان گئے۔ پھر ہرقل نے دیکھی کو خط لکھ کر دیا جس میں یہ تحریر تھی، میں مسلمان ہوں لیکن میں اپنے معاملہ میں مغلوب اور بے بس ہوں، جب آپ ﷺ نے اس کا خط پڑھا تو فرمایا اللہ کے دھن نے جھوٹ بولا ہے وہ مسلمان نہیں ہے، ہر انصافیت پر قائم ہے۔ (2)

تیسری رحمت اللہ علیہ نے ابن اسحاق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں مجھے یزید بن رومان اور عبداللہ بن بکر نے بتایا (اسی طرح تیسری رحمت اللہ علیہ نے مروان بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے) کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے تو آپ ﷺ نے خالد بن ولید کو چار سو نہیں شہسواروں کے ساتھ 9 ہزار جب کے مہینہ میں اکیدر بن عبدالملک کی طرف دو تہ اہل کوروا نہ فرمایا۔ اکیدر کا تعلق کندہ سے تھا اور یہ عیسائی مذہب کا پیر و کالتھا۔ خالد نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں اس پر کیسے فتح حاصل کروں گا، بیکہ وہ کلب کے شہروں کے درمیان میں ہے اور ہم جو لوگ چار سے ہیں ہماری تعداد بھی کم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اکیدر کو جنگی گائے کا کفار کرتے ہوئے پاؤ گے تم اسے گرفتار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دو تہ اہل کوروا سے عطا فرمائے گا۔ اگر اکیدر کو گرفتار کرو تو اسے قتل نہ کرنا میرے پاس لے آنا، خالد بن ولید اپنے نبی غیب دان کا ارشاد سن کر چل پڑے اور چاندنی رات میں حد نظر کے فاصلہ پر قلعہ کے قریب پہنچ گئے۔ اکیدر اپنی بیوی رباب کے ساتھ اونچی جگہ پر تھا پھر اکیدر گرمی کی وجہ سے اپنی گائے والی ٹونڈی کے ساتھ علی کی چھت پر چڑھ گیا، اس نے شراب منگوائی اور لی لی۔ ایک جنگی گائے آئی اور اپنے سینوں کے ساتھ نئے قلعہ کا دروازہ کھولنے لگی، اکیدر چھت سے نیچے اترا اور گھوڑے پر سوار ہوا اس کے ساتھ اس کا بھائی حسان اور دو غلام بھی سوار ہو کر نکلے۔ جب وہ گائے کے پیچھے قلعے سے دور نکل گئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے گھوڑے سواروں نے اکیدر کو گرفتار کر لیا۔ حسان نے گرفتاری دینے سے انکار کیا اور لڑتے لڑتے مارا گیا، دونوں غلام اور جو دوسرے لوگ تھے سب بھاگ کر قلعہ میں داخل ہو

گئے۔ حسان نے ریشمی قبا پہنی ہوئی تھی جس پر سونے کا کام ہوا تھا۔ وہ اتاری گئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اکیڈر کو کہا میں تجھے تلے سے امان دیتا ہوں تھی کہ تم رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو اور دو سو کی فتح میں میرے ساتھ تعاون کرو، اکیڈر نے کہا ٹھیک ہے مجھے دونوں شرائط کچھ ہیں۔ خالد اسے لیکر قلعہ کے قریب پہنچے، اکیڈر نے اپنے گھروالوں کو آواز دی کہ قلعہ کا دروازہ کھول دو۔ انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا تو اکیڈر کا بھائی مصادا اڑ گیا۔ اکیڈر نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہا تم بھلا مجھے تیری قید میں دیکھ کر یہ کبھی میرے لئے دروازہ نہیں کھولیں گے، آپ بھلا آزاد کرویں، میں تجھے اللہ اور امانت کا عہد دیتا ہوں کہ میں تمہارے لئے قلعہ کھول دوں گا بشرطیکہ تم مجھ سے میرے اہل پر صلح کرو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھ سے صلح کرتا ہوں۔ اکیڈر نے کہا مال صلح کا فیصلہ جو چاہیں آپ خود فرمادیں اور اگر کر سکتے تو بدل صلح کا فیصلہ میں خود کر دیتا ہوں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو تو دے گا ہم قبول کر لیں گے۔ پھر دو ہزار اونٹ، آٹھ سو خود اور چار سو زبردیں اور چار سو تیزوں پر صلح ہوئی اور ساتھ یہ شرط بھی پوری کریں گے کہ اکیڈر اور اس کا بھائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، جو چاہیں گے حضور ﷺ ہی فیصلہ فرمائیں گے۔ جب یہ سب شرائط طے ہو گئیں تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے آزاد کر دیا۔ اکیڈر نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ قلعہ میں داخل ہوئے اور اکیڈر اور اس کے بھائی مصادا کو گرفتار کر لیا۔ اونٹ، غلام اور ہتھیار جو کچھ بدل صلح طے ہوا تھا سب لے لیا۔ جب خالد بن ولید کو اکیڈر اور اس کے بھائی پر کھلم کھلا بے ہوگی تو عمر بن امیہ الضمیر کی کور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کامیابی کی بشارت دینے کے لئے بھیجا اور حسان کی وہ ریشمی قبا بھی دے کر بھیجی۔ حضرت انس اور جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہم نے اکیڈر کے بھائی حسان کی یہ قبا دیکھی تھی۔ جب ضمیر ہی حضور ﷺ کے پاس ٹھکرائے تھے تو لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوئے تھے اور ان کی نرمی اور خوبصورتی پر تعجب کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم ان قبا کی خوبصورتی اور طاعت پر تعجب کر رہے ہو، جسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، سعد بن معاذ کے رومال جنت میں اس سے (ہزار درجہ) ملامت اور خوبصورت ہیں۔ پھر جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بدل صلح پر قبضہ کر لیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے لئے کچھ سامان علیحدہ کر لیا۔ اس کے بعد مال قیمت سے شمس نکالا، اور بقیہ حصہ غازیوں میں تقسیم فرمادیا۔ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس مال قیمت سے ایک ذرع، ایک خود اور دس اونٹ ملے تھے۔ والدہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں مجھے اس سے سات نصاب ملے، عبد اللہ بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم بنی حنین کے چالیس افراد تھے ہر شخص کو ہتھیار، ذرع اور تیزوں کے علاوہ پانچ نصاب ملے۔ میں کہتا ہوں حصوں کا تقاضا قیمت کے تقاضا کی وجہ سے ہے، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کی طرف اکیڈر اور مصادا کو لیکر چلے۔ محمد بن عمر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اکیڈر کو گرفتار کر کے لائے تو اس نے سونے کی سلیب اور ریشمی لباس پہنا ہوا تھا، جب اس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو وہ آپ کو بچہ کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے دوسرے تپا بنا دینے کا اشارہ فرمایا۔ اکیڈر نے رسول اللہ ﷺ کو تحائف بھیجے تھے جن میں لباس بھی تھا۔

ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان تحائف میں ایک فخر بھی تھا اور اس نے تین سو دینار جزیہ پر صلح کی تھی۔ آپ ﷺ نے اکیڈر اور اس کے بھائی کا خون معاف کر دیا تھا اور انہیں آزاد کر دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ایک خط لکھا تھا جس میں ان کی توبہ کی امان تحریر تھی (1)۔ جب رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو اکیڈر کی گرفتاری کے لئے بھیجا تھا تو ایلہ کے بادشاہ یحییٰ بن رواد کو اندیشہ ہوا کہ

رسول اللہ ﷺ ہم پر بھی کوئی لشکر نہ بھیج دیں، جس طرح اکیدر پر بیٹھا ہے تو وہ خود ہی چل کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور اس کے ساتھ اہل جبر باور اور رخ بھی تھے۔ ابوجہد الساعدی کہتے ہیں الیہ کا بادشاہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو سفید شجر بطور تحفہ پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک چادر عطا فرمائی اور اسے ایک خط لکھ کر دیا (۱) اس حدیث کو ابن ابی شیبہ اور بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن ربیعہ کو خود دیکھا تھا جس دن وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا تھا۔ اس نے سونے کی صلیب لٹکائی ہوئی تھی اور پیشانی کے بال باندھے ہوئے تھے۔ اس نے سر سے جھکنے کا اشارہ کیا تو حضور ﷺ نے اس کو سر اٹھانے کا اشارہ فرمایا۔ اسی دن حضور ﷺ نے اس سے صلح فرمائی تھی اور اسے سبکی چادر بھی عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابوالعاسم بن عبد اللہ بن محمد رضی اللہ عنہ نے بعد میں وہ چادر تین سو دینار میں خریدی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرنے کا حکم فرمایا۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اہل جبر باور تین سو فرادہ تھے ان پر سالانہ تین سو دینار ٹیکس مقرر کیا گیا اور انہیں آپ نے ایک تحریر بھی لکھ کر دے دی۔ آپ ﷺ نے اہل اذخ کو بھی ایک تحریر دی تھی اور اہل شتاسے آپ ﷺ نے پھل اور کیتھوں کے چوٹھائی پر صلح کی تھی۔ ابن ابی شیبہ، احمد اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابوجہد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں الیہ کا بادشاہ ابن العاص رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک تحریر لایا اور آپ ﷺ کو ایک سفید شجر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے بھی اسے تحریر لکھی دی اور ایک چادر اسے عطا فرمائی (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن کثیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے بیس دراز تیس جھوک میں قیام فرمایا اور نماز قصر فرمائی۔ محمد بن عمر، ابن سعد اور ابن حزم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم نے بھی یہی لکھا ہے، ابن عقبہ اور ابن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آپ دس راتوں سے کچھ زاد ٹھہرے (3)۔ محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جھوک سے شام کی طرف جانے کا صحیحہ کرام سے مشورہ لیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے تو ضرور جانے کو روانہ ہاں رومی کثرت سے متبع ہیں اور اہل اسلام میں سے وہاں کوئی بھی نہیں ہے، ہم ان کے قریب پہنچ چکے ہیں اور آپ ﷺ کے اتنے قریب تشریف لانے انہیں خوفزدہ کر دیا ہے، اگر ہم اس سال واپس چلے جائیں اور حالات کا جائزہ لیں یا اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی دوسرا حکم دے دے۔ (4)

امام احمد، طبرانی اور طحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ جھوک کے موقع پر فرمایا تھا کہ جب طاعون کسی زمین میں پیدا ہو جائے تو وہاں سے نہ نکلو اور اگر تم کسی دوسری جگہ ہو تو طاعون والی زمین کی طرف مت آؤ۔ حافظ نے بذل الماعون میں لکھا ہے کہ شاید حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی ہو کہ جس طرف آپ ارادہ فرما رہے ہیں وہاں طاعون کا مرض پھیلا ہوا ہے، بغیر قتال کے واپس لوٹنے کا ایک یہ سبب بھی ہو (5)۔ ابن ابی حاتم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے دلائل النبوة میں ضعیف سند کے ساتھ شہ بن حوشب کے حوالے سے عبد الرحمن بن ظنم رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ یہود حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور کہنے لگے اگر آپ نبی ہیں تو شام کو جانیے کیونکہ شام محشر کی زمین ہے اور انبیاء کی زمین ہے۔ آپ ﷺ نے ان کی

2۔ سل الہدیٰ والارشاد، جلد 5، صفحہ 460-61 (اعلیٰ)

1۔ سل الہدیٰ والارشاد، جلد 5، صفحہ 460-61 (اعلیٰ)

4۔ سل الہدیٰ والارشاد، جلد 5، صفحہ 461-62 (اعلیٰ)

3۔ سل الہدیٰ والارشاد، جلد 5، صفحہ 463-64 (اعلیٰ)

5۔ سل الہدیٰ والارشاد، جلد 5، صفحہ 462 (اعلیٰ)

بات کی تصدیق کر لی، آپ غزوہ کی طرف روانہ ہوئے اور تبوک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل کی آیات نازل فرمائیں:

قُرْآنٌ كَاذِبٌ وَّالْيَسْمِينُ ذُنُوبٌ مِّنَ الرِّجَالِ يَلْعَنُونَ ﴿١﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ پہنچے اور اس لوٹ جائیں۔ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ابو یعلیٰ، ابو نعیم اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ اجازت فرمائیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے کھائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو اونٹ ذبح کرنے سے روک دیا اور باہر گارسالت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے انہیں اپنے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دی تو یہ سب اونٹ کھا جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہوں نے سخت جھوک کی مجھ سے شکایت کی تھی۔ اس لئے میں نے ایک جماعت کو ایک دو اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دی ہے۔ جو اونٹ بیچ جائیں ان پر پانچ ماہی ماری سوار ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ نے اجازت دے دی تو سواریاں بہت کم رہ جائیں گی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ بیچے ہوئے کھانے پر دعا فرمادیں تاکہ اللہ کریم اس میں برکت ڈال دے (اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت نہ دیں) آپ ﷺ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ سے کھانے میں برکت کی دعا کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ایک دوسرے خزانہ منگوایا جسے بچھایا گیا۔ ایک شخص کو آپ ﷺ نے منادی کرنے کا حکم دیا کہ جس کے پاس کھانے کو بچھایا ہوا ہے وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرے، لوگ آنے لگے، کوئی کھنکی کی منھی لے آیا، کوئی کسی چیز کا ٹکڑا لے آیا، کوئی آنے کا دے آیا، کوئی بھجور اٹھالایا، کوئی ستولے آیا۔ جب یہ سارا کھانا منع ہوا تو ستائیس صاحب بنا (یعنی تقریباً 108 کلو)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر اس کھانے میں برکت کی دعا فرمائی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں نے اپنے برتن اس کھانے سے بھرے شروع کئے، لکھڑیوں کے پاس جو برتن، بوری، خوری، زنجیل جو کچھ تھا سب کو بھر لیا اور سیر ہو کر کھایا بھی پھر بھی کھانا بچا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سب نے اپنی طاقت کے مطابق کھا بھی لیا اور لے بھی لیا تو وہ کھانا اتنا ہی باقی تھا جتنا پہلے دسترخوان پر جمع کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں، جو یہ کلمہ بغیر کسی شک وارتباب کے کہے گا وہ جنت سے محروم نہیں ہوگا۔ (2)

محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابو نعیم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک سے واپسی پر راستہ میں رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، ہم سب سو گئے اور بیدار اس وقت ہوئے جبکہ سورج چڑھ چکا تھا۔ ہم نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا اٹھو اس صبح کی نماز تو ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس طرح شیطان نے ہم پر غلبہ پانے کی کوشش کی ہے ہم اس پر غلبہ پائیں گے اور اس کا مقابلہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے اس لوٹنے سے انصاف فرمایا جو میرے پاس تھا اور اس میں کچھ پانی بیچ بھی گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے ابوقتادہ لوٹنے میں جو پانی بچا ہوا ہے اس کو محفوظ رکھنا۔ آپ ﷺ نے سورج کے طلوع ہونے کے بعد ہمیں حجر کی نماز پڑھائی، اس میں آپ ﷺ نے سورہ مائدہ کی تلاوت فرمائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اگر لوگ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم کی اطاعت کرتے تو اتنی تکلیف نہ اٹھاتے۔ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم نے لشکر کو آگے پانی پر اتارنے کا مشورہ دیا تھا لیکن دوسرے لوگوں نے صحراء میں جہاں پانی نہیں تھا وہاں اترنے پر اصرار کیا۔ رسول اللہ

ﷺ سوار ہوئے اور زوال کے وقت لشکر سے چائے اور بھی آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ تھے۔ پیاس کی وجہ سے مردوں گھوڑوں اور اونٹوں کی گردنیں ٹوٹ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے ایک پیالہ چلوایا اور اٹانے سے اس میں پانی ڈالا (جو آپ ﷺ کے ہنسو سے بچا تھا اور آپ ﷺ نے اپنے صحابی کو محفوظ کرنے کا حکم فرمایا تھا) پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں مبارک اس پیالہ میں رکھ دیں، ابس آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی نکلتا شروع ہو گیا۔ لوگوں نے جینا شروع کیا تو پانی متواتر نکلتا رہا۔ آدمی بھی سیر ہوئے جانور بھی سیراب ہوئے اور اس وقت لشکر میں بارہ ہزار اونٹ، تیس ہزار افراد اور بارہ ہزار گھوڑے تھے۔ (1)

ابن اسحاق اور محمد بن عمر رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لارہے تھے۔ آپ ﷺ وادی الناقہ میں پہنچے جہاں پانی بہت کم تھا وادی کے بچے بالکل تھوڑا سا پانی نکل رہا تھا جو وادی میں سواروں کے لئے کافی ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ہم سے پہلے اس تھوڑے سے پانی پر پہنچ جائے تو ہمارے پیئنے سے پہلے اس نہ پئے۔ چار مناقح محب بن قیس، عمارت بن یزید، دو لیث بن ثابت اور یزید بن اسلم پہلے پہنچ گئے۔ جب آپ ﷺ اس پانی پر پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ پانی نہیں نکل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ہم سے پہلے کون اس پانی پر آیا ہے؟ آپ ﷺ نے کون مناقحین کے نام بتائے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان پر کو برا بھلا کہا اور ان کے لئے بد دعا کی۔ پھر آپ ﷺ بچے اترے اور آپ نے ہاتھ مبارک اس تھوڑے سے پانی کے نیچے رکھا پھر اپنی انگلیوں کے ساتھ اس پانی کو کس کیا۔ آپ ﷺ کی تسخیل میں وہ تھوڑا سا پانی جمع ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے اس پانی کو اٹھ لیا۔ پھر ہاتھ سے مس کیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی فوراً پانی چھوٹ پڑا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے پانی کے پلنے کی آواز میں نے اس طرح حسنی جیسے کڑک کی آواز ہوتی ہے۔ تمام لوگوں نے حسب طلب پانی پیا، پھر آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا اگر تمہاری زندگی ہوئی تو تم اس وادی کے متعلق سنو کہ گوہ ساری کی ساری سرسبز و شاداب ہے۔ (2)

محمد بن عمرو اور ابو نعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے سیرت نگاروں سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نیلے سے اتر رہے تھے، سخت گرمی کا موسم تھا۔ لشکر پیاس سے بلکہ رہا تھا وہاں پانی بالکل نہ تھا۔ لوگوں نے بارگاہ نبوی ﷺ میں پیاس کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے اسد بن حضیر کو بھیجا اور فرمایا ہو سکتا ہے تمہیں ہمارے لئے کچھ پانی مل جائے، حضرت اسید رضی اللہ عنہ کو ایک گورت کے منگیزہ سے پانی مل گیا۔ اسید رضی اللہ عنہ نے پانی پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا آکھو۔ پینے کے بعد ہر ایک نے اپنا برتن بھر لیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اونٹوں کو لے آؤ، ان کو بھی پانی پلایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسید رضی اللہ عنہ جو پانی لائے تھے اسے آپ ﷺ نے ایک بڑے پیالہ میں اٹھ بیٹے کا حکم دیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس پانی میں اپنا ہاتھ مبارک داخل فرمایا اور اپنے چہرہ، ہاتھوں اور پاؤں کو دھویا۔ پھر آپ ﷺ نے دو رکعت نماز اور فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے اوپر ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، جب دعا ختم ہوئی تو پیالہ سے پانی چشمہ کی طرح چھوٹ رہا تھا۔ حضور ﷺ نے لوگوں کو فرمایا، پھر پانی پھیل گیا۔ لوگوں نے سو سو دو دو سوکھیں ہاتھیں لیں اور خوب سیر ہو کر پیالہ اور پیالہ سے متواتر پانی چھوٹ رہا تھا۔ (3)

1۔ سل الہدی، ارشاد، جلد 5 صفحہ 464 (اعلیٰ) 2۔ سل الہدی، ارشاد، جلد 5 صفحہ 464-65 (اعلیٰ)

3۔ سل الہدی، ارشاد، جلد 5 صفحہ 465 (اعلیٰ)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت فضال رضی اللہ عنہ کے حوالے سے عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرود ہو کر کسی قوم پر تھے تو بڑی مشکل کا سامنا ہوا جانور بالکل تھک گئے۔ لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کی حضور ﷺ اونٹ چلنے سے عاجز آ گئے ہیں، آپ ﷺ نے خود بھی مشاہدہ فرمایا کہ لوگ اونٹوں کو مار رہے ہیں۔ آپ ﷺ ایک ٹھگ جلد میں تھے اور لوگ وہاں سے زور رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اونٹوں پر بھونک ماری اور یہ دعا کی اسے اللہ ان پر تیرے راستہ میں جہاد کرنے والوں کا سامان لا دیا گیا ہے، چیک تو طاقتور اور کرور تر اور شگ، برا اور بکر سوار کرتا ہے۔ وہ اونٹ چلنے رہے جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو نبی کریم ﷺ کے دم فرمانے سے وہ اسٹے طاقتور ہو چکے کہ ہم سے وہ اپنی مہاریں کھینچتے تھے (1)۔ جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو فرمایا یہ طاہر ہے (2) اس حدیث کو بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما نے حضرت جابر ابو عبد اللہ سعدي رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ جب آپ ﷺ نے احد پہاڑ کو دیکھا تو فرمایا اھذا جبل اُخذ بجمعنا ونَجَعنا یہ احد پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ پہنچے تو عورتوں اور بچوں نے یہ شعر پڑھ کر استقبال کیا:

طَلَعَ الْبَلَدُ عَلَيْنَا مِنْ بَيْنَاتِ الْمَوَاقِعِ وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا ذَا اللَّهُ ذَا ع

وہاں کی کھائیوں سے ہم پر جو دعویٰ کا چاند طلوع ہوا، ہم پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے جب بھی دعا کرنے والا دعا کرے (3) ابن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں توک سے وہ ایسی بر لوگوں نے اپنا اٹلہ فروخت کرنا شروع کر دیا اور یہ کہنے لگے کہ اب جہاد تم ہو گیا ہے۔ جب یہ بات حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے اسلحہ پیچھے سے منع فرمایا اور فرمایا جہاد کے نکلنے تک مہری امت کا ایک گروہ جہاد کرتا رہے گا۔ آپ ﷺ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ پہنچے، جبکہ مدینہ سے توک کی طرف 9ھ رجب کے مہینہ میں روانہ ہوئے تھے۔ مدینہ طیبہ اور توک کے درمیان چودہ منزلوں کا فاصلہ ہے۔ انور میں ہے کہ لوگ کہتے ہیں ہم نے حایوں کے ساتھ بارہ مرحلوں میں یہ سفر طے کیا۔ مدینہ طیبہ اور دمشق کے درمیان گیارہ مرحلوں کا سفر ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين.
اللہ تعالیٰ کی توفیق اور حضور نبی رحمت ﷺ کی نظر عنایت سے سورہ توبہ کا ترجمہ بوقت اذان عصر بروز جمعرات 25 ربیع الاول برطانیہ 29 جون 2000ء کو اتمام کو پہنچا۔ ولله الحمد.

اسے زرد لکھ کر کرنے والے، بیکسوں کے چارہ گر، اسے فریادیوں کی فریاد سننے والے، میرے لئے اس سورت کے ترجمہ کو باعث نجات بنا دے اور قیامت کی رسوائیوں سے بچالے اور اسی کے طفیل میری ہر غلطی پر قلم غلو بچیر دے، اور اپنے محبوب کریم ﷺ کی محبت سے نواز دے، یا کریم، یا رب العالمین یا ارحم الراحمین۔ صلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الوہاب الرحیم۔ آمین یا رب العالمین۔